''تصوُّف'' کے موضوع پر مختصر و جامع کتاب

مِنہاجُ العابدین

مُصنِّف

حُجَّۃُ الاسلام حضرت سیدنا امام محمد بن محمد غزالی شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی

المدینۃ العلمیۃ (دعوتِ اسلامی)

شعبہ تخریج

"تصوُّف" کے موضوع پر مختصر و جامع کتاب

مِنْهَاجُ الْعَابِدِیْن

مُصَنِّف

حُجَّةُ الْاِسلَام حضرت سیِّدُنا امام محمد بن محمد غزالی شافعی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْکَافِی (اَلْمُتَوَفّٰی ۵۰۵ھ)

مُتَرجِم

حضرت علامہ مولانا محمد سعید احمد نقشبندی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی (اَلْمُتَوَفّٰی ۱۹۸۶ء)

پیش کش

مجلس اَلْمَدِیْنَۃُ الْعِلْمِیَۃ (دعوتِ اسلامی)
(شعبہ تخریج)

ناشر
مکتبۃ المدینہ باب المدینہ کراچی

www.dawateislami.net

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہ وَعَلٰی اٰلِکَ وَاَصْحٰبِکَ یَاحَبِیْبَ اللّٰہ

نام کتاب: منہاج العابدین

مصنف: حُجَّۃُ الْاِسْلَام حضرت سیِّدُنا امام محمد بن محمد غزالی شافعی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْکَافِی

مترجم: حضرت علامہ مولانا محمد سعید احمد نقشبندی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی

پیش کش: مجلس اَلْمَدِیْنَۃُ الْعِلْمِیَۃ (شعبہ تخریج)

سن طباعت: ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۳۴ھ، ستمبر 2013ء

ناشر: مکتبۃ المدینہ فیضانِ مدینہ باب المدینہ کراچی

مکتبۃ المدینہ کی شاخیں

- ......**کراچی:** شہید مسجد، کھارادر، باب المدینہ کراچی فون:021-32203311
- ......**لاہور:** داتا دربار مارکیٹ، گنج بخش روڈ فون:042-37311679
- ......**سردار آباد:** (فیصل آباد) امین پور بازار فون:041-2632625
- ......**کشمیر:** چوک شہیداں، میرپور فون:058274-37212
- ......**حیدر آباد:** فیضانِ مدینہ، آفندی ٹاؤن فون:022-2620122
- ......**ملتان:** نزد پیپل والی مسجد، اندرون بوہڑ گیٹ فون:061-4511192
- ......**اوکاڑہ:** کالج روڈ بالمقابل غوثیہ مسجد، نزد تحصیل کونسل ہال فون:044-2550767
- ......**راولپنڈی:** فضل داد پلازہ، کمیٹی چوک، اقبال روڈ فون:051-5553765
- ......**خان پور:** دُرانی چوک، نہر کنارہ فون:068-5571686
- ......**نواب شاہ:** چکرا بازار، نزد MCB فون:0244-4362145
- ......**سکھر:** فیضانِ مدینہ، بیراج روڈ فون:071-5619195
- ......**گوجرانوالہ:** فیضانِ مدینہ، شیخوپورہ موڑ، گوجرانوالہ فون:055-4225653
- ......**پشاور:** فیضانِ مدینہ، گلبرگ نمبر 1، النور اسٹریٹ، صدر

E.mail: ilmia@dawateislami.net
www.dawateislami.net

مدنی التجاء: کسی اور کو یہ کتاب چھاپنے کی اجازت نہیں

یاد داشت

دورانِ مطالعہ ضرورتاً انڈر لائن کیجئے، اشارات لکھ کر صفحہ نمبر نوٹ فرما لیجئے، ان شآءَ اللہ عَزَّوَجَلَّ علم میں ترقی ہوگی۔

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

فہرست

عنوان	صفحہ نمبر
اس کتاب کو پڑھنے کی نیتیں	4
اَلْمَدِیْنَۃُ الْعِلْمِیَہ کا تعارف (از امیرِ اہلِ سنّت دَامَتْ بَرَکَاتُہُمُ الْعَالِیَہ)	6
پہلے اسے پڑھ لیجئے!	8
تعارفِ مصنف	10
فہرست کتاب	1
مقدمہ کتاب	15
پہلا باب	36
پہلی گھاٹی: علم کے بیان میں	36
سوال وجواب	48
سوال وجواب	49
دوسرا باب	56
دوسری گھاٹی: توبہ کے بیان میں	56
سوال وجواب	58
سوال وجواب	61
سوال وجواب	62
فصل	72
تیسرا باب	76
تیسری گھاٹی: عَوائقِ اَرْبعہ کے بیان میں	76
پہلا عائق (مانع): دنیا اور جو کچھ اس میں ہے	76
سوال وجواب	79
سوال وجواب	83
دوسری رکاوٹ: مخلوق سے میل جول	87
حکایت	116
سوال وجواب	117
تیسری رکاوٹ: شیطان	112
چوتھا عائق (مانع): نفس	139
سوال وجواب	142
سوال وجواب	142
سوال وجواب	144
سوال وجواب	153
فصلِ اوّل: آنکھ کے بیان میں	163
پہلا اصول	163
دوسرا اصول	167
تیسرا اصول	168
فصلِ دُوُم: کان کے بیان میں	169
تیسری فصل: زبان کے بیان میں	171
پہلا اصول	172
دوسرا اصول	173
تیسرا اصول	174
چوتھا اصول	175
پانچواں اصول	177
پہلی وجہ	178

عنوان	صفحہ نمبر
دوسری وجہ	179
تیسری وجہ	179
چوتھی وجہ	179
چوتھی فصل:	
دل کے بیان میں	180
پہلا اصول	180
دوسرا اصول	181
تیسرا اصول	182
چوتھا اصول	183
پانچواں اصول	184
سوال	187
جواب	188
طولِ امل کا بیان	190
دوسری آفت:	
حسد	198
جلد بازی کے نقصانات	202
کبر کا بیان	204
سوال وجواب	208
امل کی حقیقت کا بیان	208
سوال	211
جواب	212
حسد کی حقیقت کا بیان	213
عجلت کی حقیقت	215
کبر کی حقیقت	215
پانچویں فصل:	
شکم کی حفاظت کے بیان میں	217
پہلی آفت	220
دوسری آفت	221
تیسری آفت	222

عنوان	صفحہ نمبر
چوتھی آفت	222
پانچویں آفت	223
چھٹی آفت	224
ساتویں آفت	225
آٹھویں آفت	226
نویں آفت	226
دسویں آفت	228
فصل	243
ابلیس کے شر سے بچنا ضروری ہے	245
لوگوں سے میل جول کی مذمت	246
مذمت نفس کا بیان	248
فصل	256
آنکھ کی حفاظت	256
زبان کی حفاظت	256
پیٹ کی حفاظت	258
دل کی حفاظت	260
فصل	266
چوتھا باب	272
چوتھی گھاٹی میں:	
یہ گھاٹی عقبۃ العوارض کے نام سے	
موسوم ہے	272
اول عارضہ: رزق	272
توکل کی تعریف	288
توکل پیدا کرنے کا طریقہ	289
دوسرا عارضہ: سفر کے خطرات	300
حکایت	301
تفویض کے معنی	304
تیسرا عارضہ	312
قضاءِ الٰہی پر راضی ہونے کی دوسری وجہ	314

عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
چوتھا عارضہ: مصائب اور تکالیف	318	روزِ قیامت	415
سوال: صبر کی حقیقت	327	جنت اور دوزخ کا بیان	418
جواب	327	فصل	427
صبر کس طرح پیدا کیا جائے؟	328	**چھٹا باب**	430
فصل	328	چھٹی گھاٹی:	
فصل	336	عُقْبَۃُ الْقَوَادِح	340
پہلا نکتہ	336	عجب	447
دوسرا نکتہ	338	عجب کی حقیقت اور معنی	448
تیسرا نکتہ	339	عجب اور ریا سے بچنے کے اصول	453
چوتھا نکتہ	340	پہلا اصول	454
تفویض کا بیان	347	دوسرا اصول	456
رضا بالقضا کا بیان	350	تیسرا، چوتھا اصول	457
صبر کا بیان	354	حکایت	459
صبر ضرر رساں چیزوں کو دور کرتا ہے	355	عجب کا بیان	461
فصل	362	حساب	464
پانچواں باب	369	فصل	469
پانچویں گھاٹی:		فصل	471
عقبۃ البواعث	369	فصل	489
رجاء (امید) کا بیان	372	**ساتواں باب**	494
حکایت	374	ساتویں گھاٹی:	
فصل	380	شکر کے بیان میں	494
اصل اول:		نعمت توفیق اور نعمت عصمت	497
ترغیب وترہیب	385	فصل	505
دوسری اصل:		فصل	523
اللہ تعالیٰ کے افعال	391	فصل	533
تیسری اصل:		اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ثمرہ چالیس عنایات،	
آخرت کے وعدو وعید	409	بیس دنیا میں اور بیس آخرت میں	539
موت کا بیان	409	ماخذ ومراجع	554
قبر اور بعد الموت کا حال	412	اَلْمَدِیْنَۃُ الْعِلْمِیَّۃ کی کتب کا تعارف	556

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ؕ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

”فیضانِ منہاج العابدین“
کے اٹھارہ حُروف کی نسبت سے اس کتاب کو پڑھنے کی ”18 نیّتیں“

فرمانِ مصطفٰی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم: نِیَّۃُ الْمُؤْمِنِ خَیْرٌ مِّنْ عَمَلِہٖ یعنی مسلمان کی نیّت اس کے عمل سے بہتر ہے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی،٦/١٨٥،حدیث:٥٩٤٢)

دومَدَنی پھول: ❁ بغیر اچھی نیّت کے کسی بھی عملِ خیر کا ثواب نہیں ملتا۔
❁ جتنی اچھی نیّتیں زیادہ، اُتنا ثواب بھی زیادہ۔

﴿1﴾ ہر بار حمد وصلوٰۃ اور تعوُّذ و تَسْمِیَہ سے آغاز کروں گا (اسی صَفْحہ پر اُوپر دی ہوئی دو عَرَبی عبارات پڑھ لینے سے اس پر عمل ہو جائے گا) ﴿2﴾ **اللّٰہ** عَزَّوَجَلَّ کی رضا کیلئے اس کتاب کا اوّل تا آخِر مطالعہ کروں گا ﴿3﴾ حَتَّی الْوَسْع اِس کا باوُضُو اور ﴿4﴾ قبلہ رُو مُطالَعہ کروں گا ﴿5﴾ قرآنی آیات اور اَحادیثِ مبارکہ کی زِیارت کروں گا ﴿6﴾ جہاں جہاں **”اللّٰہ“** کا نام پاک آئے گا وہاں ”عَزَّوَجَلَّ“ اور ﴿7﴾ جہاں جہاں **”سرکار“** کا اِسْمِ مبارک آئے گا وہاں ”صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم“ پڑھوں گا ﴿8﴾ اس کتاب کا مطالعہ شروع کرنے سے پہلے اس کے مصنف، مترجم اور جن اسلامی بھائیوں نے اس پر کام کیا ہے ان کو ایصالِ ثواب کروں گا ﴿9﴾ (اپنے ذاتی نسخے پر) ”یادداشت“ والے صَفْحہ پر ضَروری نِکات لکھوں گا ﴿10﴾ (اپنے

ذاتی نسخے پر) عِندَ الضَّرورت (یعنی ضرورتاً) خاص خاص مقامات انڈرلائن کروں گا ﴿11﴾ کتاب مکمّل پڑھنے کے لیے بہ نیّت حُصولِ علمِ دین روزانہ کم ازکم چار صفحات پڑھ کر علمِ دین حاصل کرنے کے ثواب کا حقدار بنوں گا ﴿12﴾ دوسروں کو یہ کتاب پڑھنے کی ترغیب دلاؤں گا ﴿13﴾ اس حدیثِ پاک "تَهَادَوْا تَحَابُّوْا" "ایک دوسرے کو تحفہ دو آپس میں محبت بڑھے گی" (مؤطا امام مالك،٢/٤٠٧،حديث: ١٧٣١،دارالمعرفة بيروت) پر عمل کی نیت سے (ایک یا حسبِ توفیق) یہ کتاب خرید کر دوسروں کو تحفۃً دوں گا ﴿14﴾ جن کو دوں گا حتَّی الامکان انہیں یہ ہدف بھی دوں گا کہ آپ اتنے (مثلاً 126) دن کے اندر اندر مکمّل پڑھ لیجیے ﴿15﴾ اس کتاب کے مطالعہ کا ساری اُمت کو ایصالِ ثواب کروں گا ﴿16﴾ جو مسئلہ سمجھ میں نہیں آئے گا اس کیلئے آیتِ کریمہ: "فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَۙ(۴۳)" (پ ١٤،النحل:٤٣) ترجمۂ کنز الایمان: "تو اے لوگو علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔" پر عمل کرتے ہوئے عُلَماء سے رُجوع کروں گا ﴿17﴾ ہر سال ایک بار یہ کتاب پوری پڑھا کروں گا ﴿18﴾ کتابت وغیرہ میں شَرْعی غلطی ملی تو ناشرین کو تحریری طور پر مُطّلع کروں گا (ناشرین وغیرہ کو کتابوں کی اَغلاط صِرف زبانی بتانا خاص مفید نہیں ہوتا)۔

ہر نیک و جائز کام سے قبل خوب اچھی اچھی نیتیں فرما لینی چاہئیں، مختلف نیک و جائز کاموں کی نیتیں شیخِ طریقت، امیرِ اہلسنّت، بانیٔ دعوتِ اسلامی، حضرت علامہ مولانا ابو بلال، محمد الیاس عطّار قادِری رضوی، ضیائی دامت برکاتہم العالیہ نے اپنی متعدد کتب و رسائل و پمفلٹ اور کارڈ میں موقع کی مناسبت سے تحریر فرمائی ہیں ان کے مطالعہ سے اپنے کاموں میں خوب خوب اچھی نیتیں فرما کر مزید اجر و ثواب حاصل کیجیے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ؕ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

المدینۃ العلمیۃ

از: شیخِ طریقت، امیرِ اہلسنّت، بانیٔ دعوتِ اسلامی، حضرت علامہ مولانا ابوبلال **محمد الیاس عطّار** قادِری رضوی، ضیائی دَامَتْ بَرَکَاتُھُمُ الْعَالِیَہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی اِحْسَانِہٖ وَ بِفَضْلِ رَسُوْلِہٖ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ و الہٖ وسلم

تبلیغِ قرآن وسنّت کی عالمگیر غیر سیاسی تحریک **"دعوتِ اسلامی"** نیکی کی دعوت، اِحیائے سنّت اور اشاعتِ علمِ شریعت کو دنیا بھر میں عام کرنے کا عزمِ مُصمّم رکھتی ہے، اِن تمام اُمور کو بحسنِ خوبی سرانجام دینے کے لئے مُتعدَّد مجالس کا قیام عمل میں لایا گیا ہے جن میں سے ایک مجلس **"المدینۃ العلمیۃ"** بھی ہے جو دعوتِ اسلامی کے عُلَماء و مُفتیانِ کرام کَثَّرَھُمُ اللہُ تعالٰی پر مشتمل ہے، جس نے خالص علمی، تحقیقی اور اشاعتی کام کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ اس کے مندرجہ ذیل چھ شعبے ہیں:

﴿۱﴾ شعبۂ کُتُبِ اعلیٰ حضرت رحمۃُ اللہِ تعالٰی علیہ
﴿۲﴾ شعبۂ درسی کُتُب
﴿۳﴾ شعبۂ اصلاحی کُتُب
﴿۴﴾ شعبۂ تراجمِ کتب
﴿۵﴾ شعبۂ تفتیشِ کُتُب
﴿۶﴾ شعبۂ تخریج

"المدینۃ العلمیۃ" کی اوّلین ترجیح سرکارِ اعلیٰ حضرت اِمامِ

اَہلسنّت، عظیمُ البَرَکت، عظیمُ المرتبت، پروانۂ شمعِ رِسالت، مُجَدِّدِ دین ومِلّت، حامیٔ سنّت، ماحیٔ بِدعت، عالِمِ شَرِیعت، پیرِ طریقت، باعثِ خَیر وبَرَکت، حضرتِ علامہ مولیٰنا الحاج الحافِظ القاری شاہ امام اَحمد رَضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن کی گراں مایہ تصانیف کو عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق حتَّی الْوسع سَہْل اُسلُوب میں پیش کرنا ہے۔ تمام اسلامی بھائی اور اسلامی بہنیں اِس عِلمی، تحقیقی اور اشاعتی مدنی کام میں ہر ممکن تعاون فرمائیں اور مجلس کی طرف سے شائع ہونے والی کُتُب کا خود بھی مطالعہ فرمائیں اور دوسروں کو بھی اِس کی ترغیب دلائیں۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ "دعوتِ اسلامی" کی تمام مجالس بَشُمُول "**المدینۃ العلمیۃ**" کو دن گیارہویں اور رات بارہویں ترقّی عطا فرمائے اور ہمارے ہر عملِ خیر کو زیورِ اخلاص سے آراستہ فرما کر دونوں جہاں کی بھلائی کا سبب بنائے۔ ہمیں زیرِ گنبدِ خضرا شہادت، جنّتُ البقیع میں مدفن اور جنّتُ الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے۔　　اٰمِین بِجَاہِ النَّبِیِّ الْاَمِین صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

رمضان المبارک ١٤٢٥ھ

پہلے اسے پڑھ لیجئے!

''مِنۡهَاجُ الۡعَابِدِيۡن'' عربی زبان میں تصوف کے موضوع پر نہایت ہی عمدہ کتاب ہے جس کے متعدد علماء کرام نے تراجم کئے ہیں پیشِ نظر ترجمہ حضرت علامہ مولانا محمد سعید احمد نقشبندی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ کی بہترین کاوش ہے جس میں آپ نے بڑی مہارت وسلاست سے کام لیا ہے۔

آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ نے ''دارالعلوم محمدیہ رضویہ'' بھکھی شریف تحصیل پھالیہ ضلع منڈی بہاء الدین (پنجاب) سے درسِ نظامی کی تعلیم مکمل فرمائی، پھر آپ نے مرکز الاولیاء لاہور میں سکونت اختیار کی، جہاں آپ نے حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ کی جامع مسجد میں امامت وخطابت کے فرائض کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ ''درسِ قران'' اور ''درسِ کَشۡفُ الۡمَحۡجُوۡب'' کے انوار بکھیرے۔ آپ ایک محنتی اور جہد مسلسل کے دھنی عالمِ دین تھے، آپ کی زندگی درسی اور تعلیمی خدمات کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف میں بھی گزری ہے آپ نے ''مکتوبات امام ربانی''، ''کیمیائے سعادت''، ''منہاج العابدین'' اور ''اشعۃ اللمعات'' جیسی عظیم کتب کے ترجمے کئے ہیں نیز ''مسلک امام ربانی'' جیسی کتاب لکھی جس میں آپ نے حضرت مجدد الف ثانی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ کی تعلیمات اور نظریات کا تحفظ فرمایا۔ آپ کا مزار مبارک مرکز الاولیاء لاہور داتا دربار کے شمال میں واقع ہے۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ان پر رحمت ہو اور ان کے صدقے ہماری مغفرت ہو۔

اٰمِیۡن بِجَاہِ النَّبِیِّ الۡاَمِیۡن صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہ عَزَّوَجَلَّ اس کتاب پر شُعبہ تَخۡرِیۡج (المدینۃ العلمیۃ) کے 5 اسلامی بھائیوں نے کام کرنے کی سعادت حاصل کی بالخصوص سید محمد وقار

عطاری مدنی، ظہور احمد دانش عطاری مدنی، ابنِ حنیف محمد سعید عطاری مدنی نے خوب کوشش کی، کام کی تفصیل درج ذیل ہے:

﴿1﴾ مکمل کتاب کا تقابل ﴿2﴾ اَحادیثِ مبارکہ کی تخاریج ﴿3﴾ تقابلِ آیات و تراجم ﴿4﴾ انبیاء عَلَیۡہِمُ السَّلَام وبزرگانِ دین رَحِمَہُمُ اللهُ الۡمُبِیۡن کے ذکر کے ساتھ جہاں تَرَحُّم وتَرَضِّی (دعائیہ کلمات) کتابت میں رہ گئے ہیں وہاں بریکٹ میں حسبِ حال ان کا اضافہ ﴿5﴾ مکرر پروف ریڈنگ ﴿6﴾ حوالہ جات کی تفتیش ﴿7﴾ قابلِ غور مقامات پر تحقیق ونظرِ ثانی ﴿8﴾ مفید ونا گزیر حواشی ﴿9﴾ آیاتِ قرآنی کی پیسٹنگ ﴿10﴾ حتی المقدور مشکل الفاظ پر اعراب وتسہیل ﴿11﴾ حواشی میں ترجمۂ کنز الایمان کا خصوصی اہتمام ﴿12﴾ حواشی میں بعض مقامات میں کتابت کی اَغلاط کی نشاندہی وتصحیح ﴿13﴾ عربی عبارات، اعلام واماکن پر اعراب کا اہتمام ﴿14﴾ فارمیٹنگ اور فائینل پروف ریڈنگ جیسے اَہم مراحل شامل ہیں۔

پیشِ نظر کتاب میں جو بھی خوبیاں ہیں یقیناً ربِّ رحیم عَزَّوَجَلَّ اور اسکے محبوبِ کریم صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّم کی عطاؤں، اولیائے کرام رَحِمَہُمُ اللهُ السَّلَام کی عنایتوں اور شیخِ طریقت، امیرِ اہلسنّت، بانیٔ دعوتِ اسلامی، حضرت علامہ مولانا ابو بلال، محمد الیاس عطار قادِری رضوی، ضیائی دامَتۡ بَرَکَاتُہُمُ العالِیَہ کی شفقتوں اور پُر خلوص دعاؤں کا نتیجہ ہیں اور جو خامیاں ہیں ان میں ہماری لاشعوری کوتاہ فہمی کا دخل ہے۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ ہمیں اس کتاب سے خوب خوب اِکتسابِ فیض کرنے کی توفیق مرحمت فرما کر اپنے انعام یافتہ بندوں میں شمار فرمائے۔

اٰمِیۡن بِجَاہِ النَّبِیِّ الۡاَمِیۡن صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

شعبۂ تخریج (مجلس المدینۃ العلمیۃ)

تعارفِ مُصنّف

حسب نسب

آپ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْہ کی کنیت ''ابو حامد''، لقب ''حُجَّةُ الْاِسْلَام'' اور نامِ نامی، اسمِ گرامی ''محمد'' بن محمد بن محمد بن احمد طوسی غزالی شافعی رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی ہے۔ (اتحاف السادة المتقين ، مقدمة الكتاب ،۱/۹)

ولادت باسعادت

آپ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْہ ۴۵۰ھ میں خراسان کے ضلع طُوس کے علاقے طابَران میں پیدا ہوئے۔ (اتحاف السادة المتقين، مقدمة الكتاب ،۱/۹)

ابتدائی حالات زندگی

آپ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے والد ماجد حضرت سیدنا محمد بن محمد عَلَیْہِ رَحْمَةُ اللّٰهِ الصَّمَد شہر خراسان ہی میں اُون کات کر بیچا کرتے تھے یعنی پیشے کے لحاظ سے دھاگے کے تاجر تھے، عربی میں ''کاتے ہوئے سوت'' کو ''غَـزْل'' کہتے ہیں اسی نسبت سے آپ کا خاندان ''غزالی'' کہلاتا ہے۔ ابھی آپ اور آپ کے بھائی حضرت سیّدُنا احمد غزالی عَلَیْہِ رَحْمَةُ اللّٰهِ الْوَالِی کم عمر ہی تھے کہ ۴۶۵ھ میں والد محترم وصال فرما گئے۔ انتقال سے پہلے انہوں نے اپنے ایک صوفی دوست حضرت سیّدُنا ابو حامد احمد بن محمد راذکانی قُدِّسَ سِرُّهُ النُّوْرَانِی کو وصیت کی تھی کہ ''میرا تمام اثاثہ میرے ان دونوں بیٹوں کی تعلیم و پرورش پر خرچ کر دیجئے گا۔'' وصیت کے مطابق ان کے والد گرامی کا سرمایہ ان کی تعلیم و پرورش پر صرف کر دیا گیا۔

(اتحاف السادة المتقين، مقدمة الكتاب، ۱/۹)

تعلیم کے لیے سفر

ابتدائی تعلیم اپنے شہر میں ہی حاصل کی جہاں کتب فقہ حضرت سیّدنا احمد بن محمد راذ کانی قُدِّسَ سِرُّہُ النُّوْرَانِی سے پڑھیں 20 سال سے کم ہی کے تھے کہ (ایران کے مشرقی شہر) جرجان تشریف لے گئے وہاں حضرت سیّدنا امام ابونصر اسماعیلی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْوَلِی کی خدمت میں کچھ عرصہ رہے۔ پھر اپنے شہر طوس لوٹ آئے، ۴۷۳ھ میں (ایران کے قدیم شہر) نیشاپور میں حضرت سیّدنا اِمامُ الْحَرَمَیْن امام عبدالملک بن عبداللّٰہ جوینی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْغَنِی (متوفی ۴۷۸ھ) کی بارگاہ میں زانوئے تلمُّذ طے کیا اور ان سے اُصولِ دین، اختلافی مسائل، مناظرہ، منطق اور حکمت وغیرہ میں مہارتِ تامہ حاصل کی، ۴۷۸ھ میں حضرت سیّدنا اِمامُ الْحَرَمَیْن رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے وصال کے بعد ان کی جگہ آپ کو اس منصب اعلیٰ پر فائز کیا گیا، ۴۸۴ھ میں مدرسہ نظامیہ بغداد کے شیخُ الْجَامِعَہ (وائس چانسلر) کا عہدہ آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کو پیش کیا جسے آپ نے قبول فرمالیا۔ چار سال بغداد میں تدریس وتصنیف میں مشغولیت کے بعد حج کے ارادے سے مکہ معظمہ روانہ ہوگئے۔ بقول علامہ ابن جوزی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی (متوفی ۵۹۷ھ) "بغداد میں آپ کی مجلسِ درس میں بڑے بڑے علمائے کرام حاضر ہوتے۔ جو آپ سے اکتسابِ فیض کرتے اور آپ کے بیان پر حیرت کا اظہار کرتے اور آپ کے کلام کو اپنی کتابوں میں نقل کرتے۔" (المنتظم فی تاریخ الملوك والامم، ۹/ ۱۶۸) ایک عرصہ بَیْتُ الْمُقَدَّس میں گزارا، پھر دوبارہ دمشق تشریف لائے اور جامع دمشق کے مغربی منارے پر ذکر وفکر اور مراقبے میں

مشغول ہوگئے۔ملک شام میں 10 سال قیام فرمایا، اسی دوران "اِحْیَاءُ الْعُلُوْم (٤ جلدیں)"، جَوَاهِرُ الْقُرْاٰن، تفسیر یَاقُوْتُ التَّاوِیْل (٤٠ جلدیں)اورمِشْکَاۃُ الْاَنْوَار وغیرہ مشہور کتب تصنیف فرمائیں۔پھر حجاز، بغداداور نیشاپور کے درمیان سفر جاری رہااور بالآخر اپنے آبائی شہر طوس واپس آکر عبادت وریاضت میں مصروف ہوگئے اور تادمِ آخر وعظ ونصیحت، عبادت وریاضت اور تصوف کی تدریس میں مشغول رہے۔

(اتحاف السادة المتقين،مقدمة الكتاب،۹/۱تا۱۱ وشذرات الذهب،۴/۱۴۴تا۱۴۵)

شیخ کامل کی بیعت

حضرت سیِّدُنا امام غزالی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْوَالِی نے دورِ طالب علمی میں حضرت سیِّدُنا شیخ ابوعلی فضل بن محمد بن علی فارمذی طوسی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْوَلِی (متوفی ۴۷۷ھ) کے ہاتھ پر (27 سال کی عمر میں) بیعت کی۔شیخ موصوف بہت عالی مرتبت، فقہ شافعی کے زبردست عالم اور مذاہب سلف سے باخبر تھے اور حضرت سیِّدُنا امام ابوالقاسم قُشَیْرِی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی (متوفی ۴۱۷ھ) کے جلیل القدر شاگردوں میں سے ہیں۔

(اتحاف السادة المتقين،مقدمة الكتاب،۱/۲۶)

باطنی علوم کی تلاش

آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ ۴۷۸ھ تا ۴۸۴ھ سرتاجِ مدارسِ اسلامیہ مدرسہ نظامیہ نیشاپور میں "اِمَامُ الْحَرَمَیْن" پھر ۴۸۴ھ تا ۴۸۸ھ مرکزِ علومِ اسلامیہ مدرسہ نظامیہ بغداد میں "مدرسِ اعلیٰ" کے منصب پر فائز رہے۔سلطانِ وقت اور ملک بھر

کے علماو فضلا آپ کے تبحر علمی کے قائل ہو گئے اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ بادشاہِ وقت سے زیادہ امام صاحب کا سکہ لوگوں کے دلوں پر بیٹھ گیا۔ سلطنت سلجوقیہ کے وزیر اعظم نظام الملک طوسی بنفس نفیس امور مملکت میں آپ سے مشورہ کرتے تھے۔ تمام علوم کی تکمیل کے بعد اولاً امام الحرمین پھر مدرسِ اعلیٰ جیسے عہدوں پر متمکن رہنے کے باوجود آپ کو جس باطنی وروحانی سکون کی تلاش تھی وہ حاصل نہ ہو سکا۔ بغداد جو اس وقت مختلف فرقوں اور باطل مذاہب کے بے جا مناظروں اور مجادلوں کا دنگل بنا ہوا اور فتنہ وفساد کی کیفیت طاری تھی۔ (مقدمہ احیاء العلوم (مترجم از علامہ محمد صدیق ہزاروی مدظلہ العالی)، ۱۹/۱، ملخصاً) آپ نے ان فرقوں کے علوم وعقائد کی تحقیق شروع کی۔ اس تحقیق وجستجو سے اضطراب اور بڑھ گیا مگر جب تصوف پر موجود کتب کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ صرف علم کافی نہیں بلکہ عمل کی ضرورت ہے۔ الغرض روحانی سکون کی خاطر آپ نے منصب تدریس چھوڑ دیا۔ دنیا کی گوناگوں مصروفیات اور رنگارنگی سے بالکل کنارہ کشی اختیار کر لی حتی کہ لباس فاخرہ کے بجائے ایک کمبل اوڑھا کرتے تھے اور لذیذ غذاؤں کی جگہ ساگ پات پر گزر بسر ہونے لگی۔ اپنے شہر طوس پہنچ کر صوفیا کے لئے ایک خانقاہ اور شوقِ علم رکھنے والوں کے لئے ایک مدرسہ تعمیر کیا اور پھر تا دمِ حیات اوراد ووظائف، ریاضت وعبادت، گوشہ نشینی اور تدریس تصوف میں مشغول رہے۔ (مراة الجنان وعبرة اليقظان، ۱۳۷/۳ ملخصًا)

تصنیف وتالیف

حضرت سیّدنا امام محمد غزالی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْوَالِی نے کئی علوم وفنون میں

سینکڑوں کتب ورسائل تصنیف کیے، جن میں سے چند مشہور کتب کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

اِحْیَاءُ عُلُوْمِ الدِّیْن، اَلْاِمْلَاءُ عَلٰی مُشْکَلِ الْاِحْیَاء [و یسمی ایضًا "اَلْاَجْوِبَۃُ الْمُسْکِتَہ عَنِ الْاَسْئِلَۃِ الْمُبْھَتَہ"]، اَلْاَرْبَعِیْن، اَلْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی، اَلْاِقْتِصَاد فِی الْاِعْتِقَاد، اِلْجَامُ الْعَوَام عَنْ عِلْمِ الْکَلَام، اَسْرَارُ مُعَامَلَاتِ الدِّیْن، اَسْرَارُ الْاَنْوَارِ الْاِلٰھِیَّہ بِالْاٰیَاتِ الْمَتْلُوَّہ، اَخْلَاقُ الْاَبْرَار وَ النَّجَاۃُ مِنَ الْاَشْرَار، اَسْرَارُ اِتِّبَاعِ السُّنَّہ، اَسْرَارُ الْحُرُوْف وَ الْکَلِمَات، اَیُّھَاالْوَلَد، بِدَایَۃُ الْھِدَایَہ۔(اتحاف السادۃ المتقین،مقدمۃ الکتاب، ۵۶/۱)

دارِ فنا سے دارِ بقا کا سفر

عمر کے آخری حصہ میں اگرچہ حضرت سیِّدُنا امام غزالی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَالِی کا زیادہ تر وقت عبادت میں گزرتا اور شب وروز مجاہدات وریاضات میں بسر کرتے تھے مگر تصنیف وتالیف کا مشغلہ بالکل ترک نہ فرمایا۔اصولِ فقہ میں آپ کی اعلیٰ درجہ کی تصنیف "اَلْمُسْتَصْفٰی" ۵۰۴ھ کی تصنیف ہے۔اس کے ایک برس بعد آپ نے 55 سال کی عمر میں بروز پیر ۱۴ جمادی الآخر ۵۰۵ھ میں بمقام طابران (طوس) میں انتقال فرمایا اور وہیں مدفون ہوئے۔ (ازاحیاء العلوم (مترجم)، ۱۲/۱ تا ۳۵ ملتقطاً)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ ط

شیخ، صالح، زاہد، علامہ عبدالملک بن عبد اللّٰہ نے فرمایا (اللّٰہ تعالیٰ اُسے بخشے) کہ میرے شیخ امامِ اَجل، نیک بخت، توفیق یافتہ، حُجَّةُ الْاِسْلَام، دین کی زینت، اُمّت کے لیے شرف، ابوحامد محمد بن محمد بن محمد غزالی طوسی (عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللّٰهِ الْوَالِی) نے میرے سامنے یہ کتاب پڑھی اور نقل کی، اللّٰہ تعالیٰ ان کی رُوح کو خوش کرے اور جنت میں ان کے دَرَجات و مراتب بلند فرمائے، یہ امام موصوف کی آخری تصنیف ہے اور مُصَنِّف عَلَیْهِ الرَّحْمَة سے اس کتاب کے سننے کا موقع صرف ان کے خاص اَحباب کو ہی میسر آیا ہے۔

کتاب کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے

سب خوبیاں اللّٰہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام کائنات کا مالک ہے، جس نے تمام موجودات کو اپنی حکمتِ کامِلہ سے ترتیب دیا، جو حکیم، جَوَاد، غالِب اور کریم جیسے اَعلیٰ صِفَاتی اَسماء سے مُتَّصِف ہے جس نے انسان کو بہترین فطرت پر پیدا فرمایا اور زمین و آسمان جیسی عظیم مخلوق کو اپنی قدرتِ کامِلہ سے وجود کا جامہ پہنایا اور جس نے دونوں جہان کے اُمور کو اَحسن طَرِیْق (1) پر چلایا اور جن و اِنس کو صرف اپنی ہی عبادت کے لیے پیدا کیا۔

لِقَائے اِلٰہی (2) کا قصد کرنے والوں کے لیے اس تک پہنچنے کی راہیں کشادہ

---

1 ...... بہترین انداز۔ 2 ...... اللّٰہ تعالیٰ کے قُرب۔

ہیں اور غور وفکر کرنے والوں کے لیے اس کی ہستی پر واضح دلائل موجود ہیں لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہے گمراہ کرے اور جسے چاہے ہدایت کی راہ دکھائے۔

اور قیامت تک حضور پُر نور، سَیِّدِ انبیاء صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پر اور آپ کی آل اور آپ کے اَصحاب پر جو ظاہر و باطن میں طَیِّب وطاہر تھے، اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی طرف سے سلامتی نازل ہوتی رہے اور ہمیشہ آپ کی اور آپ کے متعلقین کی عظمت قائم رہے۔

اَمَّا بَعْدُ! اے عزیز بھائیو! (اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اپنی رضا کا پابند بنائے جو جنَّتِ فردوس کی راہ ہے) خداوند کریم کا ارشاد ہے:

وَاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۹۲﴾ (1) میں ہی تمہارا رب ہوں اس لیے میری ہی عبادت کرو۔

قرآن مجید میں ایک اور جگہ فرمایا:

اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّ كَانَ سَعْیُكُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۲۲﴾ (2) (جنتیوں کو جنت میں داخل ہوتے وقت کہا جائے گا) یہ تمہارا صلہ ہے اور تمہاری کوشش (جو تم نے دنیا میں کی) مقبول ہوئی۔

آیات مُنْدَرَجہ بالا سے معلوم ہوا کہ جنت میں جانا اسی کو نصیب ہوگا جس نے دنیا میں کوشش کی اور کَمَاحَقُّہٗ خدا کی بندگی میں مصروف رہا، اس لیے ہم نے

1 ......ترجمۂ کنز الایمان: اور میں تمہارا رب ہوں تو میری عبادت کرو۔ (پ۱۷، الانبیاء: ۹۲)

2 ......ترجمۂ کنز الایمان: ان سے فرمایا جائے گا یہ تمہارا صلہ ہے اور تمہاری محنت ٹھکانے لگی۔ (پ۲۹، الدھر: ۲۲)

عبادات کی حقیقت میں نظر کی، اس کے طریقوں پر غور کیا، اس کے بنیادی اُمور اور ان مقاصِد میں نظر دوڑائی جو سالکِ راہِ آخرت[1] کو درپیش ہیں، تو غور کرنے سے معلوم ہوا کہ طریقِ عبادت[2] نہایت دشوار اور مشکل ہے، اس راہ میں نہایت تنگ و تاریک گھاٹیاں عبور کرنا پڑتی ہیں، شدید مَشَقَّتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بڑی بڑی آفات راستے میں پیش آتی ہیں اور منزلِ مقصود تک پہنچنے میں بہت مَوَانِع اور رکاوٹیں درپیش ہیں اور طُول وطَوِیل، غَیر مَرْئی[3] مسافتوں کو طے کرنا پڑتا ہے۔

غور کرنے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عبادت کے راستے میں گونا گوں[4] ہلاک اور تباہ کن چیزیں مَخفِی ہیں اور یہ کہ یہ راستہ خطرناک دشمنوں اور ڈاکوؤں میں گھرا ہوا ہے اور یہ کہ اس راستے کی شاخیں اور فُروعات سخت پیچیدہ ہیں مگر اس راستے کا ایسا مشکل اور پیچیدہ ہونا ضروری ہے کیونکہ یہ جنت کا راستہ ہے اور جنت میں پہنچنا کوئی آسان نہیں۔

اور عبادت کا اتنا مشکل ہونا حضور عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے اس ارشاد کی تصدیق کرتا ہے، آپ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) نے فرمایا ہے:

"اَلَا وَ اِنَّ الْجَنَّةَ حُفَّتْ بِالْمَكَارِهِ وَ اِنَّ النَّارَ حُفَّتْ بِالشَّهَوَاتِ"[5] سُن لو! جنت خلافِ نَفس کام کرنے سے حاصل ہوگی اور دوزخ میں لوگ شَہوات کی پیروی کی وجہ سے جائیں گے۔

1...... آخرت کی راہ پر چلنے والے۔
2...... عبادت کی راہوں پر چلنا۔
3...... جو آنکھوں سے دِکھائی نہ دے۔
4...... طرح طرح کی۔
5......الزهد لهناد، باب صفة حر النار، ١/١٧١، حديث : ٢٤٤۔

اِسی بارے میں آپ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) کا دوسرا ارشاد یہ ہے:

"اَلَا وَ اِنَّ الْجَنَّۃَ حَزْنٌ بِرَبْوَۃٍ وَّ اِنَّ النَّارَ سَھْلٌ بِسَھْوَۃٍ"[1] سُن لو کہ جنت اُونچے ٹیلے پر سَنگ لاخ[2] زمین کی طرح ہے اور دوزخ صحن میں نرم و ہموار زمین کے اندر ہے۔ یعنی اَوَّلُ الذِّکر زمین میں کاشت کر کے پھل حاصل کرنا نہایت محنت طلب ہے۔

پھر عبادت سے مُتعلِّقہ مشکلات کے ساتھ ساتھ انسان ایک کمزور مخلوق ہے اور زمانہ طرح طرح کی صُعُوبتوں[3] سے لبریز ہے اور دین کا معاملہ ترقی کے بجائے تَنَزُّل[4] کی طرف رُجوع کر رہا ہے پھر دُنیوی مشغولیتیں بہت ہیں اور عبادت کے واسطے وقت بہت مختصر ہے، اِدھر انسان کی عمر بہت کم ہے اور مزید یہ کہ انسان اَعمالِ صالحہ کی بَجا آوری میں بہت لاپروائی کرتا ہے یعنی خشوع اور خُضوع وغیرہ کا خیال بہت کم رکھتا ہے اور جس ذات نے اَعمال کو پَرکھنا ہے وہ انتہائی بصیر ہے۔ ان تمام پریشانیوں کے ساتھ ساتھ موت ہر ثانِیَہ[5] قریب آرہی ہے اور انسان کو جو سفر درپیش ہے وہ بہت طویل ہے۔

مُندَرِجہ بالا مشکلات میں گھرے ہوئے انسان کو پتہ ہونا چاہیے کہ اس خطرناک اور ضروری سفر کا توشہ صرف عبادت ہے اور سفر میں زَادِراہ کا ہونا ضروری ہے اور اس زَادِراہ کو فراہم کرنے کا وقت اس تیزی سے گزر رہا ہے کہ ہرگز واپس نہیں آئے گا۔ تو جو شخص اس تھوڑے سے وقت میں زادِ آخرت تیار کرنے میں کامیاب ہوگیا سمجھو وہ نجات پاگیا اور اس نے ہمیشہ کی سعادت حاصل کرلی۔

---

1 ......الجامع الصغیر، ص ۱۷۳، حدیث: ۲۸۸۷، بتغیر۔

2 ......سخت۔ 3 ......مشکلات۔ 4 ......زوال/پستی۔ 5 ......پَل/منٹ کا ساٹھواں حصہ۔

لیکن جس احمق نے اس انتہائی قیمتی وقت کو لَہْو ولَعِب [1] میں کھودیا اور زادِ آخرت مہیا نہ کرسکا تو وہ بلاشک ناکام ونامراد رہا اور تباہ وبرباد لوگوں میں سے ہوگیا۔

مذکورہ وجوہات کے باعث یہ عبادت جس قدر مشکل ہے اس سے کہیں زیادہ اَہم بھی ہے اسی لیے اس سفر پر کمربستہ ہونے والے تھوڑے ہیں اور پھر جم کر اِسْتِقْلال [2] سے اس سفر کی مَنازِل طے کرنے والے اس سے تھوڑے ہیں مگر منزلِ مقصود تک پہنچنے والے ہی خدا کو پیارے ہیں، انہی کو اللّٰہ نے اپنی محبت و مَعْرِفَت کے لیے چنا اور منتخب کیا اور انہی لوگوں کو رب تعالیٰ توفیق وعِصْمَت [3] کے ساتھ مضبوط کرتا ہے پھر یہی لوگ جنّتِ فردوس کے مستحق بنتے ہیں اور اس کی رِضا کا مقام پاتے ہیں۔ تو ہم اللّٰہ تعالیٰ سے (جس کا ذکر بلند ہے) اِلْتِجا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اور تمہیں اپنی رحمت سے سعادت مند کرے اور کامیاب لوگوں میں شامل کرے۔

جب ہم نے طریقِ عبادت ورِیاضت کو مذکورہ نوعیت کا پایا اور اس راہ کے قَطْع [4] کرنے کے اسباب پر پورا پورا غور کیا اور ان چیزوں پر غور کیا جن کا انسان فریضۂ عبادت ادا کرتے وقت محتاج ہے، مثلاً عبادت کی اِسْتِعْدَاد [5] اور قوت ہونا، اسے عملی طور پر بجالانا، اس سے متعلق ضروری علم حاصل کرنا اور دیگر ضروری تدابیر اختیار کرنا جو اللّٰہ کی توفیق واِعانَت [6] سے ہی عمل میں لائی جاسکتی ہے اور خدا کی رحمت سے ہی بندہ اس کی مشکل گھاٹیوں کو عبور کرنے میں کامیاب ہوسکتا

1 ...... فضول کاموں۔ 2 ...... مستقل مزاجی۔ 3 ...... پرہیزگاری۔ 4 ...... طے۔
5 ...... طاقت۔ 6 ...... مدد۔

ہے، تو ہم نے سفرِ آخرت کو طے کرنے کے متعلقہ اُمور و اَسباب پر کئی کتابیں لکھیں جیسے "اِحیاءُ عُلُومِ دِین"، "اَلْقُربَۃُ اِلَی اللّٰہ" وغیرہ، جن میں عبادت کے دَقَائق (1) وغَوَامِض (2) پر بحث کی گئی ہے۔ ان کتابوں میں ایسی تحقیقات ہیں جن کو عَامَّۃُ النَّاس (3) کے ذہن نہیں سمجھ سکتے۔ جب عوام ان نَفیس بحثوں کو نہ سمجھ سکے تو انہوں نے اپنی کم فہمی سے ان پر نکتہ چینی شروع کردی اور جو باتیں ان کے ناقِص مَذاق (4) کے مُوافق نہ آئیں، انہیں فُضُول قِیل وقَال (5) کا مَحل بنالیا۔ لیکن اس قسم کی قِیل وقَال کوئی نئی شے نہیں، کیا آپ کو معلوم نہیں کہ رَبُّ الْعٰلَمِیْن کا کلام فَصاحت وبَلاغت اور اُونچے مسائل اور معیاری مَضامِین کے اعتبار سے بے مثل و بے مثال ہے، مگر مُعْتَرِضِیْن (6) نے اس کے متعلق بھی کہہ دیا کہ

اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۲۵﴾ (7) یہ تو اگلے وقتوں کے قصے کہانیاں ہیں۔

اور کیا آپ نے حضرت زَیْنُ الْعَابِدِیْن رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے یہ اَشعار نہیں سنے: ؎

(۱) اِنِّیْ لَاَکْتُمُ مِنْ عِلْمِیْ جَوَاهِرَهٗ ... کَیْلَا یَرٰی ذَاكَ ذُوْ جَهْلٍ فَیَفْتَتِنَا (8)

(۲) وَقَدْ تَقَدَّمَ فِیْ هٰذَا اَبُوْ حَسَنٍ ... اِلَی الْحُسَیْنِ وَوَصّٰی قَبْلَهُ الْحَسَنَا

(۳) یَارَبِّ جَوْهَرُ عِلْمٍ لَوْ اَبُوْحُ بِهٖ ... لَقِیْلَ لِیْ اَنْتَ مِمَّنْ یَّعْبُدُ الْوَثَنَا

---

1 ...... غور و فکر سے سمجھنے والے اُمور۔ 2 ...... غیر واضح اُمور۔ 3 ...... عام لوگوں۔

4 ...... ذوق۔ 5 ...... بحث۔ 6 ...... اِعتراض کرنے والوں۔

7 ...... ترجمۂ کنز الایمان: یہ تو نہیں مگر اگلوں کی داستانیں۔ (پ ۷، الانعام: ۲۵)

8 ...... یہاں لفظ "فَیَفْتَتِنَا" تھا، یہ کتابت کی غلطی ہے کیونکہ اصل عربی متن اور ترجمہ کے لحاظ سے درست لفظ "فَیَفْتَتَنَا" ہے، لہٰذا اس کی تصحیح کردی گئی ہے۔ (علمیہ)

(٤) وَلَاسْتَحَلَّ رِجَالٌ مُّسْلِمُوْنَ دَمِیْ يَرَوْنَ اَقْبَحَ مَا يَاْتُوْنَهٗ حَسَنًا

ترجمہ: (۱) مجھے اپنے کئی علمی جواہر پارے پوشیدہ رکھنے پڑتے ہیں تا کہ جُہلاء ان کی تہ تک نہ پہنچنے کے باعث کہیں فتنہ میں مبتلا نہ کردیں۔

(۲) اور مجھ سے پہلے میرے جدِّ امجد (حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ) بھی امام حسن وحسین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کوفرما گئے ہیں کہ

(۳) اے میرے اللہ! اگر میں اپنے علمی موتی لوگوں کے سامنے ظاہر کردوں تو مجھے یہ کہیں گے کہ یہ تو کوئی بُت پرست ہے۔

(٤) وہ ایسے پُراسرار علوم ہیں کہ ان کوسُن کر مسلمان بھی میرے قتل کے درپے ہوجائیں اور قتل کی اس بدترین حرکت کو درست خیال کریں۔

تو بُزُرگانِ دین نے جن کا دَرگاہِ ایزدِی میں بلند مقام ہے، فضول اِعتراضات کی پروانہ کرتے ہوئے اور تمام اُمّت پر نظرِ کرم فرماتے ہوئے اس موضوع پر کئی کتابیں تصنیف فرمائیں میں بھی اس ذاتِ اَقدس کی طرف مُلْتَجِی ہوا جس کے قبضۂ قدرت میں تمام عالَمِ خَلْق واَمْر [1] کی چیزیں ہیں کہ مجھے ایک ایسی کتاب تصنیف کرنے کی توفیق دے جس پر سب مُتَّفِق ہوں اور جس کو پڑھنے سے تمام کو فائدہ پہنچے تو اس رحیم وکریم ذات نے میری یہ اِلتجا قبول فرمائی اس نے اپنے فضل و کرم سے عبادت کے عجیب وغریب اَسرارو رُموز پر مُطَّلع فرمایا اور مجھے اس کتاب کی عجیب ترتیب وتدوِین کا اِلہام فرمایا[2]، ایسی ترتیب میں کسی اور کتاب کی

1 ...... یہ مادّی دنیا اور ارواح وفرشتوں کی دنیا۔

2 ...... اللہ تعالٰی کی طرف سے میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی۔

تصنیف میں نہیں قائم کرسکا یہ وہ تصنیف ہے جس کی میں خود تعریف کرتا ہوں۔

(فَاَقُوْلُ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْق)

سب سے پہلے بندے کو ربّ کی عبادت کی طرف جو چیز متوجہ کرتی ہے وہ اللہ کی طرف سے بندہ کے دل میں عبادت کا خیال اوراس کی طرف سے نیک اعمال کی توفیق ہے، رب تعالیٰ کے اس قول میں اسی توفیق وخیال کی طرف اشارہ ہے رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَفَمَنۡ شَرَحَ اللّٰہُ صَدۡرَہٗ لِلۡاِسۡلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوۡرٍ مِّنۡ رَّبِّہٖ ؕ (1) خدا تعالیٰ نے جس کا سینہ اسلام کیلئے کھول دیا ہو اس میں خدا کا ایک نور پیدا ہو جاتا ہے۔

اور حضور پُرنور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے بھی اپنے اس ارشاد میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

"اِنَّ النُّوْرَ اِذَا دَخَلَ الْقَلْبَ اِنْفَسَحَ وَ انْشَرَحَ" جب بندہ کے دل میں خدا تعالیٰ کا نور داخل ہوتا ہے تو دل میں وُسعت اور اِنْشِرَاح پیدا ہو جاتا ہے۔

صحابہ کرام (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُم) نے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں عرض کیا: یارسولَ اللّٰہ! (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) اس نور اور خیال کے بندہ میں آنے کی کیا علامت ہے؟ تو آپ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) نے جواب دیا:

"اَلتَّجَافِیْ عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَ الْاِنَابَۃِ اِلٰی دَارِ الْخُلُوْدِ وَ الْاِسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ

1 ...... ترجمۂ کنز الایمان: تو کیا وہ جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا تو وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے۔ (پ۲۳،الزمر:۲۲)

نُزُوْلِ الْمَوْتِ" [1] اس فانی دنیا سے کنارہ کشی، آخرت کی طرف رُجوع، موت آنے سے پہلے موت کی تیاری۔

توسب سے پہلے بندے کے دل میں جب یہ خیال اللہ تعالٰی کی طرف سے اِلقاء ہوتا ہے کہ میں تو اللّٰہ تعالٰی کی قِسم قِسم نعمتوں میں ڈوبا ہوا ہوں جیسے زندگی کی نعمت، قدرت، عقل، بول چال اور دیگر اَعلیٰ صِفات ولَذَّات کی چیزیں اور اس نے میرے لیے ایسے اَسباب بھی مہیا فرمائے جن کے ذریعہ میں اپنے آپ کو تکالیف اور نقصان دہ چیزوں سے محفوظ رکھ سکتا ہوں اور آفات سے اپنے آپ کو بچا سکتا ہوں اور پھر بندہ جب یہ بھی سوچتا ہے کہ جس مُنْعِم [2] نے مجھے یہ نعمتیں عطا کی ہیں وہ مجھ سے ان نعمتوں کا شکر اور اپنی خدمت [3] کا مطالبہ کرے گا اور اگر میں نے نعمتوں پر شکر اور اس کی خدمت نہ کی تو وہ یہ نعمتیں مجھ سے چھین لے گا اور اس ناشکری کی وجہ سے وہ مجھ پر [4] ناراض ہوگا اور ایک روز سزا دے گا۔

اور بندہ جب یہ بھی خیال کرتا ہے کہ اس مُنْعِم نے اپنی مَعْرِفَت وخدمت کے آداب بتانے کے لیے ہماری طرف رسول بھیجے جن کو ایسے ایسے مُعْجِزات عطا کیے جو انسانی عقل وطاقت سے باہر تھے، انہوں نے آکر بتایا کہ اے بندے! تیرا ایک پَرْوَرْدَگار ہے جو ہر شے پر قادر ہے ہر شے کو جانتا ہے ہمیشہ زندہ ہے ہمیشہ سے مُتَکَلِّم ہے، جو چاہے ارادہ فرماتا ہے، اس نے تجھے بعض کام کرنے کا اور بعض

---

1 ......الزهد لابن مبارك، باب الهرب من الخطايا... الخ، ص۱۰۶، حديث:۳۱۵ بتغير و الزهد لوكيع، باب الاستعداد للموت، الجزء الاول(الف)، ص۲۳۷، حديث:۱۵۔

2 ...... نعمت دینے والے۔ 3 ...... عبادت۔ 4 ...... یہاں سے لفظ "غصہ" کو حذف کردیا ہے کیونکہ باری تعالٰی کیلئے لفظ "غصہ" استعمال کرنے کو فتاوی رضویہ، جلد 26، صفحہ 457 پر منع کیا گیا ہے۔ (علمیہ)

نہ کرنے کا حکم دیا ہے، اسے یہ بھی طاقت ہے کہ اگر میں نے نافرمانی کی تو مجھے عذاب دے گا اور طاعت کا نیک صلہ دے گا، وہ میرے تمام پوشیدہ اَسرار کو جانتا ہے اور جو کچھ میری فکر میں آتا ہے وہ اسے بھی جانتا ہے، اور اس نے طاعت کرنے والوں سے ثواب کا وعدہ فرمایا ہے اور نافرمانوں کو عذاب سے ڈرایا ہے اور اس نے اَحکامِ شَرْع کی بَجا آوری مجھ پر لازم کی ہے۔

ان تمام مُنْدَرَجہ بالا چیزوں کا خیال کرنے سے بندہ کے دل میں یہ بات راسخ (1) ہوجاتی ہے کہ میں ایک ممکن (2) اور فانی (3) چیز ہوں، میرے اندر خود کوئی کمال نہیں اور نہ ہی کوئی ذاتی خوبی ہے۔ اپنے متعلق یہ رائے قائم کرنے میں عقلِ انسانی کو زیادہ غور وفکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

تو ان تمام اُمور کا تصور کرنے سے بندے پر اپنے پَرْوَرْدگار کا خوف طاری ہوتا ہے اور وہ گھبرا اُٹھتا ہے، یہی گھبراہٹ بندے کو خوابِ غفلت سے بیدار کرتی ہے اور یہی گھبرا دینے والا تصور اِتْمامِ حُجَّت کرتا ہے اور انسان کے تمام بہانوں کو قَطْع کر کے رکھ دیتا ہے، یہی خیال اسے آیاتِ الٰہی میں غور وفکر کرنے پر مجبور کرتا ہے چنانچہ اس خیال سے ایک سَلِیْمُ الْفِطْرَت انسان چونک جاتا ہے اور اس میں قَلَق واِضْطِراب پیدا ہوجاتا ہے تو بندہ اپنی نجات کی راہ تلاش کرتا ہے اور حصولِ اَمْن کے ذَرائع ڈھونڈتا ہے، کچھ تو اپنے دماغ سے سوچتا ہے اور کچھ دوسروں سے معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

1...... دل میں پختہ۔ 2...... جو پہلے نہ تھا پھر اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے موجود ہوا۔
3...... ختم ہوجانے والی۔

تو بندہ اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں پاتا کہ کائنات میں غور وفکر کرے تا کہ خالق کی مَعْرِفت اور پہچان حاصل ہو اور تا کہ ذاتِ خداوندی کے متعلق جو اس سے غائب ہے علمِ یقین حاصل ہو اور یہ جانے کہ میرا ایک رب ہے جس نے اسے اَمْر و نَہِی کا مُکَلَّف [1] بنایا ہے۔

تو یہ غور وفکر کرنا اور اپنے خالق کے متعلق علمِ یقین حاصل کرنا پہلی گھاٹی ہے جو طَرِیْقِ عبادت میں پیش آتی ہے۔ اسے علم ومَعْرِفَت کی گھاٹی سے مَوسُوم کیا گیا ہے۔ یہ علم ومَعْرِفت اس لیے ضروری ہے تا کہ بندے کو عبادت کے معاملہ میں اَہم معلومات کی واقِفِیّت حاصل ہو اور تا کہ اس راہ کو سوچ بچار اور غور وفکر سے طے کرے۔ یہ سوچ و بچار اور غور وفکر علم ومَعْرِفَت کی گھاٹی میں داخل ہے۔ بندے کو چاہیے کہ آخرت کی طرف راہ نمائی کرنے والے علمائے کرام سے بھی اس عَقَبَہ (گھاٹی) سے متعلق معلومات حاصل کرے۔

ہم نے علمائے آخرت کی تَخْصِیْص اس لیے کی ہے کہ ایسے علماء ہی صراطِ مُسْتَقِیْم کی راہ نمائی کر سکتے ہیں، ایسے علماء ہی اُمَّت کے چشم و چراغ ہیں اور یہی اُمَّتِ مرحومہ کی قیادت کے لائق ہیں، تو سفرِ آخرت کے مسافر کو چاہیے کہ ایسے ہی علماء سے اِسْتِفادَہ کرے [2] اور انہی کی نیک دعائیں لے کیونکہ ایسے پاکیزہ سیرت لوگوں کی دعا ہی دَسْتگِیر اور رحمت وتوفیقِ خُدَاوَنْدِی کا مُوجِب [3] ہوتی ہے تا کہ بندہ ان کی نیک دعاؤں اور رب تعالیٰ کی توفیق کے ذریعہ راہِ آخرت کو طے کر سکے۔

---

1 ...... پابند۔ 2 ...... فائدہ حاصل کرے۔ 3 ...... سبب۔

اس علم ومَعْرِفَت کے ذریعہ ان اُمور کا یقین بھی ہوجائے گا کہ میرا ایک معبودِ بَرحق ہے جس کا کوئی شریک نہیں، اُسی نے مجھے پیدا کیا اور طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا بندے کو اس کا بھی یقین ہوجائے گا کہ اس معبودِ بَرحق نے مجھے ان عطا کردہ نعمتوں کے شکر کا حکم دیا ہے اور ظاہر و باطن میں خدمت وطاعت کا اَمْر[1] فرمایا ہے اور کفر و دیگر مَعَاصی[2] سے روکا اور ان کی سزا سے ڈرایا ہے اور یہ فیصلہ سُنا دیا ہے کہ اگر بندہ اس کی خدمت وطاعت کرے گا تو وہ آخرت میں اسے غیر فانی صلہ اور بدلہ عنایت فرمائے گا اور نافرمانی وسرکشی کرنے والے کو دائمی عذاب[3] میں مبتلا کرے گا، تو یہ یقین ومَعْرِفَت بندے کو اپنے مالک ومولیٰ کی خدمت وطاعت پر اُبھارتے ہیں اور اس آقا کی خدمت کی ترغیب دیتے ہیں جس نے اس کو ہر قسم کی نعمتیں عطا فرمائیں اور بندہ اگر خلوص سے اس آقا کی تلاش کرے تو اسے پا بھی لے اور اس کی پہچان ومعرفت ہوجائے باوجود یہ کہ پہلے اس سے جاہل ہوتا ہے۔

اگرچہ بندہ اس مَعْرِفَت و پہچان سے رب تعالیٰ کی عبادت وخدمت کی طرف راغب ہوتا ہے لیکن اسے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کی عبادت کیسے کی جاتی ہے اور اس کے لیے بندہ کے ظاہر و باطن میں کیا کیا چیزیں ضروری ہیں۔ اس لیے مذکورہ علم ویقین کے ساتھ ساتھ ان فرائض کو سیکھنے کی ضرورت پڑتی ہے جن کا تعلق بندہ کے ظاہر و باطن کے ساتھ ہے، پس بندہ جب فرائض کو اچھی طرح جان لیتا ہے اب انہیں عملی طور پر بجالانے کا ارادہ کرتا ہے۔ جب شروع ہونے لگتا ہے تو

---

1 ...... حکم۔ 2 ...... گناہوں۔ 3 ...... ہمیشہ رہنے والے عذاب۔

اپنے آپ کو طرح طرح کے گناہوں اور مَعاصی سے مُلوث پاتا ہے اور یہ اکثر لوگوں کا حال ہے۔

تو جب بندہ اپنے گناہوں پر نظر کرتا ہے تو دل میں کہتا ہے کہ میں عبادت کی طرف کیسے متوجہ ہو سکتا ہوں؟ جب کہ میں گناہ کرنے پر اَڑا ہوا ہوں اور جب کہ میرا ظاہر و باطن گناہوں کی نجاست سے آلودہ ہے، عبادت کی طرف متوجہ ہونے سے قبل مجھ پر لازم ہے کہ گناہوں سے سچی توبہ کروں تاکہ گناہوں کی نجاست سے پاک ہو سکوں اور مَعاصی کی منحوس قید و بند سے خَلاصی پا سکوں، تاکہ طاعتِ خُدَاوَنْدِی کے لائق ہو سکوں اور اس کی بندگی کی بِساط بچھا سکوں، تو گناہوں سے پاک ہونے کے لیے عبادت کی طرف متوجہ ہونے سے قبل توبہ کی گھاٹی عبور کرنا پڑتی ہے اس گھاٹی کو "عَقَبَةُ التَّوبَة" کے نام سے مَوسوم کیا گیا ہے۔ تو اس بنا پر بندے کو ضروری طور پر اس گھاٹی کو عبور کرنا پڑتا ہے تاکہ اصل مقصود کی طرف متوجہ ہونے کے لائق ہو سکے اس لیے بندے پر لازم ہے کہ پورے اَرکان و شرائط کے ساتھ توبہ کرے اور پوری احتیاط کے ساتھ اس گھاٹی کو عبور کرے، جب توبہ صادِق نصیب ہو جائے اور یہ مرحلہ طے کرلے تو عبادت کی طرف متوجہ ہو۔

مگر جب بندہ توبہ سے فارغ ہو کر عبادت کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو عبادت کو بھی طرح طرح کی رکاوٹوں اور مشکلات میں گھرا ہوا پاتا ہے، ہر رکاوٹ اپنی نوعیت کے اعتبار سے اسے عبادت سے روکتی ہے اور عبادت سے روکنے والی اصل میں چار چیزیں ہیں:

﴿1﴾ دنیا ﴿2﴾ لوگوں سے میل جول ﴿3﴾ شیطان ﴿4﴾ نَفْس۔

لہٰذا پہلے ان چار چیزوں کو راہ سے ہٹانا اور دور کرنا ضروری ہے ورنہ بندہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتا، تو ان چار چیزوں کو چار طریقوں سے دور کرے: ﴿1﴾ دنیا سے قَطْعِ تعلقی کرے ﴿2﴾ لوگوں سے میل جول ترک کرے ﴿3﴾ اِبلیس سے مُحَارَبہ اور جنگ کرے ﴿4﴾ نَفْس پر سختی کرے۔

مگر نَفْس پر سختی کرنا سب سے زیادہ مشکل ہے، نہ تو بندہ اس سے بالکل بے نیاز ہوسکتا ہے اور نہ ہی شیطان کی طرح اس پر حد سے زیادہ سختی کی جاسکتی ہے، کیونکہ عبادت کی منزل طے کرنے کے لیے یہ نَفْس ہی بندے کی سواری اور آلہ و ذریعہ ہے اور اگرچہ نفس عبادت کا آلہ اور ذریعہ ہے مگر عبادات میں اس کی مُوافقت و مُطابَقت کی بھی امید نہیں کی جاسکتی کیونکہ نیک کام کی مخالفت نفس کی جِبِلَّت (1) میں داخل ہے، یہ تو لَہْو و لَعِب کا مُشتاق ہے، اس لیے اس سے کام لینے کے لیے ضروری ہے کہ اسے تقویٰ کی لگام دی جائے تاکہ یہ بندے میں رہے تو سہی مگر مُطیع و فرماں بردار ہو کر نہ کہ سرکش و باغی ہو کر تاکہ حسبِ ضرورت نیک کاموں میں اس سے کام لیا جائے اور فَسادانگیز و ہلاک کُن اُمور سے قید میں رکھا جائے۔

جب بندہ ان چار چیزوں کو راستے سے ہٹادیتا ہے اور خدا کی امداد و اِعانت سے اس مرحلے کو بھی طے کرلیتا ہے اور عبادت کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اب چند اور مَوانع اسے پیش آتے ہیں جو عبادت کے لیے فراغت، دل جمعی اور یکسوئی پیدا

(1)......فطرت وعادت۔

نہیں ہونے دیتے اور یہ مَوانِع (1) بھی تعداد میں چار ہیں:

اوّل رِزْق، کیونکہ نفس اس کا مطالبہ کرتا ہے اور بندے کے دل میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ تیرے لیے رِزْق اور غِذا ضروری ہے اگر تو دنیا سے کِنارہ کَش ہو گیا اور مخلوق سے علیحدگی اختیار کر لی تو تیری غذا اور رزق کہاں سے مہیا ہو گا۔

دوسرا عارِضَہ، وہ خَطَرات و خیالات ہیں جو بندے کے دِماغ میں ہر اُس چیز کے متعلق پیدا ہوتے ہیں جس سے انسان ڈرتا ہے یا جس چیز کی امید رکھتا ہے، جسے پسند یا ناپسند تصور کرتا ہے اسے نہیں معلوم ہوتا کہ اس کام میں میرے لیے بھلائی ہے یا خرابی کیونکہ اُمورِ دنیا کے نتائج پوشیدہ ہیں تو بندہ انہی خیالات میں کھو جاتا ہے اور بسا اوقات پَراگَنْدہ خیالی (2) کے باعث ہلاکت و تباہی میں جا پڑتا ہے۔

یکسوئی سے عبادت کرنے میں **تیسرا عارِضَہ** یہ ہے کہ بندہ جب خلوصِ قلب سے عبادت کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو چاروں طرف سے دُنیوی مصائب و تکالیف اُٹھ کھڑی ہوتی ہیں، خصوصاً جب کہ بندہ خَلْق (3) سے علیحدگی، شیطان سے جنگ اور نفس کی مخالفت کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ تو ان مصائب و مشکلات کو برداشت کرتے وقت کس قدر غصہ پینا پڑتا ہے اور کیسی سختیاں جھیلنی پڑتی ہیں اور کتنے حُزن و مَلال (4) میں گھلنا پڑتا ہے اور کیسی کیسی بھیانک مصیبتیں آتی ہیں۔

عبادت کے سلسلے میں **چوتھا عارِضَہ** قضائے خُداوَنْدی ہے، جو مختلف نوعیّتوں میں بندے پر وَارِد ہوتی ہے یعنی کبھی آرام، کبھی تکلیف اور بندے کا

---

(1) ...... رکاوٹیں۔ (2) ...... بُرے خیالات۔ (3) ...... مخلوق۔ (4) ...... رنج و غم۔

نفس طَبْعاً[1] شرارت و فتنے کی طرف مائل ہے، غصہ میں جلدی آ جاتا ہے۔ تو عبادت میں یکسوئی پیدا کرنے کے لیے ان چار مُنْدَرَجہ بالا عوارِض کی گھاٹی بھی عبور کرنا پڑتی ہے، یہ عَوارِض اَرْبَعَہ چار چیزوں کے ذریعہ دَفْع ہو سکتے ہیں: ﴿1﴾ رزق کے معاملہ میں خدا تعالیٰ پر تَوَکُّل کرے ﴿2﴾ خیالات و تَفَکُّرات کے ہجوم کے وقت اپنے معاملے کو رب کے حوالے کرے ﴿3﴾ تکالیف و مَصائِب پیش آنے پر صَبْر کرے ﴿4﴾ قضائے الٰہی پر راضی رہے۔

جب بندہ اللہ تعالیٰ کے اِذْن، اس کی تائید اور نصرت سے ان عَوارِض اَرْبَعَہ کو قَطْع کر کے عبادت کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اپنے اندر نظر کرنے سے محسوس ہوتا ہے کہ میرا نفس نیک کام کرنے میں بے حس، بے رغبت اور بہت سست ہے، نیک کام کرنے کی اس میں کبھی سچی چاہت پیدا نہیں ہوتی اور نیکیوں کی طرف جس طرح راغب ہونا چاہیے راغِب نہیں ہوتا بلکہ اس کا زیادہ تر رجحان غفلت، نیکیوں سے نفرت، آرام طلبی، لَغْو، بے ہودہ اور جاہلانہ باتوں کی طرف رہتا ہے، اس لیے ایک ایسی چیز کی ضرورت پڑتی ہے جو نفس کو ان خرابیوں سے روکے اور ایسی شے کی ضرورت پڑتی ہے جو اسے اُمورِ خیر کی طرف راغِب کرے اور عبادت کی محبت اور شوقِ عبادت اس میں پیدا کرے۔

تو خرابیوں سے روکنے والی اور نیکیوں کی طرف متوجہ کرنے والی دو چیزیں خُوف و رَجاء ہیں۔

رَجاء تو یہ ہے کہ بندہ طَاعت وعبادت کے صلہ میں بہت بڑے ثواب کی امید

[1] ..... فطری طور پر۔

رکھے اور اللہ تعالیٰ نے جو جنت کی عمدہ عمدہ نعمتیں عطا کرنے کے اس سے وعدے کیے ہیں ان پر اعتماد اور یقین کرے۔ تو اَجْرِ عظیم کی امید اور جنت میں عمدہ عمدہ نعمتوں سے لُطف اَندوز ہونے کا یقین بندے کے لیے نیک کام کرنے کا باعث وذریعہ بنتا ہے، طاعات کی ترغیب دیتا ہے اور دل میں اَعمالِ صالحہ کی تحریک پیدا کرتا ہے اور عبادت کے جذبے کو بیدار کرتا ہے۔

اور خوف یہ ہے کہ انسان ہر وقت رب تعالیٰ کے دردناک عذابوں سے ڈرتا رہے اور ان سزاؤں اور عذابوں کا تصور ذہن میں رکھے جو نافرمانی اور گناہ کرنے والوں کو دیے جائیں گے۔ ایسا خوف جب بندے کے دل میں راسخ ہو جاتا ہے تو بندہ اس خوف کے باعث گناہوں سے باز رہتا ہے اور دل میں گناہوں سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے، چونکہ خوف ورَجاء بندے کو عبادت پر اُبھارتے ہیں اس لیے اس گھاٹی کا نام "عَقَبَةُ الْبَوَاعِث" رکھا گیا ہے۔

جب بندہ خوف ورَجاء کی مُندرَجہ بالا گھاٹی اللہ تعالیٰ کے فَضْل اور اس کی اِمداد واِعانت سے عبور کر لیتا ہے اور اصل مقصود یعنی عبادت کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اب اسے یکسوئی اور دل جمعی سے عبادت کرنے میں کوئی چیز مانع اور عارِض نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنے اندر ایسے اَوصاف پاتا ہے اور ایسے جذبات محسوس کرتا ہے جو اسے عبادت کی طرف ترغیب اور طاعت واَعمالِ صالحہ کی دعوت دیتے ہیں تو اب اسے عبادت کرتے وقت نشاط وسُرور اور لذت وراحت حاصل ہوتی ہے اور عبادت پر دَوام (1) نصیب ہوتا ہے مگر یکا یک دورانِ عبادت دو اور بڑی آفتیں

---

(1)...... ہمیشگی۔

سر نکالتی ہیں، ایک رِیا (دِکھاوا)، دوسری عُجب یعنی اپنے متعلق نیک اور پارسا ہونے کا خیال، چنانچہ کبھی تو اپنی عبادت کو اس طرح خراب اور تباہ کرتا ہے کہ دوسروں پر ظاہر کرتا ہے اور کبھی اپنے آپ کو نیک اور پاکیزہ خیال کر کے اپنی نیکیاں ضائع کر دیتا ہے۔ اس لیے اب اسے یہ گھاٹی عُبور کرنی پڑتی ہے اور اسے ”عَقَبَۃُ الْقَوَادِح“ کہتے ہیں، چنانچہ عبادت میں اِخلاص اور رب تعالٰی کے گُونا گُوں اِحسانات کو ذہن میں ملحوظ رکھتے ہوئے بندہ اس مشکل گھاٹی کو بھی خدا کے فضل وکرم، اس کے اِذن [1] اور اس کی رَحمت سے پوری احتیاط اور دانش مندی کے ساتھ عُبور کرتا ہے تاکہ اس کی نیکیاں رِیا وعُجب وغیرہ جیسی آفتوں سے سالم و محفوظ رہیں۔

جب ان مُندرَجہ بالا دشوار گزار گھاٹیوں سے گزر جاتا ہے تو اب کَمَا حَقُّہٗ [2] عبادت بجالانے کے قابل ہوتا ہے اور اب اس کی بندگی تمام عُیُوب ونَقائِص سے پاک ہوتی ہے لیکن پھر جب بندہ اپنے حالاتِ زندگی پر نظر کرتا ہے تو اپنے آپ کو رب تعالٰی کے بے شمار اِحسانات، بے شمار عطاؤں اور قسم قسم کی نعمتوں میں ڈوبا ہوا پاتا ہے، مثلاً عبادت اور ان مشکل گھاٹیوں کو عبور کرنے کی توفیق، مُضِرَّت رَساں [3] چیزوں سے حفاظت، دوسری مخلوقات پر عظمت وبُزُرگی وغیرہ وغیرہ، تو ان احسانات اور نعمتوں کو یاد کر کے اس کے دل میں خوف پیدا ہوتا ہے کہ کہیں میں ان کے شُکْر سے غافل نہ ہو جاؤں اور کُفْرانِ نعمت [4] کے گناہ میں مبتلا نہ ہو جاؤں اور کُفْرانِ نعمت کے باعث کہیں اس کے مُخْلِص خُدَّام کے بلند رتبہ سے گر نہ جاؤں اور ناشکری

1 ......اجازت۔ 2 ......جیسا کہ اس کا حق ہے۔ 3 ......نقصان دہ۔ 4 ......ناشکری۔

کرنے سے یہ نعمتیں مجھ سے کہیں چھن نہ جائیں اور میں اللہ تعالیٰ کی نظرِ کرم اور اس کے اَلطافِ کریمانہ سے محروم نہ ہو جاؤں، تو اس لیے حمد وشُکْر کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور کثرتِ ذِکْر وفِکْر کے ذریعہ اس "عَقَبَۃُ الْحَمْدِ وَ الشُّکْر" کو عبور کرتا ہے، اس سے فارِغ ہونے کے بعد وہ اپنے آپ کو مقصود کے قریب اور اپنے مطلوب کو سامنے پاتا ہے۔

چنانچہ اس کے بعد مَسافت طے کرنے سے بندہ اللہ تعالیٰ کے اَلطاف [1] کی نرم زمین اور شوق ومحبت کے میدان میں جا پہنچتا ہے پھر رِضاء کے باغات، اُنس کے گلستاں اور روحانی فرحتوں کے مقام پر پہنچ جاتا ہے، اب اِسے خدا کا قُربِ خاص عطا ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ سے مُناجات کرنے والوں کی مجلِس میں جگہ پالیتا ہے اور اس کی طرف سے خاص انعامات واکرامات سے مشرف ہوتا ہے تو بندہ ان نعمتوں سے لُطف اَندوز ہوتا ہے اور اپنی عمر کے بقیہ ایام روحانی راحت وسُرور میں بسر کرتا ہے، یہاں تو ظاہری جسم کے اعتبار سے آرام پاتا ہے اور آخرت میں روحانی اعتبار سے۔

ایسا انسان ہر وقت پیغامِ الٰہی یعنی اس دنیا سے کوچ کرنے کا منتظر رہتا ہے، اس کا دل دنیا سے اُچاٹ ہو جاتا ہے، دنیا کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے، موت کا مشتاق رہتا ہے اور مَلاءِ اَعلیٰ کے ساتھ مُلْحق ہونے کا خواہشمند رہتا ہے، چنانچہ خدا کے قاصِد اچانک اس کے پاس جنت کی خوشخبری اور جنت کے فرشتے جنت کی خوشبوئیں لے کر آنا شروع ہو جاتے ہیں اور اس کو پاک رُوح مُسَرَّت انگیز

1 ......نوازِشوں۔

بِشارَت اور کامل اُنس و پیار کے ساتھ اس دارِ فانی سے جنت کے باغات کی طرف منتقل کرتے ہیں، وہاں یہ مومن اپنی ضعیف و حقیر جان کے لیے دائمی نعمتیں اور بہت بڑا ملک پاتا ہے اور فضل و کرم کرنے والا مہربان رب اسے مَـرۡحَبَـا کہتا ہے، اپنا قُربِ خاص عطا کرتا ہے اور انعام و اِکرام کرتے ہوئے اس سے ملاقات کرتا ہے، یہ مومن بندہ وہاں ایسے انعامات سے نوازا جاتا ہے جن کے بیان سے بیان کرنے والے عاجز ہیں اور صفت [1] کرنے والے جن کی صفت [2] نہیں کرسکتے، اسی طرح اس کو ہمیشہ نئی نئی اور اَعلیٰ اَعلیٰ اور عمدہ عمدہ نعمتیں عطا ہوتی رہیں گی، تو ایسے انسان کو کتنی بڑی سعادت نصیب ہوتی ہے اور یہ مومن کتنی بڑی دولت کا مالک بن جاتا ہے اور کتنی عظیم کامیابی حاصل کرلیتا ہے اور کیسی بلند شان کا حامل بن جاتا ہے، ایسے شخص کو ہزار ہزار مبارک کیونکہ اس کا انجام بہت اچھا ہے، ہم بھی دَرْبارِ اِیزَدِی میں اِلتجا کرتے ہیں کہ ہم پر بھی یہ احسانِ عظیم فرمائے اور ہمیں بھی اس نعمتِ عظمیٰ سے نوازے اور رب تعالیٰ کے لیے یہ کوئی مشکل نہیں۔

ہم دربارِ خداوندی میں یہ بھی دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ان لوگوں میں سے نہ کرے جن کو اس احسانِ عظیم سے زبانی بیان، صرف سننے، سرسری علم اور وقتی آرزو کے سوا حالی طور [3] پر کوئی حصہ نہیں ملا، ہم یہ بھی دعا کرتے ہیں کہ قیامت کے روز ہمارا علم ہم پر حُـجَّت [4] نہ بنے اور اللہ تعالیٰ سے اِلتجا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق دے اور پھر عمل میں اِسْتِقامَت دے، وہی سب سے بہتر رحم و کرم کرنے والا ہے اور ہمارے حضور، دونوں جہان کے سردار مُحَمَّد

[1] ...... تعریف۔ [2] ...... تعریف۔ [3] ...... حقیقی طور۔ [4] ...... ہمارے خلاف دلیل۔

رَّسُوْلُ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پر لاتعداد صلوٰۃ وسلام نازل ہو، اور آپ کے اَصحاب اور آپ کی آل پر بھی اور اللّٰہ تعالٰی انہیں زیادہ سے زیادہ شرف وعزت عطا فرمائے۔

یہ ہے اس کتاب کی ترتیب، جو میرے مولیٰ نے عبادت کے سلسلے میں مجھے اِلہام فرمائی۔

اے عزیز اَز جان! اب تو اللّٰہ تعالٰی کی توفیق سے یہ جان کہ کُل سات گھاٹیاں بنتی ہیں:

پہلی: علم کی۔

دوسری: توبہ کی۔

تیسری: عَوَائِق ومَوَانِع کی۔

چوتھی: عَوَارِض کی۔

پانچویں: بَوَاعِث یعنی عبادت پر اُبھارنے والی چیزوں کی۔

چھٹی: قَوَادِح یعنی ان چیزوں کی جو عبادت میں خرابی پیدا کرتے ہیں۔

ساتویں: حمد وشکر کی۔

اس کتاب "مِنْهَاجُ الْعَابِدِیْن" میں انہی سات عَقَبَات[1] کا ذکر ہے۔

اب ہم ہر ایک کی اس طرح شرح کرتے ہیں کہ الفاظ تو مختصر ہوں مگر تمام ضروری نکتے بیان بھی ہو جائیں، ہم ہر ایک کی شرح علیحدہ علیحدہ باب میں کریں گے اللّٰہ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی ہی توفیق کا دینے والا ہے اور اس کے کرم سے ہی بیان و

1 ......گھاٹیوں۔

عمل میں دُرُستی برقرار رہ سکتی ہے۔ وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْم۔

پہلا باب

پہلی گھاٹی علم کے بیان میں

میں اللہ کی توفیق سے کہتا ہوں کہ اے اِخلاص کی آرزو کرنے والے اور اے سچی عبادت کی طلب کرنے والے، اللہ تعالیٰ تجھے اُمورِ خیر کی توفیق دے۔ سب سے اوّل تجھ پر یہ لازم ہے کہ علمِ شریعت حاصل کرے کیونکہ یہ عبادت کا مَوقُوف عَلَیہ [1] ہے اور اسی پر اس کا دارومدار ہے اور تو جان لے کہ علم اور اس کے مطابق عبادت دو ایسے کمال ہیں کہ مُصَنِّفِین کی تَصْنِیفات، مُعَلِّمِین کی تَعْلِیمیں، وَاعِظِین کے وَعْظ، مُفَکِّرِین کی نظر وفکر وغیرہ جو بھی تم دیکھ یا سن رہے ہو سب کچھ اس علم و عمل میں کمال حاصل کرنے کے لیے ہیں بلکہ اِنْزالِ کُتُب [2]، بِعْثَتِ انبیاء [3]، ساتوں آسمانوں اور زمینوں اور ان کی درمیانی مخلوق کی پیدائش بھی اسی لیے ہے۔

تم قرآنِ مجید کی ان دو آیتوں پر تو ذرا غور کرو:

﴿۱﴾ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴿۱۲﴾ [4]

اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور انہی کے برابر زمینیں، اللہ کا حکم ان کے درمیان اُترتا ہے تاکہ جان لو کہ اللہ سب کچھ کرسکتا ہے اور اللہ کا علم ہر چیز کو مُحِیط ہے۔

---

1 ...... بنیاد۔ 2 ...... آسمانی کتابوں کا نازل کرنا۔ 3 ...... انبیاء عَلَیْهِمُ السَّلَام کا بھیجا جانا۔

4 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اللہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور انہی کے برابر زمینیں حکم ان کے درمیان اُترتا ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ سب کچھ کرسکتا ہے اور اللہ کا علم ہر چیز کو مُحِیط ہے۔ (پ ۲۸، الطلاق : ۱۲)

صرف یہی ایک آیت فضیلتِ علم کے ثبوت کے لیے کافی ہے، خاص کر علمِ توحید کے لیے۔

﴿۲﴾ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (۵۶) [1] میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔

یہ آیۂ کریمہ شرافتِ عبادت کے ثبوت کے لیے کافی ہے، اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ بندے پر اپنے رب کی بندگی لازم ہے، تو اس علم وعبادت کو ہی سب سے زیادہ عظمت والی چیز تصور کرنا چاہیے کیونکہ پیدائش کائنات سے مقصود انہی دو چیزوں میں کمال حاصل کرنا ہے، اس لیے بندے کو چاہیے کہ انہی دو کے ساتھ مشغول رہے، انہی دو کے حصول کے لیے مشقتیں برداشت کرے اور انہی دو میں غور وفکر کرتا رہے۔

اے عزیز! تو یقین کر کہ ان دو کے سوا جو کچھ دنیا میں ہے سب باطل ہے کہ اس میں کوئی بھلائی نہیں اور ان کے علاوہ جو کچھ ہے لَغْوِیات [2] ہے جس سے کچھ حاصل نہیں، جب تیرے ذہن میں علم وعبادت کی اہمیت آ گئی تو اب یہ بات سمجھ کہ علم عبادت سے افضل واشرف ہے اسی لیے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

"اِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ کَفَضْلِیْ عَلٰی اَدْنٰی رَجُلٍ مِّنْ اُمَّتِیْ" [3] عالم کی

1 ......ترجمۂ کنز الایمان: اور میں نے جن اور آدمی اتنے ہی لئے بنائے کہ میری بندگی کریں۔ (پ ۲۷، الذریت : ۵۶)

2 ......فضول۔

3 ......سنن الترمذی، کتاب العلم، باب ماجاء فی فضل الفقه...الخ، ۴/۳۱۳، حدیث:۲۶۹۴، بتغیر۔

فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی میری اپنے اَدْنیٰ اُمتی پر۔

ایک جگہ آپ (صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم) نے فرمایا:

"نَظْرَةٌ اِلَى الْعَالِمِ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ عِبَادَةِ سَنَةٍ صِيَامِهَا وَ قِيَامِهَا"[1] عالم کی طرف ایک بار نظر میرے نزدیک سو برس روزے رکھنے اور سو برس رات کو نوافل پڑھنے سے بہتر ہے۔

ایک اور جگہ آپ (صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم) نے فرمایا:

"اَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى اَشْرَفِ اَهْلِ الْجَنَّةِ قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ هُمْ عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ"[2]

کیا میں تمہیں سب سے زیادہ بلند مرتبہ والے جنتی نہ بتاؤں؟ صحابہ (رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُم) نے عرض کیا: یارسولَ اللّٰه! (صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم) بتائیے، تو آپ (صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم) نے فرمایا کہ وہ میری اُمت کے علماء ہیں۔

مُندَرَجہ بالا اَحادِیث سے ثابت ہوا کہ عبادت سے علم افضل ہے لیکن علم کے ساتھ ساتھ عبادت بھی ضروری ہے بغیر عبادت علم کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ علم درخت کی مانند ہے اور عبادت پھل کی طرح اور درخت کی قدر پھل سے ہوتی ہے، اگرچہ درخت اصل ہے، لہٰذا بندے کے لیے علم وعبادت دونوں کا ہونا ضروری ہے اسی لیے حضرت حسن بصری رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْه نے فرمایا:

"علم کو اس طرح حاصل کرو کہ عبادت کو نقصان نہ دے اور عبادت اس طرح کرو کہ علم کو نقصان نہ ہو۔" اور یہ بڑی پختہ بات ہے کہ علم وعبادت دونوں

1 ......المقاصد الحسنة ،حرف النون ، ص٤٥٤ ، حديث:١٢٥١ ، بتغير ۔

2 ...... تاريخ جرجان للسهمي،حرف الباء ،١/١٦٢،حديث:٢١٥۔

ضروری ہیں مگر پہلے علم حاصل کرنا ضروری ہے کیونکہ علم عبادت کی بنیاد اور اس کا رہنما ہے اسی لیے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

"اَلۡعِلۡمُ اِمَامُ الۡعَمَلِ وَ الۡعَمَلُ تَابِعُہٗ" (1) علم عمل کی بنیاد ہے اور عمل اس کے تابع ہے۔

علم کا عبادت کی اصل ہونا اور اسے عبادت سے پہلے حاصل کرنا دو وجہ سے ضروری ہے:

ایک اس لیے تاکہ بندہ رب کی عبادت کر سکے اور اس عبادت کو تمام عُیُوب ونَقائِص سے محفوظ رکھ سکے کیونکہ بندے پر لازم ہے کہ پہلے اپنے معبود کو پہچانے اور پھر اس کی عبادت میں مصروف ہو، اور بندہ اپنے معبود برحق کی عبادت کر ہی کیسے سکتا ہے جب کہ اسے یہ معلوم نہ ہو کہ اس معبود کے نام کیا ہیں، اس کی صفتیں کیا ہیں اور کون سی چیزیں اس کی شان کے لائق ہیں اور کون سی باتیں اس کی شان کے خلاف ہیں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جہالت کی بنا پر بندہ اپنے معبود برحق کے لیے ایسی صفتوں پر اِعۡتِقاد رکھتا ہے جو قَطۡعًا اس کی شان کے لائق نہیں ہوتیں اور اس سُوۡءِ اِعۡتِقادِی کے باعث عبادت ضائع ہو جاتی ہے، ہم نے اس عظیم خطرے کی پوری طرح شرح اپنی کتاب "اِحۡیَاءُ الۡعُلُوۡم" کے باب سُوۡءِ خاتمہ میں کر دی ہے۔

پھر اے عزیز! تجھ پر لازم ہے کہ ان تمام فرائض وواجباتِ شرعیہ کا علم حاصل کرے جن کا تجھے حکم دیا گیا ہے تاکہ انہیں صحیح طور پر ادا کر سکے اور ان تمام اُمور کا

1 ......الترغیب والترھیب، کتاب العلم، ۱ / ٦٦، حدیث : ۱۰۸۔

بھی علم حاصل کرے جو ناجائز اور خلافِ شَرْع ہیں تاکہ ان سے بچ سکے ورنہ جب تک طاعَت و عبادت کی حقیقت، نوعیت اور کیفیتِ ادا معلوم نہ ہو، اس کی صحیح بجا آوری کیسے ہوسکتی ہے اور جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ یہ یہ چیزیں گناہ ہیں اس وقت تک کیسے ان سے پرہیز ہوسکتا ہے؟

اس لیے پہلے عباداتِ شَرْعِیَّہ جیسے طَہارَت، نَماز، روزہ وغیرہ کی حقیقت، ان کے جُملہ اَحکام اور ان کی تمام شرائط معلوم کرنا ضروری ہیں اور پھر ہی درست طریقہ سے ان کو ادا کیا جاسکتا ہے۔ بے علمی کے سبب بہت ممکن ہے کہ انسان برسوں اور مدتوں ایک ایسے عمل کو نیک خیال کرکے کرتا رہے جو درحقیقت اس کی طہارت اور اس کی نمازوں کو خراب کررہا ہو بلکہ طہارت اور نمازیں خلافِ سنَّت طریقہ پر ادا ہوتی رہیں اور کرنے والے کو بالکل علم نہ ہو اور بعض اوقات ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ جب کوئی مشکل مسئلہ درپیش آئے تو نہ تو وہ خود سیکھا ہو اور نہ ہی بر وقت اسے حل کرنے والا کوئی ملے تو دِقَّت ہوگی۔

پھر ظاہری عبادات وطاعات کی قبولیت کا دارومدار باطنی اَخلاقِ فاضِلہ [1] پر ہے جو دل سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے ان کا جاننا بھی ضروری ہے، جیسے تَوَکُّل کی حقیقت، تفوِیض [2]، رضا، صبر، توبہ اور اخلاص وغیرہ کے مَعانی، جن کا مُفَصَّل ذکر اِنْ شَآءَ اللّٰہ تعالٰی ابھی آئے گا۔ ان کے ساتھ ساتھ ان اُمور کے مَعانی کا جاننا بھی ضروری ہے جو باطِن کے عُیُوب ہیں اور جو تَوَکُّل، صبر اور رضا وغیرہ کی

1 ...... باطن میں موجود اچھی صفات۔
2 ...... سب معاملات اللہ تعالٰی کے سپرد کرنا۔

ضد ہیں، جیسے غصّہ، طُولِ اَمَل[1]، رِیا اور تکبر وغیرہ کیونکہ ان خصائلِ رَذِیلہ[2] سے بچنا بھی لازم اور ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اَخلاقِ فاضِلہ[3] پیدا کرنے اور خصائلِ رَذِیلہ کو دور کرنے کا حکم اپنی کتاب میں واضح طور پر دیا ہے، تَوَکُّل کے متعلق فرمایا:

وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۲۳[4] اور اللہ پر ہی بھروسہ کرو اگر تم ایماندار رہو۔

شکر کے متعلق فرمایا:

وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝۱۷۲[5] اور اپنے رب کا شکر کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔

صبر کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ[6] صبر کرو اور تم اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق سے صبر کرسکتے ہو۔

تَفوِیض کے متعلق یوں ارشاد فرمایا:

وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝۸[7] تمام سے علیحدہ ہو کر صرف اسی کیلئے ہوجاؤ۔

---

1 ......لمبی اُمید۔ 2 ......بُری خصلتوں۔ 3 ......اچھے اَخلاق۔

4 ......ترجمۂ کنز الایمان: اور اللہ ہی پر بھروسہ کرو اگر تمہیں ایمان ہے۔(پ ٦، المائدۃ: ٢٣)

5 ......ترجمۂ کنز الایمان: اور اللہ کا احسان مانو اگر تم اسی کو پوجتے ہو۔(پ ٢، البقرۃ: ١٧٢)

6 ......ترجمۂ کنز الایمان: اور اے محبوب تم صبر کرو اور تمہارا صبر اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔ (پ ١٤، النحل: ١٢٧)

7 ......ترجمۂ کنز الایمان: اور سب سے ٹوٹ کر اسی کے ہو رہو۔(پ ٢٩، المزمل: ٨)

اسی طرح اور بھی کئی آیات ہیں جن میں اَخلاقِ فاضِلہ سے مُتَّصِف ہونے کا حکم دیا گیا ہے تو جس طرح نماز، روزہ وغیرہ ظاہری اَحکام وفرائض آیاتِ قرآنیہ سے ثابت ہیں اسی طرح تَوَکُّل، رِضا اور صبر وغیرہ بھی قرآنِ پاک کی آیات سے ثابت ہیں۔

تو جب تَوَکُّل وغیرہ بھی لازم وضروری ہیں تو صرف نماز، روزہ وغیرہ پر ہی سارا زور دینا اور عمدہ اَخلاق کا حامل نہ بننا درست نہیں کیونکہ دونوں قسم کے ظاہری وباطنی اَحکام کے متعلق ایک ہی رب نے ایک ہی کتاب میں حکم دیا ہے، مگر تم باطنی اَوصاف سے مُطْلَقاً بے خبر ہو چکے ہو اور ایسے لوگوں کے لیے فتوے لکھنے میں مصروف ہو جنہوں نے دنیا کو ہی کعبۂ مقصود ٹھہرا لیا ہے یہاں تک کہ انہوں نے نیکی کو بُرائی کا اور بُرائی کو نیکی کا دَرَجہ دے دیا ہے۔ افسوس! تم ایسے لوگوں کے لیے فتویٰ نویسی میں مشغول ہو کر ان پاکیزہ عُلُوم سے بے پرواہ ہو گئے ہو جنہیں اللّٰہ تعالیٰ نے اپنی مُقَدَّس کتاب میں نور، حکمت اور ہدایت وغیرہ کے الفاظ سے تعبیر [1] فرمایا ہے۔ تم ان لوگوں کے خلاف کچھ نہیں کہتے جنہوں نے کَسْبِ حَرام [2] کو پیشہ بنالیا ہے اور جو رات دن ذلیل دنیا جمع کرنے میں مصروف ہیں۔

اے بھلائی کے دعویدارو! تمہیں اس کا خوف نہیں کہ بڑے بڑے فرائض کو تو پسِ پشت ڈال رہے ہو اور نفل نماز، روزہ وغیرہ میں مشغول ہو، فرائض سے تارِک ہو کر نوافل ادا کرنے والو! ان نوافل کی کوئی وَقْعت نہیں، اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ

---

1 ...... بیان۔ 2 ...... حرام کام۔

تم ایسے گناہ پر قائم ہوتے ہو جو تمہیں دوزخ میں ڈال دے مگر مُباح[1] کھانے پینے اور نیند وغیرہ سے بچتے رہتے ہو جو عبادت میں تم کو تقوِیَت دیتے ہیں تو تمہارا ایسا پرہیز بے معنی اور فضول ہے اور ان تمام سے بدتر یہ ہے کہ تم دُنیَوِی اُمیدوں میں مبتلا ہو حالانکہ دنیا کی اُمیدیں محض[2] گناہ ہیں اور جہالت کی بناء پر تم ان اُمیدوں کو نیّتِ خیر گمان کرتے ہو کیونکہ تم ان دونوں کے فرق سے جاہل ہو تم دُنیَوِی اُمیدوں اور نیّتِ خیر میں اس لیے بھی فرق نہیں کرسکتے کیونکہ یہ دونوں بظاہر ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں۔

بعض اوقات تم بے چین ہوتے ہو اور جزع فزع[3] وغیرہ کرتے ہو اور اسے اللہ تعالیٰ کے دربار میں گڑگڑانا اور عاجزی کرنا خیال کرتے ہو اور کبھی تم محض ریا کررہے ہوتے ہو مگر تمہارا گمان یہ ہوتا ہے کہ ہم اللہ کی حمد کررہے ہیں اور لوگوں کو نیکی کی دعوت دے رہے ہیں، اس طرح تم گناہوں کو نیکیاں اور عذاب کو ثواب سمجھنے لگ جاتے ہو اور ایک بہت بڑے دھوکے میں مبتلا ہو جاتے ہو اور سخت خرابی میں پڑ جاتے ہو، تو خدا کی قسم! بغیر علم عمل کرنے والوں کے لیے سب سے بڑی مصیبت یہی ہے۔

اور پھر ظاہری اَعمال کا باطنی اَوصاف کے ساتھ ایک خاص تعلق ہے اگر باطن خراب ہو تو ظاہری اَعمال بھی خراب ہوں گے اور اگر باطن حَسَد، رِیا اور تکبر وغیرہ عُیُوب سے پاک ہو تو ظاہری اَعمال بھی درست ہوتے ہیں، اگر دل میں اِخلاص ہوگا تو ظاہری عمل بھی ٹھیک ہوگا اور اگر باطن میں رِیا ہو تو ظاہری عمل بھی

1 ......جائز۔ 2 ......سراسر۔ 3 ......رونا پیٹنا۔

نادرست ہوگا، اسی طرح اگر کوئی اپنے اَعمالِ صالحہ کو رب تعالیٰ کا فضل و کرم سمجھے تو ٹھیک ہے اور اگر انہیں اپنا ذاتی کمال تصور کرے تو خود ستائی[1] کے باعث وہ اَعمال برباد ہو جاتے ہیں اس لیے جب تک باطنی اُمور کا ظاہری اَعمال سے تعلق، باطنی اَوصاف کی ظاہری اَعمال میں تاثیر اور اَوصاف باطنی کے ذریعہ ظاہری اَعمال کی حفاظت کی کیفیت وغیرہ کا پتہ نہ چلے ظاہری اَعمال بھی درست نہیں ہو سکتے اور جہالت و بے عملی کے باعث نہ تو ظاہری اَعمال میں درستی پیدا ہو سکتی ہے اور نہ ہی باطنی اَخلاقِ فاضِلَہ یا خصائلِ رَذِیلَہ کا پتہ چل سکتا ہے اور عمل کرنے والے کے ہاتھ میں سوائے مَشَقَّت اور میل کچیل کے کچھ نہیں آتا اور یہی سب سے بڑا خسارہ اور نقصان ہے اسی لیے سرکارِ دوعالم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے علم کی شان میں فرمایا:

"اِنَّ نَوْمًا عَلٰی عِلْمٍ خَیْرٌ مِّنْ صَلٰوۃٍ عَلٰی جَھْلٍ"[2] عالم کا سونا جاہل کی نماز سے بہتر ہے۔

کیونکہ علم کے بغیر عمل کرنے والے کے اَعمال اکثر اوقات بجائے دُرُستی اور ثواب کے خراب اور باعثِ عذاب بن جاتے ہیں علم کی شان میں حضور نبی کریم، رَءُ وْفٌ الرَّحِیْم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے یہ بھی فرمایا:

"اِنَّہٗ یُلْھَمُہُ السُّعَدَاءُ وَ یُحْرَمُہُ الْاَشْقِیَاءُ"[3] علم سعادت مندوں کو نصیب ہوتا ہے اور شقی[4] لوگ اس نعمت سے محروم رہتے ہیں۔

---

[1]...... اپنی ہی تعریف کرنے۔

[2]...... فردوس الاخبار، باب النون، ۲/۳٦۵، حدیث: ۷۰۰۰۔

[3]...... جامع بیان العلم وفضلہ، باب جامع فی فضل العلم، ص۷۸، حدیث: ۲٤۰ وحلیۃ الاولیاء، ۳٦_معاذ بن جبل، ۱/۳۰۳، رقم: ۸۰۹۔

[4]...... بدنصیب۔

اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ بے علم کی شَقَاوَت [1] یہ ہے کہ اس نے علم تو سیکھا نہیں ہوتا خالی عبادت کی مَشَقَّت اور دِقَّت اُٹھاتا ہے تو ایسی عبادت سے سوائے جسمانی مشقت کے کچھ ثواب وغیرہ نہیں ملتا، باعمل اور زاہد علماء چونکہ علم و عمل کے جامع ہوتے ہیں اس لیے ان کا درجہ خدا تعالیٰ کے ہاں باقی تمام لوگوں سے زیادہ ہوتا ہے اور علم ہی اس بلندیٔ مرتبہ کی اصل ہے کیونکہ علم طاعت و عبادت کا مَوقُوف عَلَیہ [2] ہے اور اسی پر اَعمال کا دارومدار ہے، اہلِ بصیرت اور اَصحابِ توفیق و تائید [3] نے یوں ہی اس مضمون کو بیان فرمایا ہے اور وہ پوری طرح اس معاملہ کی تہ کو پہنچے ہیں۔

مُندَرَجہ بالا بیان سے یہ بات واضح ہوگئی کہ عبادت نہ تو علم کے بغیر کی جا سکتی ہے اور نہ ہی سالم [4] رہ سکتی ہے تو ثابت ہوگیا کہ صحیح طریقہ سے عبادت بجالانے کے لیے پہلے علم حاصل کرنا لازم اور ضروری ہے۔

عبادت سے علم کے مُقَدَّم [5] ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ علم سے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کی ہیبت پیدا ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا ؕ [6] اللہ کا خوف علماء کے دلوں میں ہی ہے۔

یہ اس لیے کہ جس کو خدا تعالیٰ کی مَعْرِفَت نہیں ہوتی اس کے دل میں خدا کا

---

1 ...... بدنصیبی۔ 2 ...... بنیاد۔ 3 ...... وہ لوگ جنھیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے خصوصی تائید و توفیق حاصل ہے۔ 4 ...... درست۔ 5 ...... پہلے۔

6 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔

(پ ۲۲، فاطر: ۲۸)

خوف نہیں ہوتا اور نہ ہی ایسا شخص صحیح معنوں میں رب تعالیٰ کی تعظیم وطاعت بجالا سکتا ہے، تو علم سے ہی رب کی معرفت اور پہچان ہوگی اور علم کے ذریعے ہی اس کی عظمت وہیبت دل میں بیٹھے گی پس علم سے ہی تمام طاعات وعبادات کا پھل ملتا ہے اور علم کے باعث ہی انسان ہر قسم کی مَعْصِیَت [1] سے بچ سکتا ہے اور یا پھر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اور عبادت سے مقصود بھی تو یہ دو ہی چیزیں ہیں: ایک اس کی معرفت اور دوسری دل میں اس کا خوف اور ہیبت۔ اس لیے اے راہِ آخرت کے سالِک! [2] سب سے اول تیرے لیے علم حاصل کرنا لازم اور ضروری ہے، اور اللہ ہی توفیق کا مالک ہے ہر وقت یہ دُعا کرنی چاہیے کہ اس کا فَضْل اور اس کی رحمت سب کے شاملِ حال رہے۔

شاید تم کہو کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ہے کہ "طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَۃٍ" [3] علم کی تلاش ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے۔

تو وہ کون سا علم ہے جس کی تلاش لازم اور ضروری ہے اور دُرُستی عبادت کے لیے کتنے علم کی ضرورت ہے؟ تمہارے اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جن علوم کی طَلَب فرض ہے وہ تین علم ہیں:

﴿1﴾ علمِ توحید ﴿2﴾ علمِ سِر یعنی جس علم کا تعلق دل اور دل کے مُتَعَلِّقَات سے ہے ﴿3﴾ علمِ شریعت، لیکن ان تین علوم سے اتنی مقدار لازم اور ضروری ہے جس

1 ...... گناہ۔ 2 ...... طریقت کے راستے پر چلنے والے۔

3 ...... سنن ابن ماجه، كتاب السنة، باب فضل العلماء...الخ، ١/١٤٦، حديث: ٢٢٤۔

سے لازم وضروری اُمور کی پوری پوری معرفت ویقین ہو جائے۔

علمِ توحید سے اتنا ضروری ہے جس سے دین کے اُصول معلوم ہو جائیں وہ اصول یہ ہیں کہ

تمہیں یہ معلوم ہو کہ ہمارا ایک معبود برحق ہے جو ہر شے کو جانتا ہے اور تمام مُمکِنَات پر اسکی قدرت حاوی ہے، جو چاہے ارادہ کرتا ہے، ہمیشہ زندہ ہے، اَزَل سے مُتَکَلِّم ہے، سب کچھ دیکھتا اور سنتا ہے، ایک ہے کوئی اسکا شریک نہیں، وہ تمام صِفاتِ کَمالِیہ سے اَزَلاً اَبَدًا مُتَّصِف ہے، ہر عَیب ونَقْص سے مُنَزَّہ وپاک ہے، اس پر کبھی زَوال نہیں آسکتا، اِمکان کے شائبے سے پاک ہے اور قدیم بھی صرف وہی ہے۔

اور یہ بھی یقین کرے کہ حضرت محمد صَلَّی اللّٰہ تَعالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم اللّٰہ تعالیٰ کے خاص بندے اور رسول ہیں اور جو اَحکام آپ خدا کی طرف سے لائے سب حق ہیں اور آخرت کے بارے میں جو خبریں آپ نے دی ہیں سب حق ہیں پھر ان تمام اَحکام ومسائل کو بھی معلوم کرے جو سنَّت ہیں تاکہ خلافِ شَرْع کاموں اور بدعات سے محفوظ رہے، اس لیے کہ بدعت میں مبتلا ہو کر انسان سنَّت کی پیروی سے محروم ہو جاتا ہے اور دین خطرے میں پڑ جاتا ہے۔

دَلائلِ توحید کے اُصول وکُلِیّات کتابُ اللّٰہ میں موجود ہیں اور ہمارے مَشائخ (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) نے اُصولِ دِیانات [1] کی کتابوں میں ان دلائل کو وضاحت سے لکھا ہے۔

---

1 ......اُصولِ عقائد۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس چیز سے جاہل رہ کر گمراہی میں پڑنے کا خطرہ ہو اس کا علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ علم کی اہمیت کو اچھی طرح ذہن نشین کرو اور توفیق اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

اور علمِ سِر سے اس قدر جاننا ضروری ہے جس سے صفائی قلب کے اسباب معلوم ہو جائیں اور یہ معلوم ہو جائے کہ کس کس چیز سے دل کو پاک کرنا ضروری ہے تا کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی ہیبت اور تعظیم اور اَعمال میں اِخلاص پیدا ہو نیز ان اُمور کو جاننا بھی ضروری ہے جن سے نیت درست رہ سکے اور ظاہری و باطنی اَعمال وعبادات، ظاہری و باطنی آفات سے محفوظ رہ سکیں اور ان سب اُمور کا بیان اِنْ شَآءَ اللّٰه تَعَالٰی ہماری اس کتاب میں آئندہ آئے گا۔

اور علمِ شریعت سے اس قدر جاننا ضروری ہے جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ یہ اُمور ضروری ہیں تا کہ انہیں ادا کیا جا سکے، جیسے نماز، روزہ وغیرہ، مگر حج، زکوۃ اور جہاد وغیرہ کے اَحکام و مسائل ان کو جاننے لازم ہیں جن پر یہ فرض ہوں اور جن پر یہ چیزیں فرض نہیں ان پر ان کی جُزئِیَّات اور ان کی تفصیلات جاننا لازم نہیں۔ ان تین علموں سے بس اتنا جاننا لازم و ضروری ہے جو ہم نے بیان کر دیا ہے۔

سوال: کیا علمِ توحید میں ان تفصیلات و دلائل کا معلوم کرنا بھی ضروری ہے جن سے مَذاہِبِ باطِلَہ کی تَردِید ہو سکے اور جن سے حَقَّانِیّتِ اسلام ان پر ثابت کی جا سکے اور جن دلائل سے تمام بِدعات کو باطل ثابت کیا جا سکے اور سُنَنِ نَبَوِیَّہ کی حَقَّانِیَّت واضح کی جا سکے؟

جواب: اے عزیز! ان تمام تفاصیل کا جاننا فرضِ کِفایہ ہے یعنی تمام پر لازم نہیں، ہاں! تم پر اتنا جاننا ضروری ہے جس سے تمہارے عقائد درست رہ سکیں اور بس۔ تم پر یہ لازم نہیں کہ علمِ توحید کی تمام فُرُوعات اور اس کی باریکیاں اور دیگر مُتَعَلِّقہ اُمور کو جانو، ہاں اگر کہیں دین کے بنیادی مسائل میں تمہیں شبہ لاحق ہو یا لاحق ہونے کا خوف ہو تو مختصر گفتگو سے کسی دوسرے شخص سے یہ شبہ حل کرا سکتے ہو مگر جھگڑے و جِدَال وغیرہ سے ہمیشہ پرہیز کرو کیونکہ جھگڑا و جِدَال ایک مُہلِک مرض ہے جسکا کوئی علاج نہیں اس لیے ہمیشہ اس سے بچو کیونکہ جو شخص اس مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے اگر اللہ تعالٰی کی رحمت و مہربانی شاملِ حال نہ ہو تو اسکا محفوظ رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔

پھر اے عزیز! یہ بھی جان لے کہ جب دنیا کے ہر علاقے میں اہلِ سنّت و جماعت کے مُبَلِّغِین و عُلَماء موجود ہیں جو گمراہ فرقوں کے رَد میں مصروف ہیں اور وہ اس فَنِّ تَردِید میں ٹھوس معلومات کے مالک بھی ہیں اور گمراہوں کے وَسَاوِس و شُبہات سے اہلِ حق کے سینوں کو پاک کرتے رہتے ہیں۔ تو تمہارے ذِمّے سے ان تفصیلات میں پڑنا ساقِط ہو گیا۔

اسی طرح علمِ سِر کے دَقائِق معلوم کرنا بھی ضروری نہیں اور نہ ہی تمام عجائبِ قلب کی تہ تک پہنچنا لازم ہے صرف اس قدر معلومات ضروری ہیں جن سے عبادت کو ہر قسم کے عُیُوب ونَقائِص سے محفوظ رکھا جاسکے اور جن کے ذریعہ عبادات کو مکمل طریقہ سے ادا کیا جاسکے، جیسے اخلاص، حمد، شکر اور تَوَکُّل وغیرہ کی حقیقت، اس کے علاوہ زائد معلومات میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔

اسی طرح علمِ شریعت کے اندر تمام بَیْع ، شِرَاء ، اِجَارَہ، نکاح، طلاق اور جِنَایَات وغیرہ کے مسائل سیکھنے بھی تمام پر لازم نہیں بلکہ ان تفصیلات کا علم بھی فَرضِ کِفَایَہ ہے۔

سوال: کیا علمِ توحید کی ضروری معلومات اُستاد سے سیکھے بغیر صرف اپنی نظر وفکر سے حاصل ہوسکتی ہیں؟

جواب: اس سلسلے میں اُستاد سے اِسْتِعَانَت [1] ضروری ہے کیونکہ وہ مشکل مقامات کو واضح کرتا ہے اور علمی پیچیدگیوں کو آسان کرتا ہے اس کی رہنمائی میں انسان عُلوم کی تَحصِیل آسانی وسہولت سے کرسکتا ہے اور جس شخص پر خدا کا خاص احسان ہوتا ہے اُسے ہی دین کے مُعَلِّم بننے کا شرف عطا ہوتا ہے۔

پھر اے عزیز! تو یہ بھی جان لے کہ علم کی گھاٹی اگرچہ بہت سخت گھاٹی ہے مگر اس کے بغیر مطلوب ومقصود کا حصول بھی ناممکن ہے اور اگرچہ اس کا نفع بہت ہے مگر اس گھاٹی سے گزرنا بھی دشوار ہے اور اس میں بڑے بڑے خَطَرات ہیں، کتنے ہی ایسے ہیں جنہوں نے علم حاصل نہ کیا تو گمراہ ہوگئے اور کتنے ہی ایسے ہیں جو اس راہ پر چلے مگر راستے میں پھسل گئے اور اس میں کتنے ہی گھومنے والے حیرانی کا شکار اور ہزاروں اس راستے پر چلنے والے لاپتہ ہوگئے اور کتنے ہی ایسے ہیں جو اس گھاٹی کو طے کرنے کے درپے ہوئے تو اللہ تعالیٰ کی اِمداد سے تھوڑے ہی وقت میں منزلِ مقصود پر جا پہنچے اور بعض وہ ہیں جو ستر سال سے اس منزل کو طے کرنے میں مصروف ہیں اور ہر چیز کا اختیار درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

[1] ……مدد لینا۔

لیکن جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے علم کا نفع بہت زیادہ ہے کیونکہ بندہ عبادت کے معاملہ میں علم کا سخت محتاج ہے اور عبادت کی دیوار علم پر ہی قائم ہوتی ہے، خاص کر علمِ توحید و علمِ سِر پر، علم کے متعلق یہ روایت آئی ہے کہ ایک دفعہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام کی طرف وحی فرمائی کہ

"یَا دَاوٗدُ تَعَلَّمِ الْعِلْمَ النَّافِعَ فَقَالَ دَاوٗدُ وَ مَا الْعِلْمُ النَّافِعُ فَقَالَ اَنْ تَعْرِفَ جَلَالِیْ وَ عَظَمَتِیْ وَ کِبْرِیَائِیْ وَ کَمَالَ قُدْرَتِیْ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ فَاِنَّ ھٰذَا الَّذِیْ یُقَرِّبُکَ اِلَیَّ"

اے داؤد! علمِ نافع حاصل کر، آپ نے عرض کیا: نافع علم کون سا ہے؟ تو رب تعالیٰ نے فرمایا: علمِ نافع وہ ہے جس سے تجھے میرے جلال، میری عظمت، میری بڑائی اور ہر شے پر میری کمال قدرت کا پتہ چلے کیونکہ ایسا علم ہی تجھے میرے قریب کرسکتا ہے۔

اور سیدنا حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ میں نابالغی میں ہی فوت ہو جاتا اور جنت میں داخل کر دیا جاتا اور بڑا ہو کر خدا کی مَعرِفت حاصل نہ کرتا اور یہ اس لیے کہ جس کو اللہ تعالیٰ کی مَعرِفت زیادہ ہو گی اس میں خدا کا خوف بھی زیادہ ہو گا اور جس کو خوف زیادہ ہو گا وہ عبادت زیادہ کرے گا اور جو عبادت زیادہ کرے گا اس کا تعلق بھی اللہ کے ساتھ زیادہ خالص ہو گا۔

لیکن علم حاصل کرتے وقت سب سے زیادہ خُلوص کو نگاہ میں رکھنا چاہیے، اور رِوَایت کی نسبت دِرَایت کو زیادہ طلب کرنا چاہیے کیونکہ علم میں خطرات بھی بہت ہیں، اس لیے کہ جو شخص اس غرض سے علم حاصل کرے کہ لوگ اس کی طرف

توجہ کریں اور علم کے ذریعے اُمراء کی ہمنشینی حاصل ہو اور تاکہ علم کے سبب بحث و مُناظرہ کرنے والوں کے سامنے فخر و شیخی کرے اور ذلیل دنیا کو جمع کرے تو ایسے شخص کی نیّت فاسِد ہے اور اس کی یہ تجارت تباہ اور اس کا لین دین نقصان دہ ہے، سرکارِ دو عالَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

"مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُفَاخِرَ الْعُلَمَاءَ اَوْ لِيُمَارِیَ بِهِ السُّفَهَاءَ اَوْ لِيَصْرِفَ بِهٖ وُجُوْهَ النَّاسِ اِلَيْهِ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ النَّارَ" (مشکوۃ) [1] جو شخص اس لیے علم حاصل کرے تاکہ علماء کے سامنے فخر کرے یا بے وقوفوں کے ساتھ علم کے ذریعہ جھگڑے یا لوگوں کی توجہ اپنی طرف پھیرے تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ میں ڈالے گا۔

حضرت بایزید بِسطامی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ نے فرمایا:

"عَمِلْتُ فِی الْمُجَاهَدَةِ ثَلَاثِيْنَ سَنَةً فَمَا وَجَدْتُ شَيْئًا اَشَدَّ عَلَیَّ مِنَ الْعِلْمِ وَ خَطَرِهٖ" میں نے تیس سال مُجاھَدَہ کیا تو علم اور اس کے خطرات سے زیادہ سخت کسی چیز کو نہ پایا۔

اور اس بات سے بھی بچنا کہ شیطان کہیں تمہارے ذہن میں یہ وہم نہ ڈال دے کہ جب علم میں اتنے خطرات ہیں تو اسے حاصل ہی نہیں کرنا چاہیے، ایسا وہم درست نہیں کیونکہ حضور عَلَیْہِ السَّلام سے مروی ہے کہ آپ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) نے فرمایا:

"اُطْلِعْتُ لَيْلَةَ الْمِعْرَاجِ عَلَی النَّارِ فَرَاَيْتُ اَكْثَرَ اَهْلِهَا الْفُقَرَاءَ قَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مِنَ الْمَالِ؟ قَالَ لَا بَلْ مِنَ الْعِلْمِ" [2] معراج کی رات میں نے اہلِ دوزخ کو دیکھا تو مجھے

---

1 ......سنن الترمذی، کتاب العلم، باب ماجاء فیمن یطلب...الخ، ۲۹۷/۴، حدیث:۲۶۶۳، بتغیر۔

2 ......روح البیان، النساء، تحت الآیۃ:۱۶۲، ۳۲۲/۲، بتغیر۔

ان میں فقیر و محتاج زیادہ نظر آئے۔ صحابہ (رَضِیَ اللّٰہُ تعالٰی عَنہُم) نے عرض کیا: کیا مال و دولت کے محتاج؟ تو آپ (صَلَّی اللّٰہُ تعالٰی عَلَیہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) نے فرمایا: نہیں، بلکہ علم کے محتاج۔

تو جو شخص علم نہ سیکھے وہ عبادات اور ان کے ارکان ٹھیک طریقہ سے ادا نہیں کرسکتا، بِالفَرض اگر کوئی شخص تمام آسمانوں کے فِرِشتوں جتنی عبادت کرے مگر علم نہ ہو تو وہ خسارے میں ہی رہے گا۔

اس لیے جس طرح بھی ہو علم ضرور حاصل کرو اور اس کے حاصل کرنے میں پریشان اور سُست نہ بنو، ورنہ گمراہی کے خَطرات سے دوچار ہو جاؤ گے، ہر قسم کی گمراہی سے اللہ کی پناہ۔

پھر جب تم اللہ تعالیٰ کی کاریگری میں غور کرو گے اور خوب گہری نظر سے دیکھو گے تو تمہیں یقین ہو جائے گا کہ ہمارا ایک معبود ہے جو سب کچھ کرسکتا ہے، جسے ہر چیز کا علم ہے، جو ہمیشہ زندہ ہے اور جو چاہے کرتا ہے، جو ہر بات کو سنتا اور دیکھتا ہے، جو اَزَل سے مُتَکَلِّم ہے جس کا علم، اِرادہ اور کلام فنا و زَوال سے مُنَزَّہ ہے، جو ہر عَیب و نَقص سے پاک ہے، جو مُمکِنات کی صِفات سے موصوف نہیں ہوسکتا اور نہ ہی مخلوق اشیاء کی خصوصیات اس میں پائی جاسکتی ہیں، نہ وہ مخلوق میں سے کسی بات میں مُشابہ ہے اور نہ مخلوق ہی کسی اَمر میں اس سے مُشابہ ہے، وہ مکان اور جِہت کی قید سے پاک ہے اور آفات و حَوادِث اس پر نہیں آسکتے، اسی طرح جب تم سرکارِ دو عالَم صَلَّی اللّٰہُ تعالٰی عَلَیہِ وَسَلَّم کے مُعجِزات، آپ کے خَصائل اور علاماتِ نُبُوَّت پر غور کرو گے تو تمہیں یقین ہو جائے گا کہ آپ (صَلَّی اللّٰہُ تعالٰی عَلَیہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) اللہ کے رسول اور

اس کی وحی پہچانے میں امین ہیں، غور کرنے سے تم پر اس اَمر کی حقّانیّت بھی واضح ہوجائے گی کہ سَلَف صالحین[1] (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تعَالٰی) کا یہ عقیدہ کہ جنت میں اللّٰہ تعالٰی کا دیدار بغیر جہت اور مکان کے ہوگا حق ہے اور یہ کہ وہ ہمیشہ سے موجود ہے، مگر کسی حد[2] میں محدود نہیں اور تم پر اس اَمر کی حقّانیّت بھی روشن ہوجائے گی کہ اس کا کلام غیر مخلوق ہے اور یہ کہ وہ حُروف واَصوات سے مُرَکَّب نہیں کیونکہ حُروف واَصوات سے ترکیب حادِث ہے اور حادِث چیز قدیم کی صِفَت نہیں ہوسکتی۔

غور کرنے سے تم پر یہ بھی عیاں ہوجائے گا کہ مُلک ومَلَکُوت[3] میں جو کچھ وُقوع پذیر ہوتا ہے وہ خدا کی تقدیر اور قضا سے ہوتا ہے اور ہر چیز کا عالَمِ وُجود میں ظُہور بھی اس کے ارادے اور مَشِیَّت سے ہوتا ہے، خیر وشر بھی اسی کی طرف سے ہیں اور نفع ونقصان کا مالک بھی درحقیقت وہی ہے اور کفر وایمان بھی اسی کی جانب سے ہیں اور مخلوق کے لیے اس پر کوئی چیز لازم نہیں، وہ اگر کسی کو ثواب عطا فرمائے تو یہ اس کا فضل ہے اور اگر کسی کو عذاب دے تو یہ اس کا عدل ہے۔

اور جب تمہیں اس کا بھی یقین ہوجائے کہ جو ارشادات بھی نبی کریم صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّم کی زبانِ حق ترجمان سے صادِر ہوئے ہیں سب حق اور درست ہیں اور حشر نشر، عذابِ قبر، سوالِ مُنکر و نَکِیر وغیرہ کے متعلق آپ (صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم) نے جو خبریں بھی دی ہیں سب سچی اور حق ہیں اور سَلَف صالحین (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ الْمُبِیْن) کا ان سب باتوں پر اِعتِقاد تھا، وہ سب ان پر مضبوطی سے قائم تھے

1 ......گزشتہ بزرگوں۔ 2 ......احاطہ۔ 3 ......زمین وآسمان۔

اور ان سب اُمور پر اَغراضِ نفسانی و بدعات پیدا ہونے سے پہلے ہی اِتفاق و اِجماع ہو چکا ہے۔(اللہ تعالیٰ خواہشات کی پیروی اور خلافِ شرع اُمور کی پیروی کرنے سے ہم سب کو بچائے۔)

پھر جب دل کے اَعمال، باطنی اَسباب اور ان اشیاء پر غور کرو گے جن کا جائز یا ناجائز ہونا اس کتاب میں مذکور ہے پھر تمہیں ان اُمور کی پہچان بھی ہو جائے جن کی تمہیں عبادت میں ضرورت ہے جیسے طہارت، نماز اور روزہ وغیرہ کا علم۔ خلاصہ یہ کہ جب تمہیں تمام مندرجہ بالا چیزوں کا پوری طرح علم ویقین ہو گیا، تو اب تم اُمَّتِ مُحَمَّدِیَّہ کے رَاسِخِین عُلَماء [1] کے زُمْرَہ میں شامل ہو گئے۔ اب اگر تم نے علم کے مطابق پوری طرح عمل بھی کیا اور اپنی آخرت درست اور آباد کرنے میں لگ گئے تو تم عابد ہونے کے ساتھ ساتھ ایک صاحبِ بصیرت عالم بھی بن گئے اور دین کے بارے میں اب تم بفضلِ خدا جاہل یا غافل نہیں رہے اور نہ ہی کسی کے مُقَلِّد رہے۔ تمہیں ایسے شرف پر مبارک دینی چاہیے تمہارے علم کی بہت زیادہ قیمت ہے اور تمہیں اس پر بہت زیادہ ثواب ملے گا اور تم نے علم کی گھاٹی کو عبور کر لیا اور تحصیلِ علم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا جو تم پر حق تھا اسے تم نے بِعَوْنِ الٰہی [2] ادا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ سے اِلتجا ہے کہ وہ ہمیں اور تمہیں دین پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَ هُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

---

1 ...... وہ علماء جنھیں علم کے اندر پختگی حاصل ہے۔ 2 ...... اللہ تعالیٰ کی مدد سے۔

دوسرا باب

دوسری گھاٹی توبہ کے بیان میں

پھر اے عبادت کے طالب! تجھ پر عبادت میں مشغول ہونے سے قبل اپنے گناہوں سے توبہ کرنا لازم ہے اور یہ دو وجہ سے لازم ہے:

ایک تو اس لیے تاکہ توبہ کے باعث تمہیں طاعت وعبادت کی توفیق نصیب ہو کیونکہ گناہوں کی نحوست بندے کو طاعات وعبادات بجالانے سے محروم کردیتی ہے اور اس پر ذلت ورُسوائی مُسلَّط کردیتی ہے، یقین جانو! کہ گناہ ایک ایسی زنجیر ہے جو بندے کو طاعات ونیکی کی طرف چلنے سے روک دیتی ہے اور گناہوں کے ہوتے ہوئے اُمورِ خیر میں جلدی نہیں ہوسکتی کیونکہ گناہوں کا ثِقل [1] اور بوجھ نیکیوں کے سکون کو پیدا نہیں ہونے دیتا اور نہ ہی طاعات میں نشاط وخوشی پیدا ہونے دیتا ہے اور گناہوں پر اِصرار اور اَڑا رہنا دل کو سیاہ کردیتا ہے۔ اس طرح انسان قَساوَتِ قلبی [2] اور گناہوں کی تاریکی میں مبتلا ہوجاتا ہے، نہ اس میں خُلوص پیدا ہوسکتا ہے اور نہ ہی دل کا تَزکِیَہ [3] اور نہ ہی عبادت میں لذت وحَلاوَت [4] پیدا ہوسکتی ہے، جو شخص گناہوں سے تائب [5] نہیں ہوگا، اگر خدا کا فَضل اس کے شاملِ حال نہ ہوا تو رفتہ رفتہ یہ گناہ اُسے کُفر تک پہنچادیں گے۔ ایسے شخص پر شَقاوَت [6] اور بدبختی غالِب آجائے گی، تو ایسے شخص پر تعجب ہے کہ اس نُحُوسَت وقَساوَت [7] کے ہوتے ہوئے اسے طاعاتِ الٰہی کی توفیق کس

---

1 ...... بھاری پن۔ 2 ...... دل کی سختی۔ 3 ...... دل کی صفائی۔ 4 ...... مٹھاس۔

5 ...... توبہ کرنے والا۔ 6 ...... بدنصیبی۔ 7 ...... سخت دلی۔

طرح مل سکتی ہے اور گناہوں پر اَڑنے والا شخص طاعاتِ خداوندی کا دعویٰ کیسے کر سکتا ہے اور خلافِ شَرْع اُمور کو اپناتے ہوئے وہ عبادتِ خداوندی کیسے بجالا سکتا ہے؟ اسی طرح جو شخص گناہوں کی گندگی اور پلیدی سے آلودہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کی مُناجات کا قُرب کیسے حاصل کرسکتا ہے؟ اسی لیے حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

"اِذَا کَذَبَ الْعَبْدُ تَنَحّٰی عَنْهُ الْمَلَكَانِ مِنْ نَتْنِ مَا يَخْرُجُ مِنْ فِيْهِ"[1] جب انسان جھوٹ بولتا ہے تو دونوں کِرَامًا کَاتِبِیْن[2] جھوٹ کی بدبو کی وجہ سے اس سے علیحدہ ہوجاتے ہیں۔

اور جھوٹ وغیبت کے ہوتے ہوئے زبان ذِکرِ الٰہی کے لائق کیسے ہوسکتی ہے اس لیے گناہوں پر اصرار کرنے والے آدمی کو نیک کام کی توفیق ملنا بہت مشکل ہے اور نہ ہی عبادت کرتے وقت ایسے شخص کے اَعضاء میں چستی اور سکون پیدا ہوسکتا ہے ایسا شخص اگر کچھ ٹوٹی پھوٹی عبادت کرے گا تو وہ بھی مشقت کے ساتھ پھر ایسی عبادت میں لذت وصفائی وغیرہ کچھ نہ ہوگی یہ سب کچھ گناہوں کی نُحوسَت اور ترکِ توبہ سے ہوگا۔

اس شخص نے سچ فرمایا ہے جس نے کہا ہے کہ اگر تو رات کو نمازِ تَہَجُّد پڑھنے کی اور دن کو روزہ رکھنے کی قوت نہیں رکھتا تو سمجھ لے کہ تو مَنحوس ہوچکا ہے اور

---

1 ......سنن الترمذي، كتاب البر والصلة، باب ما جاء الفحش...الخ، ۳/۳۹۲، حديث: ۱۹۷۹، بتغير والكامل لابن عدي، مقدمة المصنف، الباب السادس، ۱/۸۸، بتغير۔

2 ......اعمال لکھنے والے فرشتے۔

مَعاصی (1) کی نُحوسَت تجھ پر مُسلَّط ہوچکی ہے۔

توبہ کے ضروری ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ بغیر توبہ کے عبادات قبول نہیں ہوتیں، جس طرح قرض خواہ کا قرض ادا کرنے سے پہلے اس کے سامنے ہدیے اور تحفے کوئی اہمیت نہیں رکھتے اور نہ وہ انہیں قبول کرتا ہے، اسی طرح پہلے گناہوں سے توبہ لازم ہے اس کے بعد عام عباداتِ نافِلہ، اسی طرح جب فرائض کسی کے ذمے لازم ہوں تو اس کے نوافل وغیرہ کیسے قبول ہوسکتے ہیں یوں ہی اگر کوئی شخص حرام و ممنوع کام تو ترک نہ کرے مگر مُباح وحلال اشیاء میں پرہیز واحتیاط کرے تو اس کا ایسا پرہیز کیا وَقْعَت رکھ سکتا ہے اور وہ شخص خدا تعالیٰ سے مُناجات، اس کی دَرْگاہ میں پسندیدہ اور اس کی ثَناء کرنے کے لائق کیسے ہوسکتا ہے جس پر خدا تعالیٰ ناراض ہو، گناہوں پر اصرار کرنے والوں کا اکثر یہی حال ہے۔

سوال: تَوْبَۃُ النُّصُوح کے کیا معنیٰ ہیں، اس کی تعریف کیا ہے اور بندے کو کیا کرنا چاہیے جس سے اس کے تمام گناہ معاف ہوجائیں؟

جواب :دل کے کاموں میں سے ایک کام توبہ ہے اور عام علماء نے اس کی تعریف یہ کی ہے: "تَنْزِیْہُ الْقَلْبِ عَنِ الذَّنْب" دل کو گناہوں سے پاک کرنا، اور ہمارے شیخ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ نے یہ تعریف کی ہے:

"اِنَّہٗ تَرْكُ اِخْتِیَارِ ذَنْبٍ سَبَقَ مِثْلُہٗ عَنْہُ مَنْزِلَۃً لَا صُوْرَۃً تَعْظِیْمًا لِلّٰہِ تَعَالٰی وَ حَذْرًا مِّنْ سَخَطِہٖ" آئندہ کے لیے ایسے گناہ کو ترک کردینے کا قصد کرنا جس درجے کا پہلے گناہ ہوچکا ہو، اور یہ ترک مَحض خدا کی تعظیم اور اس کی ناراضگی کے ڈر کے باعث ہو۔

1 ......گناہوں۔

شیخ کی تعریف کے مطابق توبہ کی چار شرطیں ہیں

﴿1﴾ گناہ ترک کردینے کا ارادہ، اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے دل کو اس بات پر پختہ اور مضبوط کرلے کہ آئندہ کبھی گناہوں کی طرف رُجوع نہیں کروں گا، لیکن اگر کوئی شخص بِالْفِعْل گناہ چھوڑ دے مگر دل میں خیال ہو کہ پھر کبھی کروں گا، یا اِبْتِداءً گناہ چھوڑنے کا ارادہ ہی مُتَرَدِّدْ[1] ہو تو ایسا شخص بعض اوقات پھر گناہوں میں مبتلا ہوجاتا ہے، ایسا شخص اگرچہ وقتی طور پر گناہوں سے رُک جاتا ہے مگر اسے تائب[2] نہیں کہا جاسکتا۔

﴿2﴾ دوسری شرط یہ ہے کہ جس گناہ سے توبہ کررہا ہو اس مرتبہ کا گناہ پہلے کہیں اس سے صادِر ہوچکا ہو کیونکہ اگر پہلے سے ایسا گناہ صادِر نہیں ہو صرف آئندہ کے لیے اس سے بچتا ہے تو ایسے شخص کو تائب نہیں کہیں گے بلکہ مُتَّقی کہیں گے، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کو کُفر سے بچنے والا تو کہہ سکتے ہیں مگر کُفر سے توبہ کرنے والا نہیں کہہ سکتے کیونکہ کُفر تو مَعَاذَ اللّٰہ کبھی بھی آپ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) سے صادِر نہیں ہوا، اور حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو کُفر سے تائب کہیں گے کیوں کہ آپ پہلے حالتِ کُفر میں رہ چکے تھے۔

﴿3﴾ تیسری شرط یہ ہے کہ وہ گناہ رُتبہ میں پہلے گناہ کی طرح ہو نہ کہ صورت میں، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جس پرانے بوڑھے نے جوانی کے زمانے میں زنا یا ڈاکہ زنی کا اِرْتِکاب کیا ہو، وہ اب بڑھاپے میں توبہ تو کرسکتا ہے کیونکہ توبہ کا دروازہ

---

1 ......تذبذب کا شکار۔ 2 ......توبہ کرنے والا۔

بند نہیں مگر اب اسے زِنا یا ڈاکہ زَنی کے ترک کا اختیار نہیں کیونکہ اب وہ عملی طور پر یہ گناہ نہیں کر سکتا تو چونکہ اب وہ زِنا یا ڈاکہ زَنی پر قادِر نہیں، اس لیے یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ اپنے اختیار سے انہیں چھوڑ رہا ہے یا ان سے رُک رہا ہے کیونکہ اب وہ عاجز ہو چکا ہے اور اسے اب ان پر قدرت نہیں رہی مگر وہ اس وقت بھی زِنا یا ڈاکہ زَنی جیسے دوسرے حرام وممنوع اَفعال پر قادر ہے جیسے جھوٹ بولنا، کسی پر زِنا کی تہمت لگانا کسی کی غیبت یا چغلی کرنا وغیرہ اُمور یہ سب گناہ ہیں اگرچہ ہر ایک میں اپنی اپنی نوعیت کے اعتبار سے فرق ہے لیکن یہ تمام گناہ ایک ہی رُتبہ کے شمار ہوتے ہیں مگر یہ گناہ بِدعت کی پیروی سے کم ہیں اور بِدعت کی پیروی کُفر سے کم ہے تو یہ توبہ جو زِنا یا ڈاکہ زَنی سے ہوگی صورۃً توبہ ہوگی۔

﴿4﴾ چوتھی شرط یہ ہے کہ گناہوں سے توبہ اللّٰہ تعالیٰ کی تعظیم کے لیے اور اس کے دردناک عذاب سے ڈر کر ہو، کسی دُنیوی غرض یا لوگوں سے ڈر کر یا طلبِ ثنا[1] کے لیے یا اپنی مشہوری یا جسمانی لاغری کی وجہ سے یا محتاجی اور کسی اور رُکاوٹ کی وجہ سے نہ ہو۔

جب توبہ کے یہ اَرکان وشرائط پائے جائیں گے تو توبہ مکمل طور پر ہوگی اور اسے توبہ صادِقہ کہا جائے گا۔

توبہ کے مُقدّمات تین اَمر ہیں یعنی جن چیزوں کا توبہ سے پہلے ہونا ضروری ہے:

اوّل: یہ کہ اپنے گناہوں کو نہایت قَبیح اَفعال[2] تصور کرے۔

---

1 ...... تعریف کے حصول۔ 2 ...... بُرے کام۔

دوم: یہ کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی شدت اور اس کے غَضَب کی سختی کو دل میں حاضر کرے۔

سوم: یہ کہ اپنی کمزوری اور گناہ کے بارہ میں اپنی بے حیائی کو محسوس کرے اور اس کا اِعتراف کرے۔

کیونکہ جو شخص سورج کی تیز دھوپ، چوکیدار کے تھپڑ اور چیونٹی کے ڈنک کو برداشت نہیں کرسکتا وہ دوزخ کی شدید گرمی، جَہَنَّم کے فِرِشتوں کی مار اور انتہائی زہریلے سانپوں کے ڈنک کیسے برداشت کرسکتا ہے، دوزخ میں بچھو خچر جتنے بڑے اور وہاں کے سانپ اونٹ کی گردن جتنے موٹے ہوں گے اور یہ سانپ اور بچھو وغیرہ دوزخ کی آگ کے ہوں گے۔ اس وقت وہ غَضَب اور غصے کے مکان میں رکھے ہوئے ہیں، ہم بار بار خدا کے غَضَب اور عذاب سے پناہ مانگتے ہیں۔

تم اگر ان دہشت ناک اُمور کو یاد رکھو گے اور ہر دن رات میں کسی وقت ان کی یاد تازہ کرتے رہو گے تو ضرور تمہیں گناہوں سے خالص توبہ نصیب ہوجائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اپنے فَضْل سے توبہ کی توفیق دے۔

سوال: اگر کوئی شخص یہ کہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے تو توبہ کے متعلق صرف یہ فرمایا ہے کہ

"اَلنَّدَمُ تَوْبَۃٌ"(1) "یعنی گناہوں پر پشیمان ہونے کا نام توبہ ہے۔" توبہ کے جو اَرکان وشرائط تم نے بیان کیے ہیں ان کا حضور (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) نے تو کوئی ذکر نہیں فرمایا۔

---

1 ......سنن ابن ماجه، کتاب الزهد، باب ذکر التوبة، ٤/٤٩٢، حدیث: ٤٢٥٢۔

جواب: صرف ندامت کو توبہ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ گناہوں پر پشیمانی بندہ کے اختیار و قدرت میں نہیں، تم اس چیز کو محسوس کرتے ہو کہ بسا اوقات بندہ ایک فعل پر نادِم و پشیمان ہو رہا ہوتا ہے حالانکہ دل سے وہ اس ندامت و پشیمانی کو پسند نہیں کر رہا ہوتا تو معلوم ہوا کہ ندامت و پشیمانی بندہ کے اختیار میں نہیں اور توبہ تو اختیاری چیز ہے اسی لیے توبہ کا حکم دیا گیا ہے، تو اس تشریح سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ ندامت و پشیمانی یقیناً عین توبہ نہیں، اس لیے مذکورہ حدیث کے وہ معنی نہیں جو ظاہراً سمجھ میں آتے ہیں بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و ہیبت کا تصور کر کے اور اس کے دردناک عذاب کے خوف سے جو ندامت و پشیمانی بندہ کے دل میں پیدا ہوتی ہے وہ بندے کو خالص توبہ کرنے پر اُبھارتی ہے اور ایسی ندامت و پشیمانی صحیح تَائِبِیْن [1] کا حال اور ان کی صِفَت ہے کیونکہ بندہ جب مُنْدَرَجَہ بالا توبہ کے مُقَدَّمَات [2] کو بار بار خیال میں لائے گا تو اسے اپنے گناہوں پر ندامت محسوس ہوگی اور یہی ندامت اس کو تَرْکِ مَعَاصِی [3] پر اُبھارے گی اور ایسی ندامت آئندہ کے لیے بھی تائب کے دل میں قائم رہے گی اور خداوند تعالیٰ کے دربار میں عاجزی اور زاری پر بَرَانْگِیْخْتَہ کرے گی [4]، تو چونکہ ایسی ندامت توبہ کا سبب اور تائب کی صفتوں میں سے ہے اس لیے حضور (عَلَیْہِ السَّلَام) نے ایسی ندامت کو توبہ فرما دیا۔ اس معنیٰ کو اچھی طرح سمجھ لو اللہ تعالیٰ تمہیں سمجھنے کی توفیق دے۔

سوال: یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انسان ایسا ہو جائے کہ اس سے کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ

1 ...... توبہ کرنے والوں۔ 2 ...... وہ اُمور جن کا توبہ سے پہلے ہونا ضروری ہے۔
3 ...... گناہوں کو چھوڑنے۔ 4 ...... مائل کرے گی۔

صادِر ہی نہ ہو؟ حالانکہ انبیاء کرام صَلَوٰۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ وَ سَلَامُہٗ جو تمام مخلوقات سے قطعی [1] طور پر اَشرف واَعلیٰ تھے ان کے متعلق بھی اہلِ علم میں اختلاف ہے کہ وہ اس مرتبہ پر پہنچے یا نہیں؟

جواب: ایسے درجہ پر پہنچ جانا کہ کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ صادِر نہ ہو ممکن ہے مُحال نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی توفیق جس کے شاملِ حال ہو جائے اس کے لیے آسان ہے، اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے۔

پھر یہ بھی توبہ کے شرائط میں سے ہے کہ قصداً گناہ صادِر نہ ہو، اگر بھول چوک سے کوئی لغزِش ہو جائے تو خدا تعالیٰ رَءُوْف و رَحِیْم اُسے معاف کر دے گا اور جسے خدا کی توفیق حاصل ہو گئی ہو وہ گناہوں سے باآسانی محفوظ رہ سکتا ہے۔ اگر تم توبہ نہ کرنے کا یہ بہانہ کرو کہ ہمیں اپنے نَفْس پر اعتماد نہیں شاید توبہ کے بعد گناہوں سے باز رہے یا نہ رہے اور شاید ہم توبہ پر ثابت و مضبوط رہیں یا نہ رہیں، اس لیے توبہ کرنے سے کیا فائدہ، تو اس تاوِیل کا جواب سن لو کہ ایسا خیال شیطان کا سراسر دھوکا اور فریب ہے کیونکہ تمہیں کیسے معلوم ہے کہ توبہ کے بعد ضرور تم سے گناہ ہو جائے گا ہو سکتا ہے توبہ کے بعد مُتَّصِل [2] ہی تم پر موت آ جائے اور گناہ کرنے کا موقع نہ ملے، باقی یہ وہم کہ شاید گناہ ہو جائے تو ایسے وہم کا کوئی اعتبار نہیں تم پر صرف یہ لازم ہے کہ توبہ کے وقت آئندہ گناہ ترک کر دینے کا ارادہ پکا اور سچا ہو، باقی اس ارادے پر تمہیں اِستقامت دینا خدا کا کام ہے پس اگر اس ارادے پر تم خدا کے فَضْل سے قائم رہے تو یہی مقصود ہے اور اگر خدانخواستہ تم اس ارادے پر قائم نہ

---

1 ...... یقینی۔ 2 ...... ساتھ / فوراً۔

رہے تو بھی تمہارے گزشتہ گناہ تو معاف ہو گئے، گزشتہ گناہوں کے عذاب سے تو تمہیں خلاصی مل گئی اور گزشتہ گناہوں کی آلودگی سے تم پاک ہو گئے۔ توبہ کے بعد اگر کوئی گناہ ہوا ہو تو بس وہی تمہارے ذمے ہے تو سابقہ گناہوں کا معاف ہو جانا کوئی کم نفع ہے؟ اس لیے صرف اس وسوسہ سے توبہ کرنے سے نہ رُکو کہ مَبَادَا[1] پھر گناہ ہو جائے کیونکہ خالص توبہ کرنے سے تمہیں دو بڑے فائدوں سے ایک فائدہ تو یقیناً ہو گا کہ یا تو ہمیشہ کے لیے تَوْبَةُ النُّصُوح میسر آجائے گی یا سابِقہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق وہدایت کا مالک ہے۔

گناہوں کے متعلق یہ یاد رکھو کہ گناہوں کی نوعیت مختلف ہے کیونکہ گناہ تین قسم کے ہیں:

ایک یہ کہ تم نے خدا کے فرض کردہ احکام کو ادا نہ کیا ہو اور ان کی ادائیگی تمہارے ذمہ ہو جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور کفارہ وغیرہ تو یہ محض زبانی توبہ سے معاف نہیں ہوں گے بلکہ حتی الامکان ان کی قضا لازم ہے۔

دوسری قسم وہ گناہ جن کی اب قضا تو نہیں ہو سکتی مگر ہوں وہ بھی تمہارے اور خدا کے درمیان ہی جیسے کہیں شراب نوشی کی ہو یا راگ رنگ[2] کی محفل سجائی ہو یا سود کھایا ہو تو[3] اس قسم کے گناہوں کی معافی کی صورت یہ ہے کہ گذشتہ گناہوں

---

1 ...... خدانخواستہ۔ 2 ...... گانے باجوں۔ 3 ...... جو مال رشوت یا تَغَنِّی (گانے) یا چوری سے حاصل ہوا اس پر فرض ہے کہ جس جس سے لیا ان پر واپس کر دے وہ نہ رہے ہوں تو وَرَثہ کو دے پتا نہ چلے تو فقیروں پر تَصَدُّق کرے یہی حکم سود وغیرہ عقودِ فاسدہ کا ہے فرق صِرْف اتنا ہے کہ جس سے لیا بالخصوص انہیں واپس کرنا فرض نہیں بلکہ اسے اختیار ہے کہ (جس سے لیا) اسے واپس کر دے خواہ ابتداءً تَصَدُّق (خیرات) کر دے۔ (چندے کے بارے میں سوال جواب، ص۴۶ بحوالہ فتاویٰ رضویہ، ۵۵۲/۲۳)

پر ندامت و پشیمانی کی جائے اور آئندہ کے لیے انہیں ترک کر دینے کا مُصَمَّم[1] ارادہ کرلیا جائے۔

تیسری قسم وہ گناہ ہیں جو تمہارے اور مخلوق کے درمیان ہیں۔ تمام گناہوں سے زیادہ سنگین گناہ یہ تیسری قسم کے گناہ ہیں ان کی نوعیت مختلف ہوتی ہے بعض کسی کے مال سے تعلق رکھتے ہیں اور بعض کسی کی ذات سے، اسی طرح بعض وہ ہوتے ہیں جن کا تعلق کسی کی عزت و حرمت سے ہوتا ہے اور بعض وہ ہوتے ہیں جو کسی کو دینی طور پر نقصان پہنچایا ہوتا ہے۔

تو جن کا تعلق مال سے ہے ان کے متعلق ضروری ہے کہ اگر ہو سکے تو وہ مال واپس کر دیا جائے اگر غربت و اِفلاس کے باعث واپس کرنے سے معذور ہے تو صاحبِ مال سے جائز و حلال کروالے اگر صاحبِ مال مر چکا ہے یا وہاں موجود نہیں تو مال کی مقدار کے مطابق کوئی چیز صَدَقہ کر دے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو اَعمالِ صالحہ کی کثرت کرے اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں گریہ وزاری کرے تاکہ روزِ قیامت خدا تعالیٰ اس صاحِبِ مال کو راضی کر دے اور وہ گُناہ جن کا تعلق کسی کی جان یا ذات سے ہو جیسے کسی کو قتل کیا ہو تو اس کے عِوَض[2] قِصاص دینا لازِم ہے یا مَقتول کے وارثوں سے مُعاف کرانا ضروری ہے اور اگر وارِث موجود نہیں تو دَرْبارِ ایزْدِی میں گریہ وزاری ضروری ہے اور خدا سے اس کی مُعافی چاہنا لازِم ہے تاکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ اس مقتول کو تم سے راضی کر دے اور کسی کی عزت و آبرو سے متعلق یہ گُناہ ہے کہ کسی کی غیبت کی جائے (اور اسے معلوم ہو جائے) یا کسی پر بہتان

1 ...... پکا / پختہ۔ 2 ...... بدلے میں۔

لگایا جائے یا کسی کو گالیاں دی جائیں تو اس قسم کے گُناہ کی مُعافی کی صورت یہ ہے کہ اس کے سامنے اپنے آپ کو جھوٹا کہا جائے اور اپنی زیادتی اور خطا کا اِعتراف کیا جائے اور اگر اس کے سامنے اپنی زِیادَتی و غَلَطی کا اِعتراف کرنے میں فتنہ اور جھگڑے کا صحیح اَندیشہ ہو تو اس صورت میں بھی مُعافی کے لیے خدا کے دربار میں ہی گریہ وزاری کرے تاکہ مُعافی ہو جائے اور کسی کی آبرو سے متعلق یہ گُناہ ہے کہ کسی کے اَہل وعِیال سے خِیانت کی جائے یا کوئی اور حرکتِ بد کی جائے تو ایسے گُناہ کو نہ تو اس کے سامنے ظاہر کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی مُعاف کروایا جاسکتا ہے تو اس کی مُعافی کے لیے بھی دربارِ ایزدِی میں ہی گریہ وزاری کرنی چاہیے۔ ہاں اگر فتنہ کا خوف نہ ہو، اگرچہ یہ نادِر ہے تو اس کے سامنے ظاہر کرکے مُعاف کرا لیا جائے اور وہ گُناہ جن کا تعلق کسی کے دین سے ہو، یہ ہیں کہ کسی کو کافر یا بدعتی یا گمراہ کہا جائے تو یہ بھی سخت گُناہ ہے، ایسے گُناہوں کی مُعافی بھی اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ اس کے سامنے اپنی خطا اور غَلَطی کا اِعتراف کیا جائے اور اگر وہ موجود نہ ہو تو دربارِ الٰہی میں گڑگڑائے اور اِسْتِغْفار کرے اور اپنے آپ پر مَلامت کرے تاکہ روزِ قیامت خدا تعالیٰ اس شخص کو راضی کردے۔

خلاصہ یہ کہ جہاں تم گُناہ کے ساتھ تکلیف دینے والوں کو راضی بھی کرسکو وہاں ان کو راضی بھی کرو، ورنہ مُعافی اور بخشش کے لیے خدا تعالیٰ کی طرف رُجوع کرو، اس کے دربار میں گریہ وزاری کرو اور صَدَقہ وخیرات کرو تاکہ روزِ قیامت اللہ عَزَّوَجَلَّ تمہارے درمیان رضامندی کرادے اس لیے کہ خدا کے فضل وکرم

سے یہ امید ہے کہ وہ تمہاری صادِق گریہ وزاری دیکھ کر تمہارے خَصْم [1] کو اپنے خزانوں سے عطا کر کے تمہاری طرف سے راضی کر دے۔

توبہ کے اَرکان وشرائط جو ہم نے بیان کیے ہیں، جب تم ان پر پوری طرح عمل پیرا ہو جاؤ گے اور آئندہ کے لیے اپنے دل کو ہر قسم کے گناہوں سے پاک رکھنے کا عہد کر لو گے تو تمہارے گزشتہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اب آئندہ اگر اس عہد پر تو تم قائم رہے مگر گزشتہ قضائیں ادا نہ کر سکے یا ناراض لوگوں کو راضی نہ کر سکے تو یہ سابِقہ گناہ ہی تمہارے ذمہ رہے باقی تمام بخش دیئے جائیں گے۔

اور اس بَـابُ التَّوْبَه کی شرح بہت طویل ہے جس کی گنجائش یہ مختصر کتاب نہیں رکھتی اگر اس کی زیادہ شرح مطلوب ہو تو کتاب "اِحْیاءُ الْعُلُوم" کے "بابُ التَّوبَہ" یا "اَلْقُرْبَةُ اِلَی اللّٰه" یا "کتاب اَلْغَایَةُ الْقُصْوٰی" کا مطالعہ کرو، یہاں صرف اسی قدر بیان کیا ہے جس کی اَشد ضرورت تھی۔ [2]

پھر تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ توبہ کی گھاٹی بہت سخت گھاٹی ہے اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے اور اس سے غفلت شدید نقصان کی مُوجِب [3] ہے، توبہ کی اہمیت و ضرورت اس واقعہ سے ظاہر ہوتی ہے جو اُستاد ابو اسحاق اِسفَرَائِنِی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْه سے منقول ہے، اُستاد موصوف باعمل اور رَاسِخ فِی الْعِلْم [4] علماء میں سے تھے، آپ (رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْه) فرماتے ہیں:

---

1 ...... تم سے اپنے حق کا مطالبہ کرنے والے۔ 2 ...... توبہ کے بارے میں مزید معلومات کیلئے "مکتبۃ المدینہ" کی مطبوعہ کتاب "توبہ کی روایات وحکایات" کا مطالعہ بھی کیجئے۔ 3 ...... باعث۔

4 ...... حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ "رَاسِخ فِی الْعِلْم" وہ عالم باعمل ہے جو اپنے علم کا مُتَّبِع (عمل کرنے والا) ہو۔ (تفسیر خزائن العرفان، پ۳، ال عمران تحت الآیۃ: ۷، ص۱۰۴)

میں نے تیس برس اللہ تعالیٰ سے تَوْبَۃُ النُّصُوح نصیب ہونے کی اِلتجا کی تیس برس کے بعد میں اپنے دل میں متعجب ہوا اور دربارِ خداوندی میں عرض کیا: ''اے پروردگار! مجھے تیس برس ہوئے ہیں تجھ سے صرف ایک حاجت کے لیے اِلتجا کرتے لیکن تو نے اب تک وہ بھی پوری نہ کی۔'' جب میں سویا تو خواب میں ایک شخص دیکھا جو مجھے کہہ رہا تھا: تو اپنی تیس سالہ دُعا پر تعجب کرتا ہے تجھے یہ معلوم نہیں کہ تو کتنی بڑی چیز کا مطالبہ کر رہا ہے؟ تو اس چیز کا مطالبہ کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے اپنا دوست بنالے، کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ ﴿۲۲۲﴾ (1) بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور ستھرا رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

تو کیا تو توبہ کو معمولی شے خیال کرتا ہے؟

اے غافل مسلمانو! ذرا ان ائمۂ دین کے حالات پر تو نظر کرو کہ وہ توبہ کے لئے کتنا اہتمام کرتے تھے اور اصلاحِ قلوب (2) کے لیے کس طرح مسلسل تگ و دو میں لگے رہتے تھے اور توشۂ آخرت تیار کرنے کی خاطر کس طرح جانفشانی سے مصروف رہتے تھے۔

توبہ میں تاخیر کرنا سخت نقصان دہ ہے کیونکہ گناہ سے ابتداءً قَساوتِ قلبی (3) پیدا ہوتی ہے پھر رفتہ رفتہ انسان کُفر و گمراہی تک جا پہنچتا ہے، کیا تمہیں اِبلیس اور

1 ...... ترجمۂ کنز الایمان: بیشک اللہ پسند رکھتا ہے بہت توبہ کرنے والوں کو اور پسند رکھتا ہے سُتھروں کو۔ (پ ۲، البقرۃ: ۲۲۲)۔ 2 ...... دل کی اصلاح۔ 3 ...... دل کی سختی۔

بَلْعَم بَاعُوْرَاء کا واقعہ یاد نہیں؟

ان سے ابتدا میں ایک ہی گناہ صادِر ہوا مگر وہ بعد میں کُفر وگمراہی تک پہنچ گئے اور ہمیشہ کے لیے تباہ حال لوگوں میں شامل ہوگئے، اس لیے توبہ کے بارہ میں تم پر بیداری وکوشش لازم ہے اگر تم جلد توبہ کروگے تو امید ہے کہ عنقریب گناہوں پر اِصرار کرنے کے مرض کا تمہارے دل سے قَلْع قَمْع [1] ہوجائے اور گناہوں کی نُحوست کا بوجھ تمہاری گردن سے اُتر جائے اور گناہوں کی وجہ سے جو قَساوتِ قلبی پیدا ہوتی ہے اس سے ہرگز بے خوف نہ ہو بلکہ ہر وقت اپنے دل پر نگاہ رکھو کیونکہ بعض صالحین (رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْهِم) نے فرمایا ہے:

"اِنَّ سَوَادَ الْقَلْبِ مِنَ الذُّنُوْبِ وَ عَلَامَةُ سَوَادِ الْقَلْبِ اَنْ لَّا تَجِدَ مِنَ الذُّنُوْبِ مَفْزَعًا وَّ لَا لِلطَّاعَةِ مَوْقِعًا وَّ لَا لِلْمَوْعِظَةِ مَنْجَعًا وَّ لَا تَسْتَحْقِرَنَّ مِنَ الذُّنُوْبِ شَيْئًا فَتَحْسَبَ نَفْسَكَ تَائِبًا وَّ اَنْتَ مُصِرٌّ عَلَى الْكَبَائِرِ"

بے شک گناہ کرنے سے دل سیاہ ہوجاتا ہے اور دل کی سیاہی کی علامت یہ ہوتی ہے کہ گناہوں سے گھبراہٹ نہیں ہوتی، طاعت کے لیے موقع نہیں ملتا، نصیحت سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا، اے عزیز! کسی گناہ کو معمولی نہ خیال کر اور کبیرہ گناہوں پر اِصرار کرنے کے باوجود اپنے آپ کو تائب گمان نہ کر۔

حضرت کَهْمَس بِن الْحَسَن رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْه سے منقول ہے کہ آپ (رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْه) نے فرمایا کہ مجھ سے ایک گناہ سرزد ہوا، تو میں اس پر چالیس برس روتا رہا۔ لوگوں نے پوچھا: "اے ابوعبد اللّٰہ! وہ کون سا گناہ تھا؟" تو آپ (رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْه) نے فرمایا: "ایک دفعہ میرا ایک دوست میری ملاقات کو آیا تو

1 ...... خاتمہ۔

میں نے اس کے لیے مچھلی پکائی، جب وہ کھانا کھا چکا تو میں نے اٹھ کر اپنے پڑوسی کی دیوار سے مٹی لے کر اپنے مہمان کے ہاتھ دھلائے۔''[1]

پس اے لوگو! نفس کو گناہوں پر ٹوکتے رہو، اس کا مُحاسَبہ[2] کرتے رہو اور توبہ کرنے میں سُستی اور تاخیر نہ کرو کیونکہ موت کا وقت پوشیدہ ہے اور دنیا دھوکے وفریب میں ڈال رہی ہے اور نَفْس وشیطان دو خطرناک دشمن تمہیں گمراہ کرنے کی تاک میں ہیں اس لیے ہر وقت دربارِ ایزَدی میں تَضَرُّع وزاری[3] کرتے رہو اور اپنے والد ماجد حضرت آدم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام کا حال اکثر اوقات ذہن میں دوہراتے رہو جن کو رب تعالیٰ نے خود اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا اور ان میں اپنی روح پھونکی اور پھر فرشتے انہیں اُٹھا کر جنت میں لے گئے، آپ (عَلَیْہِ السَّلام) سے صرف ایک لَغْزِش سَرزَد ہوئی تو اپنے مقامِ عالی سے گر گئے یہاں تک کہ ایک رِوایت میں آیا ہے کہ لَغْزِش ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ (عَلَیْہِ السَّلام) سے پوچھا:

''یَا اٰدَمُ اَیُّ جَارٍ کُنْتُ لَکَ؟ قَالَ نِعْمَ الْجَارُ یَارَبِّ قَالَ یَا اٰدَمُ اُخْرُجْ مِنْ جَوَارِیْ وَضَعْ عَنْ رَاْسِکَ تَاجَ کَرَامَتِیْ ، فَاِنَّہٗ لَا یُجَاوِرُنِیْ مَنْ عَصَانِیْ''

اے آدم! میرا جوارِ رحمت تیرے لئے کیسا تھا؟ آپ (عَلَیْہِ السَّلام) نے عرض کیا: بہت اچھا، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے جوارِ رحمت سے دُور چلا جا اور میری عطا کردہ عزت کا تاج سر سے اُتار دے کیونکہ میری نافرمانی کرنے والا میرے جوارِ رحمت میں رہنے کا اہل نہیں۔[4]

---

1 ...... حلیۃ الاولیاء، کھمس الدعاء، ۶/۲۲۸، رقم: ۸۳۸۹۔

2 ...... باز پُرس۔ 3 ...... گریہ وزاری۔ 4 ...... اس پیراگراف میں جہاں لفظ ''پڑوسی'' یا ''پڑوس'' تھا اس کو ''جوارِ رحمت'' سے بدل دیا ہے۔ (علمیہ)

ایک روایت میں آیا ہے کہ آدم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام دوسو برس اس لَغْزِش پر روتے رہے، تب جا کر اللہ تعالیٰ نے آپ (عَلَیْہِ السَّلام) کی توبہ قبول فرمائی اور اس لَغْزِش کو معاف فرمایا۔ یہ اس کامل بزرگ کا حال ہے جو اس کا نبی اور دوست تھا تو عام لوگوں کا کیا حال ہوگا جو بے شمار گناہوں کا اِرْتِکاب کر چکے ہیں۔ دوسو برس وہ اِخلاص کا پیکر رُویا جو واقعی تائب اور خدا کی طرف رُجوع کرنے والا تھا، تو گناہوں پر اصرار کرنے والے غافل کو کس قدر زیادہ گریہ وزاری کی ضرورت ہوگی؟ ایک شاعر نے اسی چیز کو کتنے اچھے انداز میں ادا کیا ہے، شعر ؎

یَخَافُ عَلٰی نَفْسِہٖ مَنْ یَّتُوْبُ فَکَیْفَ تَرٰی حَالَ مَنْ لَا یَتُوْبُ

وہ ڈر رہے ہیں جو ہر وقت توبہ واِسْتِغْفار میں مصروف رہتے ہیں تو ان کا کیا حال ہوگا جو سرے سے توبہ ہی سے غافل ہیں۔

اور توبہ کرنے کے بعد اگر توبہ توڑ ڈالو اور پھر گناہ شروع کر دو تو جلد توبہ کی طرف لوٹو اور نَفْس کو توبہ پر راغِب کرنے کے لیے یہ کہو: ''اے نَفْس! اب دوبارہ خُلوص سے توبہ کر لے شاید یہ تیری آخری توبہ ہو اور اس کے بعد اِرتکابِ گناہ کے بغیر ہی تو مر جائے۔'' اسی طرح گناہ کے بعد توبہ کرتے رہو اور جس طرح تم نے گناہ کرنا دستور بنا لیا ہے گناہ کے بعد توبہ کو بھی پیشہ بنا لو اور گناہ کر کے توبہ سے عاجز نہ ہو جاؤ اور کبھی توبہ سے منہ نہ موڑو اور شیطانی دھوکہ میں آ کر توبہ سے ہرگز نہ رُکو کیونکہ توبہ کرنا نیک ہونے کی علامت ہے کیا تم نے نبی کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّم کا یہ ارشاد نہیں سنا، آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم فرماتے ہیں:

خَیْرُکُمْ کُلُّ مُفْتَنٍ تَوَّابٍ. [1] تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جس سے اگر گناہ صادِر ہوں تو بعد میں فوراً توبہ کرے۔

اور خدا کی طرف زیادہ رُجوع کرے اور گناہوں پر پشیمان زیادہ ہو اور خدا تعالیٰ سے ڈر کر اِستغفار زیادہ کرے، تم اس آیتِ قرآنی کے معنی پر تو غور کرو:

وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ	جو بُرے عمل کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے
ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ یَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا	پھر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لے تو اللہ
رَّحِیْمًا ﴿۱۱۰﴾ [2]	تعالیٰ کو ضرور بخشنے والا مہربان پائے گا۔

فَصْل

اَلْغَرَض جب تم توبہ واِستِغفار کے ذریعہ اپنے دل کو تمام گناہوں سے صاف کرلو اور آئندہ کے لیے اپنے دل کو گناہوں سے دور رکھنے پر مُحکم [3] کرلو اور اس خُلوص سے توبہ کرلو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دل کو توبہ میں سچا اور خالص پائے اور جہاں تک ہوسکے لوگوں کو راضی کرلو جنہیں تم نے مالی، بَدَنی یا دینی قسم کی اذیتیں پہنچائی ہوں اور گزشتہ زمانے کی چھوٹی ہوئی نمازیں اور روزے وغیرہ بھی حتی الامکان قَضا کرلو [4] اور جو قضا نہیں کرسکتے ان کی معافی کے لیے دربارِ خداوندی میں گریہ

---

1 ......شعب الایمان، باب فی معالجۃ کل ذنب بالتوبۃ، ۵/۴۱۸، حدیث: ۷۱۲۱۔

2 ......ترجمہ کنزالایمان: اور جو کوئی بُرائی یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ سے بخشش چاہے تو اللہ کو بخشنے والا مہربان پائے گا۔(پ۵، النساء: ۱۱۰) 3 ......پکا۔ 4 ......قضا نمازوں کا طریقہ جاننے کیلئے شیخِ طریقت، امیرِ اہلسنّت، بانیِ دعوتِ اسلامی، حضرت علامہ مولانا ابوبلال، محمد الیاس عطّارقادِری رضوی، ضیائی دَامَتْ بَرَکَاتُہُمُ الْعَالِیَہ کی مایہ ناز تالیف ''نماز کے احکام'' سے ''قضا نمازوں کا طریقہ'' اور روزوں کی قضا کا طریقہ جاننے کیلئے فیضانِ سنت جلد 1 کے باب ''فیضانِ رمضان'' سے ''احکامِ روزہ'' کا مطالعہ کیجئے۔

وزاری بھی کر چکو جس کے ذریعہ تمہارے باقی ماندہ[1] گناہ اور لغزشیں مُعاف ہو جائیں تو پھر تم غسل کرو اور پاک پڑے پہنو اور وضو کر کے پورے خُشوع وخُضوع سے چار رکعت نماز ادا کرو اور اپنی پیشانی کو ایسی جگہ زمین پر رکھو جہاں تمہیں اللّٰہ کے سوا کوئی نہ دیکھ رہا ہو پھر تم اپنے چہرہ پر خاک ڈالو، اور اپنے چہرے کو جو تمام اَعضاء سے اَعلیٰ عُضو ہے خاک سے آلودہ کرو اور حالت یہ ہو جائے کہ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہوں۔ دل غم کے دریا میں تیر رہا ہو اور شدتِ خوف کے باعث تمہارے رونے کی آواز بے ساختہ بلند ہو رہی ہو، ایک ایک کر کے تمہارے گناہ آنکھوں کے سامنے پھر رہے ہوں تو اپنے گناہوں کو یاد کرتے ہوئے اپنے نَفْس کو ڈانٹتے ہوئے اس سے یوں خطاب کرو:

”اَمَا تَسْتَحْيِيْنَ يَا نَفْسُ اَمَا اٰنَ لَكِ اَنْ تَتُوْبِيْ اَلَكِ طَاقَةٌ بِعَذَابِ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ اَلَكِ حَاجَةٌ بِسَخَطِ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ“

اے نَفْس! کیا تجھے خدا سے شرم نہیں آتی؟ کیا تیری توبہ کا وقت ابھی قریب نہیں آیا؟ کیا تجھ میں قَہَّار و جَبَّار کے دردناک عذاب برداشت کرنے کی سکت ہے؟ کیا تو اپنے اوپر خدا کو ناراض کرنے کا خواہش مند ہے؟

اسی طرح چند بار گناہوں کو یاد کر کے ان الفاظ کا تکرار کرو اور پورے سوز و گداز سے روؤ اور گریہ وزاری کرو، پھر سجدے سے سر اٹھاؤ اور اپنے مہربان خدا کے آگے دعا کے لیے ہاتھ پھیلا دو اور یہ دُعا کرو:

---

[1] ……باقی بچے ہوئے۔

”اِلٰهِیْ عَبْدُكَ الْاٰبِقُ رَجَعَ اِلَيْكَ وَ عَبْدُكَ الْعَاصِیْ رَجَعَ اِلَی الصُّلْحِ وَ عَبْدُكَ الْمُذْنِبُ اَتَاكَ بِالْعُذْرِ فَاعْفُ عَنِّیْ بِجُوْدِكَ وَ تَقَبَّلْنِیْ بِفَضْلِكَ وَ انْظُرْ اِلَیَّ بِرَحْمَتِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ مَا سَلَفَ مِنَ الذُّنُوْبِ وَ اعْصِمْنِیْ فِیْمَا بَقِیَ مِنَ الْاَجَلِ فَاِنَّ الْخَیْرَ كُلَّهٗ بِیَدَیْكَ وَ اَنْتَ بِنَا رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ“

مولیٰ! تیرا بھاگا ہوا بندہ تیرے در پر واپس آ گرا ہے، تیرا نافرمان بندہ صُلْح کی طرف لوٹ آیا ہے اور تیرا گنہگار بندہ عذر خواہی [1] کے لیے تیرے دربار میں حاضر ہے، مجھے اپنے کرم سے بخش دے اور مجھے قبول فرمالے اور مجھ پر نظرِ رحمت فرما، یا الٰہی! میرے گزشتہ تمام گناہ بخش دے اور باقی عمر میں ہر گناہ سے مجھے محفوظ رکھ۔ تو ہی ہر بھلائی کا مالک ہے اور تو ہی ہم پر مہربان اور نرمی فرمانے والا ہے۔

پھر یہ دُعا کرے جسے دعائے شدت کہتے ہیں وہ دعا یہ ہے:

”یَا مُجَلِّیَ عَظَائِمِ الْاُمُوْرِ یَا مُنْتَهٰی هِمَّةِ الْمَهْمُوْمِیْنَ یَا مَنْ اِذَا اَرَادَ اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ اَحَاطَتْ بِنَا ذُنُوْبُنَا اَنْتَ الْمَذْخُوْرُ لَهَا یَا مَذْخُوْرَ الْكُلِّ شِدَّةٍ كُنْتُ اَدَّخِرُكَ لِهٰذِهِ السَّاعَةِ فَتُبْ عَلَیَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ“

اے مشکلات کو حل کرنے والے! اے غمناک اور پریشان حال لوگوں کی جائے پناہ! اے وہ قادِر ذات جس کی شان یہ ہے کہ جب کسی چیز کا ارادہ فرمالے تو لفظِ کُن [2] فرمانے سے وہ شی وجود میں آجاتی ہے۔ ہمارا حال یہ ہے کہ کثرتِ معاصی نے ہم کو گھیر لیا ہے، تو ان سب کو جانتا ہے، اے ہر مصیبت و سختی کو جاننے والے! میں اس گھڑی کے لئے تجھے ہی یاد رکھتا ہوں [3] تو مجھے مُعاف فرمادے، بے شک تو ہی توبہ قبول فرمانے والا اور مہربان ہے۔

---

(1) ......معذرت چاہنے۔ (2) ......ہو جا۔ (3) ...... یہاں عربی دعا کا ایک جملہ ترجمہ ہونے سے رہ گیا تھا، اس کے ترجمہ کے ساتھ ربطِ کلام کی خاطر اگلے جملے کا ترجمہ بھی سیاق و سباق کے مطابق کردیا گیا ہے۔ (علمیہ)

پھر جتنا زیادہ روسکو، روؤ اور اپنی ذلت و عاجزی کا اظہار کرو اور زبان سے یہ دُعا کرو:

”یَا مَنْ لَّا یَشْغَلُهُ شَاْنٌ عَنْ شَانٍ وَ لَا سَمْعٌ عَنْ سَمْعٍ یَا مَنْ لَا تُغَالِطُهُ کَثْرَةُ الْمَسَائِلِ یَا مَنْ لَّا یُبْرِمُهُ اِلْحَاحُ الْمُلِحِّیْنَ اَذِقْنَا بَرْدَ عَفْوِكَ وَحَلَاوَةَ مَغْفِرَتِكَ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ“

اے وہ ذات جس کو ایک کام دوسرے کام سے مشغول نہیں رکھ سکتا اور نہ ایک طرف سننا دوسرے سننے سے باز رکھ سکتا ہے۔ اے وہ ذات جسے مسائل کی کثرت مُغالطے میں نہیں ڈال سکتی اور اے وہ ذات جسے گریہ وزاری کرنے والوں کا گریہ بے چین نہیں کرتا[1] ہمیں اپنی معافی کی ٹھنڈک پہنچا اور بخشش کی حلاوت نصیب فرما، اے سب سے بہتر رحمت کرنے والے ہم پہ رحم فرما، بے شک تو سب کچھ کرسکتا ہے۔

اس دُعا کے بعد حضور عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَام پر درود شریف بھیجو اور تمام مومنین ومومنات کے لیے دُعائے مغفرت کرو اور اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کی طرف رجوع کرو۔

جب یہ تمام مندرجہ بالا دعائیں، دربارِ خُداوندی میں گریہ وزاری اور توبہ و اِستِغفار وغیرہ پوری طرح کرلو تو بیشک تمہیں تَوْبَةُ النُّصُوْح حاصل ہوگئی اور تم گناہوں سے ایسے پاک ہوگئے جیسے آج ہی پیدا ہوئے، اب تمہیں اللہ تعالیٰ دوست بنالے گا اور تمہیں بہت اجر وثواب عطا کرے گا اور تم پر اتنی رحمت و برکت نازل

1 ...... یہاں ایک جملے کے ترجمہ میں کچھ تسامح تھا جسے دور کردیا گیا ہے۔ (علمیہ)

فرمائے گا جس کا بیان نہیں ہوسکتا۔ اب تمہیں حقیقی اَمن وخَلاصی حاصل ہوگئی اور تم اللّٰہ تعالیٰ کے غضب اور گناہوں کی سزا سے نجات پاگئے اور دنیا وآخرت میں گناہوں کی آفت سے چھوٹ گئے اور تمہاری توبہ کی گھاٹی بِاِذْنِ الٰہی عبور ہوگئی اور اللّٰہ ہی اپنے فضل واحسان سے ہدایت کا مالک ہے۔

تیسرا باب

تیسری گھاٹی عَوائِقِ اَرْبَعَہ کے بیان میں

اے عبادت کے طالِب! توبہ کے بعد مَوانِع اور رُکاوٹوں کو دور کرنا بھی تجھ پر لازم اور ضروری ہے تاکہ تیری عبادت درست اور مقبول ہوسکے، ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ موانِع چار ہیں:

اوّل: دنیا اور جو کچھ اس میں ہے

اس رُکاوٹ کو دور کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ تو اس سے تَجَرُّد[1] اور علیحدگی اختیار کرے اور دل سے اس کی محبت نکال ڈالے۔ یہ تَجَرُّد اور زُہد دو وجہ سے ضروری ہے، ایک تو اس لیے کہ تو عبادت کثرت سے کرسکے اور اس میں دُرُستی پیدا ہوسکے کیونکہ دنیا کی مشغولیت تیرے ظاہر وباطن کو عبادت سے روکے گی، ظاہر کو تو اس طرح کہ تو طلبِ دنیا کے لیے مارا مارا پھرتا رہے گا اور باطن کو اس طرح کہ تیرے دل میں لحظہ بہ لحظہ تَحْصِیْلِ دنیا[2] کے ارادے اور وسوسے پیدا ہوتے رہیں گے اور یہ ارادہ اور وسوسہ دونوں عبادت میں رکاوٹ بنیں گے کیونکہ دل ایک ہے

1 ......گوشہ نشینی۔ 2 ......دنیا کے حصول۔

توجب وہ ایک چیز کے ساتھ مشغول ہوگا تو اس کی ضد کے ساتھ اس وقت مشغول نہیں ہوسکتا اور دنیا و آخرت کی مثال دو سوکنوں کی سی ہے، اگر تم ایک کو خوش کرو گے دوسری ناراض ہوجائے گی اور دنیا و آخرت کے درمیان مغرب و مشرق جتنا فاصلہ ہے، جتنا ایک کے قریب ہوتے جاؤ گے، دوسری سے دور ہوتے جاؤ گے۔

ہم نے یہ جو کہا کہ بندے کا ظاہر طلبِ دنیا میں مشغول ہوجاتا ہے، اس کا ثبوت مندرجہ ذیل روایت سے ہوتا ہے جو حضرت ابودَرْداء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے مروی ہے، آپ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) فرماتے ہیں:

"رَاوَلْتُ اَنْ اَجْمَعَ بَیْنَ الْعِبَادَةِ وَ التِّجَارَةِ فَلَمْ یَجْتَمِعَا فَاَقْبَلْتُ عَلَی الْعِبَادَةِ وَ تَرَکْتُ التِّجَارَةَ" میں نے عبادت و تجارت کو جمع کرنے کا تجربہ کیا لیکن یہ دونوں جمع نہ ہوسکیں تو میں نے عبادت کو اختیار کیا اور تجارت کو چھوڑ دیا۔

حضرت فاروقِ اَعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے مروی ہے کہ آپ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) نے فرمایا:

"لَوْ کَانَتَا مُجْتَمِعَتَیْنِ لِاَحَدٍ غَیْرِیْ لَاجْتَمَعَتَا لِیْ لَمَا اَعْطَانِی اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ مِنَ الْقُوَّةِ وَ اللِّیْنِ" اگر عبادت و تجارت میرے سوا کسی اور میں اکٹھی ہوسکتیں تو مجھے دونوں ضرور ملتیں کیونکہ مجھے اللہ تعالیٰ نے قوت اور نرمی دونوں عطا فرمائی ہیں۔

توجب معاملہ یہ ہے کہ دونوں کا اِجتماع مشکل ہے تو فنا ہونے والی (دنیا) کا نقصان گوارا کرلو، مگر سلامتی اور حفاظت والی چیز یعنی آخرت کو نہ چھوڑو، باقی رہا بندے کے باطن کا دنیا کے ساتھ مشغول ہونا تو اس کا ثبوت اس رِوَایت سے ملتا

ہے جو نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم سے مروی ہے، آپ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) فرماتے ہیں:

"مَنْ اَحَبَّ دُنْیَاہُ اَضَرَّ بِآخِرَتِہٖ وَ مَنْ اَحَبَّ اٰخِرَتَہٗ اَضَرَّ بِدُنْیَاہُ فَاٰثِرُوْا مَا یَبْقٰی عَلٰی مَا یَفْنٰی" (1) جس نے دنیا کو پسند کیا اُس نے آخرت کا نقصان کیا اور جس نے آخرت کو پسند کیا اس نے دنیا کا نقصان کیا تو اس کو اختیار کرو جس کا نفع پائدار اور دائمی ہے اور اس کو چھوڑ دو جو صرف چند دن ہے۔

اِن گزشتہ رِوایات سے تجھ پر یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ جب تک تیرا ظاہر و باطن دُنیا کے ساتھ مشغول رہے گا کَمَا حَقُّہٗ عبادت نہیں ہو سکے گی مگر جب تو دنیا سے بے رغبت ہو جائے گا اور ظاہر و باطن کو دنیا سے خالی اور فارغ کر دے گا تو تجھے کَمَاحَقُّہٗ عبادت بجالانی نصیب ہو جائے گی بلکہ ظاہری و باطنی اَعضاء تیرے مُعاوِن و مددگار ہو جائیں گے، حضرت سلمان فارِسی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں:

"اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا زَھِدَ فِی الدُّنْیَا اِسْتَنَارَ قَلْبُہٗ بِالْحِکْمَۃِ وَ تَعَاوَنَتْ اَعْضَائُہٗ فِی الْعِبَادَۃِ" جب بندہ دنیا سے زہد و بے رغبتی اختیار کرتا ہے تو اس کا قلب حکمت سے منور ہو جاتا ہے اور اس کے اَعضاء عبادت کے سلسلہ میں اس کے مُعاوِن و مددگار بن جاتے ہیں۔

عَوائق اَرْبعَہ کو دور کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ عَوائق ختم ہو جانے کے بعد تمہارے اَعمالِ صالحہ کی قدر و قیمت بڑھ جائے گی اور ان کی عظمت و مرتبہ زیادہ ہو جائے گا، نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا ہے کہ

"رَکْعَتَانِ مِنْ رَجُلٍ عَالِمٍ زَاھِدٍ قَلْبُہٗ خَیْرٌ وَ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ جَلَّ جَلَالُہٗ مِنْ عِبَادَۃ

1 ...... مسند امام احمد، ۷ / ۱۶۵، حدیث: ۱۹۷۱۷۔

الْمُتَعَبِّدِیْنَ اِلٰی اٰخِرِ الدَّهْرِ اَبَدًا سَرْمَدًا" [1] زاہد و عابد عالم کی دو رکعت نماز اللہ تعالیٰ کے ہاں تکلُّف سے عبادت کرنے والوں کی قیامت تک کی عبادت سے افضل و اعلیٰ ہے۔

توجب دنیا میں زُہد اور اس سے علیحدگی اختیار کرنے سے عبادت کی عظمت زیادہ ہوتی ہے اور اس میں اِسْتِقامت و کثرت نصیب ہوتی ہے تو طالبِ عبادت پر لازم ہے کہ زُہد و تجرُّد کا راستہ اختیار کرے۔

سوال: زُہد کے کیا معنٰی ہیں اور اس کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: علمائے اہلِ سنَّت کے نزدیک زُہد دو قسم ہے: ﴿1﴾ زُہد مَقْدُوْر ﴿2﴾ زُہد غیر مَقْدُوْر، زُہد مَقْدُوْر یعنی وہ زُہد جو بندہ کے اختیار میں ہے وہ تین چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے:

﴿1﴾ دنیا کی جو چیز پاس نہ ہو اس کی طلب نہ کرے ﴿2﴾ جو موجود ہو اس کو راہِ خدا میں تقسیم کردے ﴿3﴾ دنیا کی اشیاء کا ارادہ اور انہیں پسند کرنا ترک کردے۔

جس شخص میں یہ تین صفتیں موجود ہوں وہ زاہد ہے۔

لیکن زُہد غیر مَقدور یعنی وہ جو بندے کے اختیار میں نہیں، یہ ہے کہ اس کا دل دُنیوی اشیاء کو حاصل کرنے کے شوق سے سرد پڑ جائے۔ زُہد غیر مَقدور، زُہد مَقدور کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے کیونکہ زُہد مَقدور، غیر مَقدور کا ذریعہ وسبب ہے، جو اشیاء بندے کے پاس نہ ہوں جب ان کی طلب چھوڑ دے اور موجود اشیاء کو راہِ خدا میں بانٹ دے اور ثوابِ آخرت کی نیت سے دنیا و اسبابِ دنیا کی آفات یاد

---

1 ......تفسیر روح البیان، سورة الکھف، تحت الآیة: ۶۵، ۵/ ۲۷۰، بتغیر۔

کرتے ہوئے بندہ جب آئندہ کے لیے مالِ دنیا کے حاصل کرنے کا ارادہ اور اس کی چاہت دل سے نکال دے تو اس کے ذریعہ دل میں دنیا کی طلب سرد پڑ جائے گی اور دنیا واسبابِ دنیا کی طلب سے دل کا سرد پڑ جانا ہی حقیقی زُہد ہے۔

پھر یہ جاننا چاہیے کہ زُہد مقدور کی تیسری جزء یعنی طلبِ دنیا کا ارادہ بھی دل سے نکال دینا بہت مشکل ہے کیونکہ بہت ایسے ہیں جو اوپر اوپر سے تو تارِکِ دنیا ہیں مگر ان کے دلوں میں دنیا کی محبت چٹکیاں لیتی رہتی ہے، ایسا شخص اسی کشمکش میں مبتلا رہتا ہے حالانکہ زُہد کی اصل شان اس تیسری جزء سے ہی پیدا ہوتی ہے، کیا تم نے اللہ بلند و بزرگ کے یہ ارشادات نہیں سُنے:

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَ لَا فَسَادًا ؕ (پ ۲۰) (1)	ہم آخرت کا گھر صرف ان لوگوں کو عطا کریں گے جو دنیا میں سرکشی وفساد کا ارادہ تک نہیں کرتے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جنت میں داخلے کا حکم ان لوگوں کے لیے بتایا ہے جو سرکشی وفساد کا ارادہ نہیں کرتے، ان کے لیے نہیں بتایا جو سرکشی وفساد طلب نہیں کرتے یا عملی طور پر نہیں کرتے، ایک مقام پر فرمایا ہے:

مَنْ كَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِیْ حَرْثِهٖ ۚ وَ مَنْ كَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الدُّنْیَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَ مَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ	جو شخص آخرت کی کھیتی کا ارادہ رکھتا ہے ہم اسے اس کھیتی کی اور زیادہ توفیق دیتے ہیں اور جو دنیا کی کھیتی کا ارادہ کرے ہم اسے کچھ

(1)......ترجمۂ کنز الایمان: یہ آخرت کا گھر ہم اُن کے لیے کرتے ہیں جو زمین میں تکبر نہیں چاہتے اور نہ فساد۔ (پ ۲۰، القصص: ۸۳)

مِنۡ نَّصِیۡبٍ ﴿۲۰﴾ (پ ۲۵)[1] دے دیتے ہیں مگر آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں رہتا۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ الۡعَاجِلَۃَ عَجَّلۡنَا لَہٗ فِیۡہَا مَا نَشَآءُ (پ ۱۵)[2] جو شخص اس دنیا کو چاہے ہم اس کو اپنی مَشِیَّت کے مطابق اس سے کچھ دے دیتے ہیں۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

مَنۡ اَرَادَ الۡاٰخِرَۃَ وَسَعٰی لَہَا سَعۡیَہَا (پ ۱۵،بنی اسرائیل)[3] جس نے آخرت کو چاہا اور اس کے لیے کوشش کی۔

تو تم ان تمام مُندرَجہ بالا آیات کا مطالعہ نہیں کرتے کہ ان تمام میں ارادے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ ارادہ ایک بہت بڑی چیز ہے لیکن جب انسان پہلی دو چیزوں (یعنی موجود مال راہِ حق میں صدقہ کرنا اور غیر موجود کی طلب سے بے نیاز ہونا) پر عزم و اِسْتِقْلال[4] سے عمل شروع کر دے تو امید ہے کہ رب تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے طلبِ دنیا کے ارادے کو بھی کُھلِے طور پر دل سے نکال دے

1 ......ترجمۂ کنز الایمان: جو آخرت کی کھیتی چاہے ہم اس کے لیے اس کی کھیتی بڑھائیں اور جو دنیا کی کھیتی چاہے ہم اسے اس میں سے کچھ دیں گے اور آخرت میں اُس کا کچھ حصہ نہیں۔ (پ ۲۵، الشورٰی: ۲۰)

2 ......ترجمۂ کنز الایمان: جو یہ جلدی والی چاہے ہم اسے اس میں جلد دے دیں جو چاہیں۔ (پ ۱۵، بنی اسرائیل: ۱۸)

3 ......ترجمۂ کنز الایمان: جو آخرت چاہے اور اس کی سی کوشش کرے۔ (پ ۱۵، بنی اسرائیل: ۱۹)

4 ......مستقل مزاجی۔

کیونکہ وہ ذات نہایت فضل وکرم فرمانے والی ہے، پھر جس چیز سے راہِ خدا میں مال لگانے اور ترکِ دنیا پر مدد ملتی ہے اور جو شے اس سلسلے میں آسانی کا باعث ہے وہ یہ ہے کہ آفاتِ دنیا اور اس کے عُیوب کو ذہن میں دُہرایا جائے۔

مذمتِ دنیا کے متعلق مَشائخ رَحِمَهُمُ الله کے بہت اَقوال ہیں، چنانچہ بعض مَشائخ (رَحِمَهُمُ اللهُ السَّلام) نے فرمایا ہے:

"تَرَكْتُهَا لِقِلَّةِ غَنَائِهَا وَسُرْعَةِ فَنَائِهَا وَخِسَّةِ شُرَكَائِهَا" میرے دنیا سے مُتَنَفِّر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ تھوڑا وقت انسان کو دولتمند کرتی ہے اور جلد ہی فنا ہو جاتی ہے اور جتنے اس کے طالب ہیں سب خَسِیس اور کمینے ہیں۔

میرے شیخ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه نے فرمایا ہے کہ مندرجہ بالا قول سے بھی دنیا کے ساتھ تعلق کی بو آتی ہے کیونکہ جو شخص کسی شَے سے جدائی کا شکوہ کرتا ہے وہ درحقیقت اس کے وِصَال کا آرزومند ہوتا ہے، اسی طرح جو شخص کسی شَے سے اس بنا پر علیحدگی اختیار کرتا ہے کہ اس میں اور بھی شریک ہیں وہ درحقیقت اس امر کا خواہشمند ہوتا ہے کہ کاش میں اکیلا ہی اس کا مالک ہوتا، اس لیے مذمتِ دنیا کے متعلق زیادہ درست وہی ہے جو میرے شیخ رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَيْه نے فرمایا ہے، آپ نے فرمایا:

"اَلدُّنْيَا عَدُوٌّ لِلّٰهِ وَاَنْتَ مُحِبُّهُ وَمَنْ اَحَبَّ اَحَدًا اَبْغَضَ عَدُوَّهُ" دنیا خدا کی دشمن ہے اور تو خدا کا دوست ہے اور قاعدہ ہے کہ جو کسی کو دوست رکھتا ہو وہ اپنے دوست کے دشمن کو بھی اپنا دشمن سمجھتا ہے۔

میرے شیخ (رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَيْه) نے یہ بھی فرمایا:

”لِاَنَّ الدُّنْیَا فِیْ اَصْلِهَا وَسِخَةٌ جِیْفَةٌ اَلَا تَرَی اِنَّ اٰخِرَهَا اِلَی الْقَذَرِ وَ الْفَسَادِ وَ التَّلَاشِیْ وَ الْاِضْمِحْلَالِ وَ النَّفَادِ لٰكِنَّهَا ضُمِّخَتْ بِطِیْبٍ وَطُوِیَتْ بِزِیْنَةٍ“ کیونکہ یہ دنیا درحقیقت میلے کچیلے مردار کی مانند ہے، تم دیکھتے نہیں کہ اس کے لذیذ کھانے تھوڑی دیر میں بدبودار گندگی بن جاتے ہیں اور انجام کار اس کی زیب و زینت والی چیزیں خراب، پژمُردہ اور فنا و مَعْدُوم ہو جاتی ہیں مگر اس کے ظاہر کو خوشبودار اور مُزَیَّن کر دیا گیا ہے۔

تو غافل اس کے ظاہر کو دیکھ کر اس کے دھوکے میں آ گئے مگر دانا لوگوں نے اس سے کنارہ کشی اختیار کی۔

سوال: کیا زُہد اختیار کرنا فرض ہے یا نَفْل؟

جواب: مَشَائِخِ اہلِ سنَّت (رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْهِم) کے نزدیک زُہد دو چیزوں سے ہوتا ہے، ایک حرام سے، دوسرے حلال سے۔ حرام اشیاء سے زُہد فرض ہے اور حلال سے مُسْتَحَب۔ پھر جن لوگوں کو طاعات و عبادات میں اِسْتِقَامَت حاصل ہے ان کے نزدیک حرام ایک نَجَس اور مردار چیز کی طرح ہے خدانخواستہ اگر اسکے استعمال کی ضرورت پیش آئے تو بہت معمولی اور بقدرِ ضرورت استعمال کرنے کی شرعاً اجازت ہے مگر اَبدال و کاملین کے نزدیک حلال بھی ضرورت سے زائد استعمال کرنا مردار کی مانند ہے، وہ حلال بھی بقدرِ ضرورت و حاجت ہی استعمال کرتے ہیں باقی رہا حرام تو وہ ان کے نزدیک آگ کی مانند ہے اس کے استعمال کا انہیں وہم تک نہیں آتا۔ دل کے دنیا سے نکل جانے کا یہی مطلب ہے کہ طلبِ دنیا کے پَرَاگَنْدَہ خیالوں سے دل پاک و صاف ہو جائے اور یہاں تک دنیا کی

نفرت دل میں جاگزیں ہو جائے کہ وہ اسے سخت گندی اور مکروہ شی سمجھنے لگے یہاں تک کہ طلبِ دنیا کا کوئی دَاعِیَہ [1] دل میں نہ رہے۔

سوال: یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ عجیب عجیب شہوتوں اور لذتوں سے آراستہ پیراستہ دنیا کو انسان آگ یا ایک گندے مردار کی طرح سمجھنے لگے خاص کر ہم جیسے کمزور خِلقت اور ضعیف طبیعت تو بالکل ایسے نہیں ہوسکتے۔

جواب: اللہ تعالیٰ جس انسان کو اپنی خاص توفیق سے نوازتا ہے اور جو آفاتِ دنیا سے واقف و آگاہ ہو جاتا ہے تو دنیا اسے ایسی ہی حقیر و ذلیل معلوم ہوتی ہے مگر جو بے وقوف اس کے عُیُوب اور اس کی آفات سے اندھا رہے اور اس کی ظاہری ٹیپ ٹاپ زینت سے فریب خُوْرْدَہ [2] ہو وہ دنیا کے متعلق ایسے تَصَوُّر سے تعجب ہی کرتا ہے اور وہ دنیا کو حقیر و ذلیل سمجھنا ناممکن خیال کرتا ہے میں ایک ایسی مثال دیتا ہوں جس سے دنیا کی حقیقت تم پر روشن اور واضح ہو جائے گی:

ایک شخص پوری اشیاء ڈال کر نفیس اور عمدہ حلوہ تیار کرے مگر تیار کرنے کے بعد اس میں زہرِ قاتل کا ایک قطرہ ڈال دے، زہر ڈالتے وقت ایک شخص تو دیکھ رہا تھا مگر دوسرا اس سے بے خبر تھا جب دونوں کے سامنے وہ بہترین اور عمدہ حلوہ کھانے کے لیے رکھا جائے گا تو جسے زہر کی ملاوٹ کا علم ہے وہ ہرگز اس کے کھانے کی طرف راغب نہیں ہوگا بلکہ کھانے کا خیال بھی نہیں کرے گا اور اس کے نزدیک یہ حلوہ پیٹ میں آگ ڈالنے سے بھی زیادہ مشکل ہوگا کیونکہ وہ اس کی اندرونی آفت سے واقف ہے وہ اس کی ظاہری عمدگی اور نفاست سے دھوکے

1 ......خواہش۔ 2 ......فریب میں مبتلا۔

میں نہیں آئے گا مگر دوسرا شخص جسے آمیزشِ زہر کا علم نہیں وہ اس کی ظاہری عمدگی و نفاست سے فریب میں آ جائے گا وہ حرص ولالچ سے حلوے پر ٹوٹ پڑے گا اور اپنے ساتھی پر اس حلوے سے نفرت کی وجہ سے تعجب کرے گا بلکہ اسے اَحمق اور بے وقوف خیال کرے گا۔ دنیا کی حرام اشیاء بھی بِعَیْنِہٖ اسی طرح ہیں جو اہلِ بصیرت اِسْتِقَامَت کے ساتھ شریعتِ حَقّہ کے راستے پر گامزن ہیں وہ تو اس سے سخت مُتَنَفِّر ہیں مگر حرام کے نقصانات سے بے خبر لوگ اس پر فدا ہو رہے ہیں۔

اور اگر حلوہ تیار کرنے والے نے اس میں زہر کی ملاوٹ نہ کی ہو بلکہ اس میں تھوک دیا ہو یا ناک صاف کی ہو اور اس تھوک وغیرہ کو حلوہ میں ملا کر اوپر سے اچھی طرح درست کر دیا ہو تو جو آدمی اس کارروائی کو دیکھ رہا ہو وہ تو اس حلوہ سے کَرَاھَت اور نفرت کا اظہار کرے گا اور سوائے اَشد ضرورت کے اسے کھانے پر رضا مند نہیں ہو گا لیکن جو شخص مذکورہ کارروائی سے ناواقف ہو گا وہ اس کی عمدگی اور نَفاست سے متأثر ہو کر خوشی خوشی سب چٹ کر جائے گا بلکہ اس پر فرحت و پسندیدگی کا اظہار کرے گا۔

یہ دنیا کے حلال کی مثال ہے جو اہلِ بصیرت و اِسْتِقَامَت ہیں وہ تو اسے صرف بقدرِ حاجت استعمال میں لاتے ہیں مگر اہلِ غفلت اسے مَنّ و سَلْویٰ کی طرح اُڑاتے ہیں، دیکھیے یہاں دونوں قسم کے لوگوں کی خِلْقَت وطبیعت تو برابر ہے مگر علم وبصیرت، جہالت وخِفا[1] کی وجہ سے دونوں کے اَفعال میں کتنا فرق ہے، اگر اس جاہل وناواقف کو آمیزشِ زہر کا علم ہوتا تو ضرور وہ اس سے اِجتناب

1 ...... پوشیدہ ہونے۔

کرتا اور اگر اس واقف آدمی کو مذکورہ آمیزش کا پتہ نہ ہوتا تو وہ اس بے خبر شخص کی طرح بلا توقُّف سب حلوہ ہڑپ کر جاتا۔ تمہیں اس بیان کردہ مثال سے اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ یہ فرق طبیعت وخِلْقت کی وجہ سے نہیں بلکہ علم وبصیرت کی بنا پر ہے یہ فرق ایک ٹھوس اور پختہ چیز ہے ہر باانصاف اور عقلمند اس کی دُرُستی کا اِعتراف کرے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہدایت وتوفیق کا مالک ہے۔

سوال: کچھ نہ کچھ دنیا کا ہونا تو ضروری ہے جس سے ہماری اور ہمارے اہل وعیال کی زندگی قائم رہ سکے تو دنیا سے کُلِّی طور پر علیحدگی کیسے ہو سکتی ہے؟

جواب: زُہد سے مقصود یہ ہے کہ فُضول، زائد اور غیر ضروری اشیاء سے اِجتناب کیا جائے غرض یہ کہ صرف اس قدر طاقت وقدرت موجود رہے جس سے عبادت وطاعتِ خُدَاوَنْدِی ادا ہو سکے، مَحْض کھانا پینا اور لذت گِیر ہونا[1] مقصود نہ ہو اور خدا تعالیٰ کو اس پر بھی قدرت ہے کہ تمہیں سبب وذریعہ سے زندہ رکھے یا بغیر کسی ظاہری سبب کے، جیسے ملائکہ کہ ان مادی اَسباب وذَرائع کے بغیر ہی زندہ ہیں۔ خدا تعالیٰ کو اس کی بھی طاقت ہے کہ تمہیں تمہارے پاس موجود شی کے ذریعہ زندہ رکھے یا ایسی شی مہیا فرما دے جس کا تمہیں وہم وگمان تک نہ ہو، جیسا کہ رب تعالیٰ نے ایک جگہ فرمایا:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ﴿۲﴾ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ(2)

جو تقویٰ وپرہیزگاری کی راہ اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اسے اس جگہ سے روزی دیتا ہے جہاں کا اسے وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔

---

1 ……لذت حاصل کرنا۔　2 ……ترجمۂ کنزالایمان: اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لیے نجات کی راہ نکال دے گا اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں اس کا گمان نہ ہو۔ (پ۲۸، الطلاق: ۲،۳)

اس لیے اگر تم تقویٰ پر کاربند ہو جاؤ تو تمہیں بقاءِ حیات [1] کے لیے طلبِ دُنیا وغیرہ کی حاجت نہیں اور اگر زُہد کا یہ درجہ تمہیں حاصل نہ ہو تو زادِ آخرت اور تقویٰ کی نیّت سے تلاش کرو شہوت اور لذت کی غرض سے تلاش نہ کرو کیونکہ جب تمہاری نیت نیک ہوگی تو یہ طلب آخرت میں ہی شمار ہوگی اور اس طرح تمہارے زُہد میں کوئی فرق نہیں آئے گا، اس مذکورہ بیان کو اچھی طرح ذہن نشین کرو۔

وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْق

دوسری رُکاوٹ: مخلوق سے میل جول

پھر مخلوق سے علیحدگی اور عُزْلت [2] بھی لازم ہے اور اس کے دو سبب ہیں:

ایک یہ کہ تم میل جول میں مبتلا ہو کر عبادت سے محروم ہو جاؤ گے، ایک بُزُرگ (رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْه) فرماتے ہیں کہ میں ایک جماعت کے پاس سے گزرا جو بَحْث ومُبَاحَثَہ میں مشغول تھی اور ایک شخص ان سے تھوڑی دور ہٹ کر اکیلا بیٹھا ہوا تھا، میں نے اس کے قریب جا کر اس سے گفتگو کرنی چاہی تو اس نے جواب دیا: ”میں ذِکرِ الٰہی میں مشغول رہنے کو تیرے ساتھ گفتگو کرنے سے زیادہ محبوب سمجھتا ہوں۔“ میں نے کہا: تم یہاں اکیلے بیٹھے ہوئے ہو۔ تو اس نے کہا: ”میں اکیلا نہیں بلکہ میرے ساتھ ایک میرا رب ہے اور دو كِرَامًا كَاتِبِيْن [3] ہیں۔“

---

1 ......زندگی گزارنے۔ 2 ......گوشہ نشینی۔ 3 ......اعمال لکھنے والے فرشتے۔

اس کے بعد میں نے اس سے سوال کیا بَحث مُباحَثہ کرنے والوں میں بہتر کون ہے؟ تو اس نے جواب دیا: ''جس کو خدا نے بخش دیا ہو۔'' میں نے پوچھا: سیدھی راہ کون سی ہے؟ تو اس نے ہاتھ سے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور کھڑا ہو کر چل پڑا۔ چلتے وقت وہ یہ کہہ رہا تھا: ''اے اللہ! تیری اکثر مخلوق مجھے تیرے ذکر سے غافل رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔''

تو معلوم ہوا کہ مخلوق کے ساتھ تعلقات عبادت سے غافل کر دیتے ہیں بلکہ عبادت سے روک دیتے ہیں بلکہ بعض اوقات ہلاکت اور بُرائی میں ڈال دیتے ہیں، جیسا کہ حضرت حاتم اَصَم رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہ نے فرمایا:

''میں نے مخلوق سے پانچ چیزیں طلب کیں مگر نہ مل سکیں، میں نے ان سے کہا: زُہد وطاعت میرے لیے مہیا کرو، مگر وہ نہ کر سکے۔ میں نے کہا: زُہد وطاعت میں میری اِعانت [1] ہی کرو، مگر وہ اِعانت بھی نہ کر سکے۔ میں نے کہا: اگر زُہد و طاعت کے لیے تم سے کِنارہ کشی کروں تو ناراض نہ ہونا، مگر وہ کِنارہ کشی پر ناراض ہوگئے۔ میں نے کہا: زُہد وطاعت کے حاصل کرنے میں تم رُکاوٹ نہ بننا، مگر وہ روکنے سے باز نہ آئے۔ اَخِیْر [2] میں نے کہا: مجھے خدا کی نافرمانی کی طرف تو نہ بُلاؤ، مگر انہوں نے میری اس بات کو بھی تسلیم نہ کیا۔ جب لوگوں سے میری کوئی مراد بھی پوری نہ ہوئی تو میں ان سے کِنارہ کش ہوگیا اور اِصلاحِ نَفْس میں مشغول ہوگیا۔''

---

1 ......مدد۔ 2 ......آخر۔

اے عزیز! نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے گوشہ نشینی کی حقیقت، گوشہ نشینی کے زمانے اور اس زمانے کے لوگوں کی وضاحت فرمادی ہے اور حکم دیا ہے کہ جب وہ وقت اور زمانہ آئے تو مخلوق سے یکسر کنارہ کش ہو جانا ورنہ تمہارا دین تباہ اور آخرت برباد ہو جائے گی اور یہ واضح ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم اُمّت کے مَصَالح [1] ہم سے زیادہ جانتے تھے اور آپ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) ہم سے زیادہ ہمارے خیر خواہ تھے، تو اگر تم وہ زمانہ پاؤ جس میں آپ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) نے عُزلت کا حکم دیا ہے تو آپ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) کے حکم کی ضرور تعمیل کرو اور آپ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) کی نصیحت پر عمل کرو اور ایسا وہم بھی نہ کرو کہ ہم اپنی بھلائیوں کو حضور (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) سے بہتر جانتے ہیں اور عُزلت و گوشہ نشینی کے ترک کے لیے لچر [2] و بیہودہ تاویلات نہ کرو اور رَقیق [3] حیلوں کے ذریعہ اپنے دل کو نہ بہلاؤ، اگر اس نازک وقت میں حضور (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) کے ارشاد کی تعمیل نہیں کرو گے تو ہلاک و برباد ہو جاؤ گے اور آخرت میں تمہارا کوئی عذر نہیں سنا جائے گا۔

ایک مشہور حدیث میں جو حضرت عبد اللّٰہ بن عَمْرو بن عاص رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنْہ سے مروی ہے، گوشہ نشینی کے وقت کی تشریح کردی ہے، چنانچہ حضرت عبد اللّٰہ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) فرماتے ہیں: ایک دفعہ ہم حضور (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) کی خدمت میں حاضر تھے فتنوں کا ذکر ہو رہا تھا تو آپ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ

1...... فائدے۔ 2...... بے معنی۔ 3...... معمولی۔

وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) نے فرمایا:

"اِذَا رَاَیْتُمُ النَّاسَ مَرِجَتْ عُھُوْدُھُمْ وَ خَفَّتْ اَمَانَتُھُمْ وَ کَانُوْا ھٰکَذَا وَ شَبَّکَ بَیْنَ اَصَابِعِہٖ فَالْزِمْ بَیْتَکَ وَ اَمْلِکْ عَلَیْکَ لِسَانَکَ وَ خُذْ مَا تَعْرِفُ وَ دَعْ مَا تُنْکِرُ وَعَلَیْکَ بِاَمْرِ الْخَاصَّۃِ وَ دَعْ عَنْکَ اَمْرَ الْعَامَّۃِ "[1]

جب تم دیکھو کہ لوگ وعدہ خلافی میں مبتلا ہو جائیں اور امانت میں خیانت کرنے لگیں اور لوگوں میں بیجا اِختِلاط[2] بڑھ جائے (اور بیجا اِختِلاط کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسری میں ڈال دیں) تو اس وقت شدید ضرورت کے بغیر گھر سے باہر نہ نکل، اپنی زبان پر کنٹرول کر، نیک کام اختیار کر، بُرائی سے اِجتناب کر، عُزلت کو اپنے اوپر لازم پکڑ اور میل جول سے پوری طرح اِحتِراز[3] کر۔

ایک اور حدیث میں نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے زمانۂ عُزلت کی یہ نشانی بیان فرمائی ہے: "ذٰلِکَ اَیَّامُ الْھَرَجِ" یعنی اس وقت گوشہ نشینی لازم ہے جب ہَرَج عام ہو۔ حاضرین نے عرض کیا: "ھَرَجْ" سے کیا مراد ہے؟ تو آپ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنے ہمنشین سے بے خوف اور مطمئن نہ ہو۔[4]

اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ

---

1 ......سنن ابی داوٗد، کتاب الملاحم، باب الامر والنھی، ۴/۱۶۵، حدیث:۴۳۴۳، بتغیر۔

2 ......میل جول۔ 3 ...... پرہیز۔

4 ......البحر الزخار، ۴/۲۷۶، الجزء الخامس عشر، حدیث:۱۴۴۴، بتغیر۔

حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے حارِث[1] بن عَمِیرہ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) کو فرمایا:

"اِنْ یُّدْفَعُ عَنْ عُمْرِكَ فَسَیَاْتِیْ عَلَیْكَ زَمَانٌ كَثِیْرٌ خُطَبَائُهٗ قَلِیْلٌ عُلَمَائُهٗ كَثِیْرٌ سُؤَّالُهٗ قَلِیْلٌ مُعْطُوْهُ الْهَوٰی فِیْهِ قَاعِدُ الْعِلْمِ" اگر تیری عمر نے وفا کی تو تو ایسا زمانہ پائے گا جس میں خطیب بہت ہوں گے لیکن جامع عالم کم ہوں گے گداگر بہت ہوں گے لیکن انہیں دینے والے بہت کم ہوں گے اور علم خواہشات کے تابع ہو جائے گا۔

حضرت حارِث[2] بن عَمِیرہ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) نے عرض کیا: ایسا زمانہ کب آئے گا؟ تو آپ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) نے فرمایا:

"اِذَا اُمِیْتَ الصَّلٰوةُ وَ قُبِلَتِ الرِّشَاءُ وَ یُبَاعُ الدِّیْنُ بِعَرَضٍ یَسِیْرٍ مِنَ الدُّنْیَا فَالنَّجَاءَ اَلنَّجَاءَ ثُمَّ وَیْحَكَ النَّجَاءَ" جب نمازوں کی پرواہ نہیں ہوگی، رشوت کا لین دین عام ہوگا اور دین و مذہب حقیر دنیا کے عِوَض فروخت کر دیا جائے گا، ایسے وقت میں بچنا۔ آپ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) نے "بچنے" کا لفظ تین بار دُہرایا۔

میں کہتا ہوں: حضور (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) نے زمانۂ عُزلت کی جو علامات بتائی ہیں وہ سب کی سب ہمارے زمانہ میں موجود ہیں۔ (امام صاحب رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ پانچ سو ہجری کی حالت بیان کر رہے ہیں، آج چودھوی صدی کا اخیر[3] ہے۔ اس میں عُزلت گزینی[4] کی اہمیت وضرورت کا خود اندازہ لگالو)۔

1 ...... یہاں لفظ "حرث" تھا، یہ کتابت کی غلطی ہے کیونکہ اصل عربی متن میں درست لفظ "حارث" ہے، لہٰذا اس کی تصحیح کر دی گئی ہے۔ (علمیہ)
2 ...... ایضاً۔
3 ...... آخر۔
4 ...... گوشہ نشینی۔

پھر سَلَف صَالِحِیْن (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ الْمُبِیْن) ایسے خراب وقت کے لوگوں سے علیحدہ رہنے کی سخت تاکید فرماتے تھے وہ خود تمام عمر میل جول اور اِخْتِلاط سے کِنارہ کَش رہے اور دوسروں کو اس کی تاکید فرماتے رہے۔ بلاشبہ وہ لوگ ہم سے کہیں زیادہ صاحبِ بَصیرت تھے ان کے بعد کا زمانہ ان کے زمانے سے بہتر نہیں بلکہ دینی اعتبار سے زیادہ تلخ اور خراب ہے۔

حضرت یُوسُف بن اَسْباط (رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْه) نے فرمایا کہ حضرت سُفیان ثَوری رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْه خدا کی قسم کھا کر کہا کرتے تھے کہ ہمارے زمانے میں گوشہ نشینی جائز ہوگئی ہے، میں (امام غزالی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْه) کہتا ہوں اگر ان کے زمانے میں جائز تھی تو ہمارے زمانے میں فرض ہوگئی ہے۔ حضرت سُفیان ثوری (رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْه) سے یہ بھی مَنْقُول ہے کہ آپ نے حضرت عَبَّاد الْخَوَّاص رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْه کو مندرجہ ذیل خط لکھا:

"اَمَّا بَعْد! فَاِنَّكَ فِیْ زَمَانٍ كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَتَعَوَّذُوْنَ بِاللّٰهِ مِنْ اَنْ یُدْرِكُوْهُ فِیْمَا بَلَغَنَا وَلَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَیْسَ لَنَا فَكَیْفَ بِنَا حِیْنَ اَدْرَكْنَاهُ عَلٰى قِلَّةِ عِلْمٍ وَقِلَّةِ صَبْرٍ وَ قِلَّةِ اَعْوَانٍ عَلَى الْخَیْرِ وَ كَدَرٍ مِنَ الدُّنْیَا وَفَسَادٍ مِنَ النَّاسِ فَاِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْه قَالَ: فِی الْعُزْلَةِ رَاحَةٌ مِنْ خُلَطَاءِ السُّوْءِ"

اَمَّا بَعْد! تو ایسے زمانے میں ہے جس سے حضور کے صحابہ (رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُم) پناہ مانگتے تھے، حالانکہ وہ ہم سے زیادہ عالم تھے۔ اب ہمارا کیا حال ہوگا جب کہ ہم اسی خطرناک

زمانے میں ہیں اور پھر ہم علم میں ان سے کم ہیں، صبر میں کم ہیں اور نیکی پر اِعانت کرنے والے بھی اب کم ہیں اور دنیا بہ نسبت اُس وقت کے اِس وقت زیادہ خراب ہے اور لوگوں میں فساد بھی زیادہ آ گیا ہے، اسی لیے حضرت فاروقِ اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا: ''بُرے ہمنشین سے کِنارہ کشی میں راحت ہے۔''

یہ مندرجہ ذیل عربی اشعار بھی اسی سلسلے میں کہے گئے ہیں:

(۱) ھٰذَا الزَّمَانُ الَّذِیْ کُنَّا نُحَاذِرُہٗ فِیْ قَوْلِ کَعْبٍ وَّ فِیْ قَوْلِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ

(۲) دَھْرٌ بِہٖ اَلْحَقُّ مَرْدُوْدٌ بِاَجْمَعِہٖ وَالظُّلْمُ وَالْبَغْیُ فِیْہِ غَیْرُ مَرْدُوْدٌ

(۳) اَعْمٰی اَصَمٌّ مِنَ الْاَزْمَانِ مُلْتَبِسٌ فِیْہِ لِاِبْلِیْسَ تَصْوِیْبٌ تَصْعِیْدٌ

(۴) اِنْ دَامَ ھٰذَا وَلَمْ یَحْدُثْ لَہٗ غَیْرٌ لَمْ یُبْكَ مَیِّتٌ وَلَمْ یُفْرَحْ بِمَوْلُوْدٍ

ترجمہ: (۱) ہمارا یہ زمانہ وہی ہے جس سے ہمیں حضرت کعب (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ) وحضرت ابنِ مسعود (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ) کے قول میں ڈرایا گیا ہے۔

(۲) یہ ایسا زمانہ ہے جس میں حق مردود ہے اور ظلم وبغاوت مقبول ومحبوب ہے۔

(۳) اس وقت دین سے اندھے اور بہرے مسلمانوں میں مل گئے ہیں اور اس وقت ابلیس کو سچا اور بلند خیال کہا جاتا ہے۔

(۴) اگر اس زمانے کی نازک حالت یہی رہی اور اس میں کوئی بہتر تبدیلی رُونما نہ ہوئی تو اس کے مرنے والوں پر نہ اظہارِ افسوس لائق ہوگا اور نہ نئے پیدا ہونے والوں پر اظہارِ مسرت مناسب ہوگا۔

اور میں (امام غزالی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) نے سنا ہے کہ ایک دفعہ حضرت

سُفیان بن عُیَیْنَہ (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) نے حضرت سُفیان ثَوری (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) سے کہا: مجھے کوئی نصیحت کیجئے، تو آپ نے فرمایا: "اَقْلِلْ مِنْ مَعْرِفَةِ النَّاسِ" یعنی لوگوں سے میل جول اور تعارف کم رکھ۔ تو سُفیان بن عُیَیْنَہ (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) نے کہا: اللہ آپ پر رحم کرے، حدیث میں تو آیا ہے:

اَکْثِرُوْا مِنْ مَّعْرِفَةِ النَّاسِ فَاِنَّ لِکُلِّ مُؤْمِنٍ شَفَاعَةً [1] یعنی لوگوں سے تعارف بڑھاؤ کیوں کہ ہر واقِف مومن دوسرے مومن کی شفاعت کرے گا۔

تو حضرت سُفیان ثوری (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) نے اس کے جواب میں فرمایا: میرا غالب گمان یہی ہے کہ تجھے جو تکلیف اور ایذا پہنچی ہوگی وہ کسی واقِف کار ہی سے پہنچی ہوگی۔ حضرت سُفیان ثوری رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ نے یہ الفاظ کہے اور فوت ہوگئے، سُفیان بن عُیَیْنَہ (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) کہتے ہیں کہ میں نے آپ کو بعدِ وفات خواب میں دیکھا کہ آپ (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) بلند مراتب پر فائز ہیں، میں نے عرض کیا کہ کوئی نصیحت کیجئے تو آپ (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) نے فرمایا:

"اَقْلِلْ مِنْ مَعْرِفَةِ النَّاسِ مَا اسْتَطَعْتَ فَاِنَّ التَّخَلُّصَ مِنْهُمْ شَدِيْدٌ" جہاں تک ہو سکے لوگوں سے تعارُف وواقفیت کم رکھ کیونکہ مخلوق کے اِختِلاط سے خَلاصی پانا سخت مشکل ہے۔

ایک عربی شاعر نے اس مضمون کو اس طرح ادا کیا ہے:

(۱) وَ مَا زِلْتُ مُذْلَاحَ الْمَشِيْبُ بِمَفْرِقِيْ   اُفَتِّشُ عَنْ هٰذَا الْوَرٰی وَاُکَشِّفُ

(۲) فَمَا اَنْ عَرَفْتُ النَّاسَ اِلَّا ذَمَمْتُهُمْ   جَزَی اللّٰهُ خَيْرًا كُلَّ مَنْ لَّسْتُ اَعْرِفُ

[1] ......فردوس الاخبار، ذکر الاحادیث التی امرھاالنبی...الخ، ۱/۵۷، حدیث: ۲۱۹، بتغیر۔

(۳)وَمَالِیَ ذَنْبٌ اَسْتَحِقُّ بِهِ الْجَفَاء سِوَی اَنَّنِیْ اَحْبَبْتُ مَنْ لَیْسَ یُنْصِفُ

(۱) میں لوگوں کے حالات کی تفتیش اور ان سے تعارُف پیدا کرنے میں مصروف رہا یہاں تک کہ میں بڑھاپے کی عمر کو پہنچ گیا۔

(۲) تو میری جن سے بھی واقفیت ہوئی میں نے ان کی بُرائی ہی کی، اللہ تعالیٰ ان کو نیک جزا دے جن کو میں نہیں جانتا۔

(۳) وہ غلطی جس کے باعث میں زیادہ قابلِ مذمت ہوں یہی ہے کہ میں نے ان کو دوست بنایا جو انصاف ووفا سے نا آشنا تھے۔

ایک مکان کے دروازے پر یہ الفاظ تحریر تھے:

"جَزَی اللّٰہُ مَنْ لَّا یَعْرِفُنَا خَیْرًا وَّ لَا جَزَی بِذٰلِكَ اَصْدِقَائَنَا فَمَا اُوْذِیْنَا قَطُّ اِلَّا مِنْھُمْ" اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے جن کو ہم نہیں جانتے مگر انہیں نہ دے جو ہمارے دوست ہیں کیوں کہ ہمیں جو ایذا و تکلیف پہنچی ہے وہ دوستوں ہی سے پہنچی ہے۔

عربی کے یہ دو شعر بھی اسی سلسلے میں کہے گئے ہیں:

(۱) جَزَی اللّٰہُ عَنَّا الْخَیْرَ مَنْ لَیْسَ بَیْنَنَا وَ لَا بَیْنَہٗ وُدٌّ وَ لَا نَتَعَارَفُ

(۲) فَمَا مَسَّنَا ھَمٌّ وَ لَا نَالَنَا اَذًی مِنَ النَّاسِ اِلَّا مَنْ نَوَدُّ وَنَعْرِفُ

(۱) اللہ اس کو جزائے خیر دے جس کی ہم سے کوئی دوستی اور تعارُف نہیں۔

(۲) کیونکہ ہمیں جو بھی غم یا ایذا پہنچی ہے وہ اپنے دوستوں اور واقف کاروں ہی سے پہنچی ہے۔

حضرت **فُضَیل** رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْه نے فرمایا ہے: "ھٰذَا زَمَانٌ اِحْفَظْ لِسَانَكَ وَ اخْفِ مَكَانَكَ وَعَالِجْ قَلْبَكَ وَخُذْ مَا تَعْرِفُ وَدَعْ مَا تُنْكِرُ" اس نازک دور میں اپنی

زبان کی حفاظت کر، اپنے مکان کو مَسْتُوْر[1] رکھ، اپنے قلب کی اصلاح کر، نیک کام اختیار کر اور بُرائی سے اِجتناب کر۔

حضرت سفیان ثوری رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ نے اپنے زمانے کے متعلق فرمایا:

"ھٰذَا زَمَانُ السُّکُوْتِ وَ لُزُوْمِ الْبُیُوْتِ وَالرِّضَاءِ بِالْقُوْتِ اِلٰی اَنْ تَمُوْتَ" یہ خاموشی اختیار کرنے کا زمانہ ہے، اس وقت گھر کی چار دیواری کے اندر رہنے میں ہی امن ہے اور معمولی مَعاش[2] پر گزر بسر کرنا ہی بہتر ہے یہاں تک کہ موت آجائے۔

اور حضرت داؤد طائی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ سے منقول ہے:

"صُمْ عَنِ الدُّنْیَا وَاجْعَلْ فِطْرَکَ الْاٰخِرَۃَ وَ فِرَّ مِنَ النَّاسِ فِرَارَکَ مِنَ الْاَسَدِ" دنیا میں روزہ سے رہ، آخرت میں جا کر یہ روزہ افطار کر، اور لوگوں سے اس طرح دُور بھاگ جس طرح شیر سے بھاگتا ہے۔

حضرت ابو عُبَیْدَہ (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) نے فرمایا:

"مَا رَاَیْتُ حَکِیْمًا قَطُّ اِلَّا قَالَ لِیْ عَقِبَ کَلَامِ اِنْ اَحْبَبْتَ اَلَّا تُعْرَفُ فَاَنْتَ عَلٰی بَالٍ" میں نے جس دانا[3] کو بھی دیکھا اور اس سے گفتگو کی اس نے آخر یہی کہا کہ اگر تو اس بات کو پسند کرتا ہے کہ لوگوں میں تیری جان پہچان نہ ہو تو پھر تیرا اللّٰہ کے ہاں کچھ مقام ہے۔

اس قسم کی رِوَایات اس قدر زیادہ ہیں کہ اس مختصر کتاب میں ان کے بیان کی گنجائش نہیں، ہم نے اس قسم کی رِوَایات کو ایک مُستَقِل کتاب میں جمع کر دیا ہے جس کا نام ہم نے "اَخْلَاقُ الْاَبْرَارِ وَ النَّجَاۃُ مِنَ الْاَشْرَار" رکھا ہے، اس کا **مُطَالَعَہ**

---

1 ...... پوشیدہ۔ 2 ...... روزی۔ 3 ...... عقلمند۔

کرو، تمہیں اس میں عجیب وغریب معلومات ملیں گی اور عقلمند کو تو اشارہ ہی کافی ہے۔ وَ بِاللّٰہِ التَّوۡفِیۡق

دوسرا سبب جس کے باعث مخلوق سے علیحدگی ضروری ہے، یہ ہے کہ لوگوں میں مَخلُوط رہ کر تمہاری عبادت وطاعت تباہ وبرباد ہو جائے گی اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہ، وہ اس طرح کہ لوگوں میں رہ کر تم ریا، خود ستائی اور زینت میں مبتلا ہو جاؤ گے، حضرت یَحْیٰی بن مُعَاذ رَازی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ نے کیا ہی بہتر فرمایا، آپ فرماتے ہیں:

"رُؤْیَۃُ النَّاسِ بِسَاطُ (1) الرِّیَاء" لوگوں کا دیکھنا ریا کی چٹائی ہے۔

بُزُرگوں نے ریا کے خوف سے لوگوں سے ملاقات اور ایک دوسرے کی زیارت ترک کر دی تھی۔ رِوَایات میں مذکور ہے کہ حضرت ہَرِم بن حَیَّان (2) (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) نے حضرت اُوَیس قَرَنی رَضِیَ اللّٰہ عَنْہ سے عرض کیا: ''ہمیں ملاقات و زیارت کے ذریعہ اپنے ساتھ ملائے رکھیے۔'' تو آپ نے فرمایا: ''میں نے تجھے ان دو سے بھی زیادہ نافع شئی کے ذریعہ اپنے ساتھ ملا رکھا ہے اور وہ تیری عدم موجودگی میں تیرے حق میں دعائے خیر ہے، ملاقات و زیارت ٹھیک نہیں کیونکہ اس سے رِیا و زینت وغیرہ پیدا ہوتے ہیں۔''

جب حضرت ابراہیم بن اَدْہَم رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ حضرت سلیمان خواص رَحْمَۃُ اللّٰہِ

---

(1)...... یہاں لفظ "بساطہ" تھا، یہ کتابت کی غلطی ہے کیونکہ اصل عربی متن اور ترجمہ کے لحاظ سے درست لفظ "بِسَاطُ" ہے لہٰذا اس کی تصحیح کر دی گئی ہے۔ (علمیہ)

(2)...... یہاں لفظ "حبّان" تھا، یہ کتابت کی غلطی ہے کیونکہ اصل عربی متن میں درست لفظ "حَیَّان" ہے، لہٰذا اس کی تصحیح کر دی گئی ہے۔ (علمیہ)

عَلَیْه کے شہر میں تشریف لائے تو لوگوں نے حضرت سلیمان عَلَیْهِ الرَّحْمة کو کہا: ''آپ حضرت ابراہیم رَحْمَةُ اللّٰہِ عَلَیْه سے ملاقات کو نہیں جاتے؟'' تو آپ نے جواب دیا: ''ابراہیم بن اَدْہم (رَحْمَةُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْه) کی بجائے سرکش شیطان سے ملاقات کرنے کو میں زیادہ پسند کرتا ہوں۔'' لوگوں نے ایسے جواب پر بُرا منایا تو آپ نے فرمایا: ''مجھے اس چیز کا ڈر ہے کہ جب میں ان سے ملاقات کروں گا تو ان کے ساتھ گفتگو اور عَلَیْک سَلَیْک [1] میں تَکَلُّف اور تَزَیُّن [2] کروں گا لیکن اگر شیطان کو دیکھ پاؤں تو اس سے بچنے اور پناہ کی تدبیر کروں گا۔''

ایک دفعہ میرے (امام غزالی رَحْمَةُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْه کے) شیخ کی کسی عارِف کامل سے ملاقات ہوگئی، دیر تک دونوں ایک دوسرے سے محوِ گفتگو رہے پھر اِختتامِ کلام پر ایک دوسرے کے لیے دعائے خیر کی۔ علیحدہ ہوتے وقت میرے شیخ نے اس عارِف سے مخاطب ہو کر کہا: ''میں آج کی مجلس کو بہترین مجلس تصور کرتا ہوں۔'' اس عارِف نے جواباً کہا: ''میں اسے ایک خطرناک مجلس تصور کرتا ہوں، کیا دورانِ گفتگو ہم اپنی اپنی گفتگو کو مُزَیَّن اور اپنے اپنے عُلُوم کو ایک دوسرے پر ظاہر کرنے کی کوشش نہیں کر رہے تھے اور کیا اس طرح ہم رِیا و تَکَلُّف میں مبتلا نہیں ہو گئے تھے؟'' یہ سُن کر میرے شیخ رو پڑے اور اتنے روئے کہ آپ کو غشی آ گئی۔ یہ واقعہ پیش آنے کے بعد آپ اکثر مُندَرَجہ ذیل اَشعار دُہرایا کرتے تھے:

(۱) یَا وَیْلَتَا مِنْ مَوْقِفٍ مَا بِهِ — اَخْوَفُ مِنْ اَنْ یَّعْدِلَ الْحَاکِمُ

---

1 ...... سلام دعا۔ 2 ...... آراستہ۔

(۲) اُبَارِزُ اللّٰہَ بِعِصْیَانِہٖ　　وَلَیْسَ لِیْ مِنْ دُوْنِہٖ رَاحِمُ

(۳) یَارَبِّ عَفْوًا مِنْکَ عَنْ مُذْنِبٍ　　اَسْرَفَ اِلَّا اَنَّہٗ نَادِمُ

(۴) یَقُوْلُ فِی اللَّیْلِ اِذَا مَادَجٰی [1]　　اَھَا لِذَنْبٍ سَتَرَ الْعَالِمُ

(۱) ہمارے مَوقِف [2] ورویے پر افسوس کہ حقیقی عدل کے وقت یہ انتہائی خوفناک نتائج کا مُوجِب [3] ہوگا۔

(۲) میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے اس کے عذاب کو چیلنج کر رہا ہوں حالانکہ اس غَفُوْر و رَحِیم کے سوا مجھ پر کوئی رحم کرنے والا بھی نہیں۔

(۳) اے اللہ! میں اپنے گناہوں کی معافی کا خَواستگار [4] ہوں میں نے اگرچہ گناہ کر کے انتہائی زیادتی کی ہے مگر میں اس پر نادِم ضرور ہوں۔

(۴) جب اندھیری رات کائنات میں تاریکی پھیلا دیتی ہے اس وقت میں دَرگاہِ خُداوَندی میں آہ وزاری شروع کر دیتا ہوں جس نے میرے گناہوں پر پردہ ڈال رکھا ہے۔

مندرجہ بالا اُن لوگوں کی ملاقات کا حال ہے جو زُہد و رِیاضت میں اپنی مثال آپ تھے، تو دنیا دار اور فُضول و بیہودہ لوگوں کی آپس میں ملاقات کے نتائج جو ہوں گے ان کا قِیاس [5] تم خود کر لو۔

اے عزیز! زمانہ اِعْتِقادی و عملی فسادات کا گہوارہ بن چکا ہے، لوگ ضَرَر رَسانی [6] میں حد سے گزر گئے ہیں، وہ تجھے عبادت سے باز رکھنے کی پوری کوشش

---

1 ...... یہاں لفظ "ناداہ" تھا، یہ کتابت کی غلطی ہے کیونکہ اصل عربی متن اور ترجمہ کے لحاظ سے درست لفظ "ما دجی" ہے، لہٰذا اس کی تصحیح کر دی گئی ہے۔ (علمیہ)

2 ...... نقطۂ نظر۔ 3 ...... سبب۔ 4 ...... آرزومند۔ 5 ...... اندازہ۔ 6 ...... نقصان پہنچانے۔

کریں گے، ان میں رہتے ہوئے تو آخرت کے لیے کچھ نہیں کر سکے گا بلکہ تیری سابقہ نیکیاں بھی سب کی سب ضائع ہو جائیں گی، اس لیے عُزلت و گوشہ نشینی کے سوا تیرے لیے کوئی چارہ نہیں۔ (خدا اس زمانے کے شر سے اپنی پناہ میں رکھے۔)

سوال: کن کن لوگوں پر عُزلت و گوشہ نشینی لازم ہے؟ اور عُزلت کے اعتبار سے لوگ کتنے طَبَقات (1) میں تقسیم کیے جا سکتے ہیں؟ اور عُزلت کی حد کیا ہے جس کا نگاہ رکھنا ضروری ہے؟

جواب: اے عزیز! تو جان کہ عُزلت کے اعتبار سے لوگ دو طَبَقوں میں تقسیم ہو سکتے ہیں:

ایک وہ جو نہ عالم ہیں اور نہ حاکم ایسے لوگوں کی طرف مخلوق محتاج نہیں، تو ایسے لوگوں کو چاہیے کہ مخلوق سے الگ اور علیحدہ رہیں، صرف جُمُعَہ، جماعت، عید، حج یا دینی مجلس میں شرکت کریں یا مَعِیشَت (2) کے لیے بقدرِ ضرورت میل جول کریں اس کے علاوہ لوگوں سے الگ رہیں، کسی سے معرفت اور واقفیت پیدا نہ کریں اور اگر اس قسم کا آدمی کسی مَصلِحَت کی بنا پر لوگوں سے بالکل ہی علیحدہ رہنا چاہیے اور کسی دِینی یا دُنیوی کام میں شرکت نہ کرنا چاہیے تو اس شخص کے عُزلت اختیار کرنے کے لیے مندرجہ ذیل اُمور میں سے کسی ایک اَمر کا ہونا ضروری ہے:

﴿1﴾ یا تو آبادی سے اتنا دور چلا جائے کہ جُمُعَہ، جماعت وغیرہ اَحکام اس پر لازم نہ رہیں جیسے پہاڑوں کی چوٹیاں یا دور دراز وادیاں۔ بعض بُزُرگ جو عبادت

---

(1)......دَرَجات۔ (2)......روزگار۔

کے لیے دور دراز مقامات پر چلے گئے ان کے جانے کی ایک وجہ شاید یہی تھی۔

﴿2﴾ دوسرا اَمر یہ ہے کہ ایسے شخص کو اس اَمر کا یقین ہونا چاہیے کہ لوگوں سے معمولی اِخْتِلاط [1] سے بھی نقصان پہنچے گا، تو اس بنا پر اگر وہ جُمُعَہ، جماعت وغیرہ میں بھی شریک نہ ہو تو وہ معذور ہے اور میں نے خود مکہ معظّمہ میں (اللہ اسے ہر حادثے سے محفوظ رکھے) بعض ایسے مَشَائِخ (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہِمۡ) کو دیکھا ہے جو بَیۡتُ اللّٰہ شریف کے بالکل قریب اور تندرست ہونے کے باوجود نماز کی جماعت میں شریک نہیں ہوتے تھے۔

میں نے ایک دن ایک بُزُرگ سے اس کی وجہ دریافت کی تو اس نے وہی وجہ بیان کی جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے کہ اِخْتِلاط سے نقصان پہنچتا ہے۔ میں کہتا ہوں معذور پر کوئی ملامت نہیں اور اللہ تعالیٰ ہر ایک کے عُذْر کو خوب جانتا ہے کیونکہ وہ سینوں کے راز جانتا ہے لیکن زیادہ بہتر اور مناسب یہی ہے کہ قریب رہتے ہوئے جُمُعَہ، جماعت اور دیگر اُمُوْرِ خیر میں شرکت کرے اور اس کے ماسِوا [2] علیحدہ رہے اگر وہ دینی اُمور میں بھی شریک ہونا نہیں چاہتا تو آبادی سے اتنی دور سکُونَت [3] اختیار کرے کہ مُنْدَرَجہ بالا شرعی اَحکام اس پر لازم نہ رہیں، لیکن جو شخص ہے تو شہر یا آبادی میں ہی مگر جُمُعَہ، جماعت وغیرہ میں شریک نہ ہو تو اس کا ایسا کرنا ٹھیک نہیں۔

دوسرا طَبَقَہ وہ لوگ ہیں جو دین کے اعتبار سے لوگوں کے مُقْتَدَا [4] ہوں،

---

1 ...... میل جول۔ 2 ...... علاوہ سے۔ 3 ...... رہائش۔ 4 ...... رہنما۔

خِلافِ شَرع اُمور کی تَردِید[1] اور اِثباتِ حق[2] میں مصروف ہوں اور اپنے اَقوال واَفعال[3] سے تَبلِیغِ دِین میں مشغول ہوں، توان علمائے کرام (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) کو شَرعاً عُزلَت کی اجازت نہیں بلکہ ایسے حضرات پر لازم ہے کہ عَامَّةُ النَّاس[4] میں رہ کر دین کی نَشر واشاعت کریں۔ مخالفینِ اسلام اور فِرَقِ باطِلَہ[5] کے شُبہات کے جوابات دیں اور اَحکامِ الٰہیہ کے پھیلانے اور واضح کرنے میں ہمہ تَن مشغول رہیں کیونکہ نبی کریم صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّم نے فرمایا ہے:

"اِذَا ظَهَرَ الْبِدَعُ وَ سَكَتَ الْعَالِمُ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ"[6] جب خلافِ شَرع اُمور عام ہو جائیں اور عالمِ دین خاموش رہے تو ایسے عالم پر خدا کی لعنت۔

خلاصہ یہ کہ دینی پیشوا کے لیے کسی صورت میں عُزلَت رَوا نہیں، اُستاد ابوبکر بن فُورَک رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْه کے متعلق منقول ہے کہ جب آپ نے عبادت کی غرض سے لوگوں سے علیحدگی کا ارادہ فرمایا اور پہاڑوں میں پہنچ گئے تو ایک آواز دینے والے نے غیب سے آواز دی: ''اے ابوبکر! جب تو مخلوق کے لیے اللّٰہ تعالیٰ کی حُجَّت اور دلیل ہے تو تو انہیں چھوڑ کر کیوں یہاں آیا ہے؟''

اور مجھ سے مامون بن احمد نے بیان کیا کہ اُستاد ابو اِسحاق اِسفَرَائِنِی رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْه نے جَبَلِ لُبنان[7] کے گوشہ نشینوں کو فرمایا: ''اے گھاس پھونس پر گزارا کرنے والو! تم سرکارِ دوعالم (صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم) کی اُمت کو گمراہوں

---

1 ...... رَد کرنے۔ 2 ...... حق کو ثابت کرنے۔ 3 ...... اپنی گفتگو اور کردار۔ 4 ...... عام لوگوں۔
5 ...... باطل فرقوں۔ 6 ...... فردوس الاخبار، ۱/۱۸۸، حدیث: ۱۲۷۵، باختلاف بعض الالفاظ۔ 7 ...... لُبنان کے پہاڑ۔

کے جنگل میں چھوڑ کر خود یہاں آ گئے ہو؟'' تو انہوں نے جواب دیا: ''ہمیں لوگوں میں رہنے کی طاقت نہیں اور خدا نے آپ کو قوت دی ہے اس لیے آپ رہ سکتے ہیں۔'' اس کے بعد آپ نے ایک کتاب تصنیف فرمائی جس کا نام ''اَلْجَامِعُ لِلْخَفِیِّ وَ الْجَلِیِّ'' رکھا۔

لیکن یہ علمائے کرام (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) جس طرح عِلم میں بے مثل تھے، عمل اور اُمورِ آخرت کی مَعْرِفَت میں بھی سب سے آگے تھے۔ اے عزیز! جان لے کہ ایسے عالم میں دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے، ایک تو صبر، حِلْم، اپنے نَفْس کا مُحَاسَبَہ اور ہمیشہ خدا تعالیٰ سے سلامتی کا طلب گار رہنا، دوسری یہ کہ باطن کے اعتبار سے لوگوں سے جُدا رہے، اگرچہ ظاہری جسم کے اعتبار سے وہ ان کے ساتھ رہے، اگر لوگ اس سے کلام کریں تو ان سے کلام کرے، وہ اس کی زیارت کو آئیں تو حسبِ مراتب ان کا شکریہ اور احترام کرے اور اگر لوگ اس سے اِعراض کریں اور خاموشی برتیں تو وہ اسے غنیمت شمار کرے۔ نیک بات میں ان کا ہاتھ بٹائے اور اگر وہ بُرائی اور شرارت کی طرف مائل ہوں تو اُن کی مخالفت کرے اور ان سے الگ رہے اور اگر لوگ اس کی ڈانٹ ڈپٹ سے بُرائی سے باز آ سکتے ہوں تو انہیں مناسب ڈانٹ ڈپٹ بھی کرے اور جو حقوق ان میں رہنے کے باعث اس پر لازم آتے ہیں ان کو ادا کرتا رہے، جیسے وقتاً فوقتاً ان سے میل ملاقات، بیماروں کی عیادت اور حسبِ اِسْتِطَاعَت ان کی حاجات پوری کرنا، مگر ان سے کسی قسم کا مطالبہ نہ کرے اور نہ اس کی اُمید رکھے حَتَّی الْوُسْع ان پر خرچ کرے مگر

ان سے کوئی چیز نہ لے، جو تکلیف یا ایذاء ان سے پہنچے اسے برداشت کرے اور ہر ایک کو خندہ پیشانی سے ملے۔ اپنے آپ کو ان کے سامنے بے پرواہ ظاہر کرے، اپنی حاجات ان سے پوشیدہ رکھے اور ان کا خود اِنتظام کرے، پھر ان باتوں کے ساتھ ساتھ نفلی عبادت کے لیے بھی چوبیس گھنٹوں میں کوئی وقت خاص کرلے تاکہ اپنے ظاہر اور باطن کی اِصلاح بھی جاری رکھ سکے جیسا کہ حضرت فاروقِ اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا:

"اِنْ نِمْتُ اللَّیْلَ لَاُضَیِّعَنَّ (1) نَفْسِیْ وَاِنْ نِمْتُ النَّھَارَ لَاُضَیِّعَنَّ (2) الرَّعِیَّةَ فَکَیْفَ بَیْنَ ھَاتَیْنِ" اگر رات کو سوتا ہوں تو اپنی آخرت برباد کرتا ہوں اور اگر دن کو نیند کروں تو رَعِیَّت (3) تباہ ہوگی، تو ان دو باتوں کے ہوتے ہوئے میں کس طرح آرام کا وقت نکال سکتا ہوں۔

اسی مضمون کے موافق میں نے مندرجہ ذیل چند اشعار کہے ہیں:

(۱) فَاِنْ کُنْتَ فِیْ ھَدْیِ الْاَئِمَّةِ رَاغِبًا   فَوَطِّنْ عَلٰی اَنْ تَنْتَحِیْکَ الْوَقَائِعُ

(۲) بِنَفْسٍ وَقُوْرٍ عِنْدَ کُلِّ مُلِمَّةٍ   وَقَلْبٍ صَبُوْرٍ وَھُوَ فِی الصَّدْرِ مَانِعُ

(۳) لِسَانُکَ مَخْزُوْنٌ وَطَرْفُکَ مُلْجَمٌ   وَسِرُّکَ مَکْتُوْمٌ لَدَی الرَّبِّ ذَائِعُ

(٤) وَذِکْرُکَ مَغْمُوْرٌ وَبَابُکَ مُغْلَقٌ   وَثَغْرُکَ بَسَّامٌ وَبَطْنُکَ جَائِعُ

(٥) وَقَلْبُکَ مَجْرُوْحٌ وَسُوْقُکَ کَاسِدٌ   وَفَضْلُکَ مَدْفُوْنٌ وَطَعْنُکَ شَائِعُ

1 ...... یہاں لفظ "لاضعین" تھا، یہ کتابت کی غلطی ہے کیونکہ اصل عربی متن اور ترجمہ کے لحاظ سے درست لفظ "لَاُضَیِّعَنَّ" ہے، لہٰذا اس کی تصحیح کردی گئی ہے۔ (علمیہ)

2 ...... ایضاً۔ 3 ...... رِعایا۔

(٦)وَفِی کُلِّ یَوْمٍ اَنْتَ جَارِعُ غُصَّةٍ مِنَ الدَّھْرِ وَالْاِخْوَانِ وَالْقَلْبُ طَائِعُ

(٧) نَھَارُكَ شَغْلُ النَّاسِ مِنْ غَیْرِ مِنَّةٍ وَلَیْلُكَ شَوْقٌ غَابَ عَنْهُ الطَّلَائِعُ

(٨) فَدُوْنَكَ ھٰذَا اللَّیْلَ خُذْہُ ذَرِیْعَةً لِیَوْمٍ عَبُوْسٍ عَزَّ فِیْهِ الذَّرَائِعُ

(١) اگرتم اپنے اندر بزرگوں کی سیرت پیدا کرنے کے آرزومند ہو تو زمانے کے مصائب و حوَادِث برداشت کر کے اپنے اندر نرمی اور توَاضُع کو مضبوط کرو۔

(٢) ہر تکلیف کے وقت نَفْس میں سنجیدگی اور قوتِ برداشت پیدا کرو، دل کو صابر بناؤ اگرچہ وہ اس سے مانِع [1] ہے۔

(٣) تمہاری زبان منہ میں بند رہنی چاہیے اور تمہاری آنکھیں لگام میں رہنی چاہئیں، تمہارا معاملہ لوگوں سے مَسْتُور [2] ہو، صرف خدا ہی کو اس کا علم ہو۔

(٤) تمہارا کوئی چرچا نہ ہو، تمہارا دروازہ بند ہو، تمہارا ظاہر خوش ہو اور پیٹ بھوکا ہو۔

(٥) تمہارا دل عشقِ مولیٰ سے زخمی ہو، تمہارا بازار بے رونق ہو، تمہارے کمالات مدفون ہوں اور تمہارے متعلق طَعْن و تَشْنِیع [3] عام ہو۔

(٦) ہمیشہ زمانہ اور اہلِ زمانہ سے مَصائِب و تکالیف کے گھونٹ پیتے رہو، درانحالیکہ تمہارا دل شوقِ اِطاعت سے لبریز ہو۔

(٧) دن کو بغیر احسان جتائے نیک کاموں میں لوگوں کے ہاتھ بٹاتے رہو اور رات لِقائے الٰہی کے شوق میں کاٹ دو، اور اس ذوق وشوق کا کسی کو پتہ نہ ہو۔

(٨) تم ان موجودہ راتوں کی قدر کرو، ان کو اس سخت دن کا ذریعہ بناؤ جب ہر قسم کے ذرائع

---

1 ......روکنے والا۔ 2 ......پوشیدہ۔ 3 ......ملامت۔

کامیابی مَفْقُود ہوں گے۔

تو عالمِ دین پر لازم ہے کہ ظاہر میں تو لوگوں سے ملا رہے مگر دل سے ان سے بالکل الگ رہے اور خدا کی قسم! یہ بہت مشکل اور تَلْخ ہے، اسی کے متعلق ہمارے شیخ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ نے فرمایا:

"یَا بُنَیَّ عِشْ مَعَ اَھْلِ زَمَانِكَ وَ لَا تَقْتَدِ بِھِمْ" اے میرے عزیز بیٹے! اہلِ زمانہ کے ساتھ زندگی تو گزار مگر کسی بات میں ان کی اِقْتِداء[1] نہ کر۔ پھر میرے شیخ (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) نے فرمایا: اس طرح کی زندگی بسر کرنا انتہائی تَلْخ اور مشکل ہے۔

حضرت عبد اللّٰہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے مروی ہے:

"خَالِطِ النَّاسَ وَ زَایِلْھُمْ" لوگوں سے حسبِ ضرورت خَلْط مَلْط[2] اور لین دین رکھو مگر اپنے دین کو ضَرَر[3] سے بچائے رکھو۔

میں کہتا ہوں جب فتنوں کی موجیں تَلاطُم میں ہوں، جب حق زَوال پذیر ہو، جب لوگ دین سے منہ پھیر کر دوسری طرف متوجہ ہو جائیں اور کسی مومن کی قرابت یا عَہْد کا پاس لحاظ نہ کریں، جب لوگ عالمِ دین سے مُتَنَفِّر ہوں اور اسے نہ چاہیں اور نہ دین کے معاملہ میں اس کی اِعانت کریں اور فتنے عوام و خَواص میں پھیل جائیں، تو ایسے حال میں عالِم اگر عُزْلَت و علیحدگی اختیار کر لے اور اپنے علم کو پھیلانا ترک کر دے تو وہ معذور ہے اور میں تو یہی کہتا ہوں کہ حضور (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) نے جس زمانے میں عُزْلَت کا حکم دیا تھا وہ ہمارا ہی زمانہ ہے

1 ...... پیروی۔ 2 ...... ملنا جلنا۔ 3 ...... نقصان۔

کیونکہ اس زمانے میں وہ سب اُمور موجود ہیں جن کی وجہ سے عُزلَت لازم و ضروری ہوجاتی ہے اور حقیقتاً مددگار اللہ تعالیٰ ہی ہے اسی پر تَوَکُّل کرنا چاہیے۔

یہ ہے عُزلَت اور گوشہ نشینی کا مختصر اور ضروری بیان، اس کو اچھی طرح ذہن نشین کرو کیونکہ اس میں غلط فہمی کا عظیم خطرہ ہے اور زمانہ عُزلَت میں اس سے گریز کرنے میں سخت نقصان ہے۔(وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْق)

سوال: نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے تو یہ حکم دیا ہے:

”عَلَیْکُمْ بِالْجَمَاعَةِ فَاِنَّ یَدَ اللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَةِ وَ اِنَّ الشَّیْطَانَ ذِئْبُ الْاِنْسَانِ یَاْکُلُ الشَّاذَّةَ وَ النَّاحِیَةَ وَ الْقَاصِیَةَ وَ الْفَاذَّةَ“ (1) تم پر جماعت میں رہنا لازم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا دستِ عِنایت جماعت پر ہی ہے اور بلاشبہ شیطان انسان کے حق میں بھیڑیے کی مانند ہے جو ریوڑ سے جدا ہونے والی یا آگے نکل جانے والی یا دور چلی جانے والی یا اکیلی رہ جانے والی بکری کو اُڑا لے جاتا ہے۔

اسی طرح حضور عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلام نے فرمایا ہے:

”اِنَّ الشَّیْطَانَ مَعَ الْفَذِّ وَ ھُوَ مَعَ الْاِثْنَیْنِ اَبْعَدُ“ (2) تنہا آدمی کے ساتھ شیطان ہوتا ہے اور جب دو ہو جائیں تو ان کے قریب نہیں آتا۔

جواب: جہاں سرکارِ دو عالم عَلَیْہِ السَّلام نے جماعت میں رہنے کی تاکید فرمائی ہے

---

1 ......شعب الایمان،باب فی الاصلاح بین الناس،۴۸۸/۷،حدیث:۱۱۰۸۵و باب فی الصلوات،فصل الصلوات الخمس...الخ،۵۷/۳،حدیث:۲۸۶۰،بتغیر وملتقطًا۔

2 ......السنن الکبری للنسائی، کتاب عشرة النساء خلوة الرجل بالمرأة، ذکر اختلاف الفاظ الناقلین،۳۸۸/۵،حدیث:۹۲۲۴۔

وہاں یہ بھی فرمایا ہے: "اَلْزِمْ بَیْتَکَ وَعَلَیْکَ بِالْخَاصَّۃِ وَ دَعْ اَمْرَ الْعَامَّۃِ"(1) اپنے گھر میں ہی رہ، تنہائی اختیار کر اور عام میل جول سے سخت اِجتناب کر۔

تو اس حدیث میں حضور عَلَیْہِ السَّلَام نے عوام سے الگ رہنے کا حکم دیا ہے اور اس حدیث اور پہلی دو کے درمیان درحقیقت کوئی تَنَاقُض (2) یا اِختلاف نہیں، ہم باتوفیقِ الٰہی ان میں تَطْبِیْق (3) عرض کرتے ہیں:

حضور عَلَیْہِ السَّلَام کے ارشاد "عَلَیْکُمْ بِالْجَمَاعَۃِ" میں تین اِحتمال ہیں:

﴿1﴾ دین اور اَحکام میں جماعت سے علیحدہ راہ اختیار کرنے کی مُمانَعت ہے، کیونکہ تمام اُمّت گمراہی پر مُتَّفِق نہیں ہوسکتی، تو اِجْمَاعِی مَسَائِل (4) اور بنیادی اَحکام میں جُمْہُور (5) سے علیحدگی باطل اور گمراہی ہے لیکن اگر کوئی شخص اپنے دین کی حفاظت کی غرض سے تنہائی اختیار کرلے تو اس حدیث میں اس کی مُمانَعت نہیں۔

﴿2﴾ عام مسلمانوں سے نمازِ باجماعت اور جُمُعَہ وغیرہ میں علیحدگی اختیار نہ کی جائے کیونکہ مل کر نمازِ جمعہ ادا کرنے میں دین کو تقویت پہنچتی ہے، اسلام کا کمال ظاہر ہوتا ہے اور کُفّار و مُلْحِدِیْن (6) مسلمانوں کا اِجتماع دیکھ کر جلتے ہیں اور جُمُعَہ وجماعت وغیرہ اسلامی اِجتماعات پر اللہ تعالیٰ کی برکتیں اور رحمتیں نازل ہوتی ہیں، اسی لیے ہم نے کہا ہے کہ گوشہ نشین شخص پر لازم ہے کہ جُمُعَہ، جماعت وغیرہ دینی اِجتماعات میں عام مسلمانوں کے ساتھ شریک رہے اور اس کے سوا عام تعلقات

---

1 ......سنن ابی داوٗد، کتاب الملاحم، باب الامر والنھی، ۴/۱۶۵، حدیث: ۴۳۴۳، بتغیر۔

2 ......تضاد۔ 3 ......مُطابقت۔ 4 ......وہ مسائل جن پر اُمّتِ مسلمہ کے مُجْتَہِدِیْن مُتَّفِق ہوں۔ 5 ......علماء کی اکثریت۔ 6 ......بے دین لوگ۔

اورمیل جول سے پرہیز کرے کیونکہ عام اِختِلاط میں بہت آفات اورنقصانات ہیں۔

﴿3﴾ ''عَلَیْکُمْ بِالْجَمَاعَةِ'' میں تیسرا اِحتمال یہ ہے کہ حضور (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) کا یہ ارشاد نیک زمانے میں ضَعِیْفُ الْاِعْتِقَاد [1] شخص کے لیے ہے لیکن قَوِیُّ الْاِعْتِقَاد [2]، صاحبِ بصیرت شخص جب ایسے زمانے کو پائے جس میں فتنہ وفساد ہو، اور جس سے حضور عَلَیْہِ السَّلَام نے ڈرایا ہے اور جس میں عُزلت کا حکم دیا ہے، تو اس کے لیے عُزلت، خَلْط مَلْط اور میل جول سے بہتر ہے تاکہ آفات وفسادات سے محفوظ رہے لیکن مناسب یہ ہے کہ دینی اِجتماعات اور اُمورِ خیر میں شریک ہوتا رہے اور اگر لوگوں سے مکمل طور پر علیحدگی اختیار کرنا چاہے تو کسی پہاڑ کی چوٹی یا دور ویرانے میں نکل جائے جس کے باعث اپنا دین محفوظ رکھ سکے۔

میں کہتا ہوں کہ ایسے شخص کو بھی چاہیے کہ نیک اِجتماعات اور اُمورِ خیر میں ضرور شریک ہو، تاکہ اس کا یہ ثواب ضائع نہ ہو، اور اسلامی اِجتماعات اللّٰہ تعالٰی کے نزدیک بہت اہمیت رکھتے ہیں اگرچہ لوگوں میں فساد اور دین سے اِعراض پایا جاتا ہو، اور ہم نے اَبْدَال [3] کے متعلق سنا ہے کہ وہ جہاں بھی ہوں مذکورہ اِجتماعات میں شرکت کرتے ہیں اور یہ لوگ زمین میں چلتے پھرتے رہتے ہیں اور تمام زمین ان کے لیے ایک قدم ہے، اَخبار [4] میں آیا ہے کہ اَبْدَال کے لیے زمین سمٹ جاتی

---

❶......کمزور اِعتقاد والے۔ ❷......قوی اِعتقاد والا۔ ❸......دعوتِ اسلامی کے اِشاعتی اِدارے مکتبۃُ المدینہ کی مطبوعہ کتاب ''فیضانِ مزاراتِ اولیاء'' صفحہ 39 پر ہے: اَبدَال، اَوْلِیَاءُ اللّٰہ کے طبقات میں سے ایک طبقہ ہے، یہ ہر دور میں سات (7) ہوتے ہیں، ان کے ذریعے اللّٰہ تعالٰی سات زمینوں کی حفاظت فرماتا ہے۔ ❹......روایات۔

ہے، انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے معزز خطابات، برکتیں اور انواع واَقسام کی روحانی نعمتیں عطا ہوتی رہتی ہیں، ان اَبْدَال کو اس عظیم کامیابی پر مبارک ہو، اور ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آخرت سے غفلت برتنے والوں کے حالات بھی اپنی رحمتِ کاملہ سے دُرُست کرے اور جو اپنی آخرت درست کرنے میں مصروف ہیں انہیں منزلِ مقصود تک پہنچائے، میں نے اپنی اس حالتِ زار کے متعلق یہ اَشعار کہے ہیں:

(۱) ظَفِرَ الطَّالِبُوْنَ وَاتَّصَلَ الْوَصْلُ   وَفَازَ الْاَحْبَابُ بِالْاَحْبَابِ

(۲) وَبَقِيْنَا مُذَبْذَبِيْنَ حَيَارَى   بَيْنَ حَدِّ الْوِصَالِ وَالْاِجْتِنَابِ

(۳) نَرْتَجِي الْقُرْبَ بِالْبِعَادِ وَهٰذَا   نَفْسُ حَالِ الْمُحَالِ لِلْاَلْبَابِ

(٤) فَاسْقِنَا مِنْكَ شَرْبَةً تُذْهِبُ الْغَمّ   وَتَهْدِي اِلَى طَرِيْقِ الصَّوَابِ

(٥) يَاطَبِيْبَ السَّقَامِ يَا مَرْهَمَ الْجَرْحِ   وَيَا مُنْقِذِيْ مِنَ الْاَوْصَابِ

(٦) لَسْتُ اَدْرِيْ بِمَا اُدَاوِيْ سِقَامِيْ   اَوْبِمَا ذَا اَفُوْزُ يَوْمَ الْحِسَابِ

(۱) جدوجہد کرنے والے کامیاب ہوگئے، ان کو وَصْل کی سعادت نصیب ہوگئی اور دوست دوستوں کی اِمداد واِعانت سے منزلِ مقصود پر پہنچ گئے۔

(۲) اور ہم اسی طرح تَذَبْذُب وحیرانی کے عالَم میں کھڑے ہیں اور ہجر ووصال کے درمیان مُعلَّق ہیں۔

(۳) تمہارا حال تو یہ ہے کہ روزِ بروز خدا سے دور ہو رہے ہو، اور امید یہ رکھتے ہو کہ وہ تمہیں اپنا قُرب نصیب کرے، عَقْلِ انسانی ایسی اُمید کو بَعِید اَزْ عَقْل (1) سمجھتی ہے۔

1 ......عَقْل میں نہ آنے والی بات۔

(٤) اے اللہ! ہمیں اپنا شربتِ وِصال چکھا[1]، جو ہر قسم کا غم دور کرتا ہے اور راہِ ثواب کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

(٥) اے ہماری ظاہری باطنی بیماریوں کے طبیب! اے ہمارے زخموں کی مَرْہَم! اور اے ہر قسم کی بیماری سے نجات دینے والے۔

(٦) میں نہیں جانتا کہ میری بیماریوں کی دوا کیا ہے یا کس شے کے ذریعہ روزِ قیامت میری نجات ہوگی۔

ہم اس بیان کو یہیں ختم کرتے ہیں اور مسائلِ عُزلت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

سوال: نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے تو فرمایا ہے کہ "رَھْبَانِیَّۃُ اُمَّتِی الْجُلُوْسُ فِی الْمَسَاجِدِ"[2] میری اُمت کی عُزلت یہی ہے کہ وہ مَساجِد کو اپنی نشست گاہ بنائے۔

اس حدیث میں لوگوں سے علیحدہ ہو کر کسی پہاڑ یا جنگل میں سُکونت اختیار کرنے سے روکا گیا ہے اور لوگوں سے علیحدگی اختیار کرنے پر زَجْر[3] کی گئی ہے اور تم کہتے ہو کہ لوگوں سے علیحدہ ہو کر کہیں دور چلا جائے؟

جواب: حضور نبی کریم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام کا یہ ارشادِ گرامی اچھے زمانے کے لیے ہے نہ کہ فتنہ وفساد کے زمانے کے لیے، جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں، مذکورہ حدیث کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جو شخص مسجد کو اپنی نشست گاہ بنا لے، لوگوں سے میل ملاپ چھوڑ دے اور ان کے مُعاملات میں مُداخلت ترک کر دے تو وہ اگرچہ بظاہر

1 ...... اپنا قُربِ خاص عطا فرما۔

2 ...... معرفة الصحابة، ٢٠١٥ـعثمان بن مظعون، ٣/٣٦٦، حديث: ٤٩٤١۔

3 ...... مَلامَت۔

ان میں ہے مگر حقیقت میں ان سے جدا ہے، عُزلت و گوشہ نشینی سے مقصود بھی یہی ہے، محض مکان یا جسم کی علیحدگی مقصود نہیں، اس نکتے کو اچھی طرح ذہن نشین کر خدا تجھ پر رَحْم کرے، حضرت ابراہیم بن اَدْہَم رَحْمَۃُ اللّٰہِ تعَالٰی عَلَیْہ نے مندرجہ ذیل ارشاد میں اسی نکتے کی طرف اشارہ فرمایا ہے، آپ فرماتے ہیں:

"کُنْ وَاحِدًا جَامِعِیًا وَّ مِنْ رَّبِّکَ ذَا اُنْسٍ وَّ مِنَ النَّاسِ وَحْشِیًا" تم لوگوں سے بظاہر ملے جلے رہو، مگر تمہاری اُنْسِیَّت و محبت صرف رب تعالیٰ کے ساتھ ہو، لوگوں سے تمہارا قلبی تعلق نہ ہو۔

سوال: مَدَارِسِ دِیْنِیہ کے مُدَرِّسِیْن اور شہروں میں مُقیم صوفیائے کرام (رَحِمَھُمُ اللّٰہُ تعَالٰی) کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے کیونکہ وہ تو عُزلت و گوشہ نشینی پر عامِل نہیں ہیں؟

جواب: مُدَرِّسِیْن کی تدْرِیس [1] اور صوفیائے عُظَّام (رَحِمَھُمُ اللّٰہُ السَّلَام) کی مجالس بہت اچھی چیزیں ہیں، اس میں دو فائدے ہیں:

﴿1﴾ قلبی طور پر لوگوں سے علیحدگی ان کی مجالس اور ان کے معاملات میں شرکت اور اِختلاط سے پرہیز ﴿2﴾ جُمُعَہ، جماعات اور دیگر اسلامی اُمور میں شرکت۔

تو ان لوگوں کو وہی سلامتی حاصل ہوگی جو لوگوں سے بالکل علیحدہ رہنے والوں کو نصیب ہوتی ہے، سلامتی کے ساتھ ساتھ ان حضرات سے ایک اور بہت بڑا فائدہ حاصل ہوتا ہے وہ یہ کہ عوام ان کی اِقْتِدَاء [2] کرتے ہیں، ان کی بَرَکات

---

❶......علمِ دین سکھانا۔ ❷......پیروی۔

سے فیض یاب ہوتے ہیں اور ان سے دین کے متعلق بیش قیمت پند ونَصائح [1] حاصل کرتے رہتے ہیں، تو اِن حضرات کا حال درست رہتا ہے ان کو علم وعمل کی پختگی کی بدولت سکون واطمینان میسر رہتا ہے۔ اسی فیض رسانی کے لیے اکثر عارِفین [2] لوگوں میں رہے ہیں، لوگوں کو ان کے حسنِ اَخلاق کی وجہ سے کوئی تکلیف نہیں پہنچتی تھی بلکہ تکلیف کی بجائے ان سے فائدہ پہنچتا تھا، عَامَّۃُ النَّاس ان کے آداب ورُسوم کی اِقْتِدَاء کرتے تھے، اس طرح صَالِحِیْن(رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) کے اَخلاق لوگوں میں اسلامی اَخلاق کو مضبوط کرنے کا ذریعہ بنے رہے۔

ظاہر ہے کہ قال [3] سے حال [4] کی تَبْلِیغ زیادہ مُؤَثِّر اور مفید ہوتی ہے، تو عارِفین اور صَالِحِیْن (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ الْمُبِیْن) کا عوام میں رہنا تعمیرِ سیرت [5] کے لحاظ سے بہت ہی مفید تھا۔

سوال: وہ مُرِیْد جو اکثر منازِلِ تَصَوُّف [6] طے کر چکا ہو، اسے اِبتدائی مُرِیْدِین [7] کے ساتھ رہنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

جواب: وہ مُبْتَدِی [8] اگر سَلَفِ صَالِحِیْن(رَحِمَهُمُ اللّٰهُ الْمُبِیْن) کے آداب، ان کی سیرت اور ان کی رُسوم پر دل سے قائم ہوں تو ان کے ساتھ رہنے میں مضائقہ

---

1 ...... نصیحتیں۔ 2 ...... اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والے اولیاء کرام رَحِمَهُمُ اللّٰهُ السَّلَام۔

3 ...... صرف بیان کرنے دینے۔ 4 ...... نیک اعمال پر عمل پیرا ہونے۔ 5 ...... لوگوں کے اچھے کردار بنانے۔ 6 ...... راہِ تصوُّف کے زیادہ تر مرحلے۔ 7 ...... وہ مریدین جو ابھی راہِ تصوُّف کے ابتدائی مراحل میں ہوں۔ 8 ...... وہ مریدین جو ابھی راہِ تصوُّف کے ابتدائی مراحل میں ہوں۔

نہیں، وہ دین میں تمہارے بھائی اور ساتھی ہیں اور عبادت کے سلسلہ میں تمہارے معاون اور مددگار ہیں، ایسوں سے علیحدہ ہونا درست نہیں، ایسے مُبْتَدِی کوہِ لُبْنان (1) وغیرہ کے تَارِکُ الدُّنیا (2) زاہدوں کی طرح ہیں، ہم نے سنا ہے کہ کوہِ لُبْنان کے زاہدین میں کئی ایسے گروہ ہیں جو تقویٰ اور نیکی میں لوگوں سے تعاون کرتے ہیں اور حق وصبر کی تلقین کرتے ہیں، ہاں وہ ابتدائی مُرِیْدِیْن جو اَسلاف (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) کی سیرت، ان کی پاکیزہ رُسوم اور ان کے پسندیدہ طریقے چھوڑ چکے ہوں اور نامناسب غیر متعلق اور بے فائدہ اُمور کو انہوں نے اپنا شِعار بنالیا ہو تو ان سے بھی اِجْتِناب وعلیحدگی اسی طرح ضروری ہے جس طرح دوسرے عام لوگوں سے، طَبَقَۂ جُہلاء میں گھرے ہوئے مُرِیْدِ صادِق کو چاہیے کہ اپنے گھر کے کسی گوشے کو اختیار کرلے، اپنی زبان کو بُرائی سے روکے رکھے، نیک کاموں میں ان کے ساتھ شمولیت کرے، مگر ان کے اَحوال اور اِن کی آفات سے اپنے آپ کو بچائے رکھے، اس طرح یہ مُرِیْدِ صادِق بھی صحیح عُزْلَت نشین شمار ہوگا۔

سوال: اگر کوئی رِیاضت و مُجاھَدَہ کرنے والا مُبْتَدِی، عُلَماء کے مَدارِس اور صوفیائے کرام (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) کی مجالس سے نکل کر کسی تنہا مقام پر اِصلاحِ نَفْس اور دوسروں کی آفات سے بچنے کی غرض سے چلا جائے تو کیا اس کا جانا درست ہے؟

جواب: جاننا چاہیے کہ باعمل علماء (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) کی دِینی دَرس گاہیں اور طالبِ آخرت صوفیائے کرام (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) کی مُقدَّس خانقاہیں ایسے مُرِیْد کے لیے

---

(1) ...... لُبْنان کے پہاڑ۔ (2) ...... دنیا کو ترک کرنے والے۔

محفوظ قلعہ کی حیثیت رکھتی ہیں، مُبتَدِی ان میں رہ کر دین کے ڈاکوؤں اور چوروں سے محفوظ رہ سکتا ہے، ان دَرس گاہوں اور خانقاہوں کے باہر کا خِطّہ ایسے صَحراء کی مانند ہے، جہاں ہر وقت شیطانی لشکر گھومتے رہتے ہوں جو قلعہ سے باہر رہنے والے کو ہلاک کر دیتے یا گرفتار کر لیتے ہوں، تو جو رِیاضت ومُجاھَدہ کرنے والا مُبتَدِی محفوظ قلعے سے نکل کر چاروں طرف سے شیطانی لشکروں کے نَرغے میں آجائے اس کا جو حَشْر ہو گا ظاہر ہے اس لیے ایسے مُبتَدِی کے لیے ان مَدارِس ومجالِس سے باہر قدم رکھنا کسی طرح بھی خطرے سے خالی نہیں لیکن وہ شخص جو کامل ہو، ایمانی بصیرت سے بہرہ ور ہو، دینی طور پر پختہ اور مضبوط ہو، اس کے لیے قلعہ اور صَحرا مُساوِی[1] ہے، شیطانی لشکر اس پر ہرگز غالب نہیں آسکتے اور نہ وہ ان کی شر انگیزیوں سے مرعوب ہو سکتا ہے اگرچہ ایسے شخص کے لیے بھی حفاظتی قلعہ میں ہی رہنا بہتر ہے اس لیے کہ دشمنوں کے اتفاقی اور اچانک حملوں سے بے خوف ہونا درست نہیں غرض یہ کہ اَھْلُ اللّٰہ کے ساتھ رہنا، ان کی صحبت کی مَشقتیں برداشت کرنا ہی بہتر ہے اور ہر حال میں انہی سے طلبِ خیر کرنا اچھا ہے اور صاحِبِ اِسْتِقامَت و راسِخُ الْحَال[2] پر عُزلَت لازم نہیں مگر بہتر ضرور ہے۔

ان بیان کردہ مسائلِ عُزلَت پر اگر تم عمل کرو گے تو اِنْ شَآءَ اللّٰہ آفات سے محفوظ رہو گے۔

سوال: دینی بھائیوں کی زیارت، اپنے مُخلِص اَحباب سے ملاقات اور ان کے ساتھ

---

[1] ...... برابر۔ [2] ...... اپنی نیک حالت پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے والے۔

گفتگو وغیرہ کا کیا حکم ہے؟

جواب: دینی بھائیوں کی زیارت وملاقات جب کہ وہ نیک اور بُزُرگ ہوں ایک اچھی چیز ہے ایسے اَشخاص کی زیارت سے عبادت میں قوت، معاملات میں برکت، خدا کا قُرب اور دل کی اِصلاح ہوتی ہے اور دیگر بہت سے فائدے حاصل ہوتے ہیں لیکن دو باتوں کا لحاظ بہت ضروری ہے:

﴿1﴾ حد سے تجاوز نہ ہو کیونکہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کو فرمایا:

''زُرْ غِبًّا تَزْدَدْ حُبًّا''[1] ہماری زیارت کے لیے ناغہ کرکے آیا کروتا کہ محبت زیادہ ہو۔

﴿2﴾ یہ کہ رِیا کاری، اپنے آپ کو آراستہ کرنے، لَغْو گفتگو، غیبت اور بے فائدہ باتوں سے پورے طور پر اِجتناب کیا جائے، ورنہ فائدے کے بجائے نقصان ہوگا۔

حکایت

ایک دفعہ حضرت فضیل اور سفیان ثَوری رَحِمَہُمَا اللّٰہُ تَعَالٰی کی آپس میں ملاقات ہوئی، دونوں بُزُرگ دیر تک مصروفِ گفتگو رہے پھر دونوں رو پڑے، آخر میں حضرت سفیان ثَوری (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) نے کہا:

''میں آج کی اس صحبت کو بہترین صحبت تصور کرتا ہوں۔'' حضرت فضیل (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) نے فرمایا: ''میں تو اسے ایک خطرناک صحبت خیال کرتا ہوں۔''

1 ......شعب الایمان،باب فی حسن الخلق،فصل فی ترک الغضب...الخ،۶/۳۲۷،حدیث:۸۳۶۳۔

سفیان ثَوری (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) نے کہا: کیوں؟ حضرت فضیل (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تعَالٰی عَلَیْہ) نے جواب دیا: ''کیا ہم دونوں اپنی باتوں کو مُزَیَّن اور آراستہ نہیں کر رہے تھے؟ اور کیا ہم تکَلُّف و رِیا میں مُبتلا نہیں تھے؟'' سفیان ثَوری (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تعَالٰی عَلَیْہ) یہ سُن کر رو پڑے۔

تو چاہیے کہ اَحباب کی زِیارت و ملاقات میں میانہ رَوِی، احتیاط کو ملحوظ رکھا جائے اور رِیا و تکَلُّف وغیرہ سے اِجتناب کیا جائے ایسی ملاقات سے تمہاری عُزْلَت میں کوئی فرق نہیں ہوگا بلکہ فائدے کی امید ہے۔

سوال: کن چیزوں سے عُزلت کی رَغبت اور اس میں آسانی پیدا ہوتی ہے۔

جواب: تین چیزوں سے:

﴿1﴾ دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں اکثر اوقات میں عبادت میں مشغولیت و مصروفیت سے، کیونکہ اصل مصروفیت یہی ہے اور لوگوں سے بے ضرورت میل جول اور اُنْسِیَّت اِفلاس کی علامت ہے، جب تمہارا نَفْس بلا ضرورت و بلا حاجت لوگوں سے ملاقات، ان کی زیارت اور ان سے میل جول کا شائق ہو تو سمجھ لو کہ تم فضول پن، دین سے اِعراض اور نَفْس کے دھوکے میں مبتلا ہو گئے ہو، ایک عربی شاعر نے بہت خوب کہا ہے:

اِنَّ الْفَارِغَ اِلٰی سَلَامِكَ قَادَنِیْ وَلَرُبَّمَا عَمِلَ الْفُضُوْلَ الْفَارِغُ

''نیکیوں سے فراغت کی بناء پر میں تم سے سلام علیکم کرنے آ گیا ہوں، واقعی بے کار آدمی بہت سے فضول کام کر بیٹھتا ہے۔''

جب تم صحیح معنوں میں عبادتِ خداوَنْدِی میں مشغول ہوجاؤ گے اور مُناجاتِ الٰہی کا مزہ پالو گے تو تمہیں خود بخود کِتابُ اللّٰہ سے اُنْسِیَّت پیدا ہوجائے گی، تمہارا دل عَامَّۃُ النَّاس سے علیحدہ رہنے میں راحت محسوس کرے گا اور تمہیں لوگوں کی آواز اور ان سے گفتگو کرنے سے نفرت آئے گی۔

مروی ہے کہ حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلام کوہِ طور سے جب واپس آتے تھے تو آپ کو لوگوں سے وَحْشت آتی تھی، آپ (عَلَیْہِ السَّلام) کانوں میں اُنگلیاں ڈال لیتے تھے تاکہ کسی کی آواز سنائی نہ دے اور آپ (عَلَیْہِ السَّلام) لوگوں کی آواز کو نفرت و وَحْشت کے اعتبار سے گدھے کی مانند خیال کرتے تھے۔ اس لیے تمہیں چاہیے کہ ہمارے شیخ رَحِمَہُ اللّٰہ کے مندرجہ ذیل ارشاد پر عمل کرو، آپ نے فرمایا:

(۱) اِرْضَ بِـالـلّٰـهِ صَـاحِـبًـا وَ ذَرِ الـنَّـاسَ جَـانِـبًـا

(۲) صَـادِقِ الْـوُدِّ شَـاهِـدًا كُـنْـتَ فِـيْـهِـمْ وَ غَـائِـبًـا

(۳) قَـلِّـبِ الـنَّـاسَ كَـيْـفَ شِـئْـتَ تَـجِـدُهُـمْ عَـقَـارِبًـا

(۱) تم لوگوں سے بالکل کِنارہ کش ہوجاؤ اور صرف خدا ہی کو دوست بنانے میں خوشی تصور کرو۔

(۲) تم لوگوں کے چاہے مُخلص دوست بنو اور ان میں رہو یا ان سے غائب۔

(۳) جب تمہیں ان سے واسطہ پڑے گا تو اپنے حق میں ان کے دل بچھوؤں کی مانند پاؤ گے۔

﴿2﴾ گوشہ نشینی کی رَغبت پیدا کرنے والی دوسری چیز یہ ہے کہ تم لوگوں سے ہر قسم کا طَمَع اور اُمید مُنْقَطَع کرلو، اس طرح تم ان سے باآسانی کِنارہ کش ہوسکو گے کیونکہ

جب تمہیں کسی شخص سے کسی قسم کا طَمَع نہ ہو تو تمہارے لیے اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہوگا۔

﴿3﴾ اور تیسری چیز یہ ہے کہ تم لوگوں میں رہنے کی آفات پر غور کرو، ان کو ہر وقت یاد رکھو اور دل میں دوہراتے رہو۔

جب تم ان تین اُمور پر پابندی کرو گے تو ضرور مخلوق سے الگ ہو کر تمہارا رُجوع خداوند تعالیٰ کی طرف ہو جائے گا اور اس طرح تمہیں عُزْلَت گُزِیْنی کی سعادت نصیب ہو جائے گی اور یہ کٹھن منزل تمہیں دل پسند لگے گی اور اس کے ذریعہ تمہیں دربارِ خداوندی میں جھکنے کی توفیق نصیب ہو جائے گی۔

(وَ بِاللّٰہِ التَّوْفِیْقِ وَ الْعِصْمَۃِ)

تعلیمِ قرآن کے دو فضائل

دو فرامینِ مصطفٰی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم مُلاحظہ ہوں: ﴿1﴾ تم میں بہتر وہ شخص ہے، جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔ (صحیح البخاری، کتاب فضائل القران، باب خیرکم من تعلم القران وعلمه، ۳/۴۱۰، حدیث: ۵۰۲۷) ﴿2﴾ جو قرآن پڑھنے میں ماہر ہے، وہ کراماً کاتبین کے ساتھ ہے اور جو شخص رُک رُک کر قرآن پڑھتا ہے اور وہ اُس پر شاق ہے (یعنی اُس کی زبان آسانی سے نہیں چلتی، تکلیف کے ساتھ ادا کرتا ہے) اُس کیلئے دو اجر ہیں۔ (صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب فضل الماھر... الخ، ص ۴۰۰، حدیث: ۷۹۸) (غیبت کی تباہ کاریاں، ص ۱۴۸)

عبادت میں تیسری بڑی رکاوٹ شیطان

اے برادرِ عزیز! عبادت میں ترقی اور کامیابی حاصل کرنے کے لیے شیطان سے جنگ اور اس پر سختی کرنا بھی لازم اور ضروری ہے اور یہ دو وجہ سے ضروری ہے:

﴿1﴾ وہ تمہارا کُھلا دشمن ہے اور ہر وقت تمہیں گمراہ کرنے کے منصوبے بناتا رہتا ہے اس سے صُلْح یا رَحْم کی اُمید ہرگز نہیں کی جاسکتی بلکہ وہ تمہیں ہلاک کرکے ہی دم لے گا، اس لیے ایسے خطرناک دشمن سے بے خوف یا غافل رہنا سنگین غلطی ہے، تم ذرا مندرجہ ذیل آیاتِ قرآنیہ میں تو غور کرو:

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَیْكُمْ یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌۙ﴿۶۰﴾ (1)

اے اولادِ آدم! میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ دنیا میں جا کر شیطان لعین کی عبادت نہ کرنا کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

دوسری آیت یہ ہے:

اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّاؕ (2)

بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے، تو تم بھی اس سے دشمنی کرو۔

﴿2﴾ شیطان پر سختی کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کا تم سے دشمنی کرنا اس کی فطرت میں ہے وہ ہمیشہ تم سے مُحَارَبَہ(3) میں مشغول ہے اور چوبیس گھنٹے اپنی

---

1 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اے اولادِ آدم کیا میں نے تم سے عہد نہ لیا تھا کہ شیطان کو نہ پوجنا بے شک وہ تمہارا کُھلا دشمن ہے۔ (پ۲۳، یٰس: ۶۰)

2 ...... ترجمۂ کنز الایمان: بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے تو تم بھی اُسے دشمن سمجھو۔ (۲۲، فاطر: ۶)

3 ...... لڑائی۔

شَیطَنَت [1] کے تیر پھینکتا رہتا ہے اور تم اس کی شرارت اور فتنہ اندازی [2] سے مطلقاً غافل ہو، اس غفلت کا جو انجام ہوگا وہ ظاہر ہے۔

اور شیطان کو انسان کی عداوت [3] کے خلاف زیادہ بھڑکانے والے چند مزید اَسباب یہ ہیں کہ تم خداتعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہو، اور مخلوقِ خدا کو اپنے قول و فِعل سے دعوتِ اسلام دینے میں لگے ہوئے ہو، اور یہ اُمور شیطان کے پیشے، اس کی ہمت اس کی مراد اور اس کے مشن کے قطعاً خلاف اور مُتضاد ہیں، لہٰذا اس طرح تم شیطان کو غضب ناک کرنے، اس کی شرارت، اس کی عداوت اور اس کی مخالفت کو اور زیادہ بھڑکانے میں مصروف ہوتے ہو، جب تمہارا رویہ اس کے ساتھ یہ ہے تو وہ بھی بڑھ چڑھ کر تمہاری عداوت تم سے جنگ، اور تم سے مکرو فریب کرنے پر کمر بستہ رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ تمہارے حال کو پَراگَندہ [4] کردیتا ہے بلکہ وہ یہ کوشش کرتا ہے کہ وہ تمہارے ایمان ہی کا خاتمہ کردے کیونکہ وہ تم سے کسی وقت بھی بے خوف نہیں، شیطان تو ان کے ساتھ بھی عَدَاوت کرنے سے باز نہیں آتا جو اس کے ساتھ عَدَاوت اور مخالفت نہیں کرتے، جیسے کفار، گمراہ اور فاسق وفاجر لوگ۔ تو ان کے ساتھ اس کی عداوت کا کیا حال ہوگا جو ہر وقت اس کی مخالفت اور اس کو غضبناک کرنے اور گمراہ کُن منصوبوں کو خاک میں ملانے میں مصروف رہتے ہوں؟ تو اے عبادت اور دعوتِ حق میں سرگرمی کا مظاہرہ کرنے والو! عام لوگوں کے ساتھ اس کی عَدَاوت عُمومی [5] ہوگی مگر تم سے خُصوصی، اس لیے تمہارا معاملہ نہایت اَہم ہے۔

1 ...... بُرائی۔ 2 ...... فتنہ کرنے۔ 3 ...... دشمنی۔ 4 ...... خراب۔ 5 ...... عام طرح کی۔

پھر تمہاری عَدَاوت ومخالفت میں اِبلیس صرف اکیلا نہیں بلکہ اس کے ہمراہ شَیاطِین کی مُنَظَّم جماعت ہے۔اس کی جماعت میں تمہارا نَفْس اور تمہاری خواہشات بھی شامل ہیں جو تمہاری انتہائی دشمن ہیں اور تم پر غالب آنے کے لیے اس کے پاس ہزاروں ایسے اسباب ہیں جن سے تم یکسر غافل ہو۔

حضرت یَحْییٰ مُعاذ رَازِی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے بہت ہی خوب فرمایا ہے، آپ (رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ) فرماتے ہیں:

”اَلشَّیْطَانُ فَارِغٌ وَّ اَنْتَ مَشْغُوْلٌ وَّ الشَّیْطَانُ یَرَاکَ وَاَنْتَ لَا تَرَاہُ وَ اَنْتَ تَنْسَاہُ وَھُوَ لَا یَنْسَاکَ وَمِنْ نَفْسِکَ لِلشَّیْطَانِ عَلَیْکَ اَعْوَانٌ فَاِذَنْ لَا بُدَّ مِنْ مُحَارَبَتِہٖ وَقَھْرِہٖ وَ اِلَّا فَلَا تَاْمَنُ مِنَ الْفَسَادِ وَالْھَلَاکِ“ شیطان فارغ ہے اور تو مشغول ہے، وہ تجھے دیکھتا ہے مگر تو اسے نہیں دیکھتا، تو نے اسے بھلایا ہوا ہے مگر اس نے تجھے نہیں بھلایا اور تیرے اندر بھی شیطان کے کئی یار و مددگار ہیں۔اس لیے اس سے مُحَارَبَہ اور اس کو مغلوب کرنا بہت ضروری ہے ورنہ تو اس کی شرارتوں اور ہلاکتوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

سوال: کس طرح اِبلیس سے مُحَارَبَہ کیا جائے اور کون سی چیز اس کو زیر اور مغلوب کر سکتی ہے؟

جواب: اَہلِ مُجَاھَدَہ و رِیَاضَت کے ہاں اس کے دو طریقے ہیں:

ایک وہ ہے جو بعض مَشَائِخ رَحِمَھُمُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا ہے کہ اِبلیس کو دفع کرنے کے لیے صرف حق تعالٰی سے پناہ لی جائے، اس لیے کہ شیطان ایک کتّا ہے جس کو حق تعالٰی نے تم پر مُسَلَّط کر دیا ہے، اگر تم اس سے مقابلہ اور اس کو اپنے

سے ہٹانے میں مشغول ہوگئے تو تنگ آجاؤ گے اور تمہارا بہت سا قیمتی وقت ضائع ہوجائے گا اور آخرکار وہ غالب آجائے گا اور تمہیں زخمی کردے گا اور کاٹ کھائے گا، اس لیے کتے کے مالک کے پاس ہی پناہ لینی بہتر ہے، جو اسے تجھ سے ہٹادے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس سے مقابلہ کیا جائے، اس کو ہٹانے اور اس کی مخالفت کے لیے ہر وقت کمربستہ رہا جائے۔ میں (امام غزالی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْه) کہتا ہوں کہ میرے نزدیک زیادہ مناسب اور بہتر یہ ہے کہ دونوں طریقوں پر عمل کیا جائے، اوّل تو اس کی شرارتوں سے رب تعالیٰ سے پناہ مانگی جائے جیسا کہ ہم کو حکم ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی شرارتوں سے ہمیں محفوظ رکھنے کے لیے کافی ہے۔

پھر اگر تم یہ محسوس کرو کہ شیطان حق تعالیٰ سے پناہ مانگنے کے باوجود تمہارا پیچھا نہیں چھوڑتا اور غالب آنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے مُجاہَدے، ہماری قوت اور ہمارے صَبْر کا امتحان مطلوب ہے یعنی حق تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ تم شیطان سے مقابلہ اور مُحارَبَہ کرتے ہو یا اس سے مغلوب ہوجاتے ہو جیسا کہ اس نے ہم پر کفار وغیرہ کو مُسلَّط کر رکھا ہے حالانکہ وہ اس پر قادر ہے کہ ہمارے جہاد وغیرہ کے بغیر ہی ان کی شرارتوں اور فتنوں کو کچل دے لیکن وہ ایسا نہیں کرتا بلکہ بندوں کو ان سے جہاد کا حکم کرتا ہے تاکہ آزمائے کہ کس کے دل میں جذبۂ جہاد اور شہادت کی تڑپ ہے اور کون پورے خُلوص، تَنْدَہی[1] اور صَبْر سے ان کا مقابلہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

1 ...... جانفشانی / محنت / کوشش۔

وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ (1)

اور تا کہ اللہ تعالیٰ مُخلِص ایمان داروں کو ظاہر کر دے اور تا کہ تم میں بعض کو شہادت کا رُتبہ عطا فرمائے۔

ایک مقام پر یوں ارشاد فرمایا:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ يَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ (2)

کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ابھی تک مجاہدین اور صَبر کرنے والوں کو جہاد کے ذریعہ مُمتاز اور الگ نہیں کیا۔

تو اسی طرح شیطان کے مقابلے میں بھی ہمیں چستی اور پوری کوشش کا حکم دیا گیا ہے پھر ہمارے علمائے کرام (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) نے فرمایا ہے کہ شیطان کو مغلوب کرنے اور اس سے مقابلہ کرنے کے لیے تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے:

پہلی چیز یہ ہے کہ تم اس کے حیلوں اور چالاکیوں کو معلوم کرو اور پہچانو، جب تمہیں اس کی حیلہ سازیوں کا علم ہو جائے گا تو پھر وہ تم کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ جیسے چور کو جب معلوم ہو جائے کہ صاحبِ مکان کو میرا علم ہو گیا ہے تو وہ بھاگ جاتا ہے۔

---

1 ......ترجمۂ کنز الایمان: اور اس لیے کہ اللہ پہچان کرا دے ایمان والوں کی اور تم میں سے کچھ لوگوں کو شہادت کا مرتبہ دے۔ (پ ٤، ال عمرٰن: ١٤٠)

2 ......ترجمۂ کنز الایمان: کیا اس گمان میں ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی اللہ نے تمہارے غازیوں کا امتحان نہ لیا اور نہ صبر والوں کی آزمائش کی۔ (پ ٤، ال عمرٰن: ١٤٢)

دوسری چیز یہ ہے کہ تم شیطان کی گمراہ کُن دعوت کو ہرگز منظور نہ کرو، اور تمہارا دل قطعاً اس سے مُتَاَثِّر نہ ہو، اور تم اس کے مقابلے کی طرف توجہ نہ دو کیونکہ ابلیس ایک بھونکنے والے کُتّے کی مانند ہے اگر تم اس کو چھیڑو گے تو زیادہ شور مچائے گا اور اگر اِعراض[1] کرو گے تو وہ بھی خاموش ہو جائے گا۔

اِبلیس سے حفاظت کی تیسری تدبیر یہ ہے کہ ذِکرِ الٰہی کی کثرت کی جائے۔ سرکارِ دوعالَم نورِ مُجَسَّم شَفِیعِ مُعَظَّم نبی کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ہے:

"اِنَّ ذِکْرَ اللّٰہِ تَعَالٰی فِیْ جَنْبِ الشَّیْطَانِ کَالْاٰکَلَۃِ فِیْ جَنْبِ ابْنِ اٰدَم" شیطان کے لیے خدا تعالیٰ کا ذکر اتنا تکلیف دہ ہے جس طرح انسان کے لیے خارش۔

سوال: شیطان کے مکر و فریب کس طرح معلوم ہو سکتے ہیں؟

جواب: شیطان کے مکر و فریب کئی طرح کے ہیں، اوّل تو اس کے وسوسے ہیں جو اس کے تیر ہیں جن کے ذریعہ وہ لوگوں کے قلوب مجروح کرتا ہے اور ان وَساوِس کا صحیح اِنکشاف خَواطِر اور خَواطِر کی اقسام معلوم کرنے سے ہو سکتا ہے۔

دوسری چیز اس کے حیلے ہیں جو بِمَنْزِلَہ جال کے ہیں جن سے لوگوں کے دلوں کو پھانستا ہے اور ان کی مَعْرِفَت، شیطان کے دھوکے، ان کے اوصاف اور ان کے راستے معلوم کرنے سے ہوتی ہے، علمائے کرام رَحِمَھُمُ اللہُ تَعَالٰی نے ان خَواطِر و وَساوِس کی تفصیل میں کئی باب لکھے ہیں اور ہم (امام غزالی رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) نے اس سلسلے میں ایک مستقل کتاب "تَلْبِیْسِ اِبْلِیْس" نام تصنیف کی ہے

[1] ...... توجہ نہیں۔

اور ہماری یہ زیرِ تصنیف کتاب اِخْتِصَار و اِیْجَاز [1] کے باعث ان خَوَاطِر و وَسَاوِس وغیرہ کی تفصیلات کی مُتَحَمِّل نہیں ہو سکتی لیکن ہم ہر ایک چیز کو اس کتاب میں ایسے اِختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ اگر ان پر عمل کر لیا جائے تو کافی ہو جائیں۔

اے عزیز! دل میں جو خطرات آتے ہیں ان کی اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے دل پر ایک فرشتہ مقرر کیا ہوا ہے جو اسے نیکیوں کا اِلْہام کرتا ہے [2] اس فرشتے کو مُلْہِم [3] کہتے ہیں اور اس کی دعوت کو اِلْہام۔ اس کے مقابلے میں خدا کی طرف سے دل پر ایک شیطان مُسَلَّط کر دیا گیا ہے جو بُرائی کی طرف بُلاتا ہے، اس شیطان کو وَسْوَاس اور اس کی دعوت کو وَسْوَسَہ کہتے ہیں۔ مُلْہِم انسان کو نیکیوں کی طرف بلاتا ہے اور وَسْوَاس صرف بُرائیوں کی طرف، یہ اکثر علماء (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) کی رائے ہے لیکن میرے شیخ رَحْمَۃُ اللّٰہ نے فرمایا ہے کہ شیطان بسا اوقات بظاہر نیکی کی دعوت دیتا ہے مگر دَرْ اصل یہاں بھی اس کا مقصد بُرائی کی طرف لگانا ہوتا ہے اور وہ اس طرح کہ بڑی نیکی کی بجائے چھوٹی کی طرف بُلاتا ہے جس سے ایک بڑے گناہ کرنے کا نقصان نیکی کے ثواب سے زیادہ ہو، جیسے عُجْب [4] وغیرہ، تو خداوند تعالیٰ کی طرف سے انسان کے دل پر دو دَاعِی [5] مقرر ہیں۔ ہر ایک اپنی نوعیت کی دعوت میں لگا ہوا ہے اور انسان اپنے دل سے دونوں کی دعوت کو سنتا اور محسوس کرتا ہے۔

---

1 ...... مختصر ہونے۔ 2 ...... دل میں نیک بات ڈالتا ہے۔ 3 ...... اِلہام کرنے والا۔
4 ...... خود پسندی۔ 5 ...... دعوت دینے والے۔

رِوَایات میں آیا ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

"اِذَا وُلِدَ لِابْنِ اٰدَمَ مَوْلُوْدٌ قَرَنَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ بِہٖ مَلَکًا وَ قَرَنَ الشَّیْطَانُ بِہٖ شَیْطَانًا وَالشَّیْطَانُ جَاثِمٌ عَلٰی اُذُنِ قَلْبِ ابْنِ اٰدَمَ الْاَیْسَرِ وَالْمَلَکُ جَاثِمٌ عَلٰی اُذُنِہِ الْاَیْمَنِ فَھُمَا یَدْعُوَانِہٖ"[1] جس کسی انسان کے گھر بچہ پیدا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ایک فرشتہ لگا دیتا ہے اور شیطان اس کے ساتھ ایک شیطان لگا دیتا ہے شیطان اس کے دل کے بائیں کان میں پھونکتا رہتا ہے اور فرشتہ دائیں میں، اس طرح دونوں اپنی اپنی دعوت میں لگے رہتے ہیں۔

اور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے یہ بھی فرمایا ہے:

"لِلشَّیْطَانِ لَمَّۃٌ بِابْنِ اٰدَمَ وَ لِلْمَلَکِ لَمَّۃٌ"[2] شیطان بھی اپنی دعوت کے لیے انسان کے پاس آتا ہے اور فرشتہ بھی۔

پھر ایک شے اور بھی حق تعالیٰ نے انسان کی طبیعت میں رکھی ہے جس کی وجہ سے وہ ہر قسم کی شہوت اور لذّت کی طرف مائل ہو جاتا ہے، چاہے جائز ہو یا ناجائز، اس تیسری چیز کا نام خواہشِ نَفْس ہے جو انسان کو آفات میں مبتلا کرتی ہے، تو یہ تین چیزیں ہیں جو انسان کو مختلف اُمور کی طرف بلاتی ہیں۔

پھر اس مُقَدِّمے[3] کے بعد جاننا چاہیے کہ خَوَاطِر وہ آثار[4] ہیں جو بندے کے دل میں پیدا ہوتے ہیں اور اسے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم دیتے ہیں،

1 ......مسند امام احمد، مسند عبد اللّٰہ بن مسعود، ۲/۲۸، حدیث:۳۶۴۸، بتغیر۔

2 ......سنن الترمذی، کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ البقرۃ، ۴/۴۶۴، حدیث:۲۹۹۹۔

3 ......تمہید۔ 4 ......اثرات۔

خطرہ کے معنی ہیں: ''اِضْطِرَاب'' چونکہ یہ بھی کبھی دل میں آتا ہے اور کبھی جاتا ہے جس طرح ہوا کہ کبھی آتی ہے اور کبھی جاتی ہے تو اس آنے جانے کے اِضْطِرَاب کے باعث اس کو خطرہ کہتے ہیں۔

حقیقت میں ہر قسم کے خَوَاطِر کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے، اَسباب و ذرائع کی طرف ''مَجَازًا'' نسبت ہوتی ہے[1] اور خَوَاطِر کل چار قسم ہیں:

ایک وہ جو ابتداءً اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کے قلب میں پیدا ہوتے ہیں ان کو صرف خَوَاطِر کہتے ہیں۔

دوسرے وہ جو انسانی طبیعت کے مُوافق قلب میں پیدا ہوتے ہیں ان کو ہَوائے نَفْس کہتے ہیں۔

تیسرے وہ جو مُلْہِم فرشتہ کی دعوت کے ذریعہ حق تعالیٰ کی جانب سے دل میں پیدا ہوتے ہیں، انہیں اِلْہام کے نام سے مَوْسُوْم کرتے ہیں۔

چوتھے وہ جو شیطانی دعوت سے قلبِ انسانی میں آتے ہیں انہیں وَسْوَسَہ کہا جاتا ہے اور شیطان کی طرف منسوب کرتے ہوئے انہیں شیطانی خَطَرات بھی

---

1 ......مَجَازًا نسبت کا معنی یہ ہے کہ کسی لفظ کی نسبت اس کے حقیقی معنی کی طرف نہیں کی جائے بلکہ کسی وجہ سے غیر حقیقی معنی کی طرف کردی جائے جیسا کہ قرانِ پاک میں ہے: مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ (پ۳،البقرۃ:۲۶۱) ترجمۂ کنز الایمان: ان کی کہاوت جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس دانہ کی طرح جس نے اُوگائیں سات بالیں۔ اس آیتِ مبارکہ کے تحت ''خَزَائِنُ العِرفَان'' میں ہے: اُگانے والا حقیقت میں اللہ ہی ہے دانہ کی طرف اس کی نسبت مجازی ہے۔

(خزائن العرفان، سورۃ البقرۃ، تحت الآیۃ: ۲۶۱، ص۹۲)

کہتے ہیں، خلاصہ یہ کہ خَوَاطِر چار اَقسام ہیں جن کا ذکر ہوا۔

پھر یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ جو خطرہ بلاواسطہ رب تعالیٰ کی جانب سے ابتداءً دل میں آتا ہے وہ دو طرح کا ہوتا ہے کبھی نیک ہوتا ہے اور کبھی بُرا، اچھا تو اِکرام و اِتمامِ حُجّت کے لیے ہوتا ہے، اور بُرا آزمائش اور مَشقّت میں ڈالنے کے لیے اور جو خطرہ[1] مُلْہِم کی جانب سے ہوتا ہے وہ خیر ہی ہوتا ہے کیونکہ مُلْہِم کو نصیحت اور اِرشاد[2] کے واسطے ہی مقرر کیا گیا ہے، اور جو خطرہ شیطان کی جانب سے ہوتا ہے وہ بُرا ہی ہوتا ہے تاکہ بندہ اس کے ذریعہ گمراہی میں مبتلا ہو اور راہِ حق سے پھسلے اور کبھی اِسْتِدْرَاج کے طور پر یعنی دھوکے میں ڈالنے کی غرض سے بظاہر نیک بھی ہوتا ہے اور جو خطرہ قلب میں ہوائے نَفْس سے پیدا ہوتا ہے وہ فضول اور بُری چیزوں کے متعلق ہوتا ہے تاکہ بندہ اَمرِ خیر[3] سے رُکا رہے۔ اور میں نے بعض سَلَف (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) سے سُنا ہے کہ ہوائے نَفْس بھی بعض اوقات انسان کو نیک اُمور پر اُبھارتی ہے مگر اِبلیس کی طرح مقصد اس سے بھی بُرائی کی طرف لگانا ہوتا ہے۔ یہ ہیں خَوَاطِر اَرْبَعَہ جن کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

پھر تین اور اُمور کو بھی جاننا اَشَد ضروری ہے جو اصل مقصود ہیں:

ایک یہ کہ خطرہ شر اور خیر میں کیا فرق ہے۔ دوسرے یہ کہ خطرہ شر، رحمانی، شیطانی اور نفسانی میں کیا امتیاز ہے۔ تیسرے یہ کہ خطرہ خیر ابتدائی رحمانی یا اِلہامی یا شیطانی اور نفسانی میں کیا فرق ہے تاکہ خطرہ خیر رحمانی اور اِلہامی کی اِتّباع کی جائے اور نفسانی و شیطانی سے اِجْتِناب کیا جائے۔

[1] دل میں آنے والا خیال۔ [2] ہدایت۔ [3] اچھے کام۔

خطرہ خیر اور شر میں فرق کا طریقہ علمائے کرام (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) نے یہ لکھا ہے کہ جو خطرہ قلب میں آئے اس کا میزانِ شَرْع[1] سے مُوازَنہ کیا جائے، اگر اُصولِ شریعت کے مُوافِق ہو تو وہ خطرہ درست اور صحیح ہے ورنہ غلط۔ اگر میزانِ شَرْع سے فرق معلوم نہ ہو سکے تو سَلَف صالحین (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) کی سیرتِ مُطَهَّرہ سے مُوازَنہ کیا جائے اگر ان کی سیرت کے مطابق ہو تو خیر ہے ورنہ شر، اگر سیرتِ اَسْلاف سے بھی پتا نہ چل سکے تو اس کو اپنے نَفْس اور خواہش سے پرکھا جائے، اگر نَفْس اس سے طَبْعًا نفرت کرے کسی خارِجی خوف وڈر کے باعث نفرت نہ کرے تو وہ نیک ہے اور اگر قلب میں آنے والا خطرہ ایسا ہو کہ نَفْس اپنی طبیعت اور سرِشت[2] کے اعتبار سے اس کی طرف مائل ہو اللہ تعالیٰ سے کسی اُمید یا تَرغیب کی بنا پر مائل نہ ہو تو وہ خطرہ شر ہے کیونکہ نَفْس ہمیشہ بُرائی کی طرف ہی مائل ہوتا ہے کیونکہ نَفْس کی فطرت میں بُرائی ہے۔ جب تم ان مذکورہ بالا طریقوں کے ذریعہ خوب کوشش، اِحتیاط اور دھیان کے ساتھ خَواطِر مذکورہ میں فرق وامتیاز کا ارادہ کرو گے تو تم پر بِفَضْلِهٖ تعالیٰ نیک اور بد خطرہ کے درمیان فرق واضح ہو جائے گا۔

دوسرے اَمر میں فرق معلوم کرنے کا طریقہ ہمارے علمائے کرام (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) نے یہ بتایا ہے کہ اگر تم یہ معلوم کرنا چاہو کہ یہ خیال اور خطرہ شیطانی یا رحمانی یا نفسانی ہے تو اس خیال کو تین طرح سے جانچو، اگر وہ خیال اور خطرہ پختہ اور مضبوط اور رَاسِخ ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یا نَفْس کی جانب سے ہے اور اگر رَاسِخ نہ ہو بلکہ اس میں اِضْطِراب اور تَرَدُّد ہو تو ایسا خیال شیطانی ہے۔

---

1 ......شریعت کے بیان کردہ اصول وقواعد۔ 2 ......مزاج۔

بعض بُزُرگ (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) فرمایا کرتے تھے کہ ہوائے نَفْس چیتے کی مانند ہے جب تک اسے سخت شکست نہ دی جائے اور اس کے ساتھ شدّت کا معاملہ نہ کیا جائے مغلوب و مرعوب نہیں ہوگی یا خَارِجِیُّ الْعَقِیْدَہ (1) شخص کی طرح ہے کہ جب تک خارِجی کو مارا اور قتل نہ کر دیا جائے اپنی شرارت سے باز نہیں آتا، اور شیطان بھیڑیے کی مانند ہے اگر تم اس کو ایک جانب سے روکو تو دوسری طرف سے آ گُھستا ہے۔

خیالِ شر میں اِمتیاز کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اگر وہ گناہ کرنے کے بعد دل میں آئے تو وہ رحمانی ہوگا، تاکہ اس گناہ کی ذلت و حقارت دل میں آئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ (2)

اور کچھ نہیں بلکہ گناہوں کی وجہ سے ان کے دلوں پر زَنگ لگ چکا ہے۔

میرے شیخ (رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی) فرمایا کرتے تھے کہ گناہ رفتہ رفتہ قَساوتِ قلبی (3) میں مبتلا کر دیتے ہیں، اوّل اوّل تو دل میں بُرے خطرات آتے ہیں اور پھر رَیْن (4) اور زَنگ لگ جاتا ہے۔

اور بُرا خیال گناہ کے بعد مُتَّصِل دل میں نہ آئے تو ایسا خیال شیطانی ہوتا

---

1 ......ایک گمراہ فرقے والے۔

2 ......ترجمۂ کنز الایمان: کوئی نہیں بلکہ ان کے دلوں پر زَنگ چڑھا دیا ہے ان کی کمائیوں نے۔ (پ ۳۰، المطففین: ۱۴)

3 ......دل کی سختی۔ 4 ...... کَدُوْرَت۔

ہے۔ گمراہ کرنے کے لیے ابلیس اکثر بُرے خیالات دل میں ڈالتا ہے اور اگر ایسا خیال ہو کہ ذِکرِ حق سے کمزور یا کم نہ ہو تو سمجھ لو کہ ایسا خیال نفسانی ہے اور اگر ذِکر سے کمزور یا کم ہو تو ایسا خیال شیطانی ہے، جیسا کہ قرآن مجید کے ان الفاظ کی تفسیر میں کہا گیا ہے: مِنۡ شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ ۬ۙ الۡخَنَّاسِ [1] کہ ابلیس انسان کے دل کے ساتھ لگا رہتا ہے، بندہ جب ذِکرِ خدا کرتا ہے تو وہ علیحدہ ہو جاتا ہے اور جب غفلت کرتا ہے تو اس کے دل میں وَسْوَسَہ اَنْدَازِی کرتا [2] ہے۔

حق تعالیٰ یا فرشتے کی جانب سے بندہ کے قلب میں جو خیال آتا ہے ان دونوں میں فرق و امتیاز کی پہچان یہ ہے کہ اگر وہ خیال پختہ اور قوی ہو تو ایسا خیال رحمانی ہے اور اگر اس میں تَرَدُّد و اِضْطِراب ہو تو مَلَکِی [3] ہے کیونکہ فرشتے کو ناصِح [4] بنا کر انسان کے دل پر مقرر کیا گیا ہے وہ ہر طرح بندہ کو نیکیوں کی طرف مائل کرتا ہے اور نیک اُمور سامنے لاتا ہے تاکہ انہیں قبول کرے اور ان پر عمل کرے۔

فرق و اِمتیاز کی دوسری صورت یہ ہے کہ اگر خیال طاعت و مُجاھَدہ کے بعد دل میں آئے تو رحمانی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِیۡنَ جَاہَدُوۡا فِیۡنَا لَنَہۡدِیَنَّہُمۡ سُبُلَنَا ؕ [5] جو لوگ ہم تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں ہم ان کیلئے ضرور اپنے وِصال کی راہیں کشادہ کر دیتے ہیں۔

---

1 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اس کے شر سے جو دل میں بُرے خطرے ڈالے اور دَبک رہے۔ (پ ۳۰، الناس: ٤) 2 ......وسوسہ ڈالنا۔ 3 ......فرشتے کی طرف سے۔

4 ......نصیحت کرنے والا۔ 5 ......ترجمۂ کنز الایمان: اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھا دیں گے۔ (پ ۲۱، العنکبوت: ٦٩)

اور ایک مقام پر فرمایا:

وَالَّذِیۡنَ اہۡتَدَوۡا زَادَہُمۡ ہُدًی[1] جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں اللہ تعالیٰ ان کی ہدایت میں اور زیادتی کرتا ہے۔

اور اگر نیک خیال طاعت و مُجاہَدہ کے بعد قلب میں پیدا نہ ہو بلکہ ابتداءً پیدا ہو تو وہ مَلَکِی ہوتا ہے اور اگر نیک خیال باطنی اُصول واَعمال کے متعلق ہو تو وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوگا اور اگر ظاہری فُرُوع واَعمال کے متعلق ہو تو فرشتہ کی طرف سے ہے کیونکہ اکثر علماء کے نزدیک فرشتے کو باطنی اُمور کی مَعْرِفت نہیں۔

اور جو نیک خیال اِبلیس کی جانب سے ہوتا ہے اور جس سے درحقیقت اس کا مقصود گناہ میں مبتلا کرنا ہوتا ہے، تو ہمارے شیخ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اس کی پہچان یہ بتائی ہے کہ اگر اس سے دل میں خوشی پیدا ہو، خوف پیدا نہ ہو عُجلَت[2] پیدا ہو، تَحَمُّل واطمینان پیدا نہ ہو، دل میں بے خوفی آئے، ڈر نہ آئے اور آخرت کے متعلق غفلت پیدا ہو، بصیرت پیدا نہ ہو، تو ایسا خیال شیطانی ہے اس لیے اس سے اِجْتِناب کرو اور اگر اس کے خلاف ہو یعنی اس سے قلب میں خوشی کے بجائے خوف پیدا ہو، عُجلَت کے بجائے تَحَمُّل پیدا ہو، بے خوفی کے بجائے ڈر پیدا ہو اور آخرت

---

1 ……ترجمۂ کنز الایمان: اور جنہوں نے راہ پائی اللہ نے ان کی ہدایت اور زیادہ فرمائی۔

(پ ۲۶، محمد: ۱۷)

2 ……جلد بازی۔

سے غفلت کے بجائے اس کی یاد پیدا ہو، تو یہ خیال رحمانی ہے۔ میں کہتا ہوں یہاں خوشی سے مراد ایک قسم کا سکون ہے جس میں بصیرت نہیں ہوتی اور بعض دفعہ ذِکر سے بھی نَشاط وفرحت پیدا ہوتی ہے اس قسم کی خوشی وفرحت بُری نہیں مگر اس کے مَوَاقِع محدود ہیں۔

ایک حدیث میں نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّم نے فرمایا ہے:

"اَلْعَجَلَةُ مِنَ الشَّیْطَانِ اِلَّا فِیْ خَمْسٍ مَوَاضِعِ تَزْوِیْجُ الْبِکْرِ اِذَا اَدْرَکَتْ وَ قَضَاءُ الدَّیْنِ اِذَا وَجَبَ وَ تَجْهِیْزُ الْمَیْتِ اِذَا مَاتَ وَ قِرَی الضَّیْفِ اِذَا نَزَلَ وَ تَوْبَةُ الذَّنْبِ اِذَا اَذْنَبَ" پانچ کاموں کے علاوہ باقی تمام کاموں میں عُجلت شیطانی فعل ہے، وہ پانچ کام یہ ہیں: جب لڑکی بالغ ہوجائے تو جلدی بیاہ دی جائے، جب قرض واجِب ہو تو جلدی ادا کیا جائے، جب کوئی مرے جلدی دفن کیا جائے، جب مہمان آئے تو اس کی مہمان نوازی میں جلدی کی جائے اور گناہ سرزد ہونے پر جلدی توبہ کی جائے۔

اور خوف سے مراد یہ ہے کہ بندے کے دل میں یہ ڈر ہو کہ شاید میں ارادے کو عملی طور پر کَمَا حَقُّهٗ ادا کرسکوں یا نہ اور شاید دربارِ ایزدی میں یہ قبول ہو یا نہ ہو، اور بصیرت کا مطلب یہ ہے کہ اس ارادے میں غور وتأمُّل کرلے کہ اچھا اور خیر ہے یا کہ بُرا ہے اور آخرت میں اس پر ثواب ملنے کی اُمید ہے یا نہیں۔

یہ تین اُمور ضروری تھے جن کی معرفت سے قلبی خَواطِر وخیالات میں فرق واِمتیاز معلوم ہوسکتا ہے، اس لیے انہیں ذہن نشین کرنا ضروری ہے اور جہاں تک ہوسکے ان کی تہ تک پہنچنا ضروری ہے کیونکہ ان تین اُمور کی مَعْرِفَت ووَاقِفِیَّت

عُلُوم لطیفہ و اَسرارِ شریفہ میں سے ہے۔

باقی رہے اِبلیس کے دھوکے، جن کے ذریعہ بندے کو طاعات سے روکنے کی کوشش کرتا ہے، وہ سات قسم ہیں:

(۱) اوّل طاعات سے روکنے کی کوشش کرتا ہے تو اگر اللّٰہ تعالیٰ بندے کو بچا لے اور بندہ اس کے مطالبے کو اس طرح رَدّ کردے کہ "مجھے طاعات وعبادات کی سخت ضرورت ہے کیونکہ یہ سفرِ آخرت کا توشہ[1] ہیں اور بغیر توشہ سفر طے نہیں ہوسکتا۔"

تو پھر اِبلیس اس طرح گمراہ کرتا ہے کہ (۲) چلو آج رہنے دو، یہ کام کل کرلینا۔ اگر بندہ اس سے بھی بچ جائے اور اِبلیس کی بات کو اس طرح ٹھکرا دے کہ میری موت میرے قبضہ میں نہیں ہے اور دوسرے یہ کہ اگر آج کا کام کل پر چھوڑا تو کل کا کام بھی تو ہے وہ کس دن کروں گا؟ کیوں کہ کل کا کام علیحدہ ہے۔ جب اِبلیس یہاں بھی نا امید ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ (۳) جلدی جلدی کرو تا کہ فلاں فلاں کام کے لیے فارغ ہوسکو۔ اگر بندہ اس کے اس حَربے[2] سے بھی بچ جائے اور اس طرح رَدّ کردے کہ قَلیل نیکی اطمینان وسکون کے ساتھ اس نیکی سے بہتر ہے جو مقدار میں زیادہ مگر ناقص ہو۔

اگر یہاں بھی وہ ناکام ہو تو بندہ کو (۴) رِیا[3] میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہے، اگر اس وقت بھی بندہ اللّٰہ تعالیٰ کی اِمداد وحفاظت سے بچ جائے اور یہ کہہ کر

---

1 ......زادِراہ۔ 2 ......وار۔ 3 ......ریاکاری کے بارے میں مزید معلومات کے لئے "مکتبۃ المدینہ" کی مطبوعہ کتاب "ریاکاری" کا مطالعہ کیجئے۔

وَسوسۂ رِیا کومُسْتَرَد[1] کردے کہ ''میں کسی اور کی نمائش کے لیے عبادت کیوں کروں! کیا صرف خداتعالیٰ کا دیکھنا میرے واسطے کافی نہیں ہے؟ تو پھر وہ(ہ) عُجب[2] میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور بندے کو اَز رُوئے وَسْوَسَہ کہتا ہے کہ ''تو کتنا باعظمت اور شب بیدار[3] ہے اور تو کتنی فضیلت کا مالک ہے۔'' اگر حق تعالیٰ کے فضل وکرم سے بندہ اب بھی محفوظ رہے اور عُجب میں مُبتلا نہ ہو بلکہ اِبلیس کے اس وَسْوَسَہ کو اس طرح رَد کردے کہ ''اس میں میری کیا بُزُرگی ہے یہ تو سب اللہ تعالیٰ کا احسان ہے جس نے مجھ گناہ گار کو یہ توفیق دی اور یہ بھی اس کا کرم ہے کہ میرے حقیر وناقص اَعمال کو شرفِ قبولیت سے نوازا۔ اگر اس کا فضل وکرم نہ ہوتا تو میرے بے حد گناہوں کے مقابلے میں میرے ان قَلِیل اَعمال کی کیا وَقْعت تھی۔''

اگر اِبلیس کے یہ مذکورہ حَرْبے ناکام ہوجائیں تو پھر ایک چھٹے راستے سے آتا ہے اور یہ سب سے زیادہ خطرناک ہے، بہت ہی دانا اور ہوشیار شخص کے سوا کوئی اس کے دھوکے سے محفوظ نہیں رہ سکتا اور نہ ہی اس سے واقِف ہوسکتا ہے، چنانچہ اِبلیس یہ کہتا ہے کہ ''اے نیک بندے! تو لوگوں سے پوشیدہ نیک اَعمال میں کوشش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ خود بخود تیرے اَعمالِ خیر کو لوگوں میں مُشْتَہَر[4] کردے گا۔''

یہ کہنے سے اس کا مقصود رِیا میں مبتلا کرنا ہوتا ہے اگر اللہ تعالیٰ کی عنایت سے بندہ اِبلیس کے اس مُغالَطے[5] سے بھی بچ جائے اور اس کے اس وسوسے کو اس

---

1 ...... رَدّ۔ 2 ...... خود پسندی۔ 3 ...... راتوں کو جاگ کر عبادت کرنے والا۔
4 ...... مشہور۔ 5 ...... دھوکے۔

طرح ناکام بنادے کہ ''میں اس چیز کا مُتَمَنِّی [1] نہیں ہوں کہ میری نیکیاں عوام میں مشہور ہوں بلکہ جو اللّٰہ تعالیٰ کی رضا ہے وہی درست اور حق ہے، چاہے ظاہر کرے چاہے ظاہر نہ کرے، وہ مجھے کوئی مرتبہ عطا کرے یا نہ کرے سب اس کی مرضی ہے۔لوگوں کے سامنے اِظہار یا عَدَمِ اِظہار میرے نزدیک مُساوِی [2] ہے کیونکہ لوگوں کے ہاتھ میں میرا نَفْع نقصان نہیں ہے۔''

اس طرح گمراہ کرنے سے مایوس ہونے کے بعد اِبلیس یوں گمراہ کرتا ہے کہ ''انسان کے نیک و بد ہونے کے متعلق روزِ اَزَل میں فیصلہ ہوچکا ہے، جو اُس روز بُروں میں ہوگیا وہ بُرا ہی رہے گا اور جو اچھوں میں ہوگیا وہ اچھا ہی رہے گا تمہارے اَعمالِ نیک و بد سے فیصلۂ اَزَلی میں ہرگز فرق نہیں آسکتا۔''

اگر اللہ تعالیٰ بندہ کو اس وسوسۂ شیطانی سے بھی بچالے اور بندہ اِبلیسِ لعین کو یوں جواب دے کہ میں تو خدا تعالیٰ کا بندہ ہوں اور بندے کا کام ہے اپنے مولیٰ کے حکم کی تعمیل اور اللہ تعالیٰ چونکہ رَبُّ الْعَالَمِین ہے اس لیے جو چاہے حکم دے اور جو چاہے کرے اور پھر عبادت وطاعت کسی طرح بھی مُضِر [3] نہیں کیونکہ اگر میں علمِ الٰہی میں سعید [4] ہوں تو پھر بھی اور زیادہ ثواب کا محتاج ہوں اور اگر مَعَاذَ اللّٰہ علمِ الٰہی میں میرا نام بد بختوں میں لکھا ہو تو بھی نیک اَعمال کرنے سے اپنے اوپر یہ ملامت تو نہیں کروں گا کہ مجھے اللّٰہ تعالیٰ طاعت وعبادت نہ کرنے پر سزا دے گا اور کم اَز کم یہ تو ہے کہ نافرمان بن کر جہنم میں جانے کی نسبت مُطِیع [5] بن کر

1......خواہش مند۔ 2......برابر۔ 3......نقصان دہ۔ 4......سعادت مند۔

5......اطاعت کرنے والا۔

جانا بہتر ہے لیکن یہ تو سب مَحض اِحتِمالات [1] ہیں ورنہ اس کا وعدہ حق ہے اور اس کا کلام قطعاً سچا ہے اور اللہ تعالیٰ نے تو جا بجا طاعات و عبادات کی بجا آوری پر ثوابِ جمیل [2] کے وعدے فرمائے ہیں، تو جو شخص ایمان و طاعت کے ساتھ رب تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوگا، وہ ہرگز دوزخ میں نہ جائے گا بلکہ خدا تعالیٰ کی مہربانی اور اَعمالِ صالحہ کی وجہ سے جَنَّتِ فردوس میں اِنْ شَآءَ اللّٰہ جگہ پائے گا لیکن حقیقت میں یہ دُخول بھی وعدہ خداوندی کی وجہ سے ہوگا۔ اسی صِدْقِ وعدہ کا اِظہار کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سعید لوگوں کے اس مَقُوْلَہ [3] کو نقل فرمایا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ [4] سب تعریفیں حق تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہم سے اپنا وعدہ پورا کردیا۔

لٰہذا خدا تم پر رحم کرے، تمہیں اِبلیس کے حیلوں سے بچنے میں ہوشیار اور چوکنا رہنا چاہیے کیونکہ معاملے کی نَزاکت تمہارے سامنے ہے اور اسی پر اپنے باقی اَحوال و اَفعال کو بھی قِیاس [5] کرلو اور ہر وقت اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے رہو اور اس کی پناہ میں رہو کیونکہ ہر معاملہ اس کے ہاتھ میں ہے اور توفیق عطا کرنے والا بھی وہی ہے۔ وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْم۔

---

1 ......شک وشبہ کی باتیں۔ 2 ......بہترین اجر۔ 3 ......قول۔

4 ......ترجمۂ کنز الایمان: سب خوبیاں اللہ کو جس نے اپنا وعدہ ہم سے سچا کیا۔

(پ ۲۴، الزمر: ۷۴)

5 ......اندازہ۔

چوتھا عائق (مانع) ”نَفْس“

پھراے عبادت کے طالب! (اللّٰہ تعالیٰ تجھے اور ہمیں ہرلغزش سے محفوظ رکھے) اس نَفْسِ اَمّارہ کی شرارتوں سے بچنا بھی بہت ہی ضروری ہے کیونکہ یہ نہایت نقصان دہ دشمن ہے اور اس کی آفات نہایت سخت ہیں، اس کا علاج بہت مشکل اَمْر ہے، اس کی بیماری نہایت خطرناک بیماری ہے اور اس کی دَوا سب دَواؤں سے دُشوار ہے۔

نَفْس کا اس قدر مُضِرّ اور خطرناک ہونا دو وجہ سے ہے:

اوّل: یہ کہ نَفْس گھر کا چور ہے، اور چور جب گھر میں ہی چھپا ہو تو اس سے محفوظ رہنا بہت مشکل ہوتا ہے اور بہت زیادہ نقصان پہنچاتا ہے، نَفْس کی شرارتوں کے متعلق کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

نَـفْسِـیْ اِلٰـی مَـا ضَـرَّنِیْ دَاعِـیْ   تُـکْثِـرُ اَسْـقَـامِـیْ وَاَوْجَـاعِـیْ

کَیْفَ اَحْتِیَـالِـیْ مِنْ عَدُوِّیْ اِذَا   کَـانَ عَـدُوِّیْ بَیْـنَ اَضْلَاعِـیْ

ترجمہ: (۱) نَفْس مجھے مَضَرَّت رَساں[1] کاموں کی طرف بُلاتا ہے اور میری بیماریوں اور اَمراض کو زیادہ کرتا رہتا ہے۔

(۲) اس دشمن سے بچنے کی کیا تدبیر ہو سکتی ہے جو دونوں پہلوؤں کے درمیان چھپا بیٹھا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ نَفْس ایک محبوب دشمن ہے اور انسان کو جب کسی سے محبت ہوتی ہے تو اس کے عُیُوب نظر نہیں آتے بلکہ محبت کی وجہ سے محبوب کے

1 ...... نقصان دہ۔

عُیُوب سے اندھا رہتا ہے، ایک شاعر نے اس چیز کو مندرجہ ذیل دو شعروں میں بیان کیا ہے:

وَلَسْتَ تَرَى عَيْبًا لِذِي الْوِدِّ وَالْاِخَا وَ لَا بَعْضَ مَا فِيْهِ اِذَا كُنْتَ رَاضِيَا

وَ عَيْنُ الرِّضَا عَنْ كُلِّ عَيْبٍ كَلِيْلَةٌ وَ لٰكِنَّ عَيْنَ السُّخْطِ تُبْدِي الْمَسَاوِيَا

ترجمہ: (۱) جب تیری کسی سے دوستی اور اس سے بھائی چارہ ہوتا ہے اور تو اس سے راضی ہوتا ہے تو تجھے اس کا کوئی عیب نظر نہیں آتا۔

(۲) رِضاء اور پیار والی آنکھ ہر عیب سے اندھی ہوتی ہے لیکن دشمن آنکھ کو بُرائیاں ہی بُرائیاں دکھائی دیتی ہیں۔

توجب انسان اپنی ہر قَباحت [1] کو نظرِ اِستِحسَان [2] سے دیکھے اور نَفْس کے عُیُوب سے آگاہ نہ ہو جو ہر وقت انسان کے ساتھ عداوت اور نقصان رَسانی میں مصروف ہے، تو ایسے شخص پر اگر خدا تعالیٰ کی رحمت اور اس کا فضل نہ ہوا تو عنقریب ہلاکت اور ذِلت کے گہرے گڑھے میں جا گرے گا۔

اے عزیز! تو اس ایک نکتے پر ہی غور کر، یہی تیرے لیے کافی ہے، وہ نکتہ یہ ہے کہ جب تو ماضی پر نظر کرے گا تو تجھے معلوم ہو گا کہ اوّل روز سے جو ذِلت وخواری جو تباہی جو گناہ اور جو آفت ومصیبت دنیا میں واقع ہوئی اور قیامت تک ہو گی سب نَفْس کے باعث ہی ہوئی اور ہو گی، بعض بُرائیاں اکیلے نَفْس کے باعث اور بعض نَفْس کی مُعاوَنت وشرکت کے ذریعہ، اللہ تعالیٰ کی سب سے اوّل نافرمانی اِبلیس نے کی اور اس کا باعث تکبُّر وحَسَد [3] تھا جب اِبلیس نے حکمِ الٰہی کے آگے تکبُّر

---

1 ......بُرائی۔ 2 ......اچھی نگاہ۔ 3 ......حسد اور تکبر کے بارے میں مزید معلومات کے لئے "مکتبۃ المدینہ" کی مطبوعہ دو کتابیں "تکبر" و "حسد" کا مطالعہ کیجئے۔

کیا اور حضرت آدم عَلَیْهِ السَّلام سے حسد کیا تو اس کی اَسّی ہزار برس کی عبادت ضائع ہوگئی اور وہ ہمیشہ کے لیے ضَلالت وگمراہی کے گہرے سمندر میں غرقاب ہوگیا، اس وقت نہ دنیا تھی نہ مخلوق اور نہ ہی کوئی اور اِبلیس تھا جو اس اِبلیس کو گمراہ کرتا، لہٰذا اِبلیس کے اندر تکبُّر وحسد اس کے نَفْس کی وجہ سے صادِر ہوا۔

اِبلیس کی مَرْدُوْدِیَّت (1) کے بعد حضرت آدم وحوَّا عَلَیْهِمَا السَّلام سے جو لَغْزِش (2) ظہور پذیر ہوئی اس میں بھی چاہتِ نَفْس کارگر تھی۔ اِبلیس نے قسم کھا کر کہا کہ دانہ کھالینے کے بعد تمہیں ہمیشہ کے لیے جنّت میں رہنا نصیب ہوجائے گا۔ تو دونوں بقاءِ حَیات کو عزیز گردانتے ہوئے پھسل گئے۔ تو یہ لَغْزِش بھی (جو بعد میں بالکل معاف ہوگئی) نَفْس کی مُعاوَنَت وشرکت سے واقع ہوئی اور دونوں حضرات اس بنا پر اللّٰہ تعالیٰ کے جوارِ رحمت (3) وقُرب سے دور کردیئے گئے اور جنّتِ فردوس سے اس فانی (4)، حقیر، کھوٹی، ہلاکت میں ڈالنے والی دنیا کی طرف مُنتَقِل کردیئے گئے اور اس لَغْزِش کے باعث انہیں بہت کچھ دِقّتیں (5) پیش آئیں اور ان کی اولاد بھی قیامت تک دنیا کے پھندوں میں مبتلا ہوگئی۔

پھر ھابِیل (6) کا قتل بھی بُخل وحَسَد کی وجہ سے ہی ہوا، اور ہاروت وماروت (7) بھی شہوت کے سبب فتنے میں مبتلا ہوئے، اور اسی طرح قیامت تک نَفْس کی وجہ سے ناقابلِ گُفْتَنِیہ (8) واقعات رُونما ہوتے رہیں گے۔ مخلوق میں جو فتنے، جو

---

1 ...... مردود ہونے۔ 2 ...... اِجتِہادی خطا۔ 3 ...... یہاں لفظ ''پڑوس'' کو ''جوارِ رحمت'' سے بدل دیا ہے۔ (علمیہ) 4 ...... ختم ہوجانے والی۔ 5 ...... مشکلات۔ 6 ...... حضرت آدم عَلَیْهِ السَّلام کے بیٹے۔ 7 ...... یہ دو فرشتے ہیں۔ 8 ...... ناقابل بیان۔

خرابیاں، جو گمراہیاں اور جو گناہ واقع ہوتے ہیں اور ہوتے رہیں گے ان کی بنیاد نَفْس اور نَفْس کی خواہش ہی ہوتی ہے، اگر یہ نہ ہوتا تو مخلوق خیریت اور سلامتی سے رہتی، جب نَفْس کی عداوت اس حد تک خطرناک ہے تو عاقل کو چاہیے کہ نَفْس کی شرارتوں سے بچاؤ کا اہتمام کرے۔(وَ اللّٰهُ الْهَادِی)

سوال: تو ایسے دشمن سے حفاظت میں رہنے کا حیلہ اور تدبیر کیا ہے؟ اس کی وضاحت فرمائیے تاکہ اس کے مطابق عمل کیا جاسکے۔

جواب: ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ نَفْس کا معاملہ سب سے زیادہ سخت ہے کیونکہ اسے بالکل ختم کرنا بھی حکمتِ الٰہی کے خلاف ہے کیونکہ یہ عبادت کے سلسلے میں بندوں کی سواری اور ذریعہ ہے۔

کہتے ہیں کسی اَعْرَابی [1] نے اپنے دوست کے لیے دعائے خیر کی اور کہا کہ ''اللہ تعالیٰ تیرے ہر دشمن کو ذلیل کرے، سوائے نَفْس کے۔'' کیونکہ نہ تو اسے بالکل ختم کیا جاسکتا ہے کیونکہ اس میں بھی نقصان ہے تو درمیانی راستہ اختیار کرنا ضروری ہے کہ کَسْبِ حَسَنات [2] کے لیے اس کو قوت اور اس کی تربیت کرو اور بُرائیوں سے محفوظ رہنے کے لیے اس کو ضَعِیف ولاغر بھی رکھو اور بَندِش [3] میں بھی۔

اس بیان سے واضح ہوا کہ نَفْس کا علاج بہت مشکل اَمْر اور بڑی دِقّتِ نظر کی ضرورت ہے، ہم یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ اس کو تقویٰ اور وَرَع کی لگام دیے رکھو، تاکہ کَسْبِ حَسَنات اور گناہوں سے حفاظت دونوں فائدے حاصل ہوں۔

سوال: نَفْسِ اَمّارہ [4] تو بہت ہی سرکش، ضدی اور بد فطرت شے ہے، اس

---

1 ...... دیہاتی۔ 2 ...... نیکیوں کے حصول۔ 3 ...... قید۔ 4 ...... بُرائی پر اُبھارنے والا نَفْس۔

کا لگام سے قابو میں آنا مشکل ہے اس لیے اور کون سا حیلہ ہوسکتا ہے جس سے ہم اس کو زیر (1) کرسکیں؟

جواب: تمہارا یہ اِشکال (2) درست ہے، واقعی یہ اِنتہائی سرکش ہے، مگر اس کا حِیْلَہ (3) یہ ہے کہ اسے بہت ذلیل وخوار کرکے رکھا جائے تاکہ لگام میں آسکے۔

علمائے کرام (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ السَّلَام) نے فرمایا ہے کہ نَفْس کو خوار اور اس کے زور کو تین چیزوں سے توڑا جاسکتا ہے:

اوّل: یہ کہ اسے شَہْوَات سے روکا جائے کیونکہ اڑیل حیوان کو جب چارہ کم ملتا ہے تو نرم ہوجاتا ہے۔

دوسری: چیز یہ کہ عبادات کا بھاری بوجھ اس پر لاد دیا جائے کیونکہ گدھے کو جب چارہ کم دیا جائے اور بوجھ زیادہ لادا جائے تو لازمی طور پر اپنی شیخی چھوڑ دیتا ہے اور مُطِیْع ومُنْقاد (4) ہوجاتا ہے۔

تیسری: چیز یہ ہے کہ ہر وقت رب تعالیٰ سے اِمداد طلب کرتا رہے کہ وہ نَفْس کے شر وفساد سے بچائے رکھے، تم نے قرآنِ حکیم میں سیدنا حضرت یوسف عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا یہ ارشاد نہیں پڑھا:

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ (5)

نَفْس تو ہمیشہ بُرائیوں کا حکم ہی دیتا ہے، ہاں جس پر اللہ تعالیٰ کا رحم ہو وہی محفوظ رہتا ہے۔

---

1 ...... قابو۔ 2 ...... مشکل پیش کرنا۔ 3 ...... طریقہ۔ 4 ...... فرماں بردار۔

5 ...... ترجمۂ کنز الایمان: بیشک نَفْس تو بُرائی کا بڑا حکم دینے والا ہے مگر جس پر میرا رب رحم کرے۔ (پ ۱۳، یوسف: ۵۳)

جب تم اِن تین باتوں پر کاربند ہو جاؤ گے تو اِنْ شَآءَ اللّٰہ تعالیٰ نَفْسِ سرکش مُطِیع ومُنقاد ہو جائے گا۔ اُس وقت تمہیں اس کو زیر کرنے اور لگام دینے میں جلدی کرنے چاہیے تاکہ آئندہ کے لیے اس کی شرارتوں سے محفوظ رہ سکو۔

سوال: ذرا تقویٰ کی وضاحت بھی فرمادیں تاکہ ہم تقویٰ کی حقیقت سے واقِف ہو جائیں؟

جواب: اے عزیز! اوّل تجھے یہ جاننا چاہیے کہ تقویٰ ایک نادِر خزانہ ہے اگر تم اس خزانے کو پالینے میں کامیاب ہوگئے تو تمہیں اس میں بیش قیمت موتی وجواہرات ملیں گے اور علم ودولتِ روحانی کا بہت بڑا خزانہ ہاتھ لگے گا، رِزْقِ کریم تمہارے ہاتھ آجائے گا، تم بہت بڑی کامیابی حاصل کرلوگے، بہت بڑی غنیمت پالوگے اور ملکِ عظیم (جنّت) کے مالک بن جاؤ گے، یوں سمجھو کہ دنیا وآخرت کی بھلائیاں تقویٰ میں جمع کردی گئی ہیں۔ تم ذرا قرآنِ حکیم میں تو غور کرو کہ کہیں ارشاد فرمایا: ''اگر تم تقویٰ اختیار کروگے تو ہر قسم کی خیر وبرکت کے مالک بن جاؤ گے۔'' کہیں تقویٰ اختیار کرنے پر اَجر وثواب کے وعدے فرمائے گئے ہیں اور کہیں فرمایا گیا کہ سعادت کا ذریعہ تقویٰ وپرہیزگاری اختیار کرنا ہے۔ میں یہاں قرآن حکیم سے تقویٰ کے بارہ فوائد بیان کرتا ہوں:

﴿1﴾ مُتّقی شخص کی رب تعالیٰ حمد وثنا کرتا ہے، ارشادِ ربّانی ہے:

وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾ (1)	اگر تقویٰ اور صَبْر اختیار کروگے تو بے شک یہ باہمت کاموں میں سے ہے۔

(1)...... ترجمۂ کنز الایمان: اور اگر تم صبر کرو اور بچتے رہو تو یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔
(پ ٤، اٰل عمرٰن: ١٨٦)

﴿2﴾ مُتَّقی شخص دشمنوں سے مامون ومحفوظ رہتا ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا لَا یَضُرُّكُمْ كَیْدُهُمْ شَیْــٴًـا (1)

اگر تم تقویٰ وصَبْر اختیار کرو گے تو تمہیں مخالفوں کے مکروفریب کچھ نقصان نہ دے سکیں گے۔

﴿3﴾ مُتَّقی شخص کی اللہ تعالیٰ تائید واِمداد فرماتا ہے، ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّ الَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ۠ (2)

بے شک اللہ تعالیٰ مُتَّقِی اور نیکوکار لوگوں کے ساتھ ہے۔

ایک جگہ فرمایا:

وَ اللّٰهُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ (3)

اور اللہ مُتَّقِیوں کا حمایتی اور کارساز ہے۔

﴿4﴾ اہلِ تقویٰ آخرت کی ہولناکیوں اور وہاں کے شَدائِد(4) سے نجات میں رہیں گے اور دنیا میں انہیں رِزْقِ حلال نصیب ہوگا، چنانچہ اِرشادِ رَبّانی ہے:

مَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّ یَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ (5)

جو شخص تقویٰ وپرہیزگاری کو اپنا شِعار بنائے گا اللہ تعالیٰ اسے ہر قسم کی گمراہی سے بچنے کا راستہ مہیا کردے گا، اور اسے ایسی جگہ سے روزی عطا کرے گا جہاں سے اسے وہم وگمان بھی نہ ہوگا۔

---

1 ترجمۂ کنز الایمان: اور اگر تم صبر اور پرہیزگاری کیے رہو تو ان کا داؤں تمہارا کچھ نہ بگاڑے گا۔(پ ۴، اٰل عمرٰن: ۱۲۰) 2 ترجمۂ کنز الایمان: بیشک اللہ ان کے ساتھ ہے جو ڈرتے ہیں اور جو نیکیاں کرتے ہیں۔(پ ۱۴، النحل: ۱۲۸) 3 ترجمۂ کنز الایمان: اور ڈر والوں کا دوست اللہ۔ (پ ۲۵، الجاثیۃ: ۱۹) 4 سختیوں۔ 5 ترجمۂ کنز الایمان: جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لیے نجات کی راہ نکال دے گا اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں اس کا گمان نہ ہو۔(پ ۲۸، الطلاق: ۲-۳)

﴿5﴾ اس کے اَعمال کی اِصلاح ہو جائے گی، قرآن پاک میں وارِد ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۙ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ [1]

اے ایمان والو! اللہ تعالٰی سے ڈرتے رہو اور ہمیشہ درست اور سچی بات کہو، اس طرح اللہ تعالٰی تمہارے اَعمال کی اِصلاح فرمادے گا۔

﴿6﴾ تقویٰ کی برکت سے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں، قرآن مجید میں ہے:

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ [2]

اور تقویٰ اختیار کرنے سے اللہ تعالٰی تمہارے گناہ معاف کردے گا۔

﴿7﴾ مُتَّقِی شخص اللہ تعالٰی کا دوست بن جاتا ہے، جیسا کہ کَلامُ اللہ شریف میں آیا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ [3]

بے شک اللہ تعالٰی مُتَّقِی لوگوں سے محبت رکھتا ہے۔

﴿8﴾ تقویٰ سے اَعمال دَرَجۂ قبولیت کو پہنچتے ہیں، چنانچہ ارشاد ہے:

اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ [4]

اللہ تعالٰی کے ہاں صرف اہلِ تقویٰ کے اَعمال ہی قبول ہوتے ہیں۔

---

1 ......ترجمۂ کنز الایمان: اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کہو تمہارے اَعمال تمہارے لیے سنوار دے گا۔ (پ ۲۲، الاحزاب: ۷۰ ـ ۷۱)

2 ......ترجمۂ کنز الایمان: اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ (پ ۲۲، الاحزاب: ۷۱)

3 ......ترجمۂ کنز الایمان: بے شک اللہ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے۔ (پ ۱۰، التوبة: ٤)

4 ......ترجمۂ کنز الایمان: اللہ اسی سے قبول کرتا ہے جسے ڈر ہے۔ (پ ٦، المائدة: ۲۷)

﴿9﴾ تقویٰ کے باعث انسان خدا تعالیٰ کے ہاں اِعْزاز و اِکرام کا مُسْتَحِق ہوجاتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ (1) — تم میں سے خدا کے ہاں وہی زیادہ اِکرام کا مُسْتَحِق ہے جو زیادہ مُتَّقِی و پرہیز گار ہے۔

﴿10﴾ مُتَّقِی لوگوں کو بوقتِ موت دیدارِ الٰہی اور آخرت میں نجات کی بشارت دی جاتی ہے، ارشادِ خداوندی ہے:

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ (2) — جو لوگ ایمان لائے اور تقویٰ کی زندگی اختیار کی انہیں دنیا و آخرت میں بشارت و خوشخبری ہے۔

﴿11﴾ مُتَّقِی لوگ آتشِ دوزخ سے محفوظ رہیں گے، رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا (3) — پھر ہم اہلِ تقویٰ کو نارِ دوزخ سے نجات دیں گے۔

دوسری جگہ فرمایا:

---

(1) ……ترجمۂ کنز الایمان: بیشک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزّت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے۔ (پ ۲۶، الحجرات: ۱۳)

(2) ……ترجمۂ کنز الایمان: وہ جو ایمان لائے اور پرہیز گاری کرتے ہیں انہیں خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں۔ (پ ۱۱، یونس: ۶۳، ۶۴)

(3) ……ترجمۂ کنز الایمان: پھر ہم ڈر والوں کو بچالیں گے۔ (پ ۱۶، مریم: ۷۲)

وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿١٧﴾ (1) مُتَّقی انسان نارِ دوزخ سے بچالیا جائے گا۔

﴿12﴾ اہلِ تقویٰ کو ہمیشہ کے لیے جنت میں رہنے کی سعادت نصیب ہوگی، جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿١٣٣﴾ (2) جنّت اربابِ تقوی کے لیے تیار کی گئی ہے۔

تو خلاصہ یہ نکلا کہ دنیا و آخرت کی تمام سعادت مندیاں اور بھلائیاں اس ایک تقویٰ میں جمع کردی گئی ہیں۔ اس لیے اے عزیز! تو بھی راہِ تقویٰ اختیار کر اور حسبِ اِستِطاعت اس سے حصہ حاصل کر۔

پھر مذکورہ فوائد تقویٰ میں تین اُمور خاص کر عبادت سے تعلق رکھتے ہیں:

اوّل: عبادت کی توفیق اور اس میں اِعانت و تائید، جیسے فرمایا گیا:

اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿١٩٤﴾ (3) بیشک اللہ تعالیٰ مُتَّقی لوگوں کے ساتھ ہے۔

دُوُم: اَعمال کی اِصلاح و دُرُستی اور عبادت کی خامیوں کو پورا کرنا، یہ چیز بھی تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے، چنانچہ فرمایا:

یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ (4) تقویٰ کی برکت سے رب تعالیٰ تمہارے اَعمال کی اِصلاح فرمادے گا۔

---

1 ......ترجمۂ کنز الایمان: اور بہت جلد اس سے دور رکھا جائے گا جو سب سے بڑا پرہیزگار۔ (پ ۳۰، الیل: ۱۷)

2 ......ترجمۂ کنز الایمان: پرہیزگاروں کے لئے تیار رکھی ہے۔ (پ ٤، اٰل عمرٰن: ۱۳۳)

3 ......ترجمۂ کنز الایمان: اللہ ڈروالوں کے ساتھ ہے۔ (پ ۲، البقرۃ: ۱۹٤)

4 ......ترجمۂ کنز الایمان: تمہارے اَعمال تمہارے لیے سنوار دے گا۔ (پ ۲۲، الاحزاب: ۷۱)

سِوُم: قبولیتِ اَعمال، قبولیتِ اَعمال کی یہ فضیلت بھی اہلِ تقویٰ ہی کو نصیب ہوتی ہے، ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۲۷﴾ [1] اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں اہلِ تقویٰ کے اَعمال ہی مقبول ہوتے ہیں۔

اور عبادت کا دار و مدار بھی ان تین اُمور پر ہے، پہلے تو خود توفیقِ عبادت، تا کہ اس کی بندگی کی جا سکے پھر اس میں جو کمی رہ جائے اس کی اِصلاح، اور پھر اس عبادت کا درگاہِ حق تعالیٰ میں مقبول ہونا یہ تین اُمور یعنی توفیقِ عبادت، اِصلاحِ اَعمال اور قبولِ اَعمال۔ یہ وہ چیزیں ہیں جنہیں عابد لوگ اللہ تعالیٰ سے رو رو کر مانگتے ہیں اور دعا کرتے ہیں:

"رَبَّنَا وَفِّقْنَا لِطَاعَتِكَ وَاَتِمَّ تَقْصِيْرَنَا وَتَقَبَّلْ مِنَّا" اے ہمارے پروَرْدَگار! ہمیں طاعت کی توفیق دے اور ہماری کوتاہیوں کو پورا فرما اور ہماری طاعت کو قبول فرما۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے اہلِ تقویٰ سے خود ہی بغیر مطالبہ ان تین اُمور کا وعدہ فرما لیا ہے اور اَصحابِ تقویٰ کے اِعْزاز و اِکرام کا ذکر فرمایا ہے۔ اس لیے اگر رب تعالیٰ کی عبادت و بندگی کرنا چاہتے ہو بلکہ دنیا و آخرت کی تمام سعادات سمیٹنا چاہتے ہو تو اپنے میں صفتِ تقویٰ پیدا کرو۔ ایک شاعر نے تقویٰ کی کیا ہی عمدہ انداز میں تعریف کی ہے:

مَنِ اتَّقَى اللّٰهَ فَذَاكَ الَّذِىْ سِيْقَ اِلَيْهِ الْمَتْجَرُ الرَّابِحُ

[1] ......ترجمۂ کنز الایمان: اللہ اسی سے قبول کرتا ہے جسے ڈر ہے۔ (پ٦، المائدة:٢٧)

لَا یَتْبَعُ الْمَرْءَ اِلٰی قَبْرِہٖ غَیْرُ التُّقٰی وَالْعَمَلِ الصَّالِحِ

(۱) جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے وہی نَفْع والی شے حاصل کرتا ہے۔

(۲) قبر میں انسان کے ساتھ صرف تقویٰ اور عملِ صالح ہی جاتے ہیں۔

تقویٰ کی شان بعض دوسرے شُعَرَاء نے اس طرح بیان کی ہے:

(۱) مَنْ عَرَفَ اللّٰہَ فَلَمْ تُغْنِہٖ مَعْرِفَۃُ اللّٰہِ فَذَاکَ الشَّقِیّ

(۲) مَا یَصْنَعُ الْعَبْدُ بِعِزِّ الْغِنٰی وَالْعِزُّ کُلُّ الْعِزِّ لِلْمُتَّقِی

(۳) مَا ضَرَّ ذَا الطَّاعَۃِ مَا نَالَہٗ فِیْ طَاعَۃِ اللّٰہِ وَمَاذَا لَقِی

(۱) جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو اور وہ اس معرفت کو کافی نہ جانے تو ایسا شخص بد بخت ہے۔

(۲) دولت سے انسان کو کیا عزت حاصل ہوسکتی ہے، عزت تو سب تقویٰ سے وابستہ ہے۔

(۳) مُتَّقِی شخص کو جو چیزیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں حاصل ہوتی ہیں وہ مُضِر نہیں بلکہ مفید ہی مفید ہیں۔

بعض لوگوں نے کسی کے مرنے کے بعد اس کی قبر پر یہ شعر لکھا:

لَیْسَ زَادٌ سِوَی التُّقَا فَخُذِیْ مِنْہُ اَوْ دَعِی

(تقویٰ ہی آخرت کا توشہ ہے، اب تیری مرضی ہے کہ اسے حاصل کرے یا چھوڑ دے۔)

پھر اس اصل پر بھی غور کرو کہ تم ساری عمر عبادت کے لیے مَشَقَّتیں اُٹھاتے اور مُجاہَدے و رِیاضتیں کرتے ہو، یہاں تک کہ تم عبادت کے مقصد کو پا لیتے ہو، لیکن خدانخواستہ وہ عبادت اگر دربارِ الٰہی میں مقبول نہ ہو تو ساری کوششیں اور

مُجاہدے ضائع ہو گئے، تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾ (1) اللہ تعالیٰ مُتقی لوگوں ہی کی عبادت قبول فرماتا ہے۔

تو ظاہر ہوا کہ تمام معاملہ تقویٰ ہی سے متعلق ہے، اسی لیے حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا فرماتی ہیں کہ رسولُ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم دنیا کی کسی شے پر یا کسی انسان پر تعجب نہیں فرماتے تھے مگر صاحبِ تقویٰ پر۔ (2)

اور حضرت قَتادَہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ تورات شریف میں مذکور ہے: ''اے انسان! تو مُتَّقی بن جا، پھر جہاں چاہے سو۔'' (3)

حضرت عامر بن قَیس (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) کے متعلق سُنا ہے کہ آپ بوقتِ موت رو پڑے حالانکہ زندگی میں آپ کی حالت یہ تھی کہ ہر دن رات میں ایک ہزار رَکعت نَفْل پڑھتے تھے پھر اپنے بستر پر آتے تھے اور بستر کو مُخاطِب ہو کر فرماتے تھے: ''اے ہر بُرائی کی جگہ! قسم خدا کی میں نے تجھے ایک پلک بھر بھی پسند نہیں کیا۔''

جب آپ (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) روئے تو کسی نے کہا: آپ کیوں روتے ہیں؟ آپ (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) نے جواب دیا: میں رب تعالیٰ کے اس قول کو یاد کر کے روتا ہوں:

---

1 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اللہ اسی سے قبول کرتا ہے جسے ڈر ہے۔ (پ ٦، المائدة: ٢٧)

2 ...... المسند للامام احمد، مسند عائشة رضی اللہ عنها، ٩/٣٤١، حدیث: ٢٤٤٥٧۔

3 ...... الزهد الکبیر للبیهقی، ص ٣٥٠، حدیث: ٩٦٢۔

اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾ [1]

پھرایک اور نکتے پر بھی غور کرو جو تمام اُصولوں کی اصل ہے، وہ یہ کہ بعض صَالِحِیْن نے اپنے کسی شیخ (رَحِمَهُ الله) کی خدمت میں عرض کیا: ''مجھے کوئی وصیت کیجئے۔''تو شیخ (رَحِمَهُ الله) نے فرمایا: ''میں تجھے اللہ تعالیٰ کی وہ وَصِیَّت [2] کرتا ہوں جو اس نے تمام اَوَّلین وآخرین کو کی ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ [3]

بے شک ہم نے ان کو جو تم سے پہلے کتابوں والے گزرے ہیں اور تمہیں تاکید کی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔

میں کہتا ہوں بندے کی بہتری اور بھلائی کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسے ہوسکتا ہے اور خداوند تعالیٰ بندے کے لیے سب سے زیادہ خیر خواہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا اور مہربان ہے تو جہاں میں بندے کے لیے تقویٰ کے علاوہ اگر کوئی اور شے مفید ہوتی، اس میں زیادہ بھلائی ہوتی، اس کا زیادہ ثواب ہوتا، عبادت میں اس کی زیادہ ضرورت ہوتی، شان میں تقویٰ سے اوپر ہوتی اور دنیا و آخرت میں تقویٰ سے زیادہ وَقعت رکھتی تو اللہ تعالیٰ تقویٰ کے بجائے اپنے بندوں کو اس کی وَصِیَّت [4] اور اس کا حکم دیتا، اور اپنے خَوَاص کو اسی کے حکم کی تاکید فرماتا،

1 ......ترجمۂ کنز الایمان: اللہ اسی سے قبول کرتا ہے جسے ڈر ہے۔ (پ۶، المائدۃ: ۲۷)

2 ......نصیحت۔

3 ......ترجمۂ کنز الایمان: اور بیشک تاکید فرمادی ہے ہم نے ان سے جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے اور تم کو کہ اللہ سے ڈرتے رہو۔ (پ۵، النساء: ۱۳۱)

4 ......نصیحت۔

کیونکہ اس کی حکمت [1] مکمل اور اس کی رحمت وسیع ہے۔ تو جب رب تعالیٰ نے تقویٰ کی تاکید فرمائی اور تمام اَوَّلِین وآخرین کو اسی کا حکم دیا تو ثابت ہوگیا کہ تقویٰ ہی سب سے اَعلیٰ چیز ہے کوئی اور چیز نہیں اور نہ اس کے سوا کچھ اور مقصود ہے۔

اس تقریر سے تم پر یہ بھی واضح ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر بھلائی، ہر راہ نمائی، ہر اِرْشاد، ہر تَنْبِیہ وتادِیب، ہر تعلیم وتَہذِیب کو تقویٰ ہی سے مُتَعَلِّق کیا ہے اور یہ اس نے اپنی حکمت ورحمت کے عین مطابق کیا ہے اور تمہیں یہ بھی معلوم ہوگیا کہ تقویٰ ہی دینی ودُنیَوِی اور اُخْرَوِی بھلائیوں کا جامع ہے اور تقویٰ بندگی وعبادت کو دَرَجاتِ قبولیت پر پہنچانے کا ضامن وکفیل ہے۔ ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

اَلَااِنَّمَاالتَّقْوٰی هِیَ الْعِزُّ وَالْکَرَمُ وَحُبُّكَ لِلدُّنْیَا هُوَالذُّلُّ وَالْعَدَمُ

وَلَیْسَ عَلٰی عَبْدٍ تَقِیٍّ نَقِیْصَةٌ اِذَا صَحَّحَ التَّقْوٰی وَ اِنْ حَاكَ اَوْحَجَمُ

(۱) سُن لو کہ تقویٰ ہی عزت وبزرگی ہے، دنیا کی محبت تو ذِلت وخواری ہے۔

(۲) جب کوئی شخص اپنے اندر وَصْفِ تقویٰ پیدا کر لے تو وہ اگر جولاہے [2] کا پیشہ یا حَجَّام [3] کا پیشہ اختیار کرلے تو اس میں کوئی عیب نہیں۔

یہ آخری نکتہ وہ اصل ہے کہ اس سے اَعلیٰ کوئی اصل نہیں اور نور وہدایت والے کے لیے یہ اصل کافی ہے۔ چاہیے کہ اس پر عمل کرے اور دوسری چیزوں سے بے نیاز ہوجائے۔ وَاللّٰہُ تَعَالٰی وَلِیُّ الْهِدَایَةِ وَ التَّوْفِیْق ۔

سوال: تمہاری اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ بہت اَعلیٰ شے ہے، اس

---

1 ...... تدبیر۔ 2 ...... کپڑا بُننے۔ 3 ...... پچھنے لگانے۔

کا مرتبہ بہت ہی بلند ہے اور دنیا و آخرت میں اس کی شدید ضرورت ہے، اور اسکی پہچان کرنا اَز حد ضروری ہے لہٰذا ہمیں تفصیل کے ساتھ اس کی حقیقت بتائی جائے۔

جواب: بات یوں ہی ہے کہ تقویٰ ایک نہایت ہی عظیم شے ہے، اسکی تحصیل[1] ضروری ہے اور اس کی معرفت حاصل کیے بغیر چارہ کار نہیں لیکن تمہیں معلوم ہے کہ جس قدر کوئی کام اَعلیٰ و مفید ہوتا ہے اسی قدر اس کا حُصول دشوار ہوتا ہے اور اتنی ہی زیادہ مَشَقَّت و جدوجہد کا تقاضا کرتا ہے، اور اتنی ہی زیادہ بلند ہِمَّتی چاہتا ہے، لہٰذا جس طرح یہ تقویٰ ایک نفیس و اَعلیٰ چیز ہے اسی طرح اس کے حُصول کے لیے عظیم مُجاہَدے اور شدید جدوجہد کی ضرورت ہے، نیز اس کے حقوق و آداب کی نگہداشت کی بھی اَشد ضرورت ہے کیونکہ دَرَجات حسبِ مُجاھَدہ عطا ہوتے ہیں اور جس درجے کی کوشش کی جاتی ہے اسی دَرَجے کا ثَمرہ اور پھل ملتا ہے، قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

وَ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَاؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ۠(۶۹)[2]

جن لوگوں نے ہم تک پہنچنے کیلئے مجاہدے و ریاضتیں کی ہیں ہم انہیں ضرور بالضرور اپنے تک وُصول[3] کے راستوں کی رہنمائی کریں گے اور بے شک اللہ تعالٰی نیکو کار لوگوں کے ساتھ ہے۔

---

1 ...... حاصل کرنا۔

2 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھا دیں گے اور بے شک اللہ نیکوں کے ساتھ ہے۔ (پ ۲۱، العنکبوت: ۶۹)

3 ...... پہنچنے۔

اور اللہ تعالیٰ رَءُوف و رَحِیم ہے، ہر مشکل کو آسان کرنا اس کے دستِ قدرت میں ہے، اب تم ہماری باتوں کی طرف کان لگاؤ اور ان کو ذہن نشین کرنے کے لیے بیدار ہو جاؤ اور تقویٰ کی ماہیّت وحقیقت کو پورے غور سے سمجھو، تا کہ اس کی حقیقت سے واقِف ہونے کے بعد اس کو حاصل کرنے کے لیے کمر بستہ ہو سکو اور اس کی حقیقت کو جان لینے کے بعد اس پر عمل پیرا ہونے کے لیے رب تعالیٰ سے مدد طلب کرو کیونکہ اصل چیز وہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی سب کو اپنے فضل و کرم سے ہدایت و توفیق دیتا ہے۔

اے عزیز! (اللہ تعالیٰ تیرے دین میں برکت اور تیرے یقین میں اضافہ فرمائے) تقویٰ کے جو معنی مَشَائِخِ کِرَام (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) نے بیان فرمائے ہیں پہلے وہ جان، چنانچہ بعض مَشَائِخ (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) نے تقویٰ کے یہ معنی کیے ہیں:

"تَنْزِيهُ الْقَلْبِ عَنْ ذَنْبٍ لَمْ يَسْبِقْ عَنْكَ مِثْلُهُ" اس گناہ سے دل کو بچانا جس کی مثل آگے تجھ سے صادِر نہیں ہوا۔ تا کہ تمہارے اندر ترکِ گناہ کے عزم سے ہر قسم کے مَعاصی سے بچاؤ و حفاظت پیدا ہو جائے۔

میرے شیخ رَحْمَةُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے تقویٰ کی یہی تعریف کی ہے کیوں کہ لفظ "تَقْوٰی" لغتِ عرب میں اصل میں "وَقْوٰی" تھا۔ اور لفظ "وَقْوٰی وِقَايَةٌ" کی طرح مَصْدَر [1] ہے۔ کہا جاتا ہے: "وَقٰی يَقِی وِقَايَةً وَ وَقْوٰی" پھر واؤ کو

[1] ......مصدر اس اسم کو کہتے ہیں جس سے دوسرے کلمات بنتے ہوں اور وہ خود کسی سے نہ بنا ہو۔ (نصاب الصرف، ص ۳)

تاء سے تبدیل کیا گیا۔ جیسے "وُکْلَان" سے "تُکْلَان" بنا دیا گیا اور "وِقَایَۃ" کے معنی ہیں: بچاؤ وحفاظت کا ذریعہ۔ جب بندہ ترکِ مَعاصی کا پُختہ عَزْم کرلیتا ہے اور دل کو ترکِ معاصی پر مضبوط کرلیتا ہے تو ایسے عَزْم وارادے والے شخص کو مُتَّقِی اور اس عَزْم ومضبوطی کو تقویٰ کہتے ہیں۔

پھر تقویٰ کا اطلاق قرآن حکیم میں تین اشیاء پر ہوا ہے، ایک خوف وہیبت خداوندی جیسے:

وَاِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾ (1) صرف مجھ ہی سے خوف وڈر رکھو۔

دوسری جگہ فرمایا:

وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ (2) اور اس دن سے ڈرو جس دن تم دربارِ خداوندی میں پیش کیے جاؤ گے۔

اور تقویٰ کا لفظ طاعت وعبادت کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے، چنانچہ رب تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ (3) اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈرو جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے۔

یہاں ڈرنے سے مراد طاعت وعبادت ہے، سَیِّدُنا حضرت ابنِ عباس رَضِیَ

1 ......ترجمۂ کنز الایمان: اور مجھی سے ڈرو۔ (پ ۱، البقرۃ: ۴۱)

2 ......ترجمۂ کنز الایمان: اور ڈرو اس دن سے جس میں اللہ کی طرف پھرو گے۔ (پ ۳، البقرۃ: ۲۸۱)

3 ......ترجمۂ کنز الایمان: اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ (پ ۴، اٰل عمرٰن: ۱۰۲)

اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے یہی معنی کیے ہیں، چنانچہ آپ(رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ) نے ترجمہ کرتے ہوئے یوں فرمایا ہے:

" اَطِیْعُوا اللّٰہَ حَقَّ اِطَاعَتِہٖ " اللہ تعالیٰ کی ایسی اطاعت کرو جیسی کہ چاہیے۔

اور حضرت مُجاہد رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ نے اس آیت کی یوں تفسیر فرمائی ہے:

ھُوَ اَنْ یُّطَاعَ فَلَا یُعْصٰی وَ اَنْ یُّذْکَرَ فَلَا یُنْسٰی وَ اَنْ یُّشْکَرَ فَلَا یُکْفَرَ[1]

"اِتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ"[2] کے معنی ہیں رب تعالیٰ کی ایسی اطاعت کرنا کہ پھر نافرمانی نہ ہو اور اس کی ایسی یاد کا نقشہ دل میں قائم کرنا کہ پھر نسیان[3] واقع نہ ہو اور اس کی اس طرح شکرگزاری کی جائے کہ ہرگز ناشکری کا صُدُور نہ ہو۔

اور لفظ تقویٰ قرآن حکیم میں تیسرے اس معنی میں استعمال ہوا ہے: "تَنْزِیْہُ الْقَلْبِ مِنَ الذُّنُوْب" دل کو گناہوں سے دور رکھنا۔ اور تقویٰ کے حقیقی معنی یہی تیسرے معنی ہیں، پہلے دونوں معنی مَجَازِی[4] ہیں، کیا تم نے قرآن مجید میں یہ آیہ کریمہ نہیں پڑھی:

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَ یَخْشَ اللّٰہَ وَ یَتَّقْہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۵۲﴾[5]

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں اور اللہ سے ڈرتے ہیں اور دل کو گناہوں سے دور رکھتے ہیں تو ایسے ہی لوگ کامیاب اور فائِزُ الْمَرَام[6] ہیں۔

---

1 ...... تفسیر البحر المحیط، آل عمران، تحت الآیۃ: ۱۰۲، ۳ / ۱۹، بتغیر۔

2 ...... پ ۴، آل عمران: ۱۰۲۔ 3 ...... بھول۔ 4 ...... غیر حقیقی۔

5 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اور جو حکم مانے اللہ اور اسکے رسول کا اور اللہ سے ڈرے اور پرہیز گاری کرے تو یہی لوگ کامیاب ہیں۔ (پ ۱۸، النور: ۵۲)

6 ...... مقصد میں کامیاب۔

اس آیۂ کریمہ میں پہلے اطاعت اور خوف کا ذکر فرمایا اور پھر تقویٰ کا، تو معلوم ہوا کہ تقویٰ اِطاعت وخَشِیَّت کے سوا کسی تیسری شے کا نام ہے اور وہ ہے: "تَنْزِیْہُ الْقَلْبِ مِنَ الذُّنُوْبِ"[1]۔

پھر علمائے کرام رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ تقویٰ کے تین مَراتِب ہیں:

﴿1﴾ شرک سے تقویٰ (بچنا) ﴿2﴾ بدعت سے تقویٰ (بچنا) ﴿3﴾ گناہوں سے تقویٰ (بچنا)۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ تینوں مرتبے اس ایک آیت میں ذکر فرمادیئے ہیں وہ آیہ مبارکہ یہ ہے:

لَیْسَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْۤا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا[2]	ان لوگوں پر کوئی گناہ نہیں اس میں جو انہوں نے کھایا، جب کہ وہ تقویٰ اختیار کریں اور ایمان لائیں اور اَعمالِ صالح بجالائیں پھر تقویٰ اختیار کریں اور ایمان لائیں پھر تقویٰ اختیار کریں اور احسان کی راہ اختیار کریں۔

اس آیت میں پہلے تقویٰ سے شرک سے پرہیز اور ایمان سے توحید مراد ہے۔ دوسرے سے بدعت سے پرہیز اور اس کے مُقابِل ایمان سے اہلِ سُنَّت و جماعت کے عَقائدو نَظرِیّات کا اِقرار و اِعْتِراف مراد ہے اور تیسرے تقویٰ سے

1 ......دل کو گناہوں سے پاک رکھنا۔

2 ......ترجمۂ کنز الایمان: جو ایمان لائے اور نیک کام کیے ان پر کچھ گناہ نہیں ہے جو کچھ انہوں نے چکھا جب کہ ڈریں اور ایمان رکھیں اور نیکیاں کریں پھر ڈریں اور ایمان رکھیں پھر ڈریں اور نیک رہیں۔ (پ ۷، المائدۃ: ۹۳)

صغیرہ گناہوں سے پرہیز اور اس کے مقابل احسان سے طاعت واِستقامت مراد ہے، تو اس وضاحت سے ظاہر ہوا کہ اس آیت میں تقویٰ کے تینوں مرتبے بیان کردیئے گئے ہیں، یعنی مرتبۂ ایمان، مرتبۂ سُنَّت اور اطاعتِ خداوندی پر اِستقامت کا مرتبہ۔ یہ ہے وہ تفصیل جو ہمارے علمائے کرام (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) نے تقویٰ کے معنی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمائی ہے۔

میں (امام غزالی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَيْه) کہتا ہوں کہ میں نے تقویٰ کا ایک اور معنی بھی پایا ہے اور یہ معنی حضور عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلام سے ایک مشہور حدیث میں مروی ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"اِنَّ سُمِّيَ الْمُتَّقُوْنَ مُتَّقِيْنَ لِتَرْكِهِمْ مَا لَا بَاسَ بِهٖ حَذَرًا بِهٖ عَمَّا بِهٖ بَأْسٌ (1)"۔ (2)

مُتَّقیوں کو مُتَّقی اس لیے کہا گیا کہ انہوں نے اس کام کو بھی ترک کردیا جس میں شرعاً کوئی حرج نہیں یہ احتیاط کرتے ہوئے کہ اس کے ذریعے ایسے کام میں نہ پڑ جائیں جس میں حرج اور گناہ ہو۔

میں مناسب خیال کرتا ہوں کہ علماءِ کرام (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) کے بیان کردہ معنی اور اس حدیث میں تقویٰ کے وارِد شُدہ معنوں کو جمع کردوں تاکہ تقویٰ کے مکمل اور پورے معنی بیان ہوجائیں۔

---

1 ...... یہاں لفظ "بائس" تھا، یہ کتابت کی غلطی ہے کیونکہ اصل عربی متن اور ترجمہ کے لحاظ سے درست لفظ "بَأْسٌ" ہے، لہٰذا اس کی تصحیح کردی گئی ہے۔ (علمیہ)

2 ......سنن الترمذی، کتاب صفة القيامة...الخ، باب ماجاء فی صفة الحوض، ۴/ ۲۰۴، حدیث: ۲۴۵۹، بتغیر۔

تو تقویٰ کے جامع ترین معنی یہ ہوئے کہ ''ہر اس شے اور کام سے اِجتناب کرنا جس سے دین کو نقصان پہنچنے کا خوف ہو۔'' تمہیں معلوم نہیں کہ بخار میں مبتلا شخص کو جب وہ ہر اس چیز سے پرہیز کرے جو اس کی صحت کے لیے مضر ہو، جیسے کھانا، پینا، اور پھل وغیرہ تو اسے اصل پرہیز کرنے والا کہتے ہیں۔ اسی طرح جو شخص ہر خلافِ شَرع اَمر سے اِجتناب کرے تو ایسا ہی شخص درحقیقت مُتَّقی کہلانے کا حقدار ہے۔

پھر وہ چیزیں جن سے دین کو نقصان پہنچنے کا خوف ہے دو طرح کی ہیں:

﴿1﴾ حرام ومَعْصِیَت ﴿2﴾ حلال مگر ضرورت سے زائد، کیونکہ زائد از ضرورت حلال اشیاء میں مشغولیت اور اِنْہماک بھی رفتہ رفتہ گناہ وحرام میں مبتلا ہونے کا باعث بن جاتا ہے اور وہ اس طرح کہ زائد از ضرورت حلال اشیاء کے استعمال سے اور ان کی عادت ڈالنے سے نَفْس کی حِرص، اس کی سرکشی اور شہوات زور پکڑ جاتی ہیں اور بندہ گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے، تو جو شخص اپنے دین کو مکمل طور پر محفوظ کرنا چاہتا ہو، اس کے لیے ضروری ہے کہ حرام اور فضول حلال سے اِجتناب کرے تاکہ فضولِ حلال سے حرام تک نہ پہنچ جائے۔ اسی اَمر کو رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّم نے اس ارشادِ مبارک میں بیان فرمایا ہے:

''تَرْكُهُمْ مَا لَا بَأْسَ بِهِ حَذَرًا عَمَّا بِهِ بَأْسٌ'' [1] فضول حلال سے بھی پرہیز کرتے ہیں تاکہ حرام میں نہ پڑ جائیں۔

---

[1]......سنن الترمذی، کتاب صفة القیامة...الخ، باب ماجاء فی صفة الحوض، ۴/ ۲۰۴، حدیث: ۲۴۵۹، بتغیر۔

تو تقویٰ کی جامع ترین تعریف یہ ہوئی کہ ”دین میں ہر نقصان دہ چیز سے اِجْتِناب و پرہیز کرنا۔“ یہ ہے تقویٰ کی حقیقت و ماہیّت کا مُفَصَّل[1] بیان۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہ

اور علمِ سِر کے اعتبار سے تقویٰ کی حقیقت یہ ہے کہ ”ہر اُس بُرائی سے دل کو دُور رکھنا جس کی مثل بندے نے پہلے بُرائی نہ کی ہو۔“ تا کہ گناہوں سے دور رہنے کا عَزْم ان سے حفاظت کا ذریعہ بن جائے۔

پھر شر دو قسم ہے:

ایک شرِ اَصلی، اور یہ وہ ہے جس سے شَرْع نے صَرَاحَۃً[2] روکا ہو، جیسے گناہ اور مَعاصی۔

دوسرا شرِ غیر اَصلی، اس سے وہ شر مراد ہے جس سے شَرْع نے تادِیبًا روکا ہو۔ اور وہ فضول اور زائد از ضرورت حلال ہے، جیسے عام مُباح چیزیں، جن سے شَہْوَت کو تَقْوِیَت ملتی ہے۔

شرِ اَصلی سے بچنا فرض ہے اور نہ بچنے کی صورت میں مُسْتَحِق عذاب ہوگا۔ شَرِ غیر اَصلی سے اِجْتِناب بہتر و مُسْتَحَب ہے، اور نہ اِجْتِناب کرنے پر روزِ قیامت حَشْر میں حساب کے لیے روکا جائے گا اور اس سے ہر شے کا حساب لیا جائے گا اور دنیا میں بلا ضرورت اُمور کے اِرْتِکاب پر اسے عار و ندامت دِلائی جائے گی۔

شرِ اَصلی سے بچنے والے کا تقویٰ کم درجے کا ہے اور یہ طاعت پر اِسْتِقامت کا درجہ ہے اور شَرِ غیر اَصلی سے بچنے والوں کا درجہ بلند ہے اور یہ تَرکِ مُباح زائد

1 ......تفصیلی۔ 2 ......واضح طور پر۔

ازضرورت کا درجہ ہے، اور جو شخص دونوں قسم کا تقویٰ اپنے اندر پیدا کرلے وہ کامل مُتَّقِی ہے اور یہی وہ شخص ہے جس نے تقویٰ کے پورے حقوق ملحوظ رکھے، ایسا شخص ہی تقویٰ کے پورے فوائد حاصل کرتا ہے اور اسی کا نام کامل وَرَع ہے جس پر دین کے کمال کا دارومدار ہے۔ دربارِ الٰہی میں حاضری کے لیے جن آداب کی ضرورت ہے وہ اسی تقویٰ سے حاصل ہوتے ہیں تقویٰ کے ان معنوں کو خوب سمجھو اور پھر ان پر عمل کرو۔

سوال: یہ بیان فرمایئے کہ اس تقویٰ کے حُصول کا کیا طریقہ اور کیا ذریعہ ہے اور ہم اپنے نَفْس کو اس کا کیسے عامل بنا سکتے ہیں تاکہ یہ علم ہو جائے کہ نَفْس کو اس تقویٰ سے لگام کس طرح دی جائے؟

جواب: اس کی صورت یہ ہے کہ نَفْس کو پورے عَزْم وثَبات سے ہر مَعْصِیَت سے روکا جائے اور ہر طرح کے فضول حلال سے دور رکھا جائے ایسا کرنے سے بدن کے ظاہری وباطنی اَعضا صِفَتِ تقویٰ سے موصوف ہو جائیں گے آنکھ، کان، زبان، دل، پیٹ، شرمگاہ اور باقی جملہ اَعضاء اور اَجزاءِ بدن میں تقویٰ پیدا ہو جائے گا اور نَفْس تقویٰ کی لگام میں اچھی طرح آ جائے گا۔

اِس باب کی شرح بہت طویل ہے، "اِحْیَاءُ عُلُوْمِ دِیْن" میں ہم نے اس کی تفصیل کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن جس اَمْر کا بیان یہاں زیادہ ضروری ہے وہ یہ ہے کہ پانچ اَعضاء کی خُصوصیت سے نگہداشت کی جائے وہ اَعضاء یہ ہیں:

﴿1﴾ آنکھ ﴿2﴾ کان ﴿3﴾ زبان ﴿4﴾ دل اور ﴿5﴾ شِکَم۔

دین کو ضَرَر و نقصان سے بچانے کے لیے ان مذکورہ اَعضاء کو ہر مَعْصِیت، ہر حرام، ہر فضول حلال اور ہر اِسْراف سے حفاظت میں رکھنا ضروری ہے، جب ان پانچ اَعضاء کی حفاظت ہوگئی تو امید ہے کہ بدن کے باقی اَعضاء بھی محفوظ ہو جائیں گے اور بندہ پورے طور پر تقویٰ کی صِفَت کے ساتھ موصوف ہو جائے گا۔

ہم پانچ فصلوں میں ان اَعضاء سے مُتعَلِّقَہ اُمور کا بیان کرتے ہیں اور تمہیں بتاتے ہیں کہ کون کون سی چیز ان کے لیے حرام ہے جن سے ان کو حفاظت میں رکھنا ضروری ہے لیکن یہاں یہ بیان اس کتاب کے حَجْم کے مطابق ہوگا یعنی مختصر۔

فصلِ اوّل: آنکھ کے بیان میں

پھر تم پر اپنی آنکھ کی حفاظت بھی لازم ہے۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں حِفْظِ نظر[1] کی توفیق دے) کیونکہ آنکھ ہی ہر فتنے اور ہر آفت کا سبب ہے اور میں اس کے متعلق تین اُصول بیان کرتا ہوں، جن پر کاربند ہونے سے نظر کی حفاظت اِنْ شَآءَ اللّٰہ تعالیٰ پوری طرح مُیَسَّر آجائے گی:

پہلا اصول:

وہ جو قرآن مجید کی اس درج ذیل آیت میں بیان کیا گیا ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ یَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ

اے حبیب! اہلِ ایمان سے کہو کہ اپنی نظر جُھکائے رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت

[1]..... آنکھوں کی حفاظت۔

اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ۝۳۰ (1) کریں یہ ان کے لیے بہت پاکیزہ بات ہے
اور (اے ایمان والو!) تم جو کچھ بھی کرتے ہو
اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔

اے عزیز! تو جان کہ اس مختصر سی آیت میں غور کرنے سے مجھے تین عجیب و نادِر مَعانی معلوم ہوئے ہیں یعنی اس آیت میں تادِیب، تنبِیہ اور تہدِید تین اُمر جمع کردیئے گئے ہیں۔

تادِیب یعنی ادب سکھانا، تو اس آیت کے اس جملے میں ہے: "قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ "(2) چونکہ اس آیت میں لفظ "یَغُضُّوْا" وارِد ہوا ہے جو صِیْغَۂ اَمْر (3) ہے، تو غلام پر لازم ہوجاتا ہے کہ آقا کے حکم کی تعمیل کرے اور اس کے بتائے ہوئے آداب کو بجالائے ورنہ بے ادبوں میں شمار ہوگا اور بے ادب غلام کو آقا کی مجلس میں حاضر ہونے کی اجازت نہیں ملتی اور نہ وہ آقا کے سامنے آنے کے لائق ہوتا ہے۔ اس نکتے کو ذہن نشین کرلو اور اس میں غور کرو کیونکہ اس میں بہت کچھ ہے۔

اور تنبِیہ ان الفاظ میں ہے: "ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ"(4) اس جملے کے دو مطلب

---

1 ...... ترجمۂ کنز الایمان: مسلمان مردوں کو حکم دو اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لیے بہت سُتھرا ہے بیشک اللہ کو ان کے کاموں کی خبر ہے۔ (پ۱۸، النور: ۳۰)

2 ...... ترجمۂ کنز الایمان: مسلمان مردوں کو حکم دو اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں۔ (پ۱۸، النور: ۳۰)

3 ...... حکم دیئے جانے کا صیغہ۔

4 ...... ترجمۂ کنز الایمان: یہ ان کے لیے بہت سُتھرا ہے۔ (پ۱۸، النور: ۳۰)

ہو سکتے ہیں:

ایک یہ کہ نظروں کو جھکائے رکھنا مومنوں کے دلوں کو زیادہ پاک کرنے والی شے ہے کیونکہ زکوٰۃ طہارت کے معنی میں ہے اور تَزْکِیَہ تَطْہِیر کے ہم معنی۔

دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ نظروں کو جھکائے رکھنا مومنوں کی نیکیوں کو بڑھانے اور زیادہ کرنے کا باعث ہے کیونکہ زکوٰۃ کے معنی لغت میں بڑھنے اور زیادہ ہونے کے بھی آتے ہیں تو مطلب یہ ہوا کہ نظر نیچی رکھنا دل کو بہت زیادہ پاک کرتا ہے اور طاعت و خیر میں اضافے کا ذریعہ ہے اور یہ اس لیے ہے کہ اگر تم نظر نیچی نہ رکھو بلکہ اسے آزادانہ ہر چیز پر ڈالو تو بسا اوقات تم بے فائدہ اور فضول بھی اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کرو گے اور پھر رفتہ رفتہ تمہاری نظر حرام پر بھی پڑنا شروع ہو جائے گی۔

اب اگر قَصدًا حرام پر نظر ڈالو گے تو یہ بہت بڑا گناہ ہے اور بہت ممکن ہے کہ تمہارا دل حرام شے پر فَرِیفتہ ہو جائے اور تم تباہی کا شکار ہو جاؤ کیونکہ رِوَایات میں وارِد ہے:

”اِنَّ الْعَبْدَ یَنْظُرُ النَّظْرَةَ یَنْفَعِلُ فِیْهَا قَلْبُهٗ كَمَا یَنْفَعِلُ الْاَدِیْمُ فِی الدِّبَاغِ“ بعض اوقات بندہ کسی شے پر نظر ڈالتا ہے تو اس سے اس طرح اثر قبول کرتا ہے جس طرح چمڑہ عملِ دِباغت سے رنگ کو۔

اور اگر اس طرف دیکھنا حرام نہ ہو بلکہ مُباح ہو، تو ہو سکتا ہے کہ تمہارا دل مشغول ہو جائے اور اس کے سبب تمہارے دل میں طرح طرح کے وسوسے اور

خطرات آنے شروع ہو جائیں اور شاید وسوسے کی چیزوں تک عملی طور پر نہ پہنچ سکو اور اس طرح وسوسوں کا شکار ہو کر نیکیوں سے رہ جاؤ لیکن اگر تم نے کسی طرف دیکھا ہی نہیں تو ہر فتنے، وسوسے اور خطرے سے محفوظ رہو گے اور اپنے اندر راحت ونَشاط محسوس کرو گے۔

اس چیز کو حضرت عیسیٰ عَلَیْهِ السَّلام نے ان الفاظ میں ادا فرمایا ہے:

"اِیَّاکُمْ وَ النَّظْرَةَ فَاِنَّهَا تَزْرَعُ فِی الْقَلْبِ الشَّهْوَةَ کَفٰی بِهَا لِصَاحِبِهَا فِتْنَةً" اپنے آپ کو نظرِ حرام سے پوری احتیاط سے بچاؤ کیونکہ ایسی بدنظری دل میں شہوت کی تُخْم رِیزی کرتی ہے اور اس گناہ کا اِرتِکاب کرنے والے کو فتنے میں مبتلا کر دیتی ہے۔

حضرت ذُوالنُّون مِصْری رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْه کا ارشاد ہے:

"نِعْمَ حَاجِبُ الشَّهْوَاتِ غَضُّ الْاَبْصَارِ" آنکھ کو نظرِ حرام سے روکنا شہوات سے بچنے کا بہترین طریقہ ہے۔

کسی شاعر نے کیا اچھا کہا ہے:

وَ اَنْتَ اِذَا اَرْسَلْتَ طَرْفَكَ رَائِدًا لَعَلَّكَ یَوْمًا اَتْعَبَتْكَ الْمَنَاظِرُ

رَاَیْتَ الَّذِیْ مَا کُلُّهُ اَنْتَ قَادِرٌ عَلَیْهِ وَ لَا عَنْ بَعْضِهِ اَنْتَ صَابِرُ

(۱) اگر تم اپنی آنکھ کو کھلا چھوڑ دو گے تو رنگا رنگ نظارے ایک روز تمہیں مَشَقَّت میں ڈال دیں گے۔

(۲) تم وہ اشیاء دیکھو گے کہ نہ تو ان تمام پر تم کو قدرت ہوگی اور نہ ان میں بعض سے صَبْر ہو سکے گا۔

جب تم ہر وقت نظر نیچی رکھو گے اور اسے بے فائدہ اور لَا یَعْنِی چیزوں پر نہیں ڈالو گے تو تمہارا سینہ وَساوِس سے صاف رہے گا، دل فارِغ ہو گا اور خطرات سے راحت میں رہو گے، تمہارا نَفْس آفات سے سلامتی میں رہے گا اور کَسْبِ حَسَنات[1] کی طرف زیادہ توجہ دے سکو گے، اس نکتۂ جامِعَہ کو خوب سمجھ لو۔ وَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَلْمُوَفِّقُ

اور تَہْدِید اس جملہ میں ہے: "اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾"[2] دوسری جگہ فرمایا:

یَعْلَمُ خَآىِٕنَةَ الْاَعْیُنِ وَ مَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ ﴿۱۹﴾ [3] (اللہ تعالیٰ) خائن آنکھوں کو اور سینوں میں پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔

حق تعالیٰ کا خوف رکھنے والے کے لیے یہ تَنْبِیہ اور تَہْدِید کافی ہے۔

دوسرا اُصول:

اس سلسلہ میں دوسرا اُصول وہ ہے جو حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے مروی ہے کہ آپ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) نے فرمایا:

"اِنَّ النَّظَرَ اِلٰی مَحَاسِنِ الْمَرْاَةِ سَهْمٌ مَسْمُوْمٌ مِنْ سِهَامِ اِبْلِیْسَ فَمَنْ تَرَكَهَا اَذَاقَهُ اللّٰهُ طَعْمَ عِبَادَةٍ تَسُرُّهٗ"[4] غیر مَحْرم عورت کے حُسن و جمال پر نظر ڈالنا ابلیس کے زہر

---

[1] ......نیکیاں کرنے۔

[2] ......ترجمۂ کنز الایمان: اللہ کو ان کے کاموں کی خبر ہے۔ (پ۱۸، النور: ۳۰)

[3] ......ترجمۂ کنز الایمان: اللہ جانتا ہے چوری چھپے کی نگاہ اور جو کچھ سینوں میں چھپا ہے۔ (پ ۲٤، المؤمن: ۱۹)

[4] ......نوادر الاصول، الاصل الرابع و الاربعون و المائتان، الجزء الثانی، ص ۹۷۸، حدیث: ۱۲۸۷، بتغیر۔

میں بُجھے ہوئے تیروں میں سے ایک ہے تو جو شخص ایسا کرنا ترک کر دے گا، اللہ تعالیٰ اسے سُرور آمیز عبادت کا مزہ چکھائے گا۔

عبادت میں حلاوت اور مُناجات میں لذت عابدین کے نزدیک ایک بہت بڑی چیز ہے، اور یہ اُصول ایک تجربہ شدہ اُصول ہے جو بھی اس پر عمل کرے گا اسے خود اس کی تحقیق ہو جائے گی۔ بلاشبہ جب کوئی شخص نظر کو لَا یَعْنِی اور بے فائدہ اُمور سے باز رکھے گا تو وہ عبادت میں لذت اور طاعت میں حلاوت اور دل میں صفائی محسوس کرے گا جس سے قَبْل اَزِیں[1] خالی تھا۔

تیسرا اُصول:

مُنْدَرَجَہ بالا اعضاء کی نگہداشت وحفاظت کا تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اس پر غور کیا جائے کہ[2] ان اعضاء سے کیا کام لینا ہے اور[3] اِنہیں کون سے کام سرانجام دینے کے لیے بنایا گیا ہے اگر یہ اُس کام کے قابل نہ رہے تو سخت حسرت وخسارہ اُٹھانا پڑے گا۔ یہ خیال دل میں جاگُزِیں[4] ہو جانے سے بھی ان کی نگہداشت ہو سکتی ہے۔

پاؤں فردوسِ بَرِیں[5] کے باغات و مَحَلَّات میں چلنے پھرنے کیلئے بنائے گئے ہیں اور ہاتھ جنت میں شرابِ طَہور[6] کے چھلکتے جام پکڑنے اور میوہ جات

1 ......اس سے پہلے۔ 2 ......اس عبارت کے بعد یہ الفاظ تھے: ''قیامت کے دن'' جو کہ اصل عربی متن کے لحاظ سے زائد اور کتابت کی غلطی ہے، لہٰذا انہیں حذف کر دیا گیا ہے۔ (علمیہ) 3 ......اس عبارت کے بعد یہ الفاظ تھے: ''قیامت میں ان سے'' جو کہ اصل عربی متن کے لحاظ سے زائد اور کتابت کی غلطی ہے، لہٰذا انہیں حذف کر دیا گیا ہے۔ (علمیہ) 4 ......پختہ۔ 5 ......جنت کا اعلیٰ طبقہ۔ 6 ......انتہائی پاکیزہ شراب۔

توڑنے کے لیے دیے گئے ہیں اور آنکھ دیدارِ الٰہی سے لُطف اَندوز ہونے کے لیے عطا ہوئی ہے، عَلٰی ھٰذَا الْقِیَاس [1] باقی اَعضاء بھی علیحدہ علیحدہ کاموں کے لیے بنائے گئے ہیں اوران مذکورہ مَقاصِد سے دونوں جہان میں اورکوئی اَعلیٰ اور اَفضل مقصد نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا جن چیزوں کو اَعلیٰ ترین مَقاصِد کے لیے تیار کیا گیا ہوانہیں لازماً فضول و نامناسب اَفعال وحَرَکات سے محفوظ رکھنا چاہیے۔

اگرتم ان مذکورہ تین اُصولوں پر کاربند ہوجاؤ گےتو اِنْ شَآءَ اللہ تعالٰی ہر فضول و حرام چیز سے بچے رہو گے۔ وَاللہُ وَلِیُّ التَّوْفِیْقِ وَ ھُوَحَسْبِیْ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلِ۔

فصلِ دُوُم: کان کے بیان میں

کان کو بھی بُری اور فضول باتوں کے سننے سے محفوظ رکھنا ضروری ہے اوراس کا ضروری ہونا دو وجہ سے ہے:

ایک تو اس لیے کہ رِوایت میں آیا ہے کہ سننے والا بھی کلام کرنے والے کے ساتھ شریک ہوتا ہے۔

کسی شاعر نے اس چیز کو ان درج ذیل اَشعار میں بیان کیا ہے:

(۱) تَحَرَّ مِنَ الطُّرُقِ اَوْسَاطَھَا وَعَدِّ عَنِ الْجَانِبِ الْمُشْتَبِہِ

(۲) وَسَمْعُکَ صُنْ [2] عَنْ سَمَاعِ الْقَبِیْحِ کَصَوْنِ اللِّسَانِ عَنِ النُّطْقِ بِہٖ

---

1 ......اسی پر مزید کا اندازہ فرمالیجیے۔

2 ......یہاں لفظ ''صُنْ'' کا اضافہ کیا گیا ہے جو کہ اصل عربی متن میں ہے اور ترجمہ بھی اس کا تقاضا کرتا ہے۔ (علمیہ)

(۳) فَـاِنَّكَ عِنْدَ سَمَاعِ الْقَبِيْحِ شَـرِيْكٌ لِقَـائِلِـهٖ فَـانْتَبِـهٖ

(۱) اِفْرَاط وتَفرِیط سے بچ کر درمیانی راہ چلنے کی کوشش کرو اور شُبے والی جانب سے دُور رہو۔

(۲) اپنے کان کو بُری باتیں سُننے سے روکے رکھو جس طرح زبان کو بُری گفتگو سے۔

(۳) کیونکہ اگر تم خلافِ شَرْع باتیں سنو گے تو یاد رکھو کہ تم بھی کہنے والے کے ساتھ شریک سمجھے جاؤ گے۔

بُری باتیں سننے سے پرہیز کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر تم انہیں سنو گے تو دل میں وسوسے اور خیالات پیدا ہوں گے، اس طرح تم خیالات میں مُستَغْرَق ہو جاؤ گے اور اس صورت میں لازِماً عبادت میں غیر معمولی رُکاوٹ پیدا ہوگی۔

پھر اے عزیز! تو جان کہ جو گفتگو انسان کے دل اور زبان تک پہنچتی ہے اس کی خاصیت ایسی ہے جیسے پیٹ میں طَعام اور سب جانتے ہیں کہ بعض کھانے نقصان دہ اور بعض نَفْع دینے والے ہوتے ہیں، بعض کھانے جسم کی غذا بنتے ہیں اور بعض زہر کی مانند بُرا اثر کرتے ہیں، ٹھیک اسی طرح اچھی اور پاکیزہ گفتگو سے ایمان تازہ ہوتا ہے اور بُری گفتگو سے مُردہ ہو جاتا ہے، بلکہ طَعام کی نسبت کلام کا اثر زیادہ ہوتا ہے اور زیادہ دیر باقی رہتا ہے، اس لیے کہ نقصان دہ طَعام مِعْدَہ سے نیند وغیرہ کے ذریعہ زائل ہو جاتا ہے اور بسا اوقات اس کا اثر کچھ وقت باقی رہنے کے بعد ختم ہو جاتا ہے، اگر اثر زائل نہ بھی ہو تو دَوا کے ذریعہ زائل کیا جاسکتا ہے لیکن بعض باتیں بسا اوقات انسان کے دل میں اس طرح جا گُزِیں ہو جاتی ہیں کہ بھولتی ہی نہیں، اگر وہ خراب اور نارَوا ہوں تو انسان کو ہمیشہ ان کا تصور خرابی

میں ڈالے رکھتا ہے اور ان کی وجہ سے دل وسوسوں کی آماج گاہ[1] بنا رہتا ہے حالانکہ ان خیالات سے دل کو پاک رکھنا ضروری ہوتا ہے، ایسے وَساوِس سے دل کو محفوظ رکھنے کے لیے حق تعالیٰ کی مدد طلب کرنی چاہیے کیونکہ بسا اوقات یہ وسوسے کسی بلا اور آفت میں مبتلا کر دیتے ہیں اور انسان کے اِحساسات کو خواہ مخواہ حرکت دیتے رہتے ہیں یہاں تک کہ بندہ ان کے سبب کسی بڑی آفت میں مبتلا ہو جاتا ہے، لیکن اگر انسان اپنے کانوں کو فضول و لَا یَعْنِی باتوں کے سننے سے محفوظ رکھے تو بہت سی آفات سے آرام میں رہتا ہے عقل مند کو چاہیے کہ اس میں غور کرے۔ وَ بِاللّٰہِ التَّوْفِیْق

تیسری فصل: زبان کے بیان میں

پھر زبان کی حفاظت ونگہداشت اور فُضولیات ولَغْوِیات سے اسے باز رکھنا بھی ضروری ہے کیونکہ زیادہ سرکشی و بے دریغی اور سب سے زیادہ فساد ونقصان اسی عُضْو (زبان) سے رُونُما ہوتا ہے۔ حضرت سُفیان بن عبد اللّٰہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے مروی ہے کہ میں نے ایک دفعہ دربارِ رسالت میں عرض کیا: یا رسولَ اللّٰہ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم)! آپ میرے لیے سب سے زیادہ خطرناک اور نقصان دہ کس چیز کو قرار دیتے ہیں؟ تو حضور عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام نے اپنی زبان مبارک پکڑ کر اشارہ فرمایا کہ ''اسے۔''[2]

---

1 ……میدانِ جنگ۔

2 ……سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی حفظ اللسان، ۴/۱۸۲، حدیث: ۲۴۱۸۔

حضرت یونس بن عبد اللّٰہ قُدِّسَ سِرُّہٗ فرماتے ہیں کہ ''میرا نَفْس بَصْرے جیسے گرم شہر میں سخت گرمی کے دنوں میں روزہ رکھنے کی طاقت تو رکھتا ہے لیکن فضول گوئی سے زبان کو روکنے کی طاقت نہیں رکھتا۔''

تو معلوم ہوا کہ زبان سب سے زیادہ ضَرَر رَساں اور خطرناک ہے، لہٰذا اس کی حفاظت بہت ضروری اور اس پر کنٹرول کرنے کے لیے بڑی کوشش وجِدّ وجُہد کی ضرورت ہے۔ ہم یہاں اس کی حفاظت کے پانچ اُصول[1] بیان کرتے ہیں:

پہلا اُصول:

وہ جو سَیِّدُنا حضرت ابوسعید خُدْرِی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے مروی ہے کہ انسان روزانہ صبح جب بیدار ہوتا ہے تو تمام اَعضاء زبان سے مُخاطِب ہوکر اس اَمْر کی اسے تاکید کرتے ہیں کہ دن کو دُرُستی وصداقت پر قائم رہنا اور بے ہودہ وفضول گوئی سے بچے رہنا کیونکہ اگر تو درست اور ٹھیک رہے گی تو ہم بھی درست رہیں گے اور اگر تو کَج رَوی کے راستے پر چلے گی تو ہم بھی کَج رَوِی کے راستے پر چل پڑیں گے۔

میں کہتا ہوں کہ اس کلام کے معنٰی یہ ہیں کہ زبان کی اچھی بُری باتیں انسان کے[2] اعضا پر اثر انداز ہوتی ہیں، اچھی باتیں تو مزید توفیقِ خداوندی کے حُصول کا ذریعہ بنتی ہیں اور بُری ذِلّت وخواری کا باعث، اس سلسلے میں حضرت مالک بن

1 ...... یہاں ''تین اصول'' لکھا تھا یہ کتابت کی غلطی ہے کیونکہ اصل عربی متن میں ''پانچ اُصول'' لکھا ہے اور آگے بھی مترجم نے پانچ اصول ہی بیان کیے ہیں، لہٰذا اس کی تصحیح کردی گئی ہے۔ (علمیہ)

2 ...... اس عبارت کے بعد یہ الفاظ تھے: ''اعضاء پر باقی'' جو کہ اصل عربی متن کے لحاظ سے زائد اور کتابت کی غلطی ہے، لہٰذا انہیں حذف کردیا گیا ہے۔ (علمیہ)

دِینار رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے جومنقول ہے وہ بھی اس معنی کی تائید کرتا ہے، آپ (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) فرماتے ہیں:

”اِذَا رَاَیْتَ قَسَاوَۃً فِیْ قَلْبِكَ وَهْنًا فِیْ بَدَنِكَ وَ حِرْمَانًا فِیْ رِزْقِكَ فَاعْلَمْ اَنَّكَ تَكَلَّمْتَ فِیْمَا لَا یَعْنِیْكَ“ جب تم اپنے دل میں قساوت، بدن میں سُستی اور رزق میں تنگی محسوس کروتو سمجھ لو کہ تم سے کہیں فضول اور لَا یَعْنِی کلمے نکل گئے ہیں جس کا یہ نتیجہ ہے۔

دوسرا اُصول:

وقت بہت قیمتی شے ہے اس کی قدر کرنا بہت ضروری ہے اور ذکرِ الٰہی کے سوا اکثر اوقات بندے سے لَغْو اور بے کار باتیں ہوجاتی ہیں اور ان میں پڑ کر وقت ضائع ہوجاتا ہے۔

حضرت حَسَّان بن سِنان رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ سے مروی ہے کہ آپ ایک بالاخانے کے پاس سے گزرے تو اس کے مالک سے دریافت کیا: ”یہ بالاخانہ بنائے تمہیں کتنا عرصہ گزرا ہے؟“ یہ سوال کرنے کے بعد آپ (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) دل میں سخت نادِم ہوئے اور نَفْس سے مُخاطِب ہوکر یوں فرمایا: ”اے مغرور نَفْس! تو فضول و لَا یَعْنِی سوالات میں وقتِ عزیز کو ضائع کرتا ہے۔“ پھر اس فُضول سوال کے کَفّارے [1] میں آپ (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) نے ایک سال روزے رکھے۔

وہ لوگ کس قدر خوش نصیب ہیں جو وقتِ عزیز کی قیمت جان کر اس کی قدر کرتے ہیں اور اپنی اِصلاحِ نَفْس میں مصروف رہتے ہیں اور کتنے بدقسمت اور

---

1 ……بدلے۔

اَحمق ہیں وہ لوگ جنہوں نے زبان کی لگام ڈھیلی چھوڑ رکھی ہے اور لَغْوِیات میں مشغول رہتے ہیں، کسی شاعر نے کیا ہی اچھا کہا ہے:

(۱) وَ اغْتَنِمْ رَكْعَتَيْنِ فِي ظُلْمَةِ اللَّيْلِ اِذَا كُنْتَ خَالِيًا مُسْتَرِيْحًا

(۲) وَ اِذَا مَا هَمَمْتَ بِاللَّغْوِ فِي الْبَا طِلِ فَاجْعَلْ مَكَانَهُ تَسْبِيْحًا

(۳) وَلُزُوْمُ السُّكُوْتِ خَيْرٌ مِنَ النُّطْقِ وَ اِنْ كُنْتَ فِي الْكَلَامِ فَصِيْحًا

(۱) جب تمہارا دل دُنْیَوِی تفکُّرات سے خالی اور راحت میں ہو تو ایسے وقت کو غنیمت جانو اور رات کی تاریکی میں نَوافِل میں مصروف رہو۔

(۲) اور اگر کسی وقت لَغْو و باطِل سُخَن زبان سے نکالنے لگو تو زبان کو اس سے روک لو اور اس کی جگہ رب تعالیٰ کی تَسْبِیح وتَقْدِیس زبان سے ادا کرو۔

(۳) کیونکہ لَغْو و باطِل گفتگو سے سُکُوْت وخاموشی ضروری ہے اگر چہ تم کتنے ہی صاف زبان کیوں نہ ہو۔

تیسرا اُصول:

حِفْظِ زبان [1] سے اَعمالِ صالِحہ کی حفاظت ہوتی ہے کیونکہ جو شخص زبان کی نگہداشت نہیں کرتا بلکہ ہر وقت گفتگو میں مصروف رہتا ہے تو لامُحالہ ایسا شخص لوگوں کی غیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے، مشہور فِقْرہ ہے:

"مَنْ كَثُرَ لَغَطُهُ كَثُرَ غَلَطُهُ "یعنی زیادہ گو [2] زیادہ غلطیاں کرتا ہے۔

اور غیبت [3] اَعمالِ صالِحہ کو اس طرح تباہ کرتی ہے جس طرح آسمانی بجلی

1 ...... زبان کی حفاظت۔ 2 ...... زیادہ بولنے والا۔ 3 ...... غیبت کے بارے میں تفصیلی معلومات کیلئے شیخِ طریقت، امیرِ اہلسنّت، بانیِ دعوتِ اسلامی، حضرت علامہ مولانا ابو بلال، محمد الیاس عطار قادِری رضوی، ضیائی دامَتْ بَرَكَاتُهُمُ الْعَالِيَه کی مایہ ناز تالیف ''غیبت کی تباہ کاریاں'' کا مطالعہ کیجئے۔

اورغیبت کرنے والے آدمی کے اَعمال اس طرح ضائع ہوتے ہیں جس طرح وہ مِنْجنِیق (ایک طرح کی توپ) میں رکھ کر مشرق ومغرب اور جُنُوب وشمال میں پھینک دیئے جائیں۔

منقول ہے کہ حضرت امام حسن بَصْری رَحْمَۃُ اللّٰہِ تعَالٰی عَلَیْہ کو کسی شخص نے کہا کہ فلاں شخص نے آپ کی غیبت کی ہے تو آپ (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تعَالٰی عَلَیْہ) نے غیبت کرنے والے آدمی کو کھجوروں کا ایک تھال بھر کر روانہ کیا اور ساتھ کہلا بھیجا کہ سُنا ہے تو نے مجھے اپنی نیکیاں ھَدِیَّہ کی ہیں تو میں نے ان کا مُعاوَضہ[1] دینا بہتر جانا۔

حضرت عبد اللّٰہ بن مبارَک رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ کے سامنے کسی نے غیبت کا ذکر کیا تو آپ (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تعَالٰی عَلَیْہ) نے فرمایا: اگر میں کسی کی غیبت کرنا درست جانتا تو اپنی ماں کی غیبت کرتا کیونکہ سب سے زیادہ میری نیکیوں کی مُسْتَحِق وہ ہے۔

نقل ہے کہ ایک دفعہ حضرت حاتم اَصَم رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ کی نمازِ تَہَجُّد فوت ہوگئی تو آپ کی بیوی نے آپ کو اس پر عار دلائی، آپ (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تعَالٰی عَلَیْہ) نے جواب دیا کہ گُزَشتہ شب ایک جماعت ساری رات نوَافِل میں مصروف رہی ہے اور صُبْح انہوں نے میری غیبت کی ہے تو ان کی اس رات کی عبادت قیامت کے روز میرے اَعمال کے ترازو میں رکھ دی جائے گی۔

چوتھا اُصول:

زبان کی نگہداشت کرنے سے انسان دنیا کی آفات سے سالم رہتا ہے،

---

1 ......بدلہ۔

حضرت سُفیان ثَوری رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ کا فرمان ہے کہ زبان سے ایسی بات نہ نکالو جسے سُن کر لوگ تمہارے دانت توڑ دیں۔

ایک اور بُزُرگ (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) فرماتے ہیں: اپنی زبان کو بے لگام نہ چھوڑو تا کہ تمہیں کسی فَساد میں مبتلا نہ کردے۔

ایک اور بُزُرگ (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) فرماتے ہیں:

اِحْفَظْ لِسَانَکَ لَاتَقُوْلُ فَتُبْتَلٰی　　اِنَّ الْبَلَاءَ مُوَکَّلٌ بِالْمَنْطِقِ

ترجمہ: اپنی زبان کی حفاظت کرو اور بے جا باتیں نہ کرو کیونکہ بسا اوقات گفتگو آفت میں پڑنے کا باعث بن جاتی ہے۔

عبد اللّٰہ اِبنِ مبارَک رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں:

(۱) اَلَا اِحْفَظْ لِسَانَکَ اِنَّ اللِّسَانَ　　سَرِیْعٌ اِلَی الْمَرْءِ فِیْ قَتْلِہٖ

(۲) وَ اِنَّ اللِّسَانَ دَلِیْلُ الْفُؤَادِ　　یَدُلُّ الرِّجَالَ عَلٰی عَقْلِہٖ

(۱) پوری احتیاط سے زبان کی حفاظت کر کیونکہ یہ معمولی سا عُضْو بعض دفعہ بہت جلد انسان کو ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔

(۲) بلاشبہ زبان انسان کے دل پر دلیل ہے جو گفتگو کرنے والوں کی عقل کا اندازہ بتاتی ہے۔

اِبنِ اَبی مُطِیْع رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں:

(۱) لِسَانُ الْمَرْءِ لَیْثٌ فِیْ کَمِیْنٍ [1]　　اِذَا خَلّٰی اِلَیْہِ لَہٗ اِغَارَہٗ

(۲) فَصُنْہُ عَنِ الْخَنَا بِلِجَامِ صَمْتٍ　　یَکُنْ لَکَ مِنْ بَلِیَّاتٍ سِتَارَہٗ

[1] ...... یہاں لفظ "مکین" تھا، یہ کتابت کی غلطی ہے کیونکہ اصل عربی متن اور ترجمہ کے لحاظ سے درست لفظ "کَمِیْن" ہے، لہٰذا اس کی تصحیح کر دی گئی ہے۔ (علمیہ)

(۱) زبان (تباہ کرنے میں) گھات میں چھپے ہوئے شیر کی مانند ہے جو موقع پانے پر غارتگری کرتا ہے۔

(۲) اس لیے اسے خاموشی کی لگام دے کر لَغْوِیات سے بند رکھ، اس طرح تو بہت سی آفات و بَلِیَّات سے بچ جائے گا۔

بہت سے کَلِمات ایسے ہوتے ہیں جو زبان سے نکالنے والے کو کہتے ہیں: ہمیں زبان سے باہر نہ نکال۔ اللہ تعالیٰ تمام اَہلِ ایمان کو آفاتِ لِسان سے محفوظ رکھے۔

پانچواں اُصول:

زبان کی حفاظت نہ کرنے کے باعث آخرت میں انسان عذاب میں مبتلا کیا جائے گا، اس عذاب کا تصور ذہن میں رکھا جائے اور جو آفات وہاں اس بنا پر پیش آئیں گی انہیں یاد رکھا جائے اور اس سلسلہ میں تم یہ نکتہ یاد رکھو کہ تم جو گفتگو کرتے ہو وہ یا تو حرام و ناجائز ہوگی یا فضول و لَا یَعْنِی، اگر حرام و ناجائز ہوگی تو ایسی گفتگو بلاشبہ عذابِ دوزخ کا باعث ہے جسے برداشت کرنے کی طاقت انسان میں نہیں ہے، حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی حدیث مبارک ہے:

"لَیْلَةَ اُسْرِیَ بِیْ رَاَیْتُ فِی النَّارِ قَوْمًا یَّاْکُلُوْنَ الْجِیَفَ فَقُلْتُ یَا جِبْرَئِیْلُ مَنْ ھٰؤُلَاءِ؟ قَالَ ھٰؤُلَاءِ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ لُحُوْمَ النَّاسِ"[1] معراج کی رات میں نے ایک قوم دیکھی جو مردار کھا رہی تھی، میں نے جبریل (عَلَیْہِ السَّلَام) سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیل عَلَیْہِ السَّلَام نے عرض کیا: یہ وہ لوگ ہیں جو دوسروں کا گوشت کھاتے تھے یعنی ان کی غیبت کرتے تھے۔

1 ......مسند امام احمد، ۱/۵۵۳، حدیث: ۲۳۲۴، ملتقطًا و بتغیر۔

اور ایک دفعہ حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے حضرت مُعاذ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے فرمایا:

"اِقْطَعْ لِسَانَكَ عَنْ حَمَلَةِ الْقُرْاٰنِ وَطُلَّابِ الْعِلْمِ وَلَا تُمَزِّقِ النَّاسَ بِلِسَانِكَ فَتُمَزِّقَكَ كِلَابُ النَّارِ" (1) علماء اور طالب علموں کی غیبت سے زبان بند رکھنا اور عام لوگوں کو زبان سے نہ پیسنا (یعنی غیبت نہ کرنا) تا کہ روزِ قیامت دوزخ کے کتے تجھے دانتوں سے نہ چبائیں۔

حضرت ابو قِلابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا:

"اِنَّ الْغِيْبَةَ خَرَابُ الْقَلْبِ مِنَ الْهُدٰى" غیبت کی وجہ سے انسان کا دل ہدایت سے ہٹ جاتا ہے اور ویرانے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ نَسْاَلُ اللّٰهَ الْعِصْمَةَ مِنْ ذٰلِكَ بِفَضْلِهٖ۔

یہ کلام تو ناجائز و حرام گفتگو سے متعلق تھا، اب رہی مُباح یعنی غیر ضروری گفتگو تو وہ بھی چار وجہ سے ٹھیک نہیں:

پہلی وجہ:

یہ ہے کہ فضول و لَا یَعْنِی گفتگو کِرَامًا کَاتِبِیْن کو لکھنی پڑتی ہے، تو انسان کو چاہیے کہ ان سے حیا کرے اور فضول باتیں لکھنے کی ان کو تکلیف نہ دے، رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴿۱۸﴾ (2)

بندہ کوئی لفظ زبان سے نہیں نکالتا مگر اسے نوٹ کرنے کے لیے ایک نگہبان اس کے پاس تیار رہتا ہے۔

---

1 ......الترغیب و الترھیب، المقدمة، الترھیب من الریاء... الخ، ۱/ ۵۰، حدیث: ۵۹، بتغیر۔

2 ......ترجمۂ کنز الایمان: کوئی بات وہ زبان سے نہیں نکالتا کہ اس کے پاس ایک محافظ تیار نہ بیٹھا ہو۔ (پ ۲۶، ق: ۱۸)

دوسری وجہ:

یہ ہے کہ یہ اچھی بات نہیں کہ لغو اور بے ہودہ باتوں سے بھرا ہوا اَعمال نامہ رب تعالیٰ کے حضور میں پیش ہو، اس بِنا پر بندے کو چاہیے کہ فضول گفتگو سے بچے، بعض کتابوں میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے کسی کو فضول گفتگو کرتے دیکھا تو کہا: تیرے لیے خرابی ہو، تیری یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونگی، تو دیکھ ایسی باتیں کیوں پیش کر رہا ہے۔

تیسری وجہ:

یہ ہے کہ بندے کو قیامت کے روز کہا جائے گا کہ اپنے اَعمال نامے کو اللہ تعالیٰ کے حضور تمام مخلوق کے رُوبرو پڑھ کر سنائے، اس وقت حَشْر کی خوفناک سختیاں اس کے سامنے ہوں گی، انسان پیاس کی شدّت سے مر رہا ہوگا، جسم پر کپڑا نہیں ہوگا، بھوک سے کمر ٹوٹ رہی ہوگی، جنت میں داخل ہونے سے روک دیا گیا ہوگا اور ہر قسم کی راحت اس پر بند کر دی گئی ہوگی ایسے حال میں اپنے ایسے نامۂ اَعمال کو پڑھنا جو فضول و بے ہودہ گفتگو سے پُر ہو کس قدر تکلیف دہ چیز ہوگی، اس لیے چاہیے کہ زبان سے سوائے اچھی بات کے نہ نکالے۔

چوتھی وجہ:

یہ ہے کہ بندے کو فضول اور لَا یَعْنِی باتوں پر ملامت کی جائے گی اور شرم دلائی جائے گی اور بندے کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے شرم وندامت کی وجہ سے انسان پانی پانی ہو جائے گا۔

بعض بُزُرگوں (رَحِمَہُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی) نے فرمایا ہے: اپنی زبان کو فُضُولیات سے روک، کیونکہ ان کا حساب طویل ہوگا۔

جو شخص نصیحت کا آرزو مند ہے اس کے لیے یہ چار اُصول کافی ہیں اور ہم نے اپنی کتاب ''اَسرارِ مُعَامَلاتِ دین'' ایسے اُصول پوری شَرْح سے لکھے ہیں، اگر زیادہ تفصیل مطلوب ہو تو اس کا مُطالَعہ کرو، اس میں تم کو ہر شے کا شافی (1) بیان ملے گا۔

چوتھی فصل: دل کے بیان میں

پھر تم پر دل کی حفاظت، اس کی اِصلاح اور اسے درست رکھنے کی کوشش کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ دل کا معاملہ باقی اَعضاء سے زیادہ خطرناک ہے اور اس کا اثر باقی اَعضاء سے زیادہ ہے، اس کی دُرُستی زیادہ دِقَّت طلب اور اس کی اِصلاح زیادہ مشکل ہے اور اس کا حال زیادہ محنت طلب ہے۔ میں اِصلاحِ قلب کے متعلق پانچ جامع اُصول بیان کرتا ہوں جن پر عمل کرنے سے دل کی اِصلاح اِنْ شَآءَ اللّٰہ پوری طرح ہوجائے گی۔

پہلا اُصول:

اللّٰہ تعالٰی فرماتا ہے:

یَعْلَمُ خَآىِٕنَةَ الْاَعْیُنِ وَ مَا تُخْفِی — اللّٰہ تعالٰی خائن آنکھوں اور دل کے پوشیدہ

---

1 ...... تسلی بخش۔

الصُّدُوۡرُ ﴿۱۹﴾ (1) — رازوں کو جانتا ہے۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ مَا فِىۡ قُلُوۡبِكُمۡ‌ؕ (2) — جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔

ایک اور جگہ فرمایا:

اِنَّهٗ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۴۳﴾ (3) — بے شک اللہ تعالیٰ سینے کے راز جانتا ہے۔

دیکھو! اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کتنی دفعہ اس بات کو دُہرایا اور تکرار کیا ہے، اللہ تعالیٰ کا سینے کے اَسرار پر آگاہ ہونا ہی ڈرنے اور خوف کرنے کے لیے کافی ہے کیونکہ عَلَّامُ الْغُیُوب کے ساتھ معاملہ بہت نازک ہے اس لیے تمہیں خیال ہونا چاہیے کہ تمہارے دلوں میں کس طرح کے راز ہیں جن سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے اگر مَعَاذَ اللّٰہ تمہارے خیالات واِرادے گندے ہوں تو تمہیں شرم وحیا کرنا چاہیے۔

دوسرا اُصول:

حضور نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم فرماتے ہیں:

"اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَا يَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ وَ اَبْشَارِكُمْ وَ اِنَّمَا يَنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ" (4)

---

1 ......ترجمۂ کنز الایمان: اللہ جانتا ہے چوری چھپے کی نگاہ اور جو کچھ سینوں میں چھپا ہے۔ (پ ۲۴، المؤمن: ۱۹)

2 ......ترجمۂ کنز الایمان: اور اللہ جانتا ہے جو تم سب کے دلوں میں ہے۔ (پ ۲۲، الاحزاب: ۵۱)

3 ......ترجمۂ کنز الایمان: بیشک وہ دلوں کی بات جانتا ہے۔ (پ ۱۰، الانفال: ۴۳)

4 ......صحیح مسلم، کتاب البر...الخ، باب تحریم ظلم...الخ، ص ۱۳۸۷، حدیث: ۶۵۶۴، بتغیر۔

یعنی اللہ تعالٰی تمہاری صرف ظاہری صورتوں اور کھالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں کو بھی دیکھتا ہے۔

اس حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ دل رَبُّ الْعَالَمِین کی نظر کا مقام ہے تو اس شخص پر تعجب ہے جو ظاہری چہرے کا اہتمام کرے، اسے دھوئے، میل کچیل سے سُتھرا رکھے تاکہ مخلوق اس کے چہرے کے کسی عیب پر مطلع نہ ہو مگر دل کا اہتمام نہ کرے جو رَبُّ الْعَالَمِین کی نظر کا مقام ہے، چاہیے تو یہ تھا کہ دل کو پاکیزہ رکھے، اسے آراستہ کرے اور سُتھرا رکھے تاکہ رَبُّ الْعَالَمِین اس میں کسی عیب کو نہ پائے لیکن افسوس کا مقام ہے کہ دل گندگی، پلیدی اور غلاظت سے لبریز ہے مگر جس پر مخلوق کی نظر پڑتی ہے اس کے لیے کوشش ہوتی ہے کہ اس میں کوئی عیب وقباحت نہ پائی جائے۔

تیسرا اُصول:

دل ایک بادشاہ کی مانند ہے جس کی اطاعت کی جاتی ہے اور باقی اَعضاء رَعایا کی طرح ہیں کہ سب اس کی پیروی کرتے ہیں، تو اگر سردار درست ہو تو اس کے تابع (1) بھی درست ہوتے ہیں۔ اسی طرح اگر بادشاہ درست ہو تو رَعایا بھی درست اور ٹھیک ہوتی ہے، اس بیان کی وضاحت حضور عَلَیْہِ السَّلام کی درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے، آپ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) کا ارشاد ہے:

"اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَ اِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ

---

1 ......ماتحت۔

اَلْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَ ھِیَ الْقَلْبُ" [1] انسان کے اندر گوشت کا ایک لوتھڑا [2] ہے، اگر وہ درست ہو تو سارا جسم درست ہوتا ہے اور اگر وہ خراب ہو تو سارا جسم خراب ہوتا ہے، سُن لو کہ وہ دل ہے۔

جب تمام جسم کی اِصلاح قلب کی اِصلاح پر مَوْقُوف [3] ہے تو دل کی اِصلاح بہت ضروری ہے۔

چوتھا اُصول:

دل بندے کے نفیس و اَعلیٰ جواہر کا خزانہ ہے ان اَعلیٰ جوہروں میں سے ایک جوہر اَعلیٰ و عمدہ ہے، وہ معرفتِ خداوندی ہے جو دونوں جہان کی سعادت کا ذریعہ ہے اور وہ قلبی بصیرت ہے جس کی وجہ سے دربارِ الٰہی میں انسان کو وَجاہت اور بزرگی حاصل ہوتی ہے پھر دل سے تعلق رکھنے والی عمدہ چیزوں میں سے ایک عمدہ چیز عبادات وطاعات میں نیّت خالص ہے جس کے ساتھ ثواب اور جزاء کا تعلق ہے، اس کے علاوہ دل کے مُتَعلِّقات میں سے عُلُوم اور حکمت کی باتیں ہیں جو بندے کے لیے شَرَف کا باعث ہیں اور پاکیزہ اَخلاق اور اچھی عادتیں ہیں جن سے انسان کو فضیلت، عظمت اور عزت حاصل ہوتی ہے، ہم نے اپنی کتاب "اَسرارِ مُعامَلاتِ دین" میں اس بات کو پوری شرح و تفصیل سے لکھا ہے۔

تو جب دل ایسے گِراں قدر اور بہترین جواہر کا خزانہ ہے تو ایسے خزانے کی

1 ...... صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب فضل من استبرأ لدینه، ۱/۳۳، حدیث: ۵۲۔
2 ...... ٹکڑا۔ 3 ...... منحصر۔

ہر قسم کی میل کچیل، ہر آفت اور چوروں وڈاکوؤں وغیرہ سے حفاظت ونگہداشت ضروری ہے، یہ ایسا خزانہ ہے جس کی حفاظت ہر طرح ضروری ہے تاکہ اس کے گراں قدر موتی خراب نہ ہوں اور نہ کوئی دشمن ان پر قبضہ کرسکے۔

پانچواں اُصول:

میں نے دل کے حالات پر غور کیا تو مجھے اس کے پانچ حالات ایسے ملے جو دوسرے کسی عُضْو میں نہیں پائے جاتے:

﴿1﴾ یہ کہ دشمن ہر وقت اس کی طرف متوجہ ہے اور اسے تباہ کرنے کا قصد کیے ہوئے ہے کیونکہ شیطان انسان کے دل کے ساتھ ہر وقت لگا رہتا ہے تو قلب اِلْہام ووَسْوَسَہ دونوں کی منزل ہے، شیطان اور فرشتہ دونوں اسے اپنی اپنی دعوت دینے میں مصروف رہتے ہیں۔

﴿2﴾ اس کی دوسری حالت یہ ہے کہ قلب کی مصروفیت بہت زیادہ ہے کیونکہ عَقْل اور شہوت دونوں اپنے اپنے لشکر اس میں دوڑاتے رہتے ہیں، گویا یہ عَقْل وشہوت دونوں کے لشکروں کا میدانِ کارزار (1) ہے، اس طرح دل دونوں کی جنگ اور دونوں کے مقابلے کا مقام بنا رہتا ہے تو جو مقام دونوں دشمنوں کے درمیان حد کی حیثیت رکھتا ہو اس کی نگہداشت بہت ضروری اَمر ہے۔

﴿3﴾ اس کی تیسری حالت یہ ہے کہ اس کے عَوارِض ولَواحِقات بہت زیادہ ہیں، اس لیے کہ وسوسے وخطرات تیروں کی مانند ہیں جو ہمیشہ اس پر برستے رہتے ہیں

---

(1) ...... جنگ کا میدان۔

یا بارش کی طرح ہیں کہ ہمیشہ اس پر گرتے رہتے ہیں کبھی بند نہیں ہوتے اور انسان کو یہ طاقت نہیں کہ انہیں روک یا بند کرسکے اور دل کوئی آنکھ کی طرح تو ہے نہیں کہ خطرے کے وقت اسے بند کر لیا جائے اور بوقتِ اَمن کھول لیا جائے نیز یہ قلب کسی تنہا مقام میں بھی نہیں اور نہ یہ کہیں رات کی تاریکی میں مَخْفِی ہے کہ دشمن اسے نہ پاسکیں اور نہ یہ زبان کی مانند دانتوں اور ہونٹوں کی حفاظت میں ہے کہ تو اسے بچاسکے اور محفوظ رکھ سکے بلکہ دل تو خطرات و وَساوِس کا نشانہ ہے، اور تم میں ان خطرات و وَساوِس کو روکنے کی پوری قوت نہیں کہ صحیح معنیٰ میں اس کی نگہداشت کرسکو، لہٰذا خطرات و وَساوِس کو مزید تقوِیَت پہنچاتا رہتا ہے۔اس بنا پر قلب سے تعلق رکھنے والے خطرات کا مقابلہ سخت کوشش اور محنت چاہتا ہے اور ان خطرات کا دِفاع عظیم جدو جہد کا مُتَقاضِی (1) ہے۔

﴿4﴾ اس کی چوتھی حالت یہ ہے کہ اس کا علاج اس بنا پر بھی مشکل ہے کہ یہ انسان کی نظر سے غائب ہے۔ اس بنا پر بہت بَعِید (2) ہے کہ تم اس کی آفات اور اس کے لیے ضَرَر رَساں اشیاء کو بھانپ سکو اور ان پر اِطلاع پاسکو، اس لیے اِصلاحِ قلب کے لیے طویل مُجاہَدوں، کوششوں اور رِیاضتوں کی ضرورت ہے۔

﴿5﴾ اس کی پانچویں حالت یہ ہے کہ آفات اس پر جلدی حملہ آور ہوتی ہیں اور یہ ہر وقت اِنقلاب و تبدیلی کے لیے تیار رہتا ہے، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ دل ہنڈیا کے اُبلنے سے بھی جلدی اِنقلاب میں آجاتا ہے، کسی شاعر نے کہا ہے:

(1) ...... چاہنے والا۔ (2) ...... مشکل۔

مَا سُمِّیَ الْقَلْبُ اِلَّا مِنْ تَقَلُّبِہٖ وَ الرَّأْیُ یَضْرِبُ بِالْاِنْسَانِ اَطْوَارًا

(ترجمہ:) قلب کا نام اسی بنا پر قلب رکھا گیا ہے کہ یہ ہر آن اَدَل بَدَل ہوتا رہتا ہے، اور اس میں مختلف رائیں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔

پس اگر دل لَغزِش کھا جائے تو اس کی لَغزِش بہت بڑی لَغزِش ہوگی اور اس کا بگڑ جانا نہایت پریشان کُن اَمر ہوگا اس لیے کہ دل کی لَغزِش کا اَدنیٰ دَرَجہ قَساوَت اور غَیْرُ اللّٰہ [1] کی طرف میلان ہے اور اس کی لَغزِش کا آخری دَرَجہ یہ ہے کہ اس پر کفر کی مُہر لگ جاتی ہے، کیا تم نے حق تعالیٰ کا یہ ارشادِ گرامی نہیں سُنا:

اَبٰی وَ اسْتَكْبَرَ ٝ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۳۴﴾ [2] ابلیس نے سجدہ سے انکار کر دیا اور تَکَبُّر کی راہ اختیار کی اور کافروں میں سے ہوگیا۔

اس کے دل میں تَکَبُّر تھا جس کے باعث وہ حکمِ رَبّی سے مُنکِر اور کافر ہوگیا، دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

وَ لٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ [3] لیکن وہ تو زمین سے چمٹ گیا اور اپنی خواہش کا پیرو بن گیا۔

تو گناہوں کی طرف مَیلان اور خواہشات کی پیروی چونکہ اس کے دل میں تھی اس کے باعث وہ ایک منحوس گناہ پر آمادہ ہوگیا، قرآن مجید میں وارِد ہے:

وَ نُقَلِّبُ اَفْـٕدَتَهُمْ وَ اَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ اور ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو اُلٹ دیں

---

1 ......اللہ تعالیٰ کے علاوہ۔

2 ......ترجمۂ کنز الایمان: مُنْکِر ہوا اور غرور کیا اور کافر ہوگیا۔ (پ ۱، البقرۃ: ۳۴)

3 ......ترجمۂ کنز الایمان: مگر وہ تو زمین پکڑ گیا اور اپنی خواہش کا تابع ہوا۔ (پ ۹، الاعراف: ۱۷۶)

يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ نَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ (1)

گے تو جیسے اس قرآن پر پہلی بار ایمان نہ لائے اسی طرح پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے، اور ہم ان کو چھوڑ دیں گے کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے پھریں۔

اے عزیز! خاصانِ حق تعالیٰ اسی بنا پر دل کے معاملے میں نہایت چوکنے رہتے ہیں اور گریہ وزاری میں مصروف رہتے ہیں اور اپنی پوری کوشش اس کی اِصلاح ودُرُستی میں صَرف کردیتے ہیں، قرآن حکیم میں وارِد ہے:

يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَ الْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾ (2)

اور وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن خوف وہراس کے باعث دل اور آنکھیں اُلٹ جائیں گی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو عبرت پکڑنے والوں، ہدایت یافتہ لوگوں اور اِصلاح قلب کی تگ ودَو کرنے والوں میں شامل فرمائے۔ وَ هُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ

سوال: بے شک دل کی اِصلاح کا معاملہ نہایت ہی اَہم ہے، اس لیے ہمیں وہ اُمور بتایئے جن کو اختیار کرنے سے اس کی اِصلاح ہوسکتی ہے، اور ان آفات و مُہلِکات کی بھی نشان دہی کردیجئے جو خرابیِ قلب کا باعث ہیں، ممکن ہے ہمیں بھی

---

1 ......ترجمۂ کنز الایمان: اور ہم پھیر دیتے ہیں ان کے دلوں اور آنکھوں کو جیسا وہ پہلی بار اس پر ایمان نہ لائے تھے اور انہیں چھوڑ دیتے ہیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکا کریں۔ (پ۷، الانعام: ۱۱۰)

2 ......ترجمۂ کنز الایمان: ڈرتے ہیں اس دن سے جس میں اُلٹ جائیں گے دل اور آنکھیں۔ (پ۱۸، النور: ۳۷)

اللہ تعالیٰ ان پرعمل پیرا ہونے کی توفیق دیدے اس طرح ہم آپ کے بتائے ہوئے اُصولوں کی روشنی میں دل کی اِصلاح کرسکیں؟

جواب: اِصلاحِ قلب کے اَسباب وذَرائع کی تفصیل خاصی طویل ہے، یہ مختصر تالیف اس پوری تفصیل کی مُتحمِّل نہیں۔ علمائے آخرت (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) نے اِصلاحِ قلب کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے ایک جامع نکتہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور انہوں نے دل کو درست کرنے والے نَوّے خَصائِلِ حَمِیْدَہ[1] اور اتنی تعداد میں خَصائِلِ رَذِیلہ[2] بیان کیے ہیں جو فسادِ قلب کا باعث ہیں پھر اِصلاح سے متعلق اَفعال واُمور اور اس سلسلہ میں کوشش کا طریقہ اور لائقِ اِجْتناب اُمور کو مُفَصَّل طور پر بیان کیا ہے، اگرچہ قلب سے تعلق رکھنے والی اَبْحاث بظاہر طویل معلوم ہوتی ہیں مگر خدا کی قسم! جو شخص دین کی اہمیت سے واقِف ہے غافلوں کی طرح خوابِ غفلت میں نہیں پڑا ہوا بلکہ بیدار ہے اور اپنی بھلائی کے اُمور میں غور وفکر کرتا رہتا ہے تو ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی توفیق واِعانَت[3] سے ان تمام تفصیلات کو جاننے اور ان پر عمل پیرا ہونے کو زیادہ تصور نہیں کرے گا۔

اور ہم نے ان تفصیلات کا کچھ تھوڑا حصہ اپنی کتاب "اِحیاءُ الْعُلُوم" کے باب شَرحِ عجائبِ قَلْب میں بیان کیا ہے، لیکن پوری تفصیل اور کیفیتِ علاج وغیرہ کا بیان ہم نے اپنی کتاب "اَسرارِ مُعاملاتِ دِین" میں کیا ہے اور وہ ایک مستقل کتاب ہے جو فَوائدِ عَظیمہ پر مشتمل ہے لیکن ان تفصیلات سے جَیِّد اور

1 ......اچھی عادات۔ 2 ......بُری عادات۔ 3 ......مدد۔

رَاسِخ علماء (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) ہی کَمَا حَقُّهٗ فائدہ حاصل کر سکتے ہیں اور اس کتاب "مِنْهَاجُ الْعَابِدِيْن" میں ہم نے وہ اُسلوب بیان اختیار کیا ہے جس سے ہر مُبْتَدِی، مُنْتَهِی، قوی اور ضعیف نَفْع حاصل کر سکے یعنی اس کتاب میں ہم زیادہ گہرائی اور باریکی میں نہیں گئے۔

جب ہم نے ان اُصولوں پر غور کیا جو علاجِ قلب کے سلسلے میں کام آتے ہیں اور جن کی بہت ضرورت ہے اور کوئی بھی شخص ان سے بے نیاز نہیں ہو سکتا تو چار اُصول ہمارے سامنے آئے، اسی طرح فسادِ قلب پیدا کرنے والے بھی چار اُمور سامنے آئے جو عابدین کے لیے سخت پیچیدگی پیدا کرنے والے اور اہلِ مُجَاهَدَه کے لیے آفت ہیں، دلوں کے لیے فتنہ، نَفْس کے لیے بلا، اِصلاح میں رُکاوٹ پیدا کرنے والے ہیں، نیز دلوں کو عیب ناک اور برباد کرنے والے ہیں اور ان کے مقابلے میں چار اور ہیں جن سے عبادت کا معاملہ نَظْم وضَبْط اختیار کرتا ہے اور قلوب اِصلاح پذیر ہوتے ہیں۔

فسادِ قلب کا باعث یہ چار چیزیں ہیں:

﴿1﴾ دنیا کی اُمیدیں ﴿2﴾ عبادات میں جلد بازی ﴿3﴾ حَسَد ﴿4﴾ تکبُّر۔

اس کے مقابلے میں اِصلاح کرنے والی یہ چار چیزیں ہیں:

﴿1﴾ اُمیدیں کم کرنا ﴿2﴾ معاملات میں تَحَمُّل وآہستگی ﴿3﴾ مخلوق کے ساتھ خیر خواہی ﴿4﴾ خُشُوع اور تَوَاضُع سے پیش آنا۔

یہ ہیں وہ آٹھ چیزیں جن کے ساتھ قلب کی اِصلاح یا خرابی وابستہ ہے اور

انہیں پر صَلاح وفساد کا دار و مدار ہے، اس لیے اَسبابِ فساد سے بچو، اور مفیدِ قلب باتوں کو اختیار کرو تا کہ آخرت کی مَشَقَّت سے محفوظ رہو اور اپنے مقصود کو حاصل کر سکو، میں تمہارے آگے مختصر مگر جامع طریقہ سے ان آفات کی وضاحت کرتا ہوں:

طُوْلِ اَمَل کا بیان

لمبی اُمیدیں نیکی وطاعت کی راہ میں رُکاوٹ ہیں نیز ہر فتنے اور شر کا باعث ہیں لمبی اُمیدوں میں مبتلا ہو جانا ایک لا علاج مرض ہے جو لوگوں کو اور بہت سے مختلف اَمراض میں مبتلا کرتا ہے۔

اے عزیز! جب تو لمبی اُمیدوں میں مبتلا ہو جائے گا تو اس سے چار چیزوں میں اضافہ ہوگا:

ایک تَرکِ طاعت میں زیادتی اور اس کی ادائیگی میں سستی میں اضافہ ہوگا، اور عبادت و نیکی بجالانے کے وقت تم اپنے دل میں کہو گے ابھی تھوڑی دیر بعد کرلوں گا، ابھی کافی وقت ہے، عبادت کا موقع فوت نہیں ہونے دوں گا، حضرت داؤد طائی رَحْمَةُ اللهِ عَلَیْه نے بالکل سچ فرمایا ہے:

"مَنْ خَافَ الْوَعِيْدَ قَرُبَ عَلَيْهِ الْبَعِيْدُ وَمَنْ طَالَ اَمَلُهٗ سَاءَ عَمَلُهٗ" جو اللہ تعالیٰ کی وَعید سے ڈرتا ہے وہ دور کو بھی نزدیک خیال کرتا ہے اور جو لمبی اُمیدوں میں مبتلا ہو جاتا ہے وہ بد اَعمالی کا شکار ہو جاتا ہے۔

حضرت یَحْییٰ بن مُعاذ رَازِی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه نے فرمایا ہے:

"اَلْاَمَلُ قَاطِعٌ عَنْ كُلِّ خَيْرٍ وَّ الطَّمَعُ مَانِعٌ مِّنْ كُلِّ حَقٍّ وَّ الصَّبْرُ صَائِرٌ اِلٰى

کُلِّ خَیۡرٍ وَّ النَّفۡسُ دَاعِیَۃٌ اِلٰی کُلِّ شَرٍّ" دنیا کی اُمیدیں انسان کو ہر نیک کام سے کاٹ دیتی ہیں اور طَمَع ولالچ ہر حق سے انسان کو روک دیتا ہے اور صَبر ہر بھلائی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور نَفْسِ اَمَّارہ ہر شر اور بُرائی کی طرف بلاتا ہے۔

دوسری چیز جس سے طُولِ اَمَل میں زیادتی ہوتی ہے، تَرْکِ توبہ ہے، طُولِ اَمَل کی وجہ سے انسان توبہ کرنے سے ٹال مٹول شروع کر دیتا ہے اور دل میں کہتا ہے ابھی توبہ کرلوں گا، ابھی کافی وقت ہے، میں ابھی جوان ہوں، میں ابھی کم عمر ہوں، توبہ ہر وقت میرے اختیار میں ہے، جب چاہوں گا کرلوں گا، اسی طرح کے بے ہودہ خیالات میں پڑ جاتا ہے اور اِصلاحِ اَحوال سے پہلے ہی موت اچانک آ کر اُچک لیتی ہے، اور وہ " خَسِرَ الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃَ "[1] ہو جاتا ہے۔

تیسری چیز مال جمع کرنے کی حِرص[2] ہے جو طُولِ اَمَل سے اور بڑھ جاتی ہے، اس حِرص کے نشہ میں انسان آخرت سے غافل ہو جاتا ہے اور اِشْغالِ دنیا[3] میں ڈوب جاتا ہے اور حِرص میں مبتلا ہو کر اپنے آپ سے یوں کہتا ہے: "شاید میں بڑھاپے میں جا کر محتاج ہو جاؤں، ضُعْفِ پِیری اور کمزوری کے باعث شاید خود نہ کما سکوں، لہٰذا میرے پاس فاضِل[4] ذخیرہ کا ہونا ضروری ہے تاکہ بیماری یا بڑھاپے یا تنگ دستی کے وقت کام آسکے، اسی طرح کے ہزاروں خیالات اسے دنیا کی حِرص کی طرف اور زیادہ راغِب کرتے رہتے ہیں، ایسا انسان کھانے

1 ......ترجمۂ کنز الایمان: دنیا اور آخرت دونوں کا گھاٹا۔ (پ۱۷، الحج: ۱۱)

2 ......حرص کے بارے میں مزید معلومات کے لئے "مکتبۃُ المدینہ" کی مطبوعہ کتاب "حرص" کا مطالعہ کیجئے۔ 3 ......دنیا کے کاموں۔ 4 ......زیادہ۔

پینے کی چیزوں کا بڑا اہتمام کرتا ہے، کبھی کہتا ہے: میں کیا کھاؤں، کبھی کہتا ہے: کیا پیوں، کبھی لباس کی فکر میں ہوتا ہے، کبھی کہتا ہے: گرمی سردی سر پر ہے اور میرے پاس کوئی شے نہیں، کبھی یہ سوچتا ہے شاید میری عمر لمبی ہو اور آخر عمر میں جا کر تنگدست ہو جاؤں اور پچھلی عمر میں محتاجی زیادہ غلبہ کرتی ہے، ایسے نازک وقت کے لیے کچھ نہ کچھ پاس ہونا ضروری ہے تاکہ اس وقت لوگوں کا دَسْت نگر [1] نہ ہونا پڑے۔ یہ اور اسی قسم کے بیسیوں تَوَہُّمات [2] اس کو طلب ورغبتِ دنیا، موجود سامانِ دنیا میں بُخْل کرنے اور مزید جمع کرنے پر اُبھارتے رہتے ہیں، ان بے ہودہ خیالات کا کم از کم اثر یہ ہوتا ہے کہ ایسا انسان دنیا کی اُمیدوں میں پھنس جاتا ہے، اس کی قیمتی عمر اور اس کا وقت عزیز ان اُمیدوں کی نذر ہو جاتا ہے، بے فائدہ اور لغو غم و تَفَکُّرات لاحق ہو جاتے ہیں، حضرت ابوذر غِفاری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے مروی ہے:

”قَتَلَنِیْ ھَمُّ یَوْمٍ لَمْ اُدْرِکْہُ قِیْلَ وَ کَیْفَ ذٰلِکَ یَا اَبَا ذَرٍّ قَالَ اِنَّ اَمَلِیْ جَاوَزَ اَجَلِیْ“

آنے والے دن کی فکر نے مجھے پریشان کر رکھا ہے۔ کسی نے عرض کیا: وہ کیسے؟ تو آپ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ) نے فرمایا کہ میری لمبی امیدیں میری موت سے تجاوز کر چکی ہیں۔

چوتھی چیز قَساوَتِ قلب [3] اور غفلتِ آخرت ہے جس میں طُولِ اَمَل سے اضافہ ہوتا ہے کیونکہ جب انسان کے دل میں عیش و عشرت کی لمبی اُمیدیں بس جاتی ہیں تو موت بھول جاتی ہے قبر یاد نہیں رہتی، حضرت علی مرتضٰی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے

---

1 ...... حاجت مند۔ 2 ...... وہمی باتیں۔ 3 ...... دل کی سختی۔

مروی ہے:

"اَنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلَيْكُمْ اِثْنَتَانِ طُوْلُ الْاَمَلِ وَ اِتِّبَاعُ الْهَوٰى اَلَا وَ اِنَّ طُوْلَ الْاَمَلِ يُنْسِي الْاٰخِرَةَ وَ اِتِّبَاعُ الْهَوٰى يَصُدُّ عَنِ الْحَقِّ" تمہارے دو چیزوں میں مبتلا ہو جانے کا مجھے بہت زیادہ ڈر ہے، ایک طُولِ اَمَل، دوسری اِتِّبَاعِ خواہشات۔ طُولِ اَمَل تو آخرت کو بھلا دیتی ہے اور خواہشات کی پیروی انسان کو حق سے روک دیتی ہے۔

طُولِ اَمَل کا شکار ہونے کے بعد انسان کے نزدیک سب سے اَہم اور اس کی تَوَجُّہات کا مرکز دنیا اور دنیا میں عیش و عشرت کے اَسباب و ذَرائع بن جاتے ہیں، لوگوں سے میل جول اور خَلْط مَلْط کا غَلَبَہ ہو جاتا ہے اور اس طرح انسان کے دل پر قَساوَت چھا جاتی ہے کیونکہ رِقَّت اور صفائی قلب تو موت کو یاد رکھنے قبر کی وَحْشَت و تنہائی پیش نظر رہنے، آخرت کے ثواب و عذاب اور وہاں کے خوفناک مناظر و واقعات یاد رکھنے سے ہوتی ہے اور جب ان میں سے کوئی بات بھی نہ ہو تو صفائی کیسے پیدا ہو؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ (1) ان کو زندہ رہتے عرصہ دراز گزر گیا تو ان کے دل سخت ہو گئے۔

تو جوں جوں اُمیدیں لمبی ہوتی جائیں گی اِطاعت کا جذبہ کم ہوتا جائے گا، توبہ کا خیال دل سے نکل جائے گا گناہوں کی کثرت ہو جائے گی، حرص بڑھ جائے گی دل سخت ہو جائے گا اور اپنا انجام بالکل بھول جائے گا اور اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت

(1)......ترجمۂ کنز الایمان: پھر ان پر مدت دراز ہوئی تو ان کے دل سخت ہو گئے۔
(پ ۲۷، الحدید: ۱٦)

شامل حال نہ ہوئی تو ایسے شخص کی آخرت برباد ہو جائے گی تو اس سے بدحالی اور کیا ہوگی اور اس سے بڑی آفت اور بلا اور کیا ہوگی؟ اور یہ سب خرابی طُولِ اَمَل کے باعث پیدا ہوئی لہٰذا اپنی اُمیدیں کوتاہ[1] رکھو، اپنی جان کو موت کے قریب تصور کرو، اپنے اَقارِب اور ساتھیوں کا حال یاد کرو جنہیں موت نے ایسے وقت آ دَبوچا جب کہ انہیں کوئی وَہْم وگمان نہ تھا اور شاید تمہارا بھی ایسا ہی حال ہو، اور اپنے نَفْسِ مغرور کو خدا تعالیٰ کے عذاب سے ڈراؤ، اور عوف بن عبدُ اللّٰہ (رَحْمَةُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ) کا یہ قول یاد کرو:

"کَمْ مِنْ مُسْتَقْبِلٍ یَوْمًا لَمْ یَسْتَکْمِلْهُ[2] وَ مُنْتَظِرٍ غَدًا لَمْ یُدْرِکْهُ" کتنے ایسے ہیں جو صبح کو پاتے ہیں مگر شام سے قبل موت کی آغوش میں چلے جاتے ہیں اور کتنے ہی آئندہ کل کی انتظار میں ہوتے ہیں مگر وہ انہیں نصیب نہیں ہوتا۔

اگر تمہیں فِی الْوَاقِع موت اور اس کے شَدَائِد کا احساس ہوتا تو تم طُولِ اَمَل اور اس کی فریب کاریوں سے ضرور نفرت کرتے۔ تم نے حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا قول نہیں سُنا؟ آپ (عَلَیْہِ السَّلَام) نے فرمایا ہے:

"اَلدُّنْیَا ثَلَاثَةُ اَیَّامٍ اَمْسِ مَضٰی مَا بِیَدِكَ مِنْهُ شَیْءٌ وَ غَدًا[3] لَا تَدْرِیْ اَتُدْرِکُهُ اَمْ لَا وَ یَوْمٌ اَنْتَ فِیْهِ فَاغْتَنِمْهُ" دنیا تین روز ہے: ایک وہ جو گزر گیا اس کا کچھ بھی تیرے

---

1 ...... کم۔ 2 ...... یہاں لفظ "یَسْتَکْمِه" تھا، یہ کتابت کی غلطی ہے کیونکہ اصل عربی متن اور ترجمہ کے لحاظ سے درست لفظ "یَسْتَکْمِلْهُ" ہے، لہٰذا اس کی تصحیح کردی گئی ہے۔ (علمیہ)

3 ...... یہاں لفظ "غد" تھا، یہ کتابت کی غلطی ہے کیونکہ اصل عربی متن میں درست لفظ "غَدًا" ہے، لہٰذا اس کی تصحیح کردی گئی ہے۔ (علمیہ)

قبضہ میں نہیں، ایک آئندہ کل جس کے متعلق کوئی علم نہیں کہ وہ تجھے نصیب ہو یا نہ ہو، اور ایک آج کا دن جس میں تم موجود ہو، تو اس کو غنیمت جانو۔

نیز کیا تم نے حضرت ابوذر غِفاری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہ کا یہ قول نہیں سُنا؟ آپ فرماتے ہیں:

"اَلدُّنْیَا ثَلَاثُ سَاعَاتٍ سَاعَۃٌ مَضَتْ وَ سَاعَۃٌ اَنْتَ فِیْھَا وَ سَاعَۃٌ اَتُدْرِکُھَا اَمْ لَا" دنیا صرف تین ساعت ہے، ایک وہ ساعت جو گزر گئی اور ایک وہ جس میں تم اب ہو اور تیسری وہ جو شاید تمہیں نصیب ہو یا نہ ہو۔

تو حقیقت میں تمہارے پاس صرف ایک ہی گھڑی ہے، میرے شیخ قُدِّسَ سِرُّہٗ کا ارشاد ہے: دنیا تین سانس ہے، ایک جو گزر گیا، تم نے جو عمل اس میں کرلیا کرلیا، ایک وہ جو اب تم لے رہے ہو، اور ایک آئندہ جس کے پانے کا کوئی علم نہیں۔ کیونکہ کئی ایسے سانس لینے والے ہیں جن کو موت نے دوسرے سانس کی مہلت نہ دی، تو درحقیقت انسان ایک ہی سانس کا مالک ہے، ایک دن یا پوری ایک گھڑی کا بھی مالک نہیں، لہٰذا اس ایک سانس میں طاعت وعبادت کی بجا آوری میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیے، ایسا نہ ہو کہ یہ بھی فوت ہوجائے اور توبہ کرنے میں بھی جلدی کرو، ایسا نہ ہو کہ وقت ہاتھ سے نکل جائے اور موت آنے والے سانس کی فرصت نہ دے۔ آنے والی گھڑی کے لیے رِزْق کی فکر نہ کرو، شاید اگلی ساعت تک زندگی وَفا نہ کرے اور خواہ مخواہ فِکرِ مَعاش میں مبتلا ہو کر یہ وقت بھی ضائع ہوجائے اور کوشش عَبَث (1) جائے، لیکن انسان رِزْق کی تگ ودَو میں مصروف ہو کر اپنا وقتِ

(1) ...... بیکار۔

عزیز ضائع کر دیتا ہے، کیا تمہیں حضور نبی کریم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسْلِیْم کا وہ ارشاد یاد نہیں جو آپ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) نے حضرت اُسامہ بن زید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کے متعلق فرمایا:

"اَمَا تَعْجَبُوْنَ مِنْ اُسَامَۃَ الْمُشْتَرِیْ بِصَبْرِ شَھْرٍ اِنَّ اُسَامَۃَ لَطَوِیْلُ الْاَمَلِ وَ اللّٰہِ مَا وَضَعْتُ قَدَمًا فَظَنَنْتُ اِنِّیْ اَرْفَعُھَا وَ لُقْمَۃً فَظَنَنْتُ اِنِّیْ اُسِیْغُھَا [1] حَتّٰی یُدْرِکُنِی الْمَوْتُ وَ الَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ وَّ مَا اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ" [2] اے لوگو! تم اُسامہ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) پر تعجب نہیں کرتے جو ایک ماہ کے لیے خرید رہا ہے بیشک اُسامہ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) لمبی اُمیدوں کا شکار ہو گیا ہے، خدا کی قسم میں نے جب بھی زمین پر قدم رکھا تو میرا یہی گمان تھا کہ شاید اُٹھانے سے پہلے موت آجائے اور میں نے جب بھی منہ میں لقمہ ڈالا تو یہی گمان تھا کہ شاید حلق سے اُتارنا نصیب نہ ہو، اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے بے شک جن باتوں کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ ضرور آکر رہیں گی اور تم اللہ تعالٰی کو عاجز و بے بس نہیں کر سکتے۔

اے عزیز! جب تو ان باتوں کو یاد رکھے گا اور ہمیشہ یہ باتیں تیرے ذہن میں موجود رہیں گی تو بِاِذْنِہٖ تَعَالٰی تیری دُنیوی اُمیدیں کوتاہ ہو جائیں گی، اس وقت تیرا نفس طاعات کی طرف جلد مائل ہو گا اور تجھے جلد توبہ کرنے کا خیال پیدا ہو گا توبہ سے گناہ جھڑ جائیں گے اور تجھے دنیا سے نفرت ہو جائے گی اور آخرت

1 ...... یہاں لفظ "اَسِیْغُھَا" تھا، یہ کتابت کی غلطی ہے کیونکہ اصل عربی متن اور ترجمہ کے لحاظ سے درست لفظ "اُسِیْغُھَا" ہے، لہٰذا اس کی تصحیح کر دی گئی ہے۔ (علمیہ)

2 ...... موسوعة ابن ابی الدنیا، کتاب قصر الامل، ۳/۴ ۳۰، حدیث:۶، بتغیر۔

میں حساب کے اندر آسانی پیدا ہوجائے گی اور وہاں پشیمانی نہیں ہوگی تیرا دل آخرت اور اس کے خوفناک مناظر کے دھیان میں لگا رہے گا، تیرے نَفْس کی حالت تبدیل ہوجائے گی، اسی طرح جب تم ایک ایک کرکے آخرت کے حالات کا اپنے ذہن میں معائنہ کرتے رہوگے تو تم سے قَساوَتِ قلبی دور ہوجائے گی، قَساوَت کی بجائے دل میں رِقَّت اور صفائی پیدا ہوجائے گی اور اس رِقَّت اور صفائی کی بَرَکت سے تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ کی خَشِیَّت [1] اور اس کا درد پیدا ہوجائے گا اور یوں عبادت میں اِسْتِقامت نصیب ہوجائے گی اور اپنی عافیت اور آخرت میں کامیابی کی اُمید قوی ہوجائے گی، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اُمیدیں کوتاہ کرنے سے ہوگا۔

رِوایت ہے کہ کسی شخص نے حضرت زُرارہ بن اَوفٰی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا: ''اے بَرْزَخ میں بسنے والو! تمہارے نزدیک کون سا عمل بہتر ہے؟'' تو آپ (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) نے جواب دیا: ''رضائے الٰہی کا حصول اور اُمیدوں کو کوتاہ رکھنا۔''

اے عزیز! تو بھی اپنے حال پر نظر کر اور یہ بلند مقام حاصل کرنے میں پوری کوشش کر کیونکہ طُولِ اَمَل سے بچنا بڑی نیکی کی بات ہے جس سے قلب اور نَفْس کی اِصلاح ہوتی ہے۔

وَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَلِیُّ التَّوْفِیْقِ بِفَضْلِہٖ وَ بِرَحْمَتِہٖ۔

---

1 ......خوف۔

دوسری آفت "حسد"(1)

بے شک حَسَد نیکیوں کو تباہ کرتا ہے اور گناہوں پر راغِب کرتا ہے، یہ بڑا بُرا مَرَض ہے جس میں بڑے بڑے علماء و قُرّاء مبتلا ہیں، عوام اور جُہلاء کا کیا ذکر۔ اس حَسَد نے لوگوں کو ہلاک کردیا اور نارِ دوزخ میں ڈال دیا، کیا تم نے حضور نبی کریم عَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسْلِیْم کا یہ ارشاد نہیں سُنا، آپ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم) نے فرمایا ہے:

"سِتَّةٌ یَدْخُلُوْنَ النَّارَ بِسِتَّةٍ اَلْعَرَبُ بِالْعَصَبِیَّةِ وَ الْاُمَرَاءُ بِالْجَوْرِ وَ الدَّهَاقِیْنُ بِالْکِبْرِ وَ التُّجَارُ بِالْخِیَانَةِ وَ اَهْلُ الرَّسَاتِیْقِ بِالْجَهْلِ وَ الْعُلَمَاءُ بِالْحَسَدِ" چھ قسم کے لوگ چھ وجہ سے دوزخ میں جائیں گے عَرَب عَصَبِیَّت (2) کی وجہ سے، اُمَراء ظلم کے باعث، چوہدری لوگ تَکَبُّر کی وجہ سے، تاجر لوگ خیانت اور بد دِیانتی کے باعث، اہلِ دِیہات جہالت کے باعِث اور علماء حَسَد کی وجہ سے۔

بے شک جو آفت علماء کو بھی دوزخ میں لے جانے کا باعث اور سبب ہے اس سے بچنا بہت ضروری ہے۔

اے عزیز! جان لے کہ حَسَد سے پانچ خرابیاں اُبھرتی ہیں:

﴿1﴾ طاعات میں خرابی، رسولُ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے فرمایا ہے:

---

(1)...... حسد کے بارے میں مزید معلومات کے لئے "مکتبۃ المدینہ" کی مطبوعہ کتاب "حسد" کا مطالعہ کیجئے۔

(2)...... اپنوں کی بے جا حمایت اور دوسروں سے نفرت۔

"اَلْحَسَدُ یَاْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَاْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ"[1] حسد نیکیوں کو اس طرح برباد کرتا ہے جس طرح آگ سوکھی لکڑیوں کو جلا دیتی ہے۔

حسد سے دوسری چیز جو پیدا ہوتی ہے وہ گناہ اور بُرائیاں ہیں، حضرت وَہْب بن مُنَبِّہ (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) فرماتے ہیں:

حاسِد کی تین نشانیاں ہیں: "یَتَمَلَّقُ[2] اِذَا شَهِدَ وَ یَغْتَابُ اِذَا غَابَ وَیَشْمَتُ بِالْمُصِیْبَةِ اِذَا نَزَلَتْ" جب سامنے آتا ہے تو چاپلوسی کرتا ہے، پُشت پیچھے غیبت کرتا ہے اور جب دوسرے پر مصیبت آتی ہے تو خوش ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں حسد کی بُرائی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اللّٰہ تعالٰی نے ہمیں حاسِد کے شر سے پناہ میں رہنے کا حکم دیا ہے، جیسا کہ خداوند تعالٰی نے فرمایا ہے:

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾[3] اور حاسِد کے شر سے پناہ میں رکھ جب وہ حسد کرنے پر اُتر آئے۔

اللّٰہ تعالٰی نے حسد کے شر کو شیطان اور ساحر[4] کے ساتھ ملا کر بیان کیا اور فرمایا: ان سب سے پناہ مانگو۔ تو غور کرلو کہ حسد کتنا بڑا فتنہ اور اس کا شر کتنا بڑا ہے، اسی لیے فرمایا کہ اس سے تحفُّظ کے لیے مجھ سے مدد طلب کرو اور میری پناہ میں آؤ۔

---

1 ......سنن ابن ماجه، کتاب الزهد، باب الحسد، ٤/٤٧٣، حدیث: ٤٢١٠۔

2 ...... یہاں لفظ "یَتَمَلَّکُ" تھا، یہ کتابت کی غلطی ہے کیونکہ اصل عربی متن اور ترجمہ کے لحاظ سے درست لفظ "یَتَمَلَّقُ" ہے، لہٰذا اس کی تصحیح کردی گئی ہے۔ (علمیہ)

3 ......ترجمۂ کنز الایمان: اور حسد والے کے شر سے جب وہ مجھ سے جلے۔ (پ ۳۰، الفلق: ۵)

4 ......جادوگر۔

حَسَد سے تیسری چیز بے چینی اور بے مقصد غم وفکر کا لاحِق ہونا ہے، بلکہ غم وفکر کے ساتھ طبیعت پر بوجھ اور مَعْصِیَت کی رغبت بھی پیدا ہوتی ہے، حضرت ابنِ سَمّاک رَحْمَۃُ اللّٰہِ تعالٰی عَلَیْہ نے فرمایا ہے:

"لَمْ اَرَی ظَالِمًا اَشْبَہَ بِالْمَظْلُوْمِ مِنَ الْحَاسِدِ نَفْسٌ دَائِمٌ وَ عَقْلٌ ھَائِمٌ وَغَمٌّ لَازِمٌ"

ترجمہ: میں نے حاسِد کے سوا کسی ظالم کو مظلوم کے ساتھ زیادہ مُشابَہت والا نہیں دیکھا بیچارہ ہروقت افسردہ طبیعت رہتا ہے پریشان خیال رہتا ہے اور ہر وقت غم میں مبتلا رہتا ہے۔

حَسَد سے چوتھی خرابی یہ پیدا ہوتی ہے کہ دل اندھا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اللّٰہ تعالٰی کے کسی حکم کو سمجھنے کی صلاحیت ختم ہوجاتی ہے۔ حضرت سُفیان ثَوری رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: ''ہمیشہ خاموش رہنا اختیار کر کہ اس سے تیرے اندر وَرَع[1] پیدا ہوگا، لالچی نہ بن تاکہ فتنوں سے محفوظ رہے، نکتہ چین نہ بن تاکہ لوگوں کے طَعْن و تَشْنِیع سے محفوظ رہے، حاسِد نہ بن تاکہ تجھے فَہم کی تیزی نصیب ہو۔''

حَسَد سے پانچویں خرابی یہ پیدا ہوتی ہے کہ انسان ذِلَّت اور محرومی کی لعنت میں گرفتار ہو جاتا ہے اپنی کسی مراد میں کامیاب نہیں ہوتا اور نہ اپنے کسی دشمن پر غالب آسکتا ہے۔ حضرت حاتم اَصَم رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا ہے:

کِینَہ پَرْوَر دین دار نہیں ہوتا، لوگوں کے عیب نکالنے والا عبادت گزار نہیں ہوسکتا، چُغل خور کو اَمْن نصیب نہیں ہوسکتا اور حاسِد شخص نُصْرَتِ خداوندی[2] سے محروم رہتا ہے۔

1 ...... تقویٰ۔ 2 ...... اللّٰہ تعالٰی کی مدد۔

میں کہتا ہوں: حاسِد شخص اپنی مراد میں کیسے کامیاب ہوسکتا ہے؟ کیونکہ اس کی مراد تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام بندوں سے خدا تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتیں چھن جائیں اور مجھے مل جائیں اور حاسِد آدمی اپنے دشمنوں پر کیسے غالب آسکتا ہے کیونکہ اس کے دشمن تو اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہوتے ہیں۔ حضرت ابو یعقوب رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

"اے اللہ! تو نے اپنے بندوں پر جو نعمتیں کی ہیں ہمیں ان کے حَسَد سے محفوظ رکھ بلکہ ان کے حالات مزید بہتر کر۔"

اور حَسَد ایک ایسی بیماری ہے جو عبادات کے اجر و ثواب کو تباہ کرتی ہے، شر و مَعْصِیَت کی تُخم رِیزی کرتی ہے، آرام اور سکون کو ختم کر دیتی ہے، دین کی سمجھ سے محروم کرتی ہے اس کے ہوتے ہوئے انسان اپنے دشمن پر غالب نہیں ہوسکتا، اور نہ اپنی مراد میں انسان کامیاب ہوسکتا ہے۔ تو ثابت ہوا کہ حَسَد سے زیادہ کوئی خطرناک بیماری ایسی نہیں جس کے علاج کی فوری ضرورت ہو، لہٰذا اس مَرَض کے علاج سے غفلت نہ کرو بلکہ جلد اس مَرَضِ حَسَد کو دُور کرنے کی فکر کرو۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی وَلِیُّ التَّوْفِیْقِ بِمَنِّہٖ وَ کَرَمِہٖ۔

مسلمان کی بے عزتی کبیرہ گناہ ہے

رسولِ بے مثال، بی بی آمنہ کے لال صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے: بے شک کسی مسلمان کی ناحق بے عزتی کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ (غیبت کی تباہ کاریاں، ص۵۸ بحوالہ سنن ابی داود، کتاب الادب، باب فی الغیبۃ، ۴/۳۵۳، حدیث: ۴۸۷۷)

عُجلت یعنی جلد بازی کے نقصانات[1]

جلد بازی نیک مَقاصِد کو فوت کرتی ہے اور مَعاصی[2] میں مبتلا کرتی ہے، اس سے چار خرابیاں پیدا ہوتی ہیں:

پہلی آفت اور خرابی یہ کہ عابد شخص جب خیر اور اِستِقامت کا مرتبہ حاصل کرنے کا قَصد کرتا ہے اور اسے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو بسا اوقات اس کے حصول میں جلد بازی سے کام لیتا ہے حالانکہ ابھی اس مرتبے کے حاصل کرنے کا وقت علمِ الٰہی میں نہیں ہوتا تو فوری طور پر وہ مرتبہ و مقام حاصل نہ ہونے کے باعث یا تو وہ سُست و مایوس ہو کر کوشش و مُجاھَدَہ ترک کر دیتا ہے اور اس طرح اس مرتبہ سے مَحروم ہو جاتا ہے اور یا رِیاضت و مُجاھَدَہ میں غُلُو[3] کرتا ہے اور اس اِفراط[4] کے باعث اس مرتبہ کو حاصل نہیں کر سکتا اور یہ دونوں خرابیاں جلد بازی کا نتیجہ ہیں، حضورِ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے رِوایت ہے:

"اِنَّ دِیْنَنَا ھٰذَا مَتِیْنٌ فَاَوْغِلْ فِیْہِ بِرِفْقٍ فَاِنَّ الْمُنْبَتَّ لَا اَرْضًا قَطَعَ وَلَا ظَھْرًا اَبْقٰی"[5]

ہمارا یہ دین بڑا مُستَحکَم[6] دین ہے، اس کو نرمی اور مَتانَت[7] سے حاصل کرو جس طرح فَصل حاصل کرنے والا کسان نہ تو زمین کو بالکل اُکھیڑ ہی دیتا ہے اور نہ اس کی ظاہری سَطْح کو ہی پہلی حالت میں باقی رہنے دیتا ہے، اور عربی کی مشہور مَثَل[8] ہے: "اِنْ لَّمْ تَسْتَعْجِلْ

---

1 ...... جلد بازی کے بارے میں مزید معلومات کیلئے "مکتبۃُ المدینہ" کی مطبوعہ کتاب "جلد بازی کے نقصانات" کا مطالعہ کیجئے۔ 2 ...... گناہوں۔ 3 ...... بہت زیادہ مبالغہ۔ 4 ...... زیادتی۔

5 ...... الزھد لابن مبارک، ص ٤١٥، حدیث: ١١٧٨، بتغیر۔

6 ...... مضبوط۔ 7 ...... سنجیدگی۔ 8 ...... کہاوت۔

تَصِلُ "اگر تم جلد بازی نہیں کروگے تو اپنی منزلِ مقصود کو پہنچ جاؤ گے۔

ایک عربی شاعر کہتا ہے:

قَدْ يُدْرِكُ الْمُتَاَنِّيْ بَعْضَ حَاجَتِهٖ وَقَدْ يَكُوْنُ مَعَ الْمُسْتَعْجِلِ الزَّلَلُ

بُردبار شخص تو اپنے مقاصِد پالیتا ہے مگر جلد باز اکثر اوقات پھسل جاتا ہے۔

دوسری خرابی اور آفت یہ ہے کہ جب عابد شخص کو کوئی حاجت اور ضرورت پیش آتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا و اِلتِجا کرتا ہے اور دعا میں بہت کوشش کرتا ہے اور بسا اوقات اس کی قبولیت میں عُجلَت کرتا ہے، حالانکہ علمِ الٰہی کے اندر اس دعا کی قبولیت میں ابھی کچھ دیر ہوتی ہے، تو فوراً دعا قبول نہ ہونے کی وجہ سے وہ دِل بَرداشتہ ہو جاتا ہے کوشش وسَعی ترک کر دیتا ہے اور دعا کرنا چھوڑ دیتا ہے اور اس طرح اپنے مقصد اور اپنی حاجت کو نہیں پا سکتا۔

عُجلَت کی تیسری خرابی اور آفت یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان اس عابد پر ظلم کرتا ہے تو یہ غضب ناک ہو کر بد دعا کرتا ہے تو وہ ظالم مسلمان اس بد دعا کے اثر سے ہلاک ہو جاتا ہے اور اس طرح بد دعا کرنے والا عابد حد سے تجاوز کر جاتا ہے اور ہلاکت ومَعصِیت میں پڑ جاتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ﴿۱۱﴾ (1)

(بوقتِ مصیبت) انسان بد دعائیں شروع کر دیتا ہے جس طرح آرام کے وقت نیک دعائیں اور انسان بڑا جلد باز ہے۔

1 ......ترجمۂ کنز الایمان: اور آدمی بُرائی کی دعا کرتا ہے جیسے بھلائی مانگتا ہے اور آدمی بڑا جلد باز ہے۔ (پ ۱۵، بنی اسرائیل: ۱۱)

عُجلَت کی چوتھی خرابی اورآفت یہ ہے کہ عبادت کااصل اوراس کادارومدار وَرَع[1] پر ہےاوروَرَع ہر شے کی تہ تک پہنچنے سے پیدا ہوتا ہےاور ہر چیز مثلاً کھانے، پینے، گفتگوکرنے کی حقیقت کے اِنکِشاف کے بعدنصیب ہوتا ہےاور جب انسان جلد باز ہو، بردبارنہ ہو، اورنہ مُتَحَمِّل مزاج ہوتووہ کسی کام کے اندر تَوَقُّف، تَحَمُّل، بردباری، ضروری غوروفکر سے کام نہیں لے گا بلکہ ہرکام کی انجام دہی میں جلدبازی کا اِرْتِکاب کرے گا، تواس طرح ضرورلَغزِش[2] کھائے گااور کھانے پینے کے معاملے میں بھی یہی جلد بازی کا وَطِیْرہ[3] اختیار کرے گا اس طرح بعض اوقات حرام غذا بھی پیٹ میں ڈال لے گا تواس جلد بازی اورعُجلت کے باعث اس کا وَرَع فوت ہوجائے گااوراس عبادت وبندگی میں کوئی خوبی نہیں جس میں وَرَع ملحوظ نہ ہو، توجس آفت کے باعث انسان مَراتِب ومَنازِلِ خیر سے رہ جائے، اپنی ضروری حاجات کے حاصل کرنے میں محروم رہے، اپنے آپ اور دوسرے مسلمانوں کی ہلاکت کاباعث بنے اورپھروَرَع کے فوت ہونے کابھی خطرہ ہوجومقصودِعبادت ہےتوایسی آفت کااِزالہ اوراِزالہ کے بعداِصلاحِ نَفْس نہایت ضروری ہے۔ وَاللّٰہُ وَلِیُّ التَّوْفِیْقِ بِمَنِّہٖ وَفَضْلِہٖ

کِبْر کا بیان[4]

کِبْرایک ایسی آفت ہے جونیکی کانام ونشان ہی مٹادیتی ہے، کیاتم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سُنا:

---

[1] ……پرہیزگاری۔ [2] ……خطا۔ [3] ……انداز۔ [4] ……تکبر کے بارے میں مزید معلومات کے لئے "مکتبۃ المدینہ" کی مطبوعہ کتاب "تکبر" کا مطالعہ کیجئے۔

اَبٰى وَ اسْتَكْبَرَ ٚ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ (۳۴) (1)
(اِبلیس نے) انکار اور تکبُّر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔

اَعمال اور فُرُوعَاتِ دِینِیَّہ کو نقصان دینے والی تمام آفات اتنی مُضِر اور خراب نہیں جتنا کِبْر ہے کیونکہ یہ تو اَصل بنیاد (دین) اور اِعتِقاد میں خَلَل انداز ہوتا ہے اور جب یہ مَرَضِ کِبْر بڑھ جاتا ہے تو اس کا علاج مشکل ہو جاتا ہے اور پھر اس سے اور ہزاروں طرح کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں، چار خرابیاں تو ضرور پیدا ہوتی ہیں: ایک حق سے محروم ہو جانا، دل کا اللہ تعالیٰ کی آیاتِ مَعْرِفَت سے اندھا ہو جانا اور اَحکامِ خداوندی کے فَہم کے متعلق ذہن کا کُند ہو جانا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَكَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ (2)
میں عنقریب اپنی آیات کے فَہم سے ان لوگوں کو پھیر دوں گا جو ناحق تکبُّر کرتے ہیں۔

دوسری جگہ فرمایا:

كَذٰلِكَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ (۳۵) (3)
اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر مُتَکَبِّر اور سرکش کے دل پر مُہر لگا دیتا ہے۔

تکبُّر سے دوسری خرابی یہ پیدا ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تکبُّر کرنے والے پر غَضَب فرماتا ہے اور اس سے ناراض ہو جاتا ہے، چنانچہ فرمایا:

---

1 ...... ترجمۂ کنز الایمان: مُنکر ہوا اور غرور کیا اور کافر ہو گیا۔ (پ ۱، البقرۃ: ۳۴)

2 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اور میں اپنی آیتوں سے انہیں پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق اپنی بڑائی چاہتے ہیں۔ (پ ۹، الاعراف: ۱۴۶)

3 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اللہ یوں ہی مُہر کر دیتا ہے مُتَکَبِّر سرکش کے سارے دل پر۔ (پ ۲۴، المؤمن: ۳۵)

اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِیْنَ ﴿۲۳﴾[1] بے شک اللہ تعالیٰ مُتکبِّر لوگوں کو دوست نہیں رکھتا۔

مروی ہے کہ حضرت موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام نے اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا: اے خدائے قُدُّوس! تو سب سے زیادہ کس پر ناراض ہوتا ہے؟ تو اللّٰہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ تَكَبَّرَ قَلْبُهٗ وَ غَلُظَ لِسَانُهٗ وَ صَفِقَ عَیْنُهٗ وَ بَخِلَتْ یَدُهٗ وَ سَاءَ خُلُقُهٗ۔ جس کے دل میں تکبُّر ہو، جس کی زبان تُرش[2] ہو، جس کی آنکھوں میں حیا نہ ہو، جس کے ہاتھ بَخِیل ہوں اور جو بداَخلاق ہو۔

تکبُّر سے پیدا ہونے والی تیسری خرابی دنیا وآخرت میں ذِلّت وخواری ہے، حضرت حاتم اَصَم رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ نے فرمایا ہے:

"اِجْتَنِبْ اَنْ یُّدْرِكَكَ الْمَوْتُ عَلٰی ثَلَاثَةٍ عَلَی الْكِبْرِ وَ الْحِرْصِ وَ الْخُیَلَاءِ فَاِنَّ الْمُتَكَبِّرَ لَا یُخْرِجُهُ اللّٰهُ مِنَ الدُّنْیَا حَتّٰی یُرِیَهُ الْهَوَانَ مِنْ اَرْذَلِ اَهْلِهٖ وَ خَدَمِهٖ وَ الْحَرِیْصُ لَا یُخْرِجُهُ اللّٰهُ تَعَالٰی مِنَ الدُّنْیَا حَتّٰی یُحْوِجَهُ اِلٰی كِسْرَةٍ اَوْ شَرْبَةٍ وَ لَا یَجِدُ مَسَاغًا وَ الْمُخْتَالُ لَا یُخْرِجُهُ اللّٰهُ تَعَالٰی حَتّٰی یُمَرِّغَهٗ بِبَوْلِهٖ وَ قَذَرِهٖ" تین حالتوں پر موت آنے سے بچ، تکبُّر پر، حرص پر، شیخی[3] پر، اس لیے کہ مُتکبِّر شخص کو اللہ تعالیٰ اس وقت تک موت نہیں دیتا جب تک اسے اپنے رَذِیل اَہل وعیال اور خادموں سے ذلیل وخوار نہ کر لے اور حریص کو اس وقت تک موت نہیں دیتا جب تک اُسے روٹی کے ایک ٹکڑے اور پانی کے ایک

---

1 ......ترجمۂ کنز الایمان: بیشک وہ مغروروں کو پسند نہیں فرماتا۔ (پ ۱۴، النحل: ۲۳)

2 ......کڑوی۔ 3 ......گھمنڈ کرنے۔

گھونٹ کے لیے نہ ترسا لے، اور شیخی بگھارنے والے کو اس وقت تک موت نہیں دیتا جب تک اسے اس کے بَول و پیشاب میں آلودگی کی ذِلّت نہ دکھائے۔

رِوَایات میں یہ بھی آیا ہے کہ مُتکبِّر کو اللہ تعالیٰ ضرور ذلیل و خوار کرتا ہے۔

مُتکبِّر شخص پر چوتھی مصیبت و آفت یہ ٹوٹتی ہے کہ وہ آخرت میں دوزخ کی آگ میں جلے گا، ایک حدیثِ قُدسی میں یوں وارِد ہوا ہے:

"اَلْکِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ وَ الْعَظَمَۃُ اِزَارِیْ فَمَنْ نَازَعَنِیْ فِیْ وَاحِدٍ مِنْھُمَا اَدْخَلْتُہٗ نَارَ جَھَنَّمَ"[1] بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میری اِزار ہے، تو جو شخص ان دونوں میں سے کوئی ایک بھی مجھ سے لینے کی کوشش کرے گا میں اسے نارِ دوزخ میں داخل کروں گا۔

مطلب یہ ہے کہ بڑائی اور عظمت اللہ تعالیٰ کی صِفاتِ مُختَصَّہ[2] میں سے ہیں کسی دوسرے کو لائق نہیں تو جو چیز تم سے خدا تعالیٰ کی مَعْرِفت زائل کرے، اَحکامِ خداوندی کے فہم سے محروم کرے (جو تمام نیکیوں کا اَصل ہے) پھر جس کے باعث اللہ تعالیٰ ناراض ہو، دنیا میں ذِلّت و خواری اور آخرت میں عذابِ دوزخ حصہ میں آئے، ایسی خطرناک اور مُہلِک آفت سے بچنا اور دور رہنا نہایت ضروری ہے، کسی عقلمند کو زیبا نہیں کہ ایسی نقصان دہ چیز سے غفلت برتے بلکہ اس سے پرہیز کرکے اور اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آکر اس سے اپنے آپ کو بچائے۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی وَلِیُّ الْعِصْمَۃِ وَ التَّوْفِیْقِ بِمَنِّہٖ۔

یہ ان آفاتِ اَرْبَعَہ[3] کی تفصیل کا کچھ حصہ ہے اور عقلمند آدمی جو اپنے قلب

---

1 ......مسند امام احمد، مسند ابی ھریرۃ، ۳/۳۱٤، حدیث: ۸۹۰۳، دون لفظ "نار"۔

2 ......ایسی صفات ہیں جو اسی کے ساتھ خاص ہیں اور اسی کو زیب دیتی ہیں۔ 3 ......چار آفتوں۔

کی اِصلاح کی اہمیت کو جانتا ہے اس کے نزدیک تو ان آفاتِ اَرْبَعَہ میں سے ہر ایک آفت بھی نہایت نہایت خطرناک ہے۔ وَ اللّٰہُ الْمُوَفِّق۔

سوال: جب آفات واَمْرَاضِ قلب کی نَزاکت اور خطرے کا یہ عالم ہے اور جب ان سے بچنا اس قدر ضروری ہے، اور جب ہمارے لیے ان آفات کی حقیقت و ماہیَّت سے واقِف ہونا نہایت ضروری ہے تو اَزْ راہِ مہربانی ان کی حقیقت اور تفصیل بیان کیجئے اور وہ تَدَابِیْر اور راستے بھی بتایئے جن کو اختیار کر کے ہم ان سے محفوظ رہ سکیں۔

جواب: ان آفات واَمْرَاض کا پورا بیان بڑی طویل وعَرِیْض تفصیل چاہتا ہے، ہم نے ان کی پوری تفصیلات ''اِحْیَاءُ الْعُلُوْم'' اور ''اَسرارِ مُعاملاتِ دین'' میں لکھ دی ہیں اور اس کتاب میں ہم صرف ضروری گفتگو پر ہی کفایت کریں گے۔

وَ بِاللّٰہِ التَّوْفِیْق۔

اَمَل (1) کی حقیقت کا بیان (2)

ہمارے اکثر علماء کرام (رَحِمَہُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی) نے فرمایا ہے کہ اَمَل اِس پختہ خیال کا نام ہے کہ میں تا دیر زندہ رہوں گا اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ دل میں یہ بات جا گُزِیں ہو کہ میری زندگی اور حیات اللّٰہ تعالیٰ کی مَشِیَّت وعلم کے ساتھ وابستہ ہے اور اس دنیا میں مجھے نیک کام کرنے کے لیے رہنا چاہیے تو اس طرح کی نِیَّت اور عَزْم و

(1)......لمبی امیدوں۔

(2)......دُنْیَوِی اُمیدوں سے بے رغبتی کے بارے میں مزید معلومات کے لئے ''مکتبۃ المدینہ'' کی مطبوعہ کتاب ''دنیا سے بے رغبتی اور امیدوں کی کمی'' کا مطالعہ بھی کیجئے۔

اِرادے کا نام قَصْرِ اَمَل ہے یعنی اُمیدوں کو کوتاہ[1] رکھنا، تو جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ مجھے اس سانس کے بعد دوسرے سانس کا ضرور موقع ملے گا، یا آنے والی گھڑی تک میں ضرور زندہ رہوں گا تو ایسے شخص کو آمِل کہیں گے یعنی لمبی اُمیدوں میں گرفتار۔ ایسا عقیدہ اور خیال گناہ ہے کیونکہ یہ ایک پوشیدہ معاملے پر حکم لگانا ہے لیکن اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی مَشِیَّت سے مُقَیَّد کرے اور یوں کہے کہ میں اِنْ شَآءَ اللّٰہ زندہ رہوں گا، یا اللہ تعالیٰ کے علم میں اگر میری زندگی باقی ہے تو میں زندہ رہوں گا، تو ایسے شخص کو آمِل نہیں کہتے بلکہ ایسے شخص کو تارِکِ اَمَل[2] کہا جائے گا، یوں ہی اگر کوئی نیک اِرادوں کے ساتھ ایسی اُمید رکھے تو اسے طُولِ اَمَل میں گرفتار نہیں کہیں گے بلکہ ایسا شخص قَاصِرُ الْاَمَل (اُمیدیں کوتاہ رکھنے والا) کہلائے گا کیونکہ ایسا شخص کسی معاملے میں بھی کوئی قَطْعی فیصلہ نہیں کر رہا۔ تم بھی یہی رَوِش اختیار کرو اور ہر وقت طُولِ اَمَل کے نتائج و عَوَاقِبِ بد[3] کو پیشِ نظر رکھو، اور دل کو اُمیدیں کوتاہ رکھنے پر مضبوط اور قائم رکھو۔

پھر اُمید دو قسم ہے:

(۱) عام لوگوں کی اُمیدیں اور (۲) خاص لوگوں کی اُمیدیں۔

عام لوگوں کی امیدیں یہ ہیں: سامانِ دنیا جمع کرنے کے لیے زندگی کی آرزو، اور یہاں طویلِ عمر تک زندہ رہنے کا اِرادہ اور پروگرام، اس طرح کی اُمیدیں سراسر گناہ ہیں اس کے برعکس ثواب یہ ہے کہ انسان دنیا سے متعلق معاملات میں اپنی اُمیدیں کوتاہ کرے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

---

1 ......کم۔ 2 ......اُمیدوں کو ترک کرنے والا۔ 3 ......بُرے نتائج۔

ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۳﴾ [1]

آپ ان غافل لوگوں کو ان کے حال پر رہنے دیں کہ کھائیں، سامانِ زیست سے نَفْع اُٹھائیں اور دُنیوی آرزوؤں اور اُمیدوں کی غفلت میں پڑے رہیں تو انہیں عنقریب اپنے طرزِ زندگی کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔

اور خاص قسم کی اُمید یہ ہے کہ انسان ایسے نیک کاموں کی بجا آوری کے لیے دنیا میں رہنے کی آس و اُمید لگائے جن میں خطرے کا اندیشہ ہو اور دُرُستی کی اُمید کم ہو، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک مُعَیَّن نیکی اس کے سامنے ہوتی ہے لیکن اسے بجا لانے کی اس میں صلاحیت اور اِستِعْدَاد نہیں ہوتی وہ اس طرح کہ اسے عمل میں لانے کی صورت میں انسان عُجب یا رِیا میں پڑ جاتا ہے اور اس نیکی کا اجر و ثواب محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ اسی لیے یہ درست نہیں کہ جب انسان نماز یا روزہ یا کوئی اور نیک کام شروع کرے تو وہ دل میں یہ یقین اور اِعْتِقاد رکھے کہ میں اسے ضرور پورا کروں گا کیونکہ یہ ایک پوشیدہ چیز پر حکم لگانا ہے جو درست نہیں اس قسم کا کوئی قَطْعی اِرادہ کر لینا بندے کے لیے رَوا نہیں بلکہ درست بات یہ ہے کہ ہر نیک کام شروع کرتے وقت یہ خیال کرے کہ اگر یہ کام میرے لائق اور میرے حق میں بہتر ہو تو خدا تعالیٰ مجھے اسے کرنے کی توفیق و ہمت دے یا میں اس کام کو اِنْ شَآءَ اللّٰہ تعالیٰ پورا کروں گا یا یہ اِعْتِقاد رکھے کہ میں اس کام کو اسی صورت میں پورا کر سکتا

[1] ......ترجمۂ کنز الایمان: انہیں چھوڑو کہ کھائیں اور برتیں اور اُمید انہیں کھیل میں ڈالے تو اب جانا چاہتے ہیں۔ (پ۱۴، الحجر:۳)

ہوں اگر اللہ تعالیٰ کی مَشِیَّت ہو، یہ قُیُود وشَرائِط اس لیے ملحوظ رکھے تا کہ دَرازِی اُمید کے عیب سے بچ سکے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے حبیب پاک عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام کو حکم دیا:

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ۫ (1)

اس طرح ہرگز نہ کہنا کہ یہ کام میں کل ضرور کروں گا بلکہ یوں کہو اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو میں یہ کام کروں گا۔

علماء کرام رَحِمَہُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا ہے کہ طُولِ اَمَل کے مقابلہ میں مَجازِی طور پر نِیَّتِ مَحْمُوْدَہ (2) کو قرار دیا گیا ہے کیونکہ نِیَّتِ مَحْمُوْدَہ والا انسان عموماً طُولِ اَمَل (3) سے بچا ہوتا ہے، چونکہ نِیَّتِ مَحْمُوْدَہ کی بہت ضرورت ہے اور اس کی مَعْرِفَت اور پہچان کے بغیر چارہ نہیں اس لیے علماء کرام رَحِمَہُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اس کی ایک جامع اور مناسب تعریف بیان کی ہے اور وہ تعریف یہ ہے:

کسی نیک کام کو شروع کرنے کا پختہ اِرادہ کرنا اور ساتھ یہ اِعْتِقاد بھی رکھنا کہ اس کا اِتمام واِختتام اللہ تعالیٰ کی مرضی اور مَشِیَّت سے ہے۔

سوال: کام شروع کرنے کا اِرادہ تو پختہ کیا جائے مگر پھر اس کے اِختتام واِتمام کو خدا تعالیٰ کی مَشِیَّت ومرضی پر موقوف کرنا کیوں ضروری ہے، جب کہ اس کا اِتمام خدا تعالیٰ کی مَشِیَّت ومرضی پر موقوف ہے تو چاہیے کہ آغازِ کام کے وقت بھی خدا کی

---

1 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اور ہرگز کسی بات کو نہ کہنا کہ میں کل یہ کردوں گا مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ (پ ۱۵، الکھف: ۲۳۔۲۴)

2 ...... اچھی نیت۔ 3 ...... لمبی اُمیدوں۔

مَشِیَّت ہی ملحوظ رہے نہ کہ اپنی طرف سے پختہ اِرادہ کرلیا جائے۔

جواب: آغازِ کام میں پختہ اِرادہ کرلینا اس لیے درست اور رَوا ہے کہ اس وقت کام وجود میں نہیں آیا ہوتا لہٰذا ابتداء میں رِیا اور عُجب وغیرہ کا خطرہ نہیں مگر اِتمام و اِختتام کے وقت چونکہ کام اور فِعْل کا وجود ہے اس لیے اس وقت دو خطرے ہیں ایک یہ کہ شاید یہ کام مجھ سے اِتمام و اِختتام کے آخری نقطے تک پہنچتا ہے یا نہیں، دوسرا یہ کہ درمیان میں رِیا اور عُجب لاحق ہو جائے اور وہ عمل برباد ہو جائے، اس لیے اس کے اچھے اِتمام کے لیے اِنْ شَآءَ اللّٰه کہنا اور اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنا ضروری ہے، اِنْ شَآءَ اللّٰه تو اس لیے کہ یہ کام منزلِ تکمیل تک پہنچے اور اللہ کے حوالے اسے اس لیے کرے تاکہ رِیا و عُجب وغیرہ آفات سے محفوظ رہ سکے، ہر عملِ خیر کے لیے اس قسم کے اِرادے کا نام نِیَّتِ مَحْمُوْدَہ ہے، اس مضمون کو خوب غور سے سمجھو۔

اے عزیز! جان لے کہ اُمیدیں کوتاہ رکھنے کا قَلْعَہ موت کی یاد ہے اور موت کو یاد رکھنے کا ذریعہ اچانک موت آجانے کا خیال ہے نیز یہ خیال رکھنا کہ موت کہیں غفلت، بے خبری اور غرور کی حالت میں نہ آجائے اس بیان کا ذہن نشین رہنا بہت ضروری ہے تاکہ تمہارا وقتِ عزیز فُضول قِیْل وقال اور گپ بازی[1] میں نہ گزرے اور لوگوں سے بے مقصد میل و ملاقات کی وجہ سے ضائع نہ ہو۔

وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ بِفَضْلِهٖ

---

1 ……فضول باتوں۔

حسد کی حقیقت کا بیان[1]

اپنے مسلمان بھائی سے ایسی نعمت چھن جانے کے اِرادے کا نام حَسَد ہے جس میں اس مسلمان کے لیے بہتری اور بھلائی ہو، اور اگر چھن جانے کا اِرادہ نہ ہو بلکہ یہ اِرادہ ہو کہ ایسی ہی نعمت مجھے بھی مل جائے تو یہ حَسَد نہیں بلکہ اسے غِبْطَہ[2] کہتے ہیں اور حضور عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام کے اس قول میں کہ

''حَسَد جائز نہیں مگر دو چیزوں میں۔''[3] حَسَد سے مراد غِبْطَہ ہے، آپ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) نے مَجَازًا غِبطہ کو حَسَد سے تَعْبِیر کر دیا کیونکہ دونوں معنی کے لحاظ سے قریب ہیں۔

اور اگر ایسی نعمت کے زَوال کا اِرادہ ہو جس میں مسلمان کے لیے بہتری نہ ہو تو ایسے اِرادے کا نام ''غیرت'' ہے، حَسَد، غِبْطَہ اور غیرت میں یہی فرق ہے جو ہم نے بیان کر دیا ہے۔

حَسَد کے مقابلہ میں ''نصیحت'' ہے۔ مسلمان کے لیے ایسی نعمت کے باقی رہنے کے خیال کا نام نصیحت ہے۔

سوال: ہم کیسے جان سکتے ہیں کہ مسلمان کے لیے اس نعمت میں بھلائی ہے؟ تا کہ اس سے نصیحت کا اِظہار کریں یا حَسَد کریں۔

---

1 ...... حسد کے بارے میں مزید معلومات کے لئے ''مکتبۃ المدینہ'' کی مطبوعہ کتاب ''حسد'' کا مطالعہ بھی کیجئے۔ 2 ...... دوسرے کو جو نعمت ملی ویسی مجھے بھی مل جائے اور یہ آرزو نہ ہو کہ اسے نہ ملتی یا اس سے جاتی رہے اور حسد میں یہ آرزو ہوتی ہے، اسی وجہ سے حسد مذموم ہے اور غبطہ مذموم نہیں۔ (بہارِ شریعت، حصہ ۱۶، ۳/ ۵۴۱)

3 ...... صحیح البخاری، کتاب العلم، باب الاغتباط فی العلم والحکمۃ، ۱/ ٤٣، حدیث: ۷۳۔

جواب: بسا اوقات ہمیں ظنِّ غالب ہوتا ہے کہ اس کام میں مسلمان کے لیے بھلائی ہے، ایسی صورت میں نصیحت پر عمل کرنا چاہیے اور حسد سے بچنا چاہیے اور اگر اُس نعمت کی بھلائی اور بہتری مُشتَبہ ہو تو اس کے زَوال یا بقاء کا اِرادہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ اُسے اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی مَشِیَّت کے سپرد کرنا چاہیے تاکہ حسد سے پرہیز اور نصیحت پر عمل ہو سکے۔

حسد سے دور رکھنے والی چیز (نصیحت اور خیر خواہی) کے جذبے کو برقرار رکھنے کی صورت یہ ہے کہ انسان مسلمانوں کے ساتھ دوستی اور مَوالات[1] کی تاکیدات کو یاد کرے جو اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وارِد ہو چکی ہیں، اور اس یاد کو پختہ کرنے والی چیز یہ ہے کہ انسان مومن بھائی کے حقوق کا تصور کرے، اس کے مرتبے کی بلندی اور اس کے مال کی حرمت جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے نگاہ میں رکھے اور مومن کی ان بزرگیوں اور عظمتوں کا تصور کرے جو آخرت میں اللہ تعالیٰ اس کو عطا کرے گا اور اس بات کا خیال کرے کہ مجھے دنیا میں مومنین کے ساتھ تعاون، ان کی مدد، اور ان کے ساتھ جُمُعَہ و جماعات میں شرکت کے اندر کیا کیا عظیم فائدے ہیں پھر اہلِ ایمان کے ساتھ تعاون اور ان کی اِمداد کا ایک فائدہ یہ ہے کہ وہ آخرت میں تمہاری شفاعت کریں گے۔

تو اس قسم کے خیالات وتصورات انسان کو اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کے ساتھ خیر خواہی پر اُبھارتے ہیں اور حسد سے بچاتے ہیں۔

(وَاللّٰهُ وَلِيُّ التَّوْفِيْقِ بِفَضْلِهٖ)

---

1 ...... میل جول۔

عُجْلَت یعنی جلد بازی کی حقیقت

عُجْلَت دراصل دل میں ایک موجود قائم معنی کا نام ہے جو انسان کو بے سوچے سمجھے اور بلا غور و فکر کام کرنے پر آمادہ کرتا ہے اور عمل میں جلد بازی کا باعث بنتا ہے اور اس عُجْلَت کے مقابل وَصْفِ اَنَاءَت ہے یعنی تَحَمُّل و بُردباری سے کام کرنا، اور اَنَاءَت دل میں موجود ایک ایسے معنی کا نام ہے جو بندے کے کاموں میں احتیاط، غور و فکر اور تَحَمُّل و بُردباری پیدا کرتا ہے، اور تَوَقُّف کی ضد اور مُقابِل وَصْفِ تَعَسُّف ہے یعنی بے سوچے سمجھے کام شروع کر دینا۔

میرے شیخ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے تَوَقُّف و اَنَاءَت میں یہ فرق بتایا ہے کہ کام شروع کرنے سے قبل اس کے متعلق غور و فکر اور سوچ و بچار کرنے کو تَوَقُّف کہتے ہیں اور کام شروع کر کے اس میں آہستگی اختیار کرنے کو تاکہ کام بہتر طریقہ سے انجام کو پہنچے اَنَاءَت کہتے ہیں۔

پھر اَنَاءَت اور تَحَمُّل پیدا ہونے کا یہ طریقہ ہے کہ انسان جلد بازی کی آفات اور نقصانات و خرابیوں کو خیال میں حاضر کرے اور تَعَسُّف یعنی بے سوچے کام کرنے اور جلد بازی کرنے سے جو ندامت و ملامت ہو گی اسے ذہن میں لائے اس طرح کرنے سے ضرور اِنْ شَآءَ اللّٰہ بندے میں تَوَقُّف و تَحَمُّل کی صفت پیدا ہو گی نیز تَعَسُّف و عُجلت سے بھی نجات حاصل ہو گی۔ وَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَلِیُّ الْعِصْمَۃِ

کِبْر کی حقیقت

نَفْس کی بلندی و عظمت کے خیال کو کِبْر کہتے ہیں، اس خیال سے تَکَبُّر پیدا

ہوتا ہے اور اپنے آپ کو حقیر و کمتر خیال کرنے کا نام فَرُوتَنی ہے اور فَرُوتَنی سے تَواضُع پیدا ہوتی ہے پھر تَواضُع و تَکَبُّر ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں:

﴾1﴿ تَواضُعِ عام ﴾2﴿ تَواضُعِ خاص

﴾1﴿ تکبُّرِ عام ﴾2﴿ تکبُّرِ خاص

تَواضُعِ عام تو یہ ہے کہ بندہ معمولی حیثیت کے لباس، مقام رہائش اور سواری پر اِکتِفاء کرے اور تکبُّرِ عام یہ ہے کہ انسان معمولی نوعیت کے لباس مکان اور سواری وغیرہ پر اِکتِفا نہ کرے بلکہ اس میں بلند وارْفَع حیثیت کا طلب گار ہو، اور تَواضُعِ خاص یہ ہے کہ ہر دَرَجے کا انسان اپنے نَفْس کو حق کے تابع کرنے کی کوشش کرے اور تکبُّرِ خاص یہ ہے کہ اس طرح کی کوشش نہ کرے ایسا تکبُّر گناہ کبیرہ و مَعْصِیت ہے۔

اور تَواضُعِ عام کو اپنے اندر مضبوط و مُسْتَحْکَم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بندہ اپنی ابتدائی حالت، پیدائش، موت اور اس موجودہ وقت کی پریشانیوں اور آلودگیوں کو یاد کرے، ایک بُزُرگ (رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْه) کا ارشاد ہے:

"اَوَّلُكَ نُطْفَةٌ مَذِرَةٌ وَ اٰخِرُكَ جِيفَةٌ قَذِرَةٌ وَ اَنْتَ فِيمَا بَيْنَهُمَا حَامِلُ الْعَذِرَةِ" تیری اِبتدا تو رَحِم میں پڑا ہوا قطرہ ہے اور تیری اِنتہا ناپاک مردار ہے اور اس وقت تو ان دو حالتوں کے درمیان اپنے پیٹ میں پاخانے کا بوجھ اٹھائے پھرتا ہے۔

تَواضُعِ خاص کو مُسْتَحْکَم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بندہ حق سے عُدُول کرنے اور باطن میں مُنْہَمِک ہونے والے شخص کے انجام اور اس کے عذاب و سزا کو یاد کرے، ایک صاحبِ بَصیرت انسان کے لیے آفاتِ قلب پر مُطَّلع ہونے کے لیے اس قدر وضاحت اور بیان کافی ہے۔ وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ وَلِيُّ التَّوْفِيقِ

پانچویں فصل: شِکَم (1) کی حفاظت کے بیان میں

اے طالِبِ عبادت! تجھ پر اپنے شِکَم کی حفاظت بھی لازم وضروری ہے، پیٹ کی اِصلاح اور حفاظت ایک نہایت اَمْر مشکل ہے لہٰذا اس کی اِصلاح وحفاظت کے لیے زیادہ محنت ومُشَقَّت کی ضرورت ہے اس کے بگاڑ کا اثر بہت گہرا اور اس کی خرابی کا نقصان بہت زیادہ ہے کیونکہ یہ تمام جسمانی قوتوں کا مَنبَع اور مَعْدِن (2) ہے، اسی شِکَم سے ہی جسم میں کمزوری یا قوت، عِفَّت یا سرکشی وغیرہ کا ظہور ہوتا ہے، اسلئے اگر تم صحیح اور بامقصد عبادت کا عَزْم واِرادہ اپنے اندر پیدا کرنا چاہتے ہو تو تم پر حرام غذا، شُبہ کے کھانے اور فضول حلال سے اپنے پیٹ کی حفاظت نہایت ضروری ہے۔

حرام اور شُبہ کی چیزوں سے تین وجہ سے بچنا ضروری ہے:

اوّل: دوزخ کی آگ سے محفوظ رہنے کے لیے ہے اللّٰہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًاؕ-وَ سَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا۠ (3)

جو لوگ یتیموں کا مال ظلم کے طریقوں سے کھاتے ہیں ایسے لوگ بیشک اپنے شِکموں میں آگ جھونک رہے ہیں اور عنقریب بھڑکتی ہوئی آگ (نارِ دوزخ) میں داخل ہوں گے۔

---

1 ...... پیٹ۔ بھوک کے مزید فضائل جاننے کے لیے شیخِ طریقت، امیرِ اہلسنّت، بانیِ دعوتِ اسلامی، حضرت علامہ مولانا ابوبلال، محمد الیاس عطّار قادِری رضوی، ضیائی دامت برکاتہم العالیہ کی مایہ ناز تالیف ''پیٹ کا قفلِ مدینہ'' کا مطالعہ کیجئے۔

2 ...... سرچشمہ۔

3 ...... ترجمۂ کنز الایمان: وہ جو یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ تو اپنے پیٹ میں نِری آگ بھرتے ہیں اور کوئی دم جاتا ہے کہ بھڑکتے دھڑے (بھڑکتی آگ) میں جائیں گے۔ (پ ٤، النساء: ١٠)

حضور نبی کریم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسْلِیْم نے فرمایا:

"کُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ فَالنَّارُ اَوْلٰی بِہٖ"(1) جو گوشت غذائے حرام سے تیار ہوا ہو اس کے لیے آگ میں جلنا ہی بہتر ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ حرام اور شُبہ کی غذا کھانے والا مردود بارگاہِ خداوندی ہے، ایسے شخص کو رب تعالیٰ کی صحیح اور کارآمد عبادت کی توفیق نصیب نہیں ہوتی کیونکہ ایک پاک اور طاہر انسان ہی اللہ تعالیٰ کی خدمت (2) کے لائق اور سزاوار ہے، میں کہتا ہوں: کیا اللہ تعالیٰ نے ایک جُنُبی (3) انسان کو اپنے گھر یعنی مسجد میں داخل ہونے اور بے وضو شخص کو قرآن مجید کو چھونے اور ہاتھ لگانے سے منع نہیں کیا؟ ضرور منع کیا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا:

وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا ؕ (4) مجبوراً راستہ عُبور کرنے والے شخص کے علاوہ کسی جُنُبی شخص کو نہائے بغیر مسجد میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں۔

دوسری جگہ فرمایا:

لَّا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ؕ (5) اس مُقدّس کتاب (قرآن) کو ہاتھ نہ لگائیں مگر باوضو لوگ۔

---

1 ......المعجم الاوسط، ۳ / ۲۴۶، حدیث: ۴۴۸۰۔

2 ......عبادت۔ 3 ......جس پر غسل فرض ہو۔

4 ......ترجمۂ کنز الایمان: اور نہ ناپاکی کی حالت میں بے نہائے مگر مسافری میں۔ (پ۵، النساء: ۴۳)

5 ......ترجمۂ کنز الایمان: اسے نہ چھوئیں مگر باوضو۔ (پ۲۷، الواقعۃ: ۷۹)

جُنبی اور بے وضو ہونا شَرْعاً مُباح ہے، تو غور کرو جب ایک مُباح اَمْر کی وجہ سے مسجد میں قدم رکھنا یا قرآن کریم کو ہاتھ لگانا منع اور نا رَوا ہے تو وہ شخص مسجد میں کیسے آسکتا ہے جو حرام اور شُبہ کی نجاست سے آلودہ ہے اور ایسا شخص کس طرح رب تعالیٰ کی خدمت گزاری[1] کا دعویٰ کرسکتا ہے، یا اس کے ذکر اور اس کی یاد سے لُطف اندوز ہوسکتا ہے ایسے شخص کو یہ توفیق نصیب نہیں ہوسکتی۔

حضرت یحییٰ بن مُعاذ رازی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْه نے فرمایا ہے کہ

"اَلطَّاعَةُ مَخْزُوْنَةٌ مِنْ خَزَائِنِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَ مِفْتَاحُهَا الدُّعَاءُ وَ اَسْنَانُهُ الْحَلَالُ فَاِذَا لَمْ يَكُنْ لِلْمِفْتَاحِ اَسْنَانٌ فَلَا يَنْفَتِحُ الْبَابُ وَ اِذَا لَمْ يَنْفَتِحْ بَابُ الْخَزَانَةِ كَيْفَ يَصِلُ اِلٰى مَا فِيْهَا مِنَ الطَّاعَةِ" اِطاعت اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے اور اس خزانے کی چابی دعا ہے اور چابی کے دَندانے رزقِ حلال ہے تو جب چابی کے دَندانے نہ ہوں تو دروازہ نہیں کُھل سکتا اور جب تک دروازہ نہ کُھلے خزانے تک پہنچنا ناممکن ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ حرام اور شُبہ کی غذا کھانے والا شخص نیک کام کرنے سے محروم ہوتا ہے اور اگر اِتفاقاً کوئی کارِ خیر اس سے ہوجائے تو وہ عِنْدَ اللّٰہ[2] مقبول و منظور نہیں ہوتا بلکہ رَد کردیا جاتا ہے تو ایسا شخص نیک کام کی اَنجام دہی میں جو وقت اور قوت صَرْف کرتا ہے اس سے بے فائدہ مَشَقَّت، فضول رنج و محنت اور وقت ضائع کرنے کے سوا اس کو کچھ حاصل نہیں ہوتا، حضور نبی کریم عَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالتَّسْلِیْم کا ارشاد گرامی ہے:

1 ......عبادت گزاری۔ 2 ......اللہ تعالیٰ کے نزدیک۔

"كَمْ مِنْ قَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ قِيَامِهِ اِلَّا السَّهْرُ وَ كَمْ مِنْ صَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ صِيَامِهِ اِلَّا الْجُوْعُ وَ الظَّمَأُ"[1] بہت سے رات عبادت میں کاٹنے والے ایسے ہوتے ہیں جن کو بیداری کی مَشَقَّت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا اور بہت سے روزہ دار ایسے ہوتے ہیں جن کو دن بھر کے روزے سے سوا بھوک اور پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

حضرت ابنِ عباس رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا سے رِوَایت ہے:

"لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ صَلٰوةَ امْرِءٍ فِيْ جَوْفِهِ حَرَامٌ" اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی نماز قبول نہیں کرتا جس کے شکم میں غذائے حرام پڑی ہو۔

باقی رہا فضول اور ضرورت سے زائد حلال تو اس کا اِستعمال بھی بندوں کے لیے آفت اور اہلِ مُجَاهَدَه کے لیے بلا ہے مجھے اس میں غور کرنے سے دس آفتیں معلوم ہوئی ہیں جن کو اُصول کی حیثیت دی جاسکتی ہے:

پہلی آفت:

حلال طعام زیادہ کھانے سے قَسَاوَتِ قَلْبِی[2] پیدا ہوتی ہے اور نور زائل ہو جاتا ہے، نبی کریم عَلَيْهِ وَ عَلٰى اٰلِهٖ اَلْفُ اَلْفِ صَلٰوةٍ وَّ تَسْلِيْمٍ سے مروی ہے کہ آپ (صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم) نے فرمایا:

"لَا تُمِيْتُوا الْقَلْبَ بِكَثْرَةِ الطَّعَامِ وَ الشَّرَابِ فَاِنَّ الْقَلْبَ يَمُوْتُ كَالزَّرْعِ اِذَا كَثُرَ عَلَيْهِ الْمَاءُ"[3] حاجت اور ضرورت سے زیادہ کھانے پینے سے گُرِیز کرو کیونکہ اس سے دل

1 ......سنن الدارمی، کتاب الرقاق، باب فی المحافظة علی الصوم، ۲/ ۳۹۰، حدیث ۲۷۲۰، بتقدم وتأخر وبدون لفظ "الجوع"۔ 2 ......دل کی سختی۔

3 ......عمدة القاری، کتاب الاطعمة، باب وقول اللّٰه تعالیٰ: كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ، ۱۴/ ۳۸۵، تحت الحدیث: ۵۳۷۴، بتغیر۔

مُردہ ہوجاتا ہے، جس طرح ضرورت سے زیادہ پانی سے کھیتی تباہ ہوجاتی ہے۔

بعض صَالِحِیْن (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ الْمُبِيْن) نے اس کی مثال یوں دی ہے کہ مِعْدَہ دل کے نیچے ایک اُبلتی ہوئی ہنڈیا کی طرح ہے تو مِعْدَہ سے بُخارات دل کو چڑھتے ہیں اور ان کی وجہ سے دل میلا اور خراب ہوجاتا ہے۔

دوسری آفت:

یہ ہے کہ زیادہ کھانے سے اَعضاء میں فتنہ پیدا ہوتا ہے، فساد برپا کرنے اور بے ہودہ کاموں کی رَغبت پیدا ہوتی ہے کیونکہ جب انسان خوب پیٹ بھر کر کھاتا ہے تو اس کے جسم میں تکبُّر اور آنکھوں میں بدنظری کی خواہش پیدا ہوتی ہے، کان بُری باتیں سننے کے مُشتاق[1] ہوتے ہیں، زبان بے ہودہ گوئی[2] پر آمادہ ہوتی ہے، شرمگاہ شَہْوَت رَانی کا تقاضا کرتی ہے اور پاؤں ناجائز مقامات کی طرف حرکت کرنے کے لیے بے قرار ہوتے ہیں اس کے برعکس اگر انسان پیٹ غذا سے پُر نہ کرے بلکہ بھوک باقی رہنے دے تو تمام اَعضاء سکون وآرام اِختیار کریں گے، نہ تو کسی بُرائی کا لالچ کریں گے اور نہ بُرائی کو دیکھ کر مسرور اور خوش ہوں گے، اُستاد ابوجعفر رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْه نے کیا خوب فرمایا ہے:

"اِنَّ الْبَطْنَ عُضْوٌ اِنْ جَاعَ هُوَ شَبِعَ سَائِرُ الْاَعْضَاءِ يَعْنِى تَسْكُنُ فَلَا تُطْلِبُكَ بِشَيْءٍ وَ اِنْ شَبِعَ هُوَ جَاعَ سَائِرُ الْاَعْضَاءِ" شِکَم ایک ایسا عُضْو ہے کہ اگر وہ بھوکا ہو تو جسم کے باقی اَعضاء سیر ہوتے ہیں یعنی سکون پذیر ہوتے ہیں کسی شے کا مطالبہ نہیں کرتے اور اگر شِکَم سیر ہو تو دوسرے اَعضاء بھوکے ہوتے ہیں یعنی مختلف بُرائیوں کی طرف رُجوع کرتے ہیں۔

1 ...... خواہشمند۔ 2 ...... بُری باتوں۔

خلاصہ یہ ہے کہ انسان کے اَفعال واَقوال واَعمال کی اچھائی بُرائی کا اِنحصار غذا پر ہے اگر پیٹ میں حرام غذا جائے گی تو حرام کاموں کی صورت میں ہی برآمد ہوگی اور اگر فضول اور ضرورت سے زیادہ غذا پیٹ میں داخل ہوگی تو وہ فُضولیات کے اِرْتِکاب کی صورت میں ہی برآمد ہوگی، غذا گویا تُخم [1] ہے اور اَفعال واَقوال اس تُخم کا پودا ہیں جو تُخم کے مطابق اُگتا ہے۔

تیسری آفت:

یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ کھانے سے علم وفَہم میں کمی واقع ہوتی ہے کیونکہ شِکَم پُری [2] دانائی اور زِیْرَکی [3] کو ختم کردیتی ہے، حضرت دَارَانی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے بالکل درست فرمایا ہے کہ اگر تو دنیا اور آخرت کی حاجت وضرورت پورا کرنے کا خواہش مند ہے تو خالی پیٹ اسے پورا کرنے کی کوشش کر پیٹ بھر کر کھالینے کے بعد عقل اور فَہم میں فُتُوْر [4] پیدا ہوجائے گا یہ بات ہر تجربہ کار پر ظاہر وواضح ہے۔

چوتھی آفت:

پیٹ بھر کر کھانے سے عبادت میں کمی واقع ہوتی ہے کیونکہ انسان جب خوب سیر ہوکر کھالیتا ہے تو اس کا بدن بوجھل ہوجاتا ہے، آنکھوں میں نیند بھر جاتی ہے اور اَعضاء سُست پڑجاتے ہیں، کوشش کے باوجود کوئی کام نہیں کرسکتا، ہر وقت زمین پر مُردار کی طرح پڑا رہتا ہے، کہا گیا ہے:

"اِذَا کُنْتَ بَطِیْنًا فَعُدَّ نَفْسَكَ زَمِیْنًا" جب تو پیٹو بن جائے تو پھر اپنے آپ کو پابہ زَنجیر [5] سمجھ۔

---

1 ...... بیج۔ 2 ...... پیٹ بھر کر کھانا۔ 3 ...... عقل مندی۔ 4 ...... خرابی۔

5 ...... زنجیر سے پاؤں بندھا ہوا۔

مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت یَحْیٰی عَلَیْہِ السَّلام نے اِبلیس کو دیکھا کہ بہت سے جال اُٹھائے ہوئے ہے، آپ (عَلَیْہِ السَّلام) نے ان کی طرف اشارہ کرکے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ اِبلیس نے جواب دیا: یہ شہوات کے جال ہیں جن سے میں بنی آدم کو شکار کرتا ہوں، آپ (عَلَیْہِ السَّلام) نے پوچھا: کیا مجھے پھانسنے کے لیے بھی ان میں سے کوئی جال ہے؟ تو اُس نے کہا: نہیں، صرف ایک رات آپ نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا تو میں نے اس رات آپ پر نماز کو بھاری کردیا، یَحْیٰی عَلَیْہِ السَّلام نے یہ سن کر فرمایا: ''قسم خدا کی! آئندہ میں کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھاؤں گا۔'' تو ابلیس نے کہا: ''میں بھی آئندہ کبھی کسی کو ایسی بات نہیں بتاؤں گا۔''

یہ اس ہستی کا حال ہے جس نے ساری عمر میں ایک دفعہ سیر ہو کر کھایا، تو اس کا کیا حال ہوگا جس نے ساری عمر میں صرف ایک دفعہ شِکَم کو بھوکا رکھا؟ کیا ایسا شخص عبادت کی اُمید کرسکتا ہے؟

حضرت سُفیان ثَوری رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ نے فرمایا:

''اَلْعِبَادَۃُ حِرْفَۃٌ وَ حَانُوْتُھَا الْخَلْوَۃُ وَ اٰلَتُھَا الْمَجَاعَۃُ'' عبادت ایک فن ہے جس کے سیکھنے کی جگہ تنہائی اور خَلْوَت ہے اور اس کا ہتھیار بھوک ہے۔

پانچویں آفت:

پیٹ بھر کر کھانے سے عبادت کی حَلاوَت مَفْقُود[1] ہوجاتی ہے۔

حضرت صِدِّیقِ اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے فرمایا:

''مَا شَبِعْتُ مُنْذُ اَسْلَمْتُ لِاَجِدَ حَلَاوَۃَ عِبَادَۃِ رَبِّیْ وَ مَا رَوِیْتُ مُنْذُ اَسْلَمْتُ اِشْتِیَاقًا

1 ...... ختم۔

اِلٰی لِقَاءِ رَبِّیْ" جب سے مسلمان ہوا ہوں کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھایا تا کہ عبادت کی حلاوت نصیب ہو اور جب سے میں مسلمان ہوا ہوں کبھی سیر ہو کر نہیں پیا، رب تعالٰی کی ملاقات کے شوق سے۔

اور یہ صفات اہلِ کشف کی ہیں، حضرت صِدِّیقِ اَکْبَر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ بھی مُکَاشِفِیْن میں سے تھے اسی مُکَاشَفَہ کی طرف حضور عَلَیْہِ السَّلام نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:

"مَا فَضَلَکُمْ اَبُوْ بَکْرٍ بِفَضْلِ صَوْمٍ وَ لَاصَلٰوۃٍ وَّ اِنَّمَا ھُوَ شَیْءٌ وَّقَرَ فِیْ نَفْسِہٖ" [1]

ابوبکر نماز، روزے کی بنا پر تم سے اَفضل نہیں بلکہ ان کے اندر ایک شے ہے جو ان کی اَفْضَلِیَّت کا باعث ہے۔

حضرت دَارَانی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا ہے کہ "اَحْلٰی مَا تَکُوْنُ الْعِبَادَۃُ اِذَا الْتَزَقَ بَطْنِیْ بِظَھْرِیْ" میں عبادت میں حلاوت سب سے زیادہ اس وقت محسوس کرتا ہوں جب بھوک کی وجہ سے میرا پیٹ پیٹھ سے لگا ہوا ہو۔

چھٹی آفت:

خوب پیٹ بھر کر کھانے میں حرام یا شُبہے کے طَعام میں پڑنے کا خطرہ ہے کیونکہ حلال اتنا وَافر [2] نہیں ملتا بلکہ معمولی گزارے کے مُوَافَقَت ملتا ہے۔

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم سے رِوَایت ہے کہ آپ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) نے فرمایا:

"اِنَّ الْحَلَالَ لَا یَاْتِیْکَ اِلَّا قُوْتًا وَ الْحَرَامُ یَاْتِیْکَ جُزَافًا جُزَافًا" حلال غذا تجھے نہیں

---

1 ...... کشف الخفاء، حرف المیم، ۲/۱۷۰، حدیث: ۲۲۲۶۔

2 ...... زیادہ۔

ملے گی مگر معمولی گزارے کے مُوَافِق اور حرام تیرے پاس بے تحاشا آئے گا۔

ساتویں آفت:

فضول حلال کو جمع کرنے، پھر اسے تیار کرنے اور پھر کھانے میں دل اور بدن مشغول رہتا ہے، پھر اس سے فارِغ ہونے اور خَلاصی پانے میں مصروف رہتا ہے پھر اس سے پیدا ہونے والی خرابیوں سے سلامتی کی کوشش کرتا ہے کیونکہ زیادہ کھانے سے بدن میں خرابی پیدا ہوتی ہے بلکہ دینی لحاظ سے تو اس سے ہزاروں خرابیاں اور آفات پیدا ہوتی ہیں۔

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا ارشادِ گرامی ہے:

"اَصْلُ کُلِّ دَاءٍ اَلْبَرْدَۃُ وَ اَصْلُ کُلِّ دَوَاءٍ اَلْاَزْمَۃُ "[1] ہر بیماری کی اَصل بدہضمی ہے اور ہر علاج کی اَصل بھوک اور کم خوراک ہے۔

حضرت مالک بن دینار (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) فرمایا کرتے تھے:

"یَا ہٰؤُلَاءِ لَقَدِ اخْتَلَفْتُ اِلَی الْخَلَاءِ حَتّٰی اسْتَحْیَیْتُ رَبِّیْ بِسَبَبِ کَثْرَۃِ الْاَکْلِ یَا لَیْتَ اَنَّ اللّٰہَ جَعَلَ رِزْقِیْ فِیْ حَصَاۃٍ اَمَصُّہَا حَتّٰی اَمُوْتَ" اے لوگو! مجھے **بَیْتُ الْخَلا** کی طرف زیادہ آنا جانا پڑتا ہے، یہاں تک کہ زیادہ کھانے سے مجھے اپنے رب سے شرم آئی، کاش! اللہ تعالیٰ میری روزی کنکریوں میں کر دیتا کہ میں انہیں چوس لیا کرتا یہاں تک کہ مجھے موت آجاتی۔

پھر اس مَرَض کی رو سے دنیا کی طلب کرنی پڑتی ہے، لوگوں سے طمع اور لالچ

---

(1)......الجامع الصغیر، ص ۷۱، حدیث :۱۰۸۷ و المدخل ، طب الابدان و الرقی الواردۃ، ۳۲۴/۲، ملتقطًا۔

کرنا پڑتا ہے اور اسی خُورْدْ و نُوش [1] کی فکر میں وقتِ عزیز ضائع ہو جاتا ہے۔

آٹھویں آفت:

آخرت میں حساب و کتاب کی ہولناکیوں اور سَکَراتِ موت [2] کی شدت کا باعث بھی پیٹ بھر کر کھانا ہے، رِوَایات میں آیا ہے:

"اِنَّ شِدَّةَ سَكَرَاتِ الْمَوْتِ عَلٰى قَدْرِ لَذَّاتِ الدُّنْيَا فَمَنْ اَكْثَرَ مِنْ هٰذِهٖ اَكْثَرَ لَهٗ مِنْ تِلْكَ" بے شک سَکَراتِ موت کی شدت دنیا کی لذتوں کے مطابق ہے، تو جس نے زیادہ لذتیں اُٹھائیں اسے نَزْع کی تکلیف بھی زیادہ ہوگی۔

نویں آفت:

اس سے آخرت کے ثواب میں کمی واقع ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ۝ ع [3]	تم اپنی لذت کی چیزیں اپنی دُنیوِی زندگی میں حاصل کر چکے اور ان کو خوب بَرت چکے، سو آج تم کو ذِلّت کی سزا دی جائے گی اس وجہ سے کہ تم دنیا میں ناحق تکبُّر کیا کرتے تھے اور اس وجہ سے کہ تم نافرمانیاں کیا کرتے تھے۔

تو جس قدر تم دنیا کی لذتیں حاصل کر لو گے اتنا حصہ آخرت سے کم ہو جائے

1 ......کھانے پینے۔ 2 ......نَزْع کی حالت۔

3 ......ترجمۂ کنز الایمان: تم اپنے حصہ کی پاک چیزیں اپنی دنیا ہی کی زندگی میں فنا کر چکے اور انہیں بَرت چکے تو آج تمہیں ذِلّت کا عذاب بدلہ دیا جائے گا سزا اس کی کہ تم زمین میں ناحق تکبُّر کرتے تھے اور سزا اس کی کہ حکم عُدُولی کرتے تھے۔ (پ۲۶، الاحقاف: ۲۰)

گا، اسی لیے جب رب تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک عَلَیْہِ السَّلَام پر دنیا پیش کی تو فرمایا: اگر تو اسکی لذت اُٹھالے تو اس کے عِوَض تیری لذتیں آخرت میں کم نہیں کروں گا۔

اس رِوَایت سے معلوم ہوا کہ یہ حضور (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) کی خصوصیت تھی دوسرے اگر یہاں لذتیں حاصل کریں گے تو اس کے عِوَض ان کا آخرت کا حصہ کاٹ لیا جائے گا، ہاں اللہ تعالیٰ کا فضل ہو جائے تو دوسری بات ہے۔

مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت خالد بن وَلید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے حضرت فاروقِ اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کی دعوت کی، جب آپ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) کھانے لگے تو کھانے کو دیکھ کر فرمایا: یہ تو ہمارے لیے ہے، اُن فقراءِ مہاجرین کے لیے کیا ہے جو فوت ہو چکے اور جو کی روٹی سے بھی سیر نہ ہوئے؟ حضرت خالد (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) نے عرض کیا کہ ان کے لیے جَنَّتِ فردوس ہے، حضرت عمر (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) نے فرمایا: اگر وہ جنّت پانے میں کامیاب ہو گئے ہیں اور ہم نے اس کے عِوَض اپنا حصہ یہاں دنیا میں لے لیا ہے تو ان کے اور ہمارے مرتبے میں بہت فرق ہے۔

منقول ہے کہ ایک دفعہ حضرت فاروقِ اُعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کو پیاس محسوس ہوئی، آپ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) نے ایک شخص سے پانی مانگا، اس شخص نے آپ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) کو ایک برتن دیا جس میں کھجوروں کا پانی تھا، جب آپ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) نے اس سے منہ لگایا تو اسے ٹھنڈا اور میٹھا پایا، آپ رُک گئے اور آہ کھینچی، اُس شخص نے کہا: خدا کی قسم! میں نے اسے میٹھا کرنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی، تو آپ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) نے فرمایا: اسی مٹھاس نے ہی تو مجھے اس کے

پینے سے باز رکھا اگر آخرت کا خیال نہ ہوتا تو ہم بھی تمہاری اس عیش وعشرت میں شریک ہوتے۔

دسویں آفت:

ضرورت سے زیادہ غذا استعمال کرکے جو ترکِ ادب کا اِرْتِکاب ہوتا ہے اس پر روزِ حشر مَوْقِف [1] میں روکا جائے گا، پوری طرح حساب لیا جائے گا اور ضرورت سے زائد غذا استعمال کرنے پر شرم وعار دلائی جائے گی اور ملامت کی جائے گی اور شہوات کی طلب پر کوسا جائے گا، دنیا کی حلال چیزوں کے استعمال کا حساب اور اِتّباعِ شہوات پر زَجْر وتَوْبِیخ کی جائے گی اور حرام پر عذاب اور اس کی زینت اختیار کرنے پر ہلاکت وبربادی پیش آئے گی۔

یہ دس آفات ہیں جن میں سے اہلِ نظر کے لیے مَضَرَّت [2] میں صرف ایک بھی کافی ہے۔

اے عبادت میں کوشش کرنے والے! تجھ پر حرام اور شُبہ کی غذا سے پرہیز کرنا ضروری ہے اور رزق کے معاملہ میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے تاکہ دوزخ کے عذاب سے نجات رہے، اسی طرح ضرورت سے زیادہ حلال کے استعمال سے بھی اِجْتِناب لازم ہے تاکہ بندہ کسی شر اور بُرائی میں مبتلا نہ ہو اور تاکہ قیامت کے دن حساب کے لیے محشر میں روک نہ لیا جائے۔ وَاللّٰهُ وَلِيُّ التَّوْفِيْق۔

سوال: جب حرام اور شُبہ سے بچنا اتنا ضروری ہے تو ہمیں حرام وشُبہ کے حکم اور اس کی حقیقت سے بھی پورے طور پر آگاہ کیجئے۔

1 ...... میدانِ محشر۔ 2 ...... نقصان پہچانے۔

جواب: میں کہتا ہوں: (اللہ تعالٰی تیری عمر دراز کرے) کہ میں نے حرام وشُبہ کی تفصیلات پورے طور پر اپنی کتاب ''اَسرارِ مُعاملاتِ دین'' میں بیان کردی ہیں اور کتاب ''اِحْیَاءُ الْعُلُوْم'' میں بھی ان تفصیلات میں ایک مستقل باب لکھا ہے لیکن اس کتاب ''مِنْھَاجُ الْعَابِدِیْن'' میں ہم چند ضروری کلمات لکھتے ہیں جن کو مُبتَدِی[1] اور ضَعِیفُ الْعَمَل[2] شخص آسانی سے ذہن میں بٹھا سکے کیونکہ اس مختصر کتاب سے ہمارا مقصود یہی ہے کہ مُبتَدِی کو خاص طور پر فائدہ ہو اور اسی طرح ہر طالِبِ راہِ آخرت اس سے اِستِفادَہ کرسکے۔

بعض حُکَماء نے حرام کے متعلق یہ کہا ہے کہ ''کُلُّ مَا تَیَقَّنْتَ کَوْنَہٗ مِلْکًا لِّلْغَیْرِ مَنْھِیًّا عَنْہُ فِی الشَّرْعِ فَھُوَ حَرَامٌ'' ہر وہ شے جس کے متعلق تجھے یقین ہو کہ یہ غیر کی مِلک ہے اور بغیر اِجازتِ شَرْع اس میں تَصَرُّف ناجائز ہے تو ایسی چیز حرام ہے لیکن اگر اس کا یقین نہ ہو بلکہ ظَنِّ غالِب[3] ہو کہ یہ غیر کی مِلک ہے تو ایسی چیز شُبہے والی چیز ہے۔

اور بعض نے حرام کے متعلق یہ کہا ہے کہ ''ہر وہ شے جس کے متعلق یقین ہو یا ظَنِّ غالِب ہو کہ یہ غیر کی ہے تو اس کا اِستعمال حرام ہے کیونکہ شَرْع نے بہت اَحکام میں ظَنِّ غالِب کو بھی یقین کے قائم مقام کیا ہے اور اگر کسی شے کے حرام یا حلال ہونے میں شک ہو اور اس کے جواز یا عَدَمِ جواز کی دونوں جانب برابر ہوں یہاں تک کہ تم اس حد تک شک میں پڑ جاؤ کہ حِلَّت و حُرمَت کسی طرف کو تَرجِیح نہ دے سکو تو یہ شُبہے کی غذا ہے کیونکہ اس میں یہ بھی شُبہ ہے کہ حرام ہو، لہٰذا ایسی غذا کا معاملہ

1 ...... تصوُّف کی ابتداء کرنے والا۔ 2 ...... عملی اعتبار سے کمزور۔ 3 ...... غالب گمان۔

مُشْتَبَه اور اس کا حال غیر واضح ہے، پھر جس کی حُرمَت واضح ہے اس سے اِجْتِناب فرض ہے اور جس کی حُرمَت میں شُبہ ہو اس سے پرہیز کرنا وَرَع اور تقویٰ ہے، ہمارے نزدیک ان دونوں اَقوال میں سے اس دوسرے قول کو فَوْقِیَّت حاصل ہے۔

سوال: اس زمانے کے بادشاہوں کے اِنعامات وتحائف قبول کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب: اس مسئلہ میں علماء (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) کا اِختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ جس مال کا حرام ہونا یقینی نہیں اس کے لینے اور قبول کرنے میں حرج نہیں۔

اس کے برعکس بعض دوسرے علماء کرام (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) یہ فرماتے ہیں: جس مال کا حلال ہونا واضح اور یقینی نہ ہو اُسے لینا اور قبول کرنا درست نہیں کیونکہ اس زمانے کے سَلاطِین [1] کے پاس اَغْلَب [2] حرام مال ہوتا ہے ان کے پاس مالِ حلال یا تو بالکل نایاب ہے یا بالکل نادِر ہے۔

اور علماء (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) کی تیسری جماعت یہ کہتی ہے کہ سَلاطِینِ وقت کا مال غنی اور فَقِیر سب کے لیے قبول کرنا درست ہے جب کہ اس کے حرام ہونے کا یقین نہ ہو، اگر اس مال میں کوئی خرابی ہوگی تو اس کا گناہ دینے والے کے سر ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ

حضور نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے حاکِمِ اِسْکَنْدَرِیَّه مُقَوْقِس کا هَدِیَّه قبول فرمایا۔ [3] حالانکہ وہ غیر مسلم تھا۔

نیز حضور عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام نے یہودِ مدینہ سے قرض مال لیا۔ [4] حالانکہ

---

1 ......حکمرانوں۔ 2 ......زیادہ تر۔ 3 ......المعجم الکبیر، ۱۲/۴، حدیث: ۳۴۹۷۔

4 ......سنن النسائی، کتاب البیوع، الرجل یشتری... الخ، ص ۷۴۱، حدیث: ۴۶۱۸۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہودیوں کے متعلق فرمایا:

اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِؕ (1) یعنی یہودِ مدینہ انتہادرجے کے حرام خور ہیں۔

ان حضرات کی یہ دلیل بھی ہے کہ بہت صحابہ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡھُمۡ) نے ظالم حُکّام کا زمانہ پایا اور ان سے ہدیے تحفے وغیرہ قبول کرتے رہے، اس سلسلہ میں حضرت ابوہریرہ، حضرت ابنِ عباس اور حضرت ابنِ عمر وَغَیۡرُھُمۡ (2) رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡھُمۡ کا نام پیش کیا جا سکتا ہے۔

اس کے برعکس دوسرے علماء (رَحِمَھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی) یہ کہتے ہیں کہ ظالم حُکّام سے مال قبول کرنا کسی غنی وفقیر کو درست ورَوا نہیں کیونکہ اِرتکابِ ظُلم کی وجہ سے ہی ان کا نام ظالم پڑ چکا ہے اور ان کا مال غالباً حرام ہی ہوتا ہے اور اِعتبار اَمرِ غالِب کا ہوتا ہے لہٰذا ان کے مال سے اِجتِناب ضروری ہے۔

بعض دوسرے یہ کہتے ہیں کہ جس مال کی حُرمت یقینی نہ ہو اس کا اِستعمال فقیر کے لیے درست ہے، غنی کے لیے درست نہیں، ہاں اس صورت میں فقیر کے لیے لینا بھی درست نہیں جب کہ یقین ہو کہ یہ غَصب شُدہ (3) مال ہے، صرف اس نیّت سے یہ مال لینا درست ہے کہ اس سے لے کر مالک کو دے۔

ان علماء (رَحِمَھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی) نے یہ بھی کہا ہے کہ فقیر کے لیے سَلاطِینِ وقت کا مال قبول کرنا اور اِستعمال میں لانا درست اور رَوا ہے کیونکہ وہ مال یا تو سلطان کا اپنا

---

1 ......ترجمۂ کنز الایمان: بڑے حرام خور۔ (پ ٦، المائدۃ: ٤٢)

2 ......اور ان کے علاوہ اصحاب۔

3 ......زبردستی قبضہ کیا گیا۔

ذاتی ہوگا تو اس کے قبول کرنے میں حرج نہیں، اور اگر مالِ فَئی [1] یا خَراج [2] یا عُشر [3] کا ہو تو اس میں بھی شرعاً فقیر کا حق ہے، یوں ہی اہلِ علم بھی سَلاطِینِ وقت کا دیا ہوا مال اپنے تصرُّف میں لا سکتے ہیں۔

حضرت علی مُرتضٰی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ فرماتے ہیں:

جو شخص اسلام میں بخوشی داخل ہوا، پھر قرآنِ کریم کی تلاوت علانِیَہ کرتا ہو وہ مسلمانوں کے بَیْتُ الْمَال [4] سے سالانہ دوسو دِرْہم لینے کا حق دار ہے۔

ایک رِوایت میں دوسو دینار آئے ہیں، اگر دنیا میں اسے نہیں ملے گا تو آخرت میں لے گا۔

اور جب معاملہ یہ ہے تو فقیر اور عالِم ایسے مال کے حقدار ہیں تو وہ اپنا حصّہ لے سکتے ہیں۔

بعض [5] نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر کسی کا مال غَصب کے مال سے اس طرح رَل مِل [6] چکا ہو کہ تمیز مشکل ہو، یا کسی سلطان کے پاس غَصَب کا ایسا مال ہو جس کے

1 ......وہ مال جو کفار سے بغیر جنگ کے حاصل ہو۔ (الموسوعۃ الفقھیۃ،۱۹/۵۳)

2 ......زمین کا ٹیکس جو ذمیوں سے لیا جاتا تھا۔ (الموسوعۃ الفقھیۃ،۱۹/۵۲)

3 ......زمین سے نفع حاصل کرنے کی غرض سے اگائی جانے والی شے کی پیداوار پر جو زکوٰۃ ادا کی جاتی ہے اسے عُشر کہتے ہیں۔ (الفتاوی الھندیۃ، کتاب الزکوٰۃ، ۱/۱۸۵، ملخصًا)

4 ......وہ مکان جس میں ایسا مال رکھا جائے جس کے مستحق تمام مسلمان ہوں کوئی خاص فرد اس کا مالک نہ ہو۔ (الموسوعۃ الفقھیۃ،۸/۲۴۲)

5 ......ترجمہ میں یہاں ''عطا نے یہ بھی کہا'' تھا حالانکہ عربی نسخوں میں اس کے بجائے ''قالوا'' ہے جس کا معنی ''بعض نے یہ بھی کہا'' بنتا ہے، لہٰذا اسے تبدیل کر دیا ہے۔ (علمیہ)

6 ......گھل مل۔

مالک اور مالک کی اولاد مر چکی ہو اور واپس کرنے کی کوئی صورت نہ ہو تو سلطان ایسے مال سے اسی صورت میں خلاصی پا سکتا ہے کہ اسے صدقہ کر دے، تو اس صورت میں یہ نہیں کہ اللہ اس سلطان کو صدقے کا حکم دے اور فقیر کو اس کے قبول کرنے سے منع کرے یا فقیر کو وہ مال قبول کرنے کی اجازت نہ دے حالانکہ وہ مال اس کے لیے حرام ہو تو ایسے مال میں فقیر کو لینے یا نہ لینے کا اختیار ہے۔

مگر ایسے مسائل میں علماء (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) کو تمام شُقُوق [1] بیان کیے بغیر اور پوری تفصیل بیان کیے بغیر فتویٰ دینا جائز نہیں۔ اگر ہم اس کتاب میں یہاں اسی مسئلے کی تفصیل بیان کرنا شروع کر دیں تو ہم اپنے مقصد سے دور جا پڑیں گے، جو شخص اس کی پوری تفصیلات معلوم کرنے کا خواہش مند ہو وہ ہماری کتاب "اِحْیَاءُ الْعُلُوْم" کے باب حلال وحرام کا مطالعہ کرے اس میں اس مسئلے کی پوری وضاحت مل جائے گی۔

سوال: اُمَراء اور تاجروں کے تحفہ تحائف کا کیا حکم ہے؟ فقراء اور علماء کو ان کے ہدیے و تحفے قبول کرنے جائز ہیں یا نہیں؟ باوجودیکہ یہ لوگ حُصولِ مال میں بے احتیاطی اور اس کی حِلَّت و حُرمَت میں پوری غور و احتیاط سے کام نہیں لیتے اور اسی طرح عام دوستوں کے تحفے تحائف کا لینا درست ہے یا نہیں؟

جواب: جب کسی انسان کا ظاہر حال ٹھیک ہو اور اس میں کوئی شَرْعی خرابی معلوم نہ ہو تو ایسے شخص کا عَطِیَّہ یا صدقہ قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں اور اس طرح کی کھود کُرِید شَرْعی طور پر لازم نہیں کہ زمانہ بگڑ چکا ہے اور لوگوں میں حلال وحرام کا فرق

---

[1] ...... جُزئیات۔

اُٹھ گیا ہے اس لیے شاید یہ صدقہ بھی حرام مال سے ہو کیونکہ ایسا خیال صدقہ دینے والے کے حق میں سُوْءِ ظَنّی [1] ہے جو درست نہیں بلکہ مسلمانوں کے متعلق نیک گمان رکھنے کا حکم ہے۔ پھر عطِیّات و صدقات کے بارے میں اُصولی چیز یہ ہے کہ ہر چیز کے متعلق ایک شَرْعی حکم اور ظاہر شریعت کا فیصلہ ہوتا ہے دوسرا تقویٰ کا حکم اور اس کا حق۔

شَرْعی حکم تو یہ ہے کہ ہر وہ صدقہ یا عَطِیّہ قبول کر لیا جائے جس کا ظاہر درست ہو اور اس کے بعد کوئی تفتیش نہ کی جائے، ہاں! اگر اس مال کے حرام یا غصب ہونے کا یقین ہو تو پھر لینا جائز نہیں۔

مگر تقویٰ یہ ہے کہ پوری تحقیق و تفتیش کے بغیر کسی سے قطعًا کوئی چیز نہ لی جائے اگر اس میں ذرہ بھی شُبہ کا گمان ہو تو رَد کر دیا جائے اس لیے کہ حضرت ابو بکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے رِوایت ہے کہ

"اِنَّ غُلَامًا لَّہٗ اَتَاہُ بِلَبَنٍ فَشَرِبَہٗ فَقَالَ الْغُلَامُ کُنْتُ اِذَا جِئْتُ بِشَیْءٍ تَسْاَلُنِیْ عَنْہُ وَ لَمْ تَسْاَلْنِیْ عَنْ ھٰذَا اللَّبَنِ فَقَالَ وَ مَا قِصَّتُہٗ فَقَالَ رَقَیْتُ قَوْمًا فِی الْجَاھِلِیَّۃِ فَاَعْطَوْنِیْ ھٰذَا فَتَقَیَّاہُ اَبُوْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ وَ قَالَ اَللّٰھُمَّ ھٰذِہٖ قُدْرَتِیْ فَمَا بَقِیَ فِی الْعُرُوْقِ فَاَنْتَ حَسْبُہٗ" ایک دفعہ آپ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) کا غلام آپ کی خدمت میں دودھ لایا آپ نے اسے پی لیا، غلام نے عرض کی: میں پہلے جب بھی کوئی چیز آپ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) کے پاس لاتا تھا تو آپ اس کے متعلق دریافت فرمایا کرتے تھے لیکن اس دودھ کے متعلق آپ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) نے کوئی اِسْتِفْسار نہیں فرمایا۔ تو اس وقت آپ (رَضِیَ اللّٰہُ

---

1 ...... بدگمانی۔

تَعَالٰی عَنْہُ نے پوچھا: یہ دودھ کیسا ہے؟ غلام نے جواب دیا کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک بیمار آدمی پر مَنْتَر پھونکا تھا جس کے معاوضے میں یہ دودھ آج انہوں نے دیا ہے۔ حضرت صدیق اکبر (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) نے یہ سن کر اپنے حلق میں انگلی ڈالی اور اُسے قے کردیا، قے کے بعد آپ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) نے نہایت عاجزی سے دربارِ الٰہی میں عرض کیا: ''اے میرے مولیٰ! جس پر میں قادِر تھا وہ میں نے کردیا، اس کا تھوڑا بہت حصہ جو رَگوں میں رہ گیا ہے وہ معاف فرمادے۔''

یہ رِوایت اس بات کی قوی دلیل ہے کہ تقوی پر نظر رکھنے والے ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ غذا کی پوری طرح چھان بین کرے اور پھر اسے استعمال میں لائے۔

سوال: تمہارے اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ تقویٰ حکمِ شَرْع کے خلاف ہے؟

جواب: جاننا چاہیے کہ ظاہر شَرْع آسانی وسہولت پر مبنی ہے اسی لیے نبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

''بُعِثْتُ بِالْحَنِیْفِیَّۃِ السَّمْحَۃِ''[1] میں آسان اور ہر باطل سے جُدا مذہب دے کر بھیجا گیا ہوں۔

اور تقویٰ شدت واِحتیاط پر مبنی ہے، کہا گیا ہے کہ مُتَّقِی کا معاملہ دوسری ہزاروں پیچیدگیوں میں پھنسنے سے زیادہ سخت ہے، پھر یہ خیال نہ کرو کہ تقویٰ شَرْع سے کوئی علیحدہ چیز ہے بلکہ اصل میں دونوں ایک ہیں لیکن شَرْع کے حکم دو ہیں، ایک جواز کا حکم اور ایک احتیاط و اَفْضَلِیَّت کا حکم، جائز حکم کو حکمِ شَرْع اور اَفضل وزیادہ با احتیاط حکم کا نام تقویٰ ہے، تو یہ دونوں حکم ایک دوسرے سے جُدا ہونے کے باوجود اصل

1 ......مسند امام احمد، ۸/۳۰۳، حدیث: ۲۲۳۵۴۔

میں ایک ہیں، اس فَرْق کو اچھی طرح ذہن نشین کرلیں۔

سوال: جب ہر شے کی تفتیش اور چھان بین ضروری ہے تو اس زمانہ میں کسی چیز کو بھی استعمال کرنا صاحبِ تقویٰ کے لیے مشکل اور فساد سے خالی نہیں حالانکہ ضروری چیزوں کا استعمال اس کے لیے لازمی ہے۔

جواب: جاننا چاہیے کہ تقویٰ ایک سخت راستہ ہے جو شخص اس پر چلنے کا ارادہ کرے اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنے نفس اور دل کو مَصَائِب و مشکلات برداشت کرنے پر مضبوط کرے، ورنہ وہ تقویٰ کا راستہ طے نہیں کرسکتا۔ اسی دِقَّت کے باعث بہت سے اہلِ تقویٰ اور مُتَقَدِّمِین صوفیاء (رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَيْهِم) [1] شہروں و آبادیوں کو چھوڑ کر کوہِ لُبنان [2] پر چلے گئے اور ساری عمر گھاس اور جنگلی پھل وغیرہ کھا کر گزاری جن میں کسی قسم کا شُبہ نہیں، تو تقویٰ کا مرتبہ حاصل کرنے کی جس میں ہمت ہو اُسے چاہیے کہ مشکلات و مَصَائِب اور حَوَادِث کو برداشت کرے اور آفات کے پیش آنے پر صبر کرے اور ان مُنْدَرَجہ بالا حضرات کا طریقہ اختیار کرے لیکن جو لوگوں میں رہنے اور وہی چیزیں استعمال کرنے پر مجبور ہو جو وہ استعمال کرتے ہیں تو اسے چاہیے کہ اتنا قلیل استعمال کرے جتنا سخت ضرورت کے وقت مردار استعمال کرنے کی اجازت ہے صرف اسی قدر پر اِکْتِفا کرے جس سے اللّٰہ تعالیٰ کی عبادت قائم رکھ سکے اس قدر استعمال پر اُسے معذور [3] سمجھا جائے گا اور یہ اندازہ اس کے لیے مُضِر نہیں ہوگا اگرچہ اس میں کسی قسم کا شُبہ ہو، اس لیے حضرت حسن بصری رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَيْه نے فرمایا ہے کہ

---

1 ...... پہلے کے صوفیائے کرام رَحِمَهُمُ اللّٰهُ السَّلَام۔ 2 ...... لُبنان کے پہاڑ۔ 3 ...... مجبور۔

"فَسَدَ السُّوْقُ فَعَلَيْكُمْ بِالْقُوْتِ" (ترجمہ:) چونکہ بازاروں میں حرام وحلال میں تمیز اُٹھ چکی ہے اس لیے صرف ضروری روزی پر اِکتفا کرنا لازم ہے۔

میں نے سُنا ہے کہ حضرت وہب بن ورد (رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه) ایک ایک یا دو دو یا تین تین دن بھوکے رہتے تھے پھر ایک روٹی لیتے تھے اور دعا کرتے تھے:

"اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ تَعْلَمُ وَ اَنِّيْ لَا اَقْوٰى عَلَى الْعِبَادَةِ وَ اَخْشَى الضُّعْفَ وَ اِلَّا لَمْ اٰكُلْهُ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ فِيْهِ شَيْءٌ مِنْ خَبْثٍ اَوْ حَرَامٍ فَلَا تُؤَاخِذْنِيْ بِهٖ ثُمَّ يَبُلُّ رَغِيْفَهٗ بِالْمَاءِ ثُمَّ يَاْكُلُهٗ" اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں بغیر غذا کے تیری عبادت کی طاقت نہیں رکھتا اور مجھے کمزوری کا ڈر ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو میں یہ بھی نہ کھاتا۔ اے اللہ! اگر اس روٹی میں کوئی خرابی یا حرام ہو تو مجھے اس کھانے پر نہ پکڑنا۔ یہ دعا کرنے کے بعد آپ (رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه) روٹی کو پانی میں بھگوتے تھے اور کھاتے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ یہ دو طریقے اہلِ تقویٰ میں سب سے بلند تقویٰ والوں کے ہیں لیکن جو لوگ ان سے تقویٰ میں کم ہیں ان کے لیے اپنی وُسْعَت کے مطابق احتیاط ضروری ہے، جتنی ان میں احتیاط ہوگی اسی قدر انہیں تقویٰ سے حصہ ملے گا۔ مشہور مثال ہے کہ تم جتنی محنت و کوشش کرو گے اتنی ہی تمہیں اپنی مراد میں کامیابی ہوگی اور اللہ تعالیٰ کسی نیک عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا اور لوگ جو کچھ بھی کرتے ہیں وہ سب کچھ جانتا ہے۔

سوال: مُندرجہ بالا بیان تو حرام چیزوں کے متعلق تھا، ذرا حلال کے متعلق بھی بیان کر دیجئے کہ کس حد تک اس کا استعمال فضول میں داخل نہیں اور کس حد پر جا کر وہ

فضول کے حکم میں داخل ہوتا ہے جس کے باعث روزِ قیامت بندے کو حساب کے لیے روکا جائے گا اور حساب لیا جائے گا، اور حلال کے استعمال کی مُستحب اور مناسب مقدار کیا ہے جو فضول میں داخل نہیں اور جس کا حساب وغیرہ نہیں ہوگا؟

جواب: مُباح تین قسم ہے:

ایک وہ جو فخر، مُباہات[1]، بڑائی اور نمائش کے طور پر استعمال کیا جائے ایسے استعمال کا ضرور قیامت کے دن حساب ہوگا اور اس کے حساب کے لیے ضرور وہاں روکا جائے گا اور استعمال کرنے والے کو مَلامت اور شرم دلائی جائے گی، ایسا استعمال خدا تعالیٰ کو ناپسند اور بُرا ہے اور ایسا استعمال بندے کے دل میں بُرائی پیدا کرتا ہے یعنی فخر اور بڑائی وغیرہ جو عذابِ دوزخ کا باعث ہے اور اس طرح کے استعمال کا اِرادہ مَعْصِیَت اور گناہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا ہے:

اَنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَّ زِیْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ بَیْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِؕ [2]

دنیا کی زندگی تو محض کھیل کود، زینت وزیبائش، مال واولاد میں فخر وغرور اور اس میں کثرت چاہنے کا نام ہے۔

اور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے:

"مَنۡ طَلَبَ الدُّنۡیَا حَلَالًا مُبَاهِیًا مُکَاثِرًا مُفَاخِرًا مُرَائِیًا لَقِیَ اللّٰهَ تَعَالٰی وَ هُوَ عَلَیۡهِ غَضۡبَانُ"[3] جو مُباہات، بڑائی، فخر اور نمائش کی غرض سے حلال کی طلب کرے گا وہ قیامت

---

1 ......شان وشوکت۔

2 ......ترجمۂ کنز الایمان: کہ دنیا کی زندگی تو نہیں مگر کھیل کود اور آرائش اور تمہارا آپس میں بڑائی مارنا اور مال اور اولاد میں ایک دوسرے پر زیادتی چاہنا۔ (پ ۲۷، الحدید: ۲۰)

3 ......شعب الایمان، باب فی الزهد وقصر الامل، ۷/۲۹۸، حدیث: ۱۰۳۷۴ بدون لفظ "مباهیا"۔

کے دن خدا کو اپنے اوپر [1] غضب ناک پائے گا۔

تو مُنْدَرَجَہ بالا آیت وحدیث میں ایسے مقصد وارادے پر وَعِیْد سنائی گئی ہے۔

مُباح کی دوسری قسم وہ ہے جس کا استعمال محض شہوت کے طور پر ہو، ایسا استعمال بھی بُرا ہے جس پر روزِ قیامت حَبْس [2] وحساب ہوگا کیونکہ رب تعالیٰ کا فرمان ہے:

ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ یَوْمَىٕذٍ عَنِ النَّعِیْمِ ۠(۸) [3] پھر تم سے ضرور نعمتوں کے متعلق سوال ہوگا۔

اور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ہے: "وَ حَلَالُھَا حِسَابٌ" [4] اور حلال کے استعمال پر روزِ قیامت حساب ہوگا۔

حلال ومُباح کی تیسری قسم یہ ہے کہ مجبوراً اقدرِ ضرورت شے اِستعمال کی جائے، جس سے رب تعالیٰ کی عبادت بجالائی جاسکے، اتنا اندازہ ہی بہتر، مُسْتَحَب اور مناسب ہے، اتنے استعمال پر کوئی حساب وعذاب وغیرہ نہیں ہوگا بلکہ اتنا قلیل استعمال ثواب اور مَدْح [5] کا باعث ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اُولٰٓىٕكَ لَهُمْ نَصِیْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْاؕ [6] ان لوگوں کے لیے حصہ ہے اس سے جو انہوں نے کمایا۔

اور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

---

1 ...... یہاں اللہ تعالیٰ کے لئے لفظ "غصہ" استعمال ہوا تھا، فتاوی رضویہ، جلد 26، صفحہ 457 پر اسے منع لکھا ہے لہٰذا اسے حذف کردیا ہے۔ (علمیہ)

2 ...... حَبْس یہ ہے کہ حساب لینے کے لیے جنت میں داخل ہونے سے روک دیا جائے گا۔

3 ...... ترجمۂ کنز الایمان: پھر بے شک ضرور اس دن تم سے نعمتوں سے پُرسش ہوگی۔ (پ ۳۰، التکاثر: ۸)

4 ...... مسند الفردوس، باب المیم، ۲/۲۹۷، حدیث: ۶۲۳۹۔

5 ...... تعریف۔

6 ...... ترجمۂ کنز الایمان: ایسوں کو ان کی کمائی سے بھاگ (حصہ) ہے۔ (پ ۲، البقرۃ، ۲۰۲)

"مَنْ طَلَبَ الدُّنْیَا حَلَالًا اِسْتِعْفَافًا عَنِ الْمَسْئَلَۃِ وَ تَعَطُّفًا عَلٰی جَارِہٖ وَ سَعْیًا عَلٰی عِیَالِہٖ جَاءَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَ وَجْہُہٗ کَالْقَمَرِ لَیْلَۃَ الْبَدْرِ"[1] جس نے سوال سے بچنے کے لیے اور اپنے ہمسائے کی اِمداد کے لیے اور اپنے عِیال کی پرورش کے لیے حلال دنیا طلب کی قیامت کے روز اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہا ہوگا۔

ایسے بندے کی یہ شان وفضیلت اس لیے ہے کہ اس کا قصد وارادہ نیک اور خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے۔

سوال: وہ کیا شرائط ہیں جن کے ملحوظ رکھنے سے مُباح کا استعمال خیر اور نیکی بن جاتا ہے؟

جواب: مُباح اور حلال اَشیاء کا اِستعمال دو شرطوں سے نیکی اور خیر بنتا ہے: ﴿۱﴾ ایک حال ﴿۲﴾ دوسرا قصد وارادہ۔

حال سے مراد یہ ہے کہ حلال ومُباح کو بوقتِ عُذر ومجبوری استعمال کیا جائے، عُذر اور مجبوری کی صورت یہ ہے کہ ایسا موقع ہو کہ اگر حلال کو استعمال میں نہ لایا جائے تو شرعًا گرفت ہو وہ اس طرح کہ مُباح شے کے استعمال نہ کرنے کے باعث بدن اتنا لاغر ہو جائے کہ فرض، سنّت یا نفل ادا نہ کر سکے، تو ایسی صورت میں مُباح کا استعمال تَرکِ مُباح سے اَفضل ہے، اگرچہ دنیا کے مُباحات کو بھی استعمال میں نہ لانا بہتر اور اَفضل ہے مگر عُذر کی صورت میں استعمال ہی بہتر و افضل ہے۔

مقصد وارادے سے مراد یہ ہے کہ حلال کے استعمال سے مقصود سفرِ آخرت کا توشہ تیار کرنا اور عبادتِ خداوندی کی قوت واستطاعت ہو، اس طرح کہ استعمال

[1] ......شعب الایمان، باب فی الزھد و قصر الامل، ۲۹۸/۷، حدیث: ۱۰۳۷٤۔

کے وقت دل میں یہ بات لائے کہ اگر میرا مقصود خدا تعالیٰ کی عبادت نہ ہوتا تو میں اس کو استعمال نہ کرتا، یہ اس کے استعمال کی دوسری وجہ ہے تو جس مُباح کے استعمال میں یہ دونوں اَمر پائے جائیں گے ایسا استعمال مُسْتَحَب، نیکی اور خیر شمار ہوگا اور اگر کسی مقام پر حالتِ عُذر تو ہو مگر مُنْدَرَجہ بالا قَصْد و اِرادہ نہ ہو، یا قَصْد و اِرادہ تو ہو مگر حالتِ عُذر نہ ہو تو وہاں مُباح کا اِستعمال نیکی یا مُسْتَحَب میں شمار نہیں ہوگا۔

پھر اس نیکی و دَرَجۂ اِسْتِحْبَاب پر اِسْتِقَامت کے لیے بصیرت اور نیک اِرادے کی ضرورت ہے یعنی جب بھی حلال یا مُباح شی کو استعمال میں لانے لگے تو یہ قَصْد کرلے کہ میں عبادت کی قوت کی غرض سے اس کو استعمال کرنے لگا ہوں، اگر کہیں خدانخواستہ اس قَصْد سے سَہْو [1] ہوجائے تو یاد آنے پر کرلے۔ ہمارے شیخ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْه نے فرمایا ہے کہ یہاں تین اُمور ہوگئے جن کا اِعتبار کرنا ضروری ہے، دو تو اس اِستعمال کو نیکی میں داخل کرنے کے لیے یعنی اِرادہ اور حالتِ عُذر اور تیسرا ہمیشہ اس قَصْد و اِرادے کو اِسْتِقامت کے لیے ملحوظ رکھنا۔ اس کو اچھی طرح ذہن میں بٹھالو۔

سوال: حلال کا وہ استعمال جو شہرت کی غرض سے ہو کیا مَعْصِیَت اور باعثِ عذاب ہے یا نہیں؟ اور کیا حالتِ عُذر میں مُباح شے کا استعمال فرض وضروری ہے یا نہیں؟

جواب: حالتِ عُذر میں اَمرِ مُباح کا استعمال اَفضل، خیر اور مُسْتَحَب ہے، فرض اور واجب نہیں اور محض نفسانی خواہش کی غرض سے جو استعمال ہو وہ بُرا اور ناپسندیدہ

---

1 ......بھول۔

ہے اور اس سے مُمانَعت زَجر [1] و اِستِحباب [2] کے طور پر ہے، یہ مَعْصِیَت یا عذاب کا باعث نہیں، ہاں روزِ قیامت اس کے حساب کے لیے بندے کو روکا جائے گا اور اسے مَلامَت کی جائے گی اور شرم دلائی جائے گی۔

سوال: یہ حَبْس و حساب کیا چیزیں ہیں جن کا بندے کو سامنا کرنا پڑے گا؟

جواب: حساب یہ ہے کہ قیامت کے دن تم سے پوچھا جائے گا کہ تم نے یہ شے کس طرح حاصل کی اور اسے کہاں خرچ کیا اور کس نیّت سے خرچ کیا؟ اور حَبْس یہ ہے کہ حساب لینے کے لیے جنت میں داخل ہونے سے روک دیا جائے گا اور یہ حَبْس میدانِ مَحْشَر میں ہوگا جب تمام مخلوق پر دَہْشَت چھائی ہوگی اور لوگ تنگی اور پیاس کی حالت میں کھڑے ہوں گے اور یہ بہت بڑی آزمائش کا وقت ہوگا۔

سوال: جب اللہ تعالیٰ نے حلال کے استعمال کی ہمیں اجازت دی ہے تو یہ مَلامَت اور شرم دِلانا کیوں ہوگا؟

جواب: یہ مَلامت اور عار دِلانا ترکِ ادب کی وجہ سے ہوگا، جیسے وہ شخص جو بادشاہ کے دستر خوان پر بیٹھے اور ادب کو ملحوظ نہ رکھے تو اسے ملامت کی جاتی ہے اور شرم دلائی جاتی ہے، اگرچہ وہ طعام اس کے لیے مُباح اور جائز ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو عبادت اور بندگی کے لیے پیدا فرمایا ہے اس لیے بندے پر لازم ہے کہ ہر اعتبار سے اس کا بندہ اور خادِم [3] رہے اور ہر فِعْل کو خدا کی مرضی کے مطابق کرے، اگر وہ عبادت یا اس کی رضا کا خیال نہ رکھے بلکہ اپنی شہوت کی پیروی کرے اور اپنے رب کی عبادت و بندگی سے رُوگَرْدان [4] ہوجائے حالانکہ اس میں رب

---

1 ...... تنبیہ۔ 2 ...... بہتر ہونے۔ 3 ...... اطاعت کرنے والا۔ 4 ...... منہ پھیرنے والا۔

کی بندگی وعبادت کی طاقت بھی موجود ہو، کوئی عذر مانع نہ ہو، اور یہ دنیا ہے بھی عبادت اور خدمت[1] کی جگہ تو جو شخص ان تمام چیزوں کے ہوتے ہوئے شہوت کی پیروی کرے وہ ضرور اپنے مالک ومولیٰ کی طرف سے مَلامت وعار کا سزاوار ہوتا ہے۔

وَ لَاحَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْم

یہی تھا وہ مضمون جو ہم نے اس کتاب میں اِصلاحِ نَفْس کے متعلق بیان کرنا تھا اس لیے اس مضمون کو اپنے ذہنوں میں محفوظ کرو اور اس پر عمل کرو، اِنْ شَآءَ اللّٰه تعالٰی دونوں جہان میں خیرِ کثیر کے مالک بن جاؤ گے۔

فَاللّٰهُ وَلِیُّ الْعِصْمَةِ وَ التَّوْفِیْقِ بِفَضْلِهٖ

فَصْل

تو اے عزیز! تجھ پر لازم ہے کہ اس طویل اور سخت گھاٹی کو عُبُور کرنے میں پوری کوشش صرف کرے کیونکہ اسے عُبُور کرنا زیادہ مشکل اور محنت طلب ہے، اور یہ گھاٹی فتنوں سے لبریز ہے کیونکہ جو بھی راہِ حق سے مُنْحَرِف ہو کر ہلاک وتباہ ہوا ہے وہ دنیا یا مخلوق سے میل جول یا نَفْس یا شیطان کی وجہ سے ہی ہوا ہے اور ہم نے اپنی کتب "اِحْیَاءُ الْعُلُوْم"، "کِتَابُ الْاَسْرَار" اور "اَلْقُرْبَةُ اِلَی اللّٰه" وغیرہ میں اس قسم کے واقعات ومسائل تحریر کیے ہیں جو اس گھاٹی کو عُبُور کرنے میں کافی مدد دیتے ہیں۔

اور اس کتاب میں میرا مقصود یہ تھا کہ اللّٰہ تعالٰی مجھے مُعَالَجۂ نَفْس[2] کے راز اور میری اِصلاح اور میرے ذریعہ اِصلاح کے طریقوں سے آگاہ کر دے اس لیے

---

[1] ……اطاعت۔ [2] ……نفس کے علاج۔

میں نے اس کتاب میں مختصر مگر تمام معانی کے جامع نکتوں پر ہی اِکتفا کیا ہے، جو شخص بھی ان میں غور کرے گا وہ انہیں کافی پائے گا اور یہ نفیس نکتے اِنْ شَآءَ اللّٰہُ تعالیٰ ضرور اسے راہِ حق کی طرف رہنمائی کریں گے۔

اور یہ فَصْل دنیا، مخلوق، نَفْس اور شیطان سے خَلاصی دینے والے نکتوں کے ساتھ مخصوص ہے، تو اے عزیز! علائقِ دنیا[1] سے حَذَر کرنا[2] اور زُہد اختیار کرنا تجھ پر لازم اور ضروری ہے کیونکہ تو تین حال سے خالی نہیں:

﴿۱﴾ یا تو تو صاحِبِ بصیرت اور صاحِبِ عَقْل ہے تو تیرے لیے یہی کافی ہے کہ دنیا اللہ تعالیٰ کی دشمن ہے اور اللہ تیرا دوست اور حبیب ہے اور یہ کہ دنیا تیری عَقْل کو مُنْتَشِر کرنے والی ہے حالانکہ عَقْل ہی انسان کا اَصل جَوہَر[3] ہے۔

﴿۲﴾ اور یا تو صاحِبِ ہمت اور عبادت میں کوشش کرنے والے لوگوں میں سے ہے تو تیرے لیے یہی کافی ہے کہ دنیا اپنی نَحُوست میں اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ وہ عبادت کے ارادے سے باز رکھتی ہے اور اس کی فکر تجھے بندگی واَعمالِ خیر سے روکتی ہے، جب دنیا کی فکر باعث رُکاوٹ ہے تو خود دنیا کس قدر رُکاوٹ کا باعث ہوگی۔

﴿۳﴾ اور یا تو اہلِ غفلت میں سے ہے یعنی تجھ میں حقائق کو دیکھنے کی بصیرت نہیں اور نہ تجھ میں اَعمالِ خیر بجالانے کی ہمت ہے، اس صورت میں تیرے لیے یہی کافی ہے کہ تجھے ایک دن اس دنیا سے جدا ہونا پڑے گا، یا یہ دنیا تجھ سے اچانک جدا ہو جائے گی، جیسا کہ حضرت حسن بَصْری رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا ہے:

"اِنْ بَقِیْتُ لَکَ الدُّنْیَا لَمْ تَبْقَ لَھَا فَاَیُّ فَائِدَۃٍ اِذًا لَکَ فِیْ طَلَبِھَا وَ اِنْفَاقِ الْعُمُرِ الْعَزِیْزِ

[1] ......دنیا سے تعلق رکھنے والی چیزوں۔ [2] ......بچنا۔ [3] ......خوبی۔

عَلَيْهَا" اگر دنیا تیرے لیے باقی رہے گی تو اس کے لیے باقی نہیں رہے گا، اس لیے طلبِ دنیا میں کیا فائدہ یا اپنی عمرِ عزیز اس کی طلب میں ضائع کرنے سے کیا حاصل؟

ایک عَرَبی شاعر نے کیا خوب فرمایا ہے:

(۱) هَبِ الدُّنْيَا تُسَاقُ اِلَيْكَ عَفْوًا　　اَلَيْسَ مَصِيْرُ ذَاكَ اِلٰى زَوَالِ

(۲) فَمَا تَرْجُوْا بِعَيْشٍ لَيْسَ يَبْقٰى　　وَ شِيْكًا قَدْ تُغَيِّرُهُ اللَّيَالِيْ

(۳) وَ مَا دُنْيَاكَ اِلَّا مِثْلَ ظِلٍّ　　اَظَلَّكَ ثُمَّ اٰذَنَ بِارْتِحَالِ

(۱) مان لیا کہ دنیا وافر[1] مقدار میں تیری طرف کھنچی چلی آ رہی ہے لیکن کیا یہ ایک دن فنا نہیں ہوگی؟

(۲) تجھے اس عیش سے حقیقی خوشی کی اُمید کیا ہو سکتی ہے جو چند دن کے بعد فنا ہو جائے گی اور جس کا آرام عنقریب تکلیف اور رنج میں تبدیل ہو جائے گا۔

(۳) اس دنیا کی مثال بالکل سائے جیسی ہے جس میں تو ذرا آرام کرتا ہے اور پھر وہ سایہ وہاں سے زائل ہو جاتا ہے۔

تو عقل مند کو ہر گز مناسب نہیں کہ اس دنیا کے دھوکے میں آئے، ایک عَرَبی شاعر نے بالکل درست کہا ہے:

اَضْغَاثُ نَوْمٍ اَوْ كَظِلٍّ زَائِلٍ　　اِنَّ اللَّبِيْبَ بِمِثْلِهَا لَا يُخْدَعُ

ترجمہ: دنیا خواب کی طرح ہے یا زائل اور فنا ہو جانے والے سائے کی طرح اور بے شک عقل مند ایسی ناپائیدار اور فانی شے سے دھوکا نہیں کھاتا۔

اِبلیس کے شَر سے بچنا ضروری ہے

باقی رہا شیطان، تو اس کے شَر سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے لیے صرف

1 ……بہت زیادہ۔

یہی دلیل کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کو فرمایا:

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۹۷﴾ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾ [1]

(اے میرے نبی! دعا کے طور پر) یوں کہہ اے میرے رب! میں شیاطین کے وَساوِس سے تیرے پاس ہی پناہ لیتا ہوں اور اے میرے رب! میں اس بات سے بھی تیرے پاس ہی پناہ لیتا ہوں کہ شَیاطین میرے پاس آئیں۔

تو حضور عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلام جو سب سے بہتر، سب سے زیادہ عالم، سب سے زیادہ عقلمند اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ بلند رُتبہ والے ہیں وہ اس چیز کے محتاج ہیں کہ شیطان سے پناہ مانگیں۔ تو تُو جو جہالت، عُیُوب اور غفلت کا مجموعہ ہے شیطان سے پناہ مانگنے کا محتاج نہیں؟ ضرور محتاج ہے اور سخت محتاج ہے۔

لوگوں سے میل جول کی مذمّت

لیکن لوگوں سے میل جول کا معاملہ، تو اس کی قَباحت [2] کے ثبوت کو صرف یہی کافی ہے کہ اگر تو ان سے میل جول کرے گا اور ان کی خواہشات کی پیروی کرے گا تو گناہ گار ہو جائے گا اور اپنی آخرت کے معاملے کو خراب کر دے گا اور اگر ان کی خواہشات کی مخالفت کرے گا تو ان کی اذیتوں اور زیادتیوں سے رنجیدہ

1 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اور تم عرض کرو کہ اے میرے رب تیری پناہ شَیاطین کے وسوسوں سے اور اے میرے رب تیری پناہ کہ وہ میرے پاس آئیں۔ (پ۱۸، المؤمنون: ۹۷-۹۸)

2 ...... خرابی۔

ہوگا، اور تیری دنیا کی زندگی مُکَدَّر (1) ہو جائے گی پھر ان سے یہ بھی بعید نہیں کہ وہ تیرے جانی دشمن بن جائیں اور اس طرح تو ان کے فتنے میں مبتلا ہو جائے اور اگر تو ان سے میل جول اچھا رکھے گا تو وہ تیری مَدْح اور تعظیم کریں گے اور کوئی بعید نہیں کہ اس طرح تو عُجب (2) اور خود ستائی (3) کے فتنہ میں مبتلا ہو جائے اور اگر وہ تیری مَذَمَّت اور بُرائی کریں گے اور تجھے حقیر و ذلیل خیال کریں گے تو اس صورت میں تو کبھی غمناک ہوگا اور کبھی ناجائز غصہ کرے گا اور یہ مَدْح (4) یا مَذَمَّت دونوں ہلاک کرنے والی آفتیں ہیں۔

پھر تم ذرا یہ تو یاد کرو کہ جب تمہیں قبر میں دفن ہوئے صرف تین یوم ہوں گے تو تجھے بالکل بُھلا دیں گے وہاں صرف خدا تعالیٰ کی ذات ہی موجود ہوگی تو کیا یہ واضح نقصان نہیں کہ تو ایسے لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر اپنے عزیز وقت کو ضائع کر دے جن سے نہ تجھے وفا کی اُمید ہے اور جن کے ساتھ نہ زیادہ دیر تو نے رہنا ہے اور اپنے پیارے رب کی خدمت (5) وطاعت کو تَرْک کر دے جس کی طرف آخر تو نے رُجوع کرنا ہے مرنے کے بعد صرف وہی ہمیشہ کے لئے تیرا ساتھ دے گا اور حقیقت میں سب کا وہی حاجت رَوَا ہے اور ہر بات میں صرف اسی پر بھروسہ ہونا چاہیے اور ہر حال میں ہر شدت و مشکل کے وقت اسی کی طرف رُجوع کرنا چاہیے وہ اکیلا ہے کوئی اس کا شریک نہیں۔

اے عاجز انسان! میری ان باتوں اور نصیحتوں کو غور سے سُن، شاید تجھے اللہ

---

1 ……خراب۔ 2 ……خود پسندی۔ 3 ……اپنی تعریف خود کرنے۔

4 ……تعریف۔ 5 ……عبادت۔

تعالیٰ اپنی مہربانی سے راہِ ہدایت دکھادے اور اللہ تعالیٰ ہی ہدایت کا مالک ہے۔

مَذَمَّتِ نَفْس کا بیان

نَفْس کے بُرا ہونے کا یہی ثبوت کافی ہے کہ جو تو شب و روز اس کے حالات اس کے بُرے اِرادے اور اس کے خلافِ شَرْع اُمور کے اِرْتِکاب کا مُشاہَدہ کر رہا ہے، یہ نَفْس شہوت کے وقت حیوان جیسے اَفعال کرتا ہے، غصے کے وقت دَرِندہ بن جاتا ہے اور مصیبت و تکلیف کے وقت چھوٹے بچے کی طرح آہ وزاری کرتا ہے اور آرام و آسائش کے وقت فرعون بن جاتا ہے، جب بھوکا ہوتا ہے تو پاگل ہو جاتا ہے اور جب سیر ہوتا ہے تو سرکش بن جاتا ہے، اگر تو اسے سیر کرے تو سرکشی کرتا ہے اور اگر بھوکا رکھے تو چیختا ہے اور بے صبری کا مظاہرہ کرتا ہے یہ بِعَیْنِہٖ اسی طرح ہے جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہے:

كَحِمَارِ السُّوْءِ اِنْ اَشْبَعْتَهٗ رَمَحَ النَّاسَ وَ اِنْ جَاعَ نَهَقْ

(یہ نَفْس منحوس گدھے کی مانند ہے جو سیری کی حالت میں سَرمَستی میں آ کر لوگوں کو پامال کرتا ہے اور جب بھوکا ہوتا ہے تو ہانکتا ہے۔)

بعض صالِحِین (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ الْمُبِيْن) نے بالکل درست فرمایا ہے کہ

"اِنَّ مِنْ رَدَاءَةِ هٰذِهِ النَّفْسِ وَ جَهْلِهَا بِحَيْثُ اِذَا هَمَّتْ بِمَعْصِيَةٍ اَوِ انْبَعَثَتْ لِشَهْوَةٍ فَنَهَيْتَهَا اَوْ تَشَفَّعْتَ اِلَيْهَا بِاللّٰهِ سُبْحَانَهٗ ثُمَّ بِرَسُوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامِ وَ بِجَمِيْعِ اَنْبِيَائِهٖ وَ بِكِتَابِهٖ وَ بِجَمِيْعِ السَّلَفِ الصَّالِحِ مِنْ عِبَادِهٖ وَ تَعْرِضُ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَ الْقَبْرَ وَ الْقِيَامَةَ وَ الْجَنَّةَ وَ النَّارَ لَا تُعْطِى الْاِنْقِيَادَ وَ لَا تَتْرُكُ الشَّهْوَةَ ثُمَّ اِنِ اسْتَقْبَلْتَهَا بِمَنْعِ رَغِيْفٍ

تَسْكُنُ وَ تَتْرُكُ شَهْوَتَهَا لِتَعْلَمَ خِسَّتَهَا وَ جَهْلَهَا" اس نفس خبیث کی خِسَّت (1) اور جہالت کا یہ عالَم ہے کہ جب کسی گناہ کا قصد کرے یا شہوت پر اُٹھ کھڑا ہو تو اسے روکنے کی کوشش کرے یا خدا، رسول، تمام انبیاء (عَلَيْهِمُ السَّلام)، کلامِ مجید یا تمام سَلَف صَالِحِین کا وَاسِطہ پیش کرے یا اس کے سامنے موت، قبر، قیامت، جنت اور دوزخ تک پیش کرے تب بھی گناہ سے باز نہیں آئے گا اور اپنی شہوت کو تَرک نہیں کرے گا پھر اگر ایک روٹی کھا کر دوسری سے اسے روکے تاکہ یہ ٹھہرے اور طعام کی حرص کو چھوڑ دے تو تجھے اس کی کمینگی اور جہالت کا اندازہ ہو جائے گا۔

اس لئے اے عزیز! اس سے غفلت نہ کرنا کیونکہ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جو اس کی حقیقت سب سے بہتر جانتا ہے:

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ (2) بیشک نفس ہمیشہ بُرائی ہی کا حکم دیتا ہے۔

حضرت احمد بن اَرْقَم بَلْخِی رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَيْهِ سے منقول ہے کہ ایک دفعہ میرے نَفْس نے جہاد میں شریک ہونے پر مجھے مجبور کیا۔ میں نے دل میں کہا: سُبْحَانَ اللہ! قرآن میں تو آیا ہے کہ نَفْس بُرائی کی ترغیب دیتا ہے اور میرا نَفْس مجھے نیک کام کی ترغیب دے ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا بلکہ اس کا اَصْل مقصد یہ ہے کہ لوگوں سے میل جول کر کے تنہائی اور گوشہ نشینی کی وَحْشَت کو دور کرے اور لوگوں سے خَلْط مَلْط ہو کر راحت حاصل کرے اور ان کے سامنے اپنی گوشہ نشینی اور بُزُرگی کا چرچا کر کے اپنی تعظیم اور اپنا اِحترام واِکرام کرائے چنانچہ میں نے نَفْس کو جواب دیا کہ میں ہرگز تجھے آبادی میں نہیں لے جاؤں گا اور کسی جان پہچان کی جگہ تجھے نہیں لے جاؤں گا تو وہ

---

1 ......کمینگی۔

2 ......ترجمۂ کنز الایمان: بیشک نَفْس تو بُرائی کا بڑا حکم دینے والا ہے۔ (پ ۱۳، یوسف: ۵۳)

اس جواب پر راضی ہو گیا لیکن مجھے پھر ظن[1] ہوا کہ یہ اپنے خلاف بات پر کیسے رضا مند ہو سکتا ہے اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ خدا کا کلام سچا ہے (کہ نفس بُرائی کی طرف ہی جاتا ہے) تو میں نے اسے کہا: ''میں دشمن سے جہاد و قتال کرنے کو تیار ہوں لیکن میرا اوّلین دشمن تو ہے اس لیے پہلے مقابلہ اور مُقَاتَلَہ[2] تجھ سے ہو گا میرے اس جواب پر بھی نَفْس نے بُرا نہ منایا، میں نے چند اَشیاء اور شمار کیں جو اس کے خلاف تھیں لیکن وہ اس پر بھی بَرْ اَفْرُوْخْتَہ[3] نہ ہوا، میں دل میں حیران ہوا اور دَربارِ اِیزَدِی[4] میں مُلْتَجِی[5] ہوا کہ اے باری تعالیٰ! میں نَفْس کو بہر حال جھوٹا سمجھتا ہوں اور تجھے سچا، مجھے اس کی اصل حقیقت بتا، تو مُکَاشَفَہ[6] میں میں نے سنا کہ نَفْس کہہ رہا تھا:

''اے احمد! تو مجھے ہر روز شہوتوں سے روک کر قتل کرتا ہے اور ہر بات میں میری مخالفت کر کے تو مجھے تنگ اور پریشان کرتا ہے اور میرے اس قتل اور تکلیف کا کسی کو پتہ نہیں ہوتا اگر تو جہاد میں شرکت کرے گا تو صرف ایک بار ہی مجھے قتل کرے گا بعد میں مجھے تجھ سے ہمیشہ کے لیے نجات مل جائے گی اور میں لوگوں میں اس بات کا چرچا کروں گا کہ احمد نے شہادت کا دَرَجہ پایا اس طرح میرا چرچا ہو گا اور مجھے ہی شَرَف حاصل ہو گا۔''

امام احمد بن اَرْقم (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) فرماتے ہیں کہ اس کے اس جواب سے میں نے تَہَیَّہ[7] کر لیا کہ ہر گز جہاد میں شرکت نہیں کروں گا چنانچہ میں نے اس

---

1 ......گمان۔ 2 ......لڑنا۔ 3 ......غصہ۔ 4 ......خدا کی بارگاہ۔

5 ......دعا گو۔ 6 ......حالتِ کشف۔ 7 ......پختہ ارادہ۔

سال جہاد میں شرکت نہ کی۔

اے عزیز! ذرا غور کر کہ نَفْس کتنا دھوکا باز اور مکار ہے کہ بَعْدَ الْمَوْت[1] بھی تیرے اَعمالِ حَسَنہ کو رِیاء کے ذریعہ ضائع کرتا ہے، ایک عَرَبی شاعر نے بہت ہی اچھا کہا ہے:

تَـوَقَّ نَفْسَكَ لَا تَـأْمَنْ غَـوَائِلَهَـا فَـالنَّـفْسُ اَخْبَثُ مِنْ سَبْعِيْنَ شَيْطَانَا

ترجمہ: اپنے نَفْس کی عیّارِیوں سے بچ اور اس کی دھوکا بازیوں سے بے خوف نہ ہو کیونکہ نفس کی خباثت سَتَّر شیطانوں کی خباثت سے بھی زیادہ ہے۔

اس لیے اس دھوکا باز، گناہوں میں مبتلا کرنے والے نَفْسِ خبیث سے چوکنا رہ اور ہر وقت اور ہر حال میں اپنے دل کو اس کی مخالفت پر مضبوط رکھ اِنْ شَآءَ اللہ تعالٰی ایسا کرنے سے تو اس کی آفات سے محفوظ رہے گا اور تجھے رَاہِ صَـوَاب[2] نصیب ہو گا پھر اے عزیز! تجھ پر لازم ہے کہ اسے شہوات و گناہوں سے باز رکھنے کے لیے تقویٰ کی لگام دے اس لگام کے سوا اس کا کوئی علاج نہیں۔

اے عزیز! تو جان کہ میں نَفْس کو گناہوں سے باز رکھنے کا ایک نفیس قاعدہ بیان کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ

عبادت دو قسم ہے: ایک مَامُوْرَات (یعنی جن کے کرنے کا حکم ہے)، دوسرے مَنْہِیَّات (یعنی وہ چیزیں جن سے بچنا ضروری ہے) اور مَـامُـوْرَات کے بجالانے اور مَنْہِیَّات سے اِجْتِناب کے مجموعے کا نام تقویٰ ہے۔

لیکن مَنْہِیَّات سے بچنا ہر حال میں بندے کیلئے اَفضل، زیادہ باعثِ حفاظت،

---

1 ...... موت کے بعد۔ 2 ...... درست راستہ۔

زیادہ بہتر اور اعلیٰ ہے، مَامُوْرَات کے مقابلے میں اس پہلو کی اہمیت زیادہ ہے اسی لیے مُجَاھَدہ و رِیاضَت کے مُبْتَدِی شروع شروع میں مَامُوْرَات پر زیادہ زور دیتے ہیں وہ دن کو روزہ سے ہوتے ہیں اور رات کو نَوَافِل میں کھڑے رہتے ہیں وَغَیْرَ ذٰلِکَ[1]۔

اور مُنْتَھِی[2] و اَہلِ بَصِیْرت حضرات مَنْہِیَّات سے اِجْتِناب کی زیادہ پابندی کرتے ہیں چنانچہ وہ اپنے دلوں کو غَیْرُ اللہ کے خیال سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں، اپنے شِکَموں کو ضرورت سے زائد خوراک سے محفوظ رکھتے ہیں، اپنی زبانوں کو لَغْوِیات اور بے ہودہ گفتگو سے بچاتے ہیں اور اپنی نظروں کو لَا یَعْنِی چیزوں سے بچاتے ہیں اسی لیے عابد ثانی نے (حضرتِ سَیِّدُنا) یونس عابد (عَلَیْہِ السَّلَام) کو کہا (اور ان عابدوں کی کل تعداد سات تھی) کہ

"اے یونس (عَلَیْہِ السَّلَام)! بعض لوگ وہ ہیں جن کو سب سے زیادہ پیار نمازوں سے ہے، چنانچہ وہ نماز پر کسی اور عمل کو ترجیح نہیں دیتے، وہ عبادت کے سُتُون ہیں، وہ پوری طرح صِدْق و تَوَکُّل پر قائم رہتے ہیں اور ہر وقت دربارِ خداوندی میں تَضَرُّع[3] و دعا میں مشغول رہتے ہیں اور بعض وہ ہیں جنہیں سب سے زیادہ روزہ سے محبت ہے چنانچہ وہ روزہ پر کسی اور عمل کو ترجیح نہیں دیتے اور بعض وہ ہیں جو صَدَقَہ کو سب سے زیادہ عزیز خیال کرتے ہیں، اے یونس! میں تجھے ان تینوں: نماز، روزہ اور صَدَقَہ کی تفسیر بتاتا ہوں کہ ان سے مراد کیا ہے؟

---

1 ……اور اس کے علاوہ۔ 2 ……کامل۔ 3 ……گریہ وزاری۔

تو نماز سے مراد یہ ہے کہ تو ہمیشہ تکالیف ومَصائب پیش آنے پر صبر کی نماز ادا کرتا رہے اور ہمیشہ اَحکامِ خداوندی کی بجا آوری میں قائم رہے۔

روزہ سے مراد یہ ہے کہ تو ہر بُرائی سے اپنے آپ کو روکے رکھے اور صَدَقہ سے مراد یہ ہے کہ تیری طرف سے کسی کو اَذِیَّت اور تکلیف نہ پہنچے کیونکہ تو اس سے اَعلیٰ شے کا صَدَقہ نہیں کر سکتا، کسی کو اَذِیَّت نہ دینا ہی بہت بڑا صَدَقہ ہے اور سب سے زیادہ پاکیزہ فعل ہے۔

مُندرَجہ بالا بیان سے جب تجھ پر روشن ہو گیا کہ مَنْہِیَّات [1] سے بچنا زیادہ اَہم اور اس کی رِعایت اور کوشش زیادہ اَوْلیٰ ومناسب ہے تو اگر تجھے دونوں قسم کی عبادت (اَوَامِر [2] کی بجا آوری اور مَنْہِیَّات سے اِجْتِناب) حاصل ہو جائے اور تو دونوں کا پابند ہو جائے تو تو عبادت کے معاملے میں کمال تک پہنچ گیا اور تیری مراد حاصل ہو گئی اور آفات سے محفوظ ہو گیا اور اَصل غنیمت تیرے ہاتھ آ گئی۔

اور اگر دونوں قسم کی عبادت تجھے حاصل نہ ہو سکے تو چاہیے کہ تو جانبِ اِجْتِناب [3] کو اختیار کرے یہ جانب اختیار کرنے سے تو مَعاصی اور گناہ سے تو سالم اور محفوظ رہے گا اور اگر تو یہ جانب اختیار نہ کرے اور گناہوں وبُرائیوں سے نہ بچے تو ساری رات نوافل ادا کرنے دن کو روزہ رکھنے اور دیگر مُسْتَحَب اُمور میں مشغول ہونے سے تجھ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا، تیری یہ شبِ بیداری کی مَشقتیں بے سود ہوں گی کیونکہ گناہوں اور بُرائیوں سے اِجْتِناب نہ کرنے کی وجہ سے تیری نیکیاں ساتھ ساتھ برباد

---

1 ......جن اُمور سے منع کیا گیا ہے۔

2 ......جن اُمور کو کرنے کا کہا گیا ہے۔

3 ......گناہوں سے بچنے کی جانب۔

اور ضائع ہوتی جائیں گی اور دن کو روزہ رکھ کر جب تو غیبت، کِذْب [1] اور دوسری بے ہودہ گفتگو سے پرہیز نہ کرے گا تو تیرے اس روزے کا کیا فائدہ پہنچے گا۔

حضرتِ ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے کسی نے پوچھا کہ ان دو آدمیوں میں اَفضل کون ہے ایک وہ جو نیکیاں بھی زیادہ کرے اور گناہ بھی زیادہ کرے، دوسرا وہ جو نیکیاں بھی کم کرے اور گناہ بھی کم کرے؟ آپ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) نے جواب دیا کہ دونوں برابر ہیں۔

ہم نے یہ جو کہا ہے کہ زیادہ نیکیاں کرنے کے بجائے گناہوں سے بچنا زیادہ ضروری اور اہم ہے تو اس کی مثال مریض کی سی ہے کہ اس کے علاج کے دو پہلو ہیں: ایک پہلو مریض کو دَوَا دینا، دوسرا پہلو مریض کا مُضِر چیزوں سے پرہیز کرنا، تو اگر دونوں چیزیں مریض کے لیے حاصل ہو جائیں تو بیمار جلد صحت مند اور تندرست ہو جائے گا اور اگر دونوں پہلو موجود نہ ہوں تو جانبِ پرہیز اَوْلٰی و اَفضل ہے اور ایسی دَوَا قطْعًا کوئی فائدہ نہیں دیتی جس کے ساتھ بد پرہیزی کو بھی رَوَا رکھا جائے لیکن دَوَا نہ ہو مگر پرہیز ہو تو یہ ضرور مفید ہے، نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے:

"اَصْلُ کُلِّ دَاءٍ اَلْحِمْیَۃُ" [2] ہر بیماری کے علاج کی اَصْل پرہیز ہے۔

حضور (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ پرہیز بجائے خود ایک بہترین علاج ہے اس کے ہوتے ہوئے کسی اور علاج کی ضرورت نہیں پڑتی، اسی لیے سنا گیا ہے کہ ہندوستان کے لوگوں کے نزدیک بیمار کا سب سے بڑا اور اعلیٰ

1 ......جھوٹ۔

2 ......المدخل، طب الابدان والرقی الوارۃ، ۲/۳۲۴۔

علاج بیمار کو کھانے پینے اور کام کاج سے پرہیز کرانا ہے، ان کے ہاں صرف پرہیز سے ہی عموماً مریض تندرست اور صحت یاب ہو جاتا ہے۔

ہمارے اس مُنْدَرَجہ بالا بیان سے تجھ پر روشن اور واضح ہو گیا کہ تقویٰ ہی افضل جوہر اور نجاتِ آخرت کا ذریعہ ہے، انسانوں میں مُتَّقی لوگوں کا دَرَجہ ہی سب سے اونچا اور بلند ہے، اس لیے اے عزیز! تجھ پر لازم ہے کہ اپنے اندر تقویٰ پیدا کرنے کے لیے پوری کوشش اور مکمل جدوجہد کرے۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَلِيُّ التَّوْفِيْقِ بِرَحْمَةِ

گیہوں کا دانہ توڑنے کا اخروی نقصان

منقول ہے کہ ایک شخص کو بعدِ وفات کسی نے خواب میں دیکھ کر پوچھا: مَا فَعَلَ اللّٰهُ بِكَ؟ یعنی اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ کے ساتھ کیا مُعامَلہ فرمایا؟ کہا: اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مجھے بخش دیا لیکن حساب وکتاب ہوا یہاں تک کہ اس دن کے بارے میں بھی مجھ سے پوچھ گچھ ہوئی جس روز میں روزے سے تھا اور اپنے ایک دوست کی دکان پر بیٹھا ہوا تھا جب افطار کا وقت ہوا تو میں نے گیہوں کی ایک بوری میں سے گیہوں کا ایک دانہ اٹھا لیا اور اس کو توڑ کر کھانا ہی چاہتا تھا کہ ایک دم مجھے احساس ہوا کہ یہ دانہ میرا نہیں چنانچہ میں نے اُسے جہاں سے اٹھایا تھا فوراً اسی جگہ ڈال دیا اور اس کا بھی حساب لیا گیا یہاں تک کہ اس پَرائے گیہوں کے ٹوٹ جانے کے نقصان کے بقدر میری نیکیاں مجھ سے لی گئیں۔ (غیبت کی تباہ کاریاں، ص ۱۲۴ بحوالہ مرقاۃ المفاتیح، کتاب الادب، باب الرفق والحیاء...الخ، ۸۱۱/۸، تحت الحدیث: ۵۰۸۳)

فصل

پھر تجھ پر چار اَعْضاء کی نگہداشت بھی لازم اور ضروری ہے کیونکہ جسم میں یہی چار عُضْو بڑے اور اَصْل ہیں:

آنکھ کی حفاظت

اوّل آنکھ، اس کی نگہداشت اس لیے ضروری اور لازمی ہے کہ دین و دنیا کے کاموں کا دارومدار دل پر ہے اور دل کی خرابی اور اس میں وسوسے وغیرہ اکثر و بیشتر آنکھ کی وجہ ہی سے پیدا ہوتے ہیں اسی لیے حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا ہے کہ

جو شخص اپنی آنکھ کی حفاظت نہیں کرتا اس کا دل بے قیمت ہوتا ہے یعنی اس میں کوئی کمال یا نور وغیرہ نہیں آسکتا۔

زبان کی حفاظت

دوسرا عُضْو زبان، اس کی حفاظت اور نگہداشت اس لیے ضروری اور اَہم ہے کہ تمہاری عبادت و طاعت کا نَفْع، پھل اور صلہ اسی کی نگہداشت سے وابستہ ہے اور عبادت میں وسوسے عبادت کا ضائع اور خراب ہونا بھی اکثر اسی زبان کے باعث ہوتا ہے کیونکہ بناوٹ اور سجا کر گفتگو اور غیبت وغیرہ اگر چہ ایک لفظ ہی ہو تیری سال کی بلکہ پندرہ سال کی عبادت و رِیاضت کو تباہ اور برباد کر دیتی ہے، اسی لیے بعض بُزُرگوں (رَحِمَهُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی) نے فرمایا ہے کہ

مَا شَیْءٌ اَحَقُّ بِطُوْلِ السِّجْنِ مِنَ اللِّسَانِ [1] سب سے زیادہ جس چیز کو قید و بند

[1] ...... شعب الایمان، الباب الرابع و الثلاثون فی حفظ اللسان، ۴/۲۵۹، رقم: ۵۰۰۳۔

میں رکھنا ضروری ہے وہ زبان ہے۔

مروی ہے کہ سات عابدوں میں سے ایک عابد نے کہا: اے یونس (عَلَیْہِ السَّلَام) ! جو لوگ پوری محنت اور کوشش سے عبادت میں مشغول رہتے ہیں ان کو عبادت پر جو اِسْتِقامت نصیب ہوتی ہے وہ زبان کی پوری طرح نگہداشت کا نتیجہ ہے۔ پھر اس عابد نے کہا: حفظِ زَبان [1] سے زیادہ پسندیدہ تیرے نزدیک کوئی چیز نہیں ہونی چاہیے کیونکہ دل کو ہر قسم کے وسوسوں سے پاک رکھنے کا ذریعہ یہی ہے۔

پھر تو ذرا زندگی کے وہ قیمتی لمحات تو یاد کر جو تو نے بیہودہ اور لَغْو گفتگو میں ضائع کیے ہیں اگر تو ان عزیز لمحات میں توبہ و اِسْتِغْفار کرتا تو شاید کسی نیک گھڑی میں تیری توبہ قبول ہو جاتی اور تیرے گناہ بخش دیئے جاتے اور تجھے نفع ہوتا، یا ان لمحات میں "لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه" کا وِرد کرتا رہتا تو تجھے بے حساب اجر و ثواب ملتا، یا ان لمحات میں یہ دعا کرتا: "اے اللہ! میں تجھ سے عافیت اور سلامتی کا سُوال کرتا ہوں۔" شاید کسی مبارک ساعت میں یہ الفاظ تیرے منہ سے نکلتے اور تیری دعا قبول ہو جاتی، اس طرح تو دنیا و آخرت کی آفات سے نجات پا جاتا، تو کیا لَغْو اور بے ہودہ کلام میں لمحاتِ زندگی کو ضائع کرنا واضح اور بَیِّن [2] خسارہ نہیں؟ ان اوقات میں اگر زبان کو اَوْرَاد و وَظائف میں مشغول رکھتا تو بڑے بڑے فائدے حاصل ہوتے اور اپنے نَفْس اور وقت کو فضول کاموں میں نہ لگا، تاکہ روزِ قیامت تجھے مَلامَت نہ ہو اور میدانِ مَحْشر میں حساب کے لیے زیادہ دیر نہ رُکنا پڑے، اس مضمون کو ایک شاعر نے اچھے پیرائے میں ادا کیا ہے:

---

1 ......زبان کی حفاظت۔ 2 ......ظاہر۔

وَاِذَا مَا هَمَمْتَ بِالنُّطْقِ فِي الْبَاطِلِ   فَاجْعَلْ مَكَانَهُ تَسْبِيْحًا

جب تو زبان سے کوئی باطل بات کہنے کا قصد کرے تو اس باطل سے زبان کو روک اور اس کی جگہ خدا کی تسبیح کر۔

پیٹ کی حفاظت

تیسرا عُضْو جس کی حفاظت اور نگہداشت ضروری ہے وہ پیٹ ہے، اس کی نگہداشت اس واسطے ضروری ہے کہ بندہ دنیا میں عبادت کے لیے آیا ہے اور غذا عمل کے لیے بمَنزِلِ بیج اور پانی کے ہے جیسا تُخْم اور جس تَنَاسُب سے اسے پانی دیا جائے گا ویسا ہی بیج اُگے گا اور جب تُخْم خراب ہو تو اس سے کھیتی اچھی نہیں ہوگی بلکہ ایسے بیج سے یہ خطرہ ہے کہ شاید وہ تیری زمین ہی ہمیشہ کے لیے خراب کر دے اور آئندہ زراعت کے قابل نہ رہے اسی لیے حضرت معروف کرخی رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه نے فرمایا ہے:

"اِذَا صُمْتَ فَانْظُرْ عَلٰی اَیِّ شَیْءٍ تُفْطِرُ وَ عِنْدَ مَنْ تُفْطِرُ وَ طَعَامِ مَنْ تَاْكُلُ فَكَمْ مَنْ يَاْكُلُ اُكْلَةً فَيَنْقَلِبُ قَلْبُهٗ عَمَّا كَانَ عَلَيْهِ فَلَا يَعُوْدُ اِلٰى حَالِهٖ اَبَدًا وَ كَمْ مِنْ اُكْلَةٍ حَرَمَتْ قِيَامَ لَيْلَةٍ وَ كَمْ مِنْ نَظْرَةٍ مَنَعَتْ قِرَاءَةَ سُوْرَةٍ وَ اِنَّ الْعَبْدَ لَيَاْكُلُ اُكْلَةً فَيُحْرَمُ بِهَا قِيَامَ سَنَةٍ. جب تو روزے رکھے تو اس بات کا خیال رکھ کہ کس چیز سے اسے اِفطار کرتا ہے اور کس کے پاس اِفطار کرتا ہے اور کس کے کھانے سے اِفطار کرتا ہے کیونکہ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ صرف ایک خراب لُقمے سے دل کی کیفیت خراب ہو جاتی ہے اور پھر ساری عمر وہ اپنی اَصلی حالت پر نہیں آسکتا اور بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ صرف ایک خراب لُقمہ

پیٹ میں جانے سے ایک سال تک نمازِ تہجُّد ادا کرنے سے انسان محروم ہوجاتا ہے اور بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ صرف ایک دفعہ بدنظر دیکھنے سے بندہ ایک عرصہ تک تلاوتِ قرآنِ پاک سے محروم ہوجاتا ہے، اور بندہ کبھی ایسا لُقمہ کھالیتا ہے کہ جس کے سبب ایک سال تک عبادت سے محروم ہوجاتا ہے۔

اس لیے اے عزیز! اگر تو اِصلاحِ قلب اور توفیقِ عبادت چاہتا ہے تو تجھ پر لازم ہے کہ اپنی غذا کے بارے میں سخت اِحتیاط کرے، یہ اصل غذا کے متعلق حکم ہے پھر اس میں دَرجۂ اِستِحباب پر نگاہ رکھنا بھی ضروری ہے ورنہ تو غذا اُٹھانے والا ٹَٹُّو بن جائے گا اور اِبنُ الْوَقْت [1] ہوجائے گا کیونکہ ہمیں یقین ہے بلکہ ہم نے کئی بار مُشَاہَدَہ کیا ہے پیٹ بھر کر کھانے سے عبادت قَطْعًا نہیں ہوسکتی اور اگر نَفْس کو مجبور کرکے اور حیلے بہانے سے عبادت کی طرف لگایا بھی جائے تو ایسی عبادت میں بالکل لذت وحَلاوت نہیں ہوتی اسی لیے بعض صالِحِین رَحِمَهُمُ اللّٰهُ الْمُبِیْن نے فرمایا ہے:

”لَا تَطْمَعْ فِیْ حَلَاوَةِ الْعِبَادَةِ مَعَ كَثْرَةِ الْاَكْلِ وَ اَیُّ نُوْرٍ فِیْ نَفْسٍ بِلَا عِبَادَةٍ وَ فِیْ عِبَادَةٍ بِلَا لَذَّةٍ وَ حَلَاوَةٍ“ اگر تو پیٹ بھر کے کھانے کا عادی ہے تو حلاوتِ عبادت کی اُمید نہ رکھ اور دل میں بغیر عبادت نور کیسے آسکتا ہے یا اس عبادت سے بھی کیسے نور آسکتا ہے جو بے لذت اور بے ذوق ہے۔

اسی لیے حضرت ابراہیم بن اَدْہَم رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْه نے فرمایا ہے کہ میں کوہِ لُبْنان

---

[1]...... زمانہ کا غلام۔

میں بہت سے اَھْلُ اللّٰہ کی صحبت میں رہا ہوں ان میں سے ہر ایک مجھے یہی وصیت کیا کرتا تھا کہ اے ابراہیم! جب تو اہلِ دنیا کے پاس جائے تو اُن کو ان چار باتوں کی نصیحت کرنا:

﴿۱﴾ جو پیٹ بھر کر کھائے گا اسے عبادت میں لذت نصیب نہیں ہوگی۔

﴿۲﴾ جو زیادہ سوئے گا اس کی عمر میں برکت نہیں ہوگی۔

﴿۳﴾ جو لوگوں کی خوشنودی چاہے وہ اللّٰہ کی خوشنودی سے نا اُمید ہو جائے۔

﴿٤﴾ جو غیبت اور فُضول گوئی زیادہ کرے گا وہ دینِ اِسلام پر نہیں مرے گا۔

حضرت سَہْل بن عبدُ اللّٰہ تُسْتَرِی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ نے فرمایا ہے کہ تمام نیکیاں اِنہی چار باتوں میں بند ہیں:

﴿۱﴾ شِکَم کو خالی رکھنا ﴿۲﴾ خاموشی ﴿۳﴾ مخلوق سے کِنارہ کشی اور ﴿٤﴾ شب بیداری۔

بعض صَالِحِیْن (رَحِمَھُمُ اللّٰہُ الْمُبِیْن) نے فرمایا ہے کہ "اَلْجُوْعُ رَاْسُ مَالِنَا" بھوک ہمارا سرمایہ ہے۔

اس قول کے معنی یہ ہیں کہ ہمیں جو فراغت، سلامتی، عبادت، حلاوت، علم اور عملِ نافع وغیرہ نصیب ہوتا ہے وہ سب بھوک کے سبب اور صبر کی برکت سے ہوتا ہے۔

دل کی حفاظت

چوتھا عُضْو جس کی حفاظت اور نگہداشت اَزحد ضروری ہے وہ دل ہے کیونکہ

یہ تمام جسم کا اصل ہے، چنانچہ اگر تیرا دل خراب ہو تو تیرے تمام اَعْضاء خراب ہوں گے اور اگر تو اس کی اِصلاح کر لے تو باقی سب اَعْضاء کی اِصلاح ہو جائے گی کیونکہ دل درخت کے تنے کی مانند ہے اور باقی اَعْضاء شاخوں کی طرح اور شاخوں کی اِصلاح یا خرابی درخت کے تنے پر موقوف ہے تو اگر تیری آنکھ، زبان، پیٹ وغیرہ درست ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تیرا دل درست اور اِصلاح یافتہ ہے اور اگر آنکھ، زبان، شِکَم وغیرہ گناہوں کی طرف راغِب ہوں تو سمجھ لے کہ تیرا دل خراب ہے۔

پھر تجھے یقین کرنا چاہیے کہ دل کا فساد زیادہ اور سنگین ہے اس لیے اِصلاحِ قلب کی طرف پوری توجہ دے تاکہ تمام اَعْضاء کی اِصلاح ہو جائے اور تاکہ تو روحانی راحت محسوس کرے۔

پھر قلب کی اِصلاح نہایت مشکل اور دشوار ہے کیونکہ اس کی خرابی خطرات و وَساوِس پر مبنی ہے جن کا پیدا ہونا بندے کے اختیار میں نہیں، اس لیے اس کی اِصلاح میں پوری ہوشیاری، بیداری اور بہت زیادہ جِدّ و جُہد کی ضرورت ہے، انہی وجوہات کی بنا پر اَصحابِ مُجاھَدَہ و رِیاضت اِصلاحِ قلب کو زیادہ دشوار خیال کرتے ہیں اور اَربابِ بصیرت اس کی اِصلاح کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں، چنانچہ حضرت بایزید بِسْطامی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

”عَالَجْتُ قَلْبِيْ عَشْرًا وَّ لِسَانِيْ عَشْرًا وَّ نَفْسِيْ عَشْرًا فَكَانَ قَلْبِيْ اَصْعَبَ الثَّلَاثَةِ“ میں نے اپنے دل، زبان اور نَفْس کی اِصلاح پر دس دس برس صرف کیے، ان میں دل

کی اِصلاح مجھے سب سے زیادہ دشوار معلوم ہوئی۔

پھر اِصلاحِ قَلْب کے سلسلے میں چار اُمور جو ہم پیچھے ذکر کر آئے ہیں یعنی لمبی اُمیدوں، اَعمال میں جلد بازی، حَسَد اور تَکَبُّر سے بچنا اور اِحْتِراز[1] کرنا لازم ہے۔

اس مقام پر ان چار اُمور سے اِجْتِناب کرنے کی تَخْصِیص ہم نے اس لیے کی ہے کہ اگر چہ عام لوگ بھی ان اُمور میں مبتلا ہیں مگر عبادت گزار لوگ خاص طور پر ان میں مبتلا ہیں اس لیے یہ چار اُمور زیادہ قَبِیح اور بُرے ہیں، ایسا عام ہوتا ہے کہ عبادت کرنے والا کسی لمبی اُمید میں مبتلا رہتا ہے اور وہ اسے ایک اچھی نیت خیال کر رہا ہوتا ہے اور آخِرُ الْاَمْر وہ اس کے باعث عمل میں سستی اور کاہلی میں گرفتار ہو جاتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ بلند رُتبہ حاصل کرنے میں جلد بازی سے کام لیتا ہے اور جلد حاصل نہ ہونے کے باعث ہمیشہ کے لیے اس کا دل سرد پڑ جاتا ہے اور بعض دفعہ کسی بزرگ سے دعا کراتا ہے مگر جلد قبول نہ ہونے کے باعث اس سے بھی ملول[2] ہوتا ہے یا بعض دفعہ کسی کے حق میں بددعا کرتا ہے اور بعد میں پشیمان رہتا ہے اور بعض دفعہ اپنے ہم عمروں سے مال اولاد وغیرہ پر حَسَد کرتا ہے اور بعض اوقات آفتِ حسد میں گرفتار ہو کر ایسے ایسے قَبِیح اور بُرے اَفعال کر گزرتا ہے جن کے کرنے کی ایک فاسق وفاجر آدمی کو بھی جُرأَت نہیں ہوتی، اسی بِنا پر حضرت سفیان ثَوری رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعالٰی عَلَیْہ نے فرمایا ہے کہ

1 ...کِنارہ کَشی۔ 2 ...غمگین۔

"مجھے اپنی جان کے متعلق سب سے زیادہ خطرہ علماء اور عبادت گزار لوگوں سے ہے۔" لوگوں نے آپ (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) کی اس بات کو بُرا منایا، تو آپ (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) نے جواب دیا: "یہ بات میں نے اپنی طرف سے نہیں کہی بلکہ یہ حضرت ابراہیم نَخَعِی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا ہے۔"[1]

اور حضرت عَطاء (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) سے مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت سفیان ثَوْرِی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے مجھے کہا: عبادت گزار لوگوں سے خطرے میں رہو اور ان کی طرح مجھ سے بھی خطرے میں رہو، کیونکہ بسا اوقات میں ایک انار کے متعلق کہوں گا یہ میٹھا ہے، دوسرا کہے گا نہیں یہ تُرش[2] ہے، اسی معمولی بات سے ہمارا تکرار بڑھ جائے گا اور کوئی بَعِید نہیں کہ ایک دوسرے کے قتل تک نوبت پہنچ جائے۔[3]

اور حضرت مالک بن دِینار رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ میں عبادت گزار لوگوں کی گواہی دوسروں کے حق میں تو قبول کرنے کو تیار ہوں لیکن ان کے اپنے اندر ایک دوسرے کے متعلق ان کی شہادت قبول کرنے کو تیار نہیں ہوں کیونکہ میں نے انہیں ایک دوسرے کے متعلق حسد سے بھرا ہوا پایا ہے۔[4]

مذکور ہے کہ حضرت فُضَیل رَحِمَہُ اللّٰہ تعالٰی نے اپنے لڑکے کو فرمایا کہ مجھے عبادت گزار اور رسمی صوفیوں سے دور کوئی مکان خرید دے کیونکہ مجھے اس قوم میں رہنے

---

1 ......فیض القدیر للمناوی، حرف الهمزة، ۱۰۳/۲۔

2 ......کھٹا۔

3 ......فیض القدیر للمناوی، حرف الهمزة، ۱۰۳/۲۔

4 ......المجالسة وجواهر العلم، الجزء الحادی والعشرون، ۹۵/۳، رقم: ۲۹۶۸۔

سے کیا فائدہ جو میری لغزش دیکھ کر اس کا چرچا کریں اور مجھے آرام و آسائش میں دیکھ کر حسد کریں۔ [1]

تم نے خود بھی دیکھا ہو گا کہ خشک عابد اور رسمی صوفی تکبر سے پیش آتے ہیں، دوسروں کو حقیر خیال کرتے ہیں، تکبر کی وجہ سے اپنے رُخسارے کو ٹیڑھا رکھتے ہیں اور لوگوں سے منہ بسُورے رکھتے ہیں، گویا کہ دو رکعت نماز زیادہ پڑھ کر لوگوں پر اِحسان کرتے ہیں یا شاید انہیں دوزخ سے نجات اور جنت کے داخلے کا سرٹیفکیٹ مل چکا ہے، یا ان کو یقین ہو چکا ہے کہ صرف ہم ہی نیک بخت ہیں، باقی سب لوگ بد بخت اور شَقِی ہیں پھر وہ ان تمام بُرائیوں کے ہوتے ہوئے لباس عاجز اور مُتَواضِع لوگوں جیسا پہنتے ہیں جیسے صوف وغیرہ اور بناوٹ سے خَمُوشی اور کمزوری کا اظہار کرتے ہیں حالانکہ ایسے لباس اور خَمُوشی وغیرہ کا تکبر اور غرور سے کیا تعلق بلکہ یہ چیزیں تو تکبُّر اور غرور کے مُنافی ہیں لیکن ان اندھوں کو سمجھ نہیں۔

مذکور ہے کہ ایک دفعہ فَرْقَد سَنْجِی حضرت حسن رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے پاس آیا وہ اس وقت ایک دَرْوِیشَانَہ گودَڑی پہنے ہوئے تھا اور حضرت نیا جوڑا پہنے ہوئے تھے، وہ بار بار حضرت حسن (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ) کے کپڑوں کو دیکھتا تھا اور ہاتھ لگاتا تھا، آپ نے فرمایا: تو بار بار میرے لباس کو کیا دیکھتا ہے سُن لے! میرا لباس اہلِ جنّت کا لباس ہے اور تیرا لباس دوزخیوں کا لباس ہے۔ حضرت حسن (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ) نے فرمایا: مجھ تک بات پہنچی ہے کہ اکثر اہلِ دوزخ گودَڑی پہنے ہوں گے پھر حضرت

[1] ......فیض القدیر للمناوی، حرف الهمزة، ٢/١٠٣۔

حسن (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ) نے فرمایا: ان لوگوں نے کپڑوں میں تو زُہد اختیار کیا ہے مگر سینوں میں تکبر اور غرور کو جگہ دے رکھی ہے، قسم خدا کی خوش پوش[1] مگر صاف دل لوگ رسمی گودڑی پہننے والوں سے ہزار درجے بہتر ہیں۔[2]

حضرت ذُوالنُّون مِصۡرِی رَحۡمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی کے مندرجہ ذیل اَشعار بھی اسی مضمون کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

(١) تَصَوَّفَ فَازۡدَهٰی بِالصُّوۡفِ جَهۡلًا وَ بَعۡضُ النَّاسِ یَلۡبَسُهٗ مَجَانَه

(٢) یُرِیۡكَ مَهَانَةً وَ یُرِیۡكَ كِبۡرًا وَ لَیۡسَ الۡكِبۡرُ مِنۡ شَكۡلِ الۡمَهَانَه

(٣) تَصَوَّفَ كَیۡ یُقَالَ لَهٗ اَمِیۡنٌ وَ مَا مَعۡنٰی تَصَوُّفِهِ الۡاَمَانَه

(٤) وَ لَمۡ یُرِدِ الۡاِلٰهَ بِهٖ وَ لٰكِنۡ اَرَادَ بِهِ الطَّرِیۡقَ اِلَی الۡخِیَانَه

ترجمہ: (١) بعض لوگ صوفیوں کا سا لباس پہنتے ہیں اور اَز رَاہِ جہالت دوسروں کو نظرِ حقارت سے دیکھتے ہیں اور بعض لوگ تو فُضول ہی صوف کا لباس پہنتے ہیں۔

(٢) ایسے جاہل صوفی دوسروں کے سامنے اپنے آپ کو کمزور و ناتواں ظاہر کرتے ہیں اور دوسروں کو تکبر سے دیکھتے ہیں حالانکہ عاجزی کرنے والوں میں تکبر نہیں ہوتا۔

(٣) ایسے صوفی یہ لباس صرف اس غرض سے پہنتے ہیں تاکہ عوام انہیں امین اور نیک خیال کریں مگر درحقیقت ان کی اس صوفیائی کا مقصد نیکی اور شرافت نہیں ہوتا۔

(٤) درویشانہ لباس سے انہیں خوشنودیٔ خدا مقصود نہیں ہوتی بلکہ وہ اس طرح عوام کو دھوکا دہی اور ان کے ساتھ خیانت کی راہ ہموار کرتے ہیں۔

---

[1] ......اچھے کپڑے پہنے ہوئے۔ [2] ......فیض القدیر للمناوی، حرف الهمزة، ٢/١٠٣۔

تو اے عزیز! تو ان چار مُہلِکات سے بچ خاص کر تکبر سے اس لیے کہ دوسری تین آفتیں تو ایسی آفتیں ہیں جن سے تو صرف گناہ اور نافرمانی میں مبتلا ہوگا مگر تکبر ایسا خطرناک مرَض ہے جو بسا اوقات انسان کو کُفر اور گمراہی تک پہنچا دیتا ہے۔

تکبر کے سلسلے میں تو اِبلیس اور اس کی گمراہی کو ہرگز نہ بھول، اس کی گمراہی کا آغاز اسی سے ہوا کہ اس نے تکبر کیا اور خدا کے حکم کا اِنکار کیا، اور اللہ ہی کی دَرگاہِ بیکس پناہ میں دعا کرنی چاہیے کہ ہمیں اپنے فضل سے ہر گمراہی اور لغزش سے بچائے۔

فصل

خلاصہ یہ ہے کہ جب تو عقل و دانش سے دیکھے گا تو تجھے معلوم ہو جائے گا کہ دنیا فانی ہے اور اس میں مشغول ہونے کا نقصان نَفْع سے زیادہ ہے اور دنیا میں پیش آنے والی پریشانیاں اس کی راحت سے زیادہ ہیں، جیسے حصولِ دنیا کے لئے جسم کو تھکا ڈالنا اور دل کا اُمورِ دنیا میں گرفتار رہنا اور پھر آخرت میں ہر ہر چیز کا حساب اور ایسا دردناک عذاب جس کے برداشت کی تجھ میں ہرگز طاقت نہیں۔

تو جب تجھے اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ دنیا اور سامانِ دنیا میں خسارہ ہی خسارہ ہے تو تجھ پر لازِم ہے کہ اس کی چیزیں صرف اسی قدر اِستعمال میں لائے جس سے خدا تعالیٰ کی عبادت بجا لاتا رہے اور نعمتیں اور لذتیں حاصل کرنے کے لیے ہمیشہ رہنے والی جنت کا اِنتظار کرتا رہے جہاں خداوند تعالیٰ کا قُرب بھی حاصل ہوگا۔

اور جب تجھے یہ بھی اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ مخلوق میں وفاداری نہیں اور اس کی طرف سے اِمداد و اِعانت کے بجائے تکلیف اور دُکھ زیادہ پہنچتا ہے تو تجھے

چاہیے کہ لوگوں سے سوائے سخت ضرورت کے میل جول نہ کرے، نیک باتوں میں ان سے نفع حاصل کر مگر نقصان دہ چیزوں میں ان سے اِجتناب کر اور اس خدا سے دوستی لگا جس کی دوستی ہر قسم کے خسارے سے پاک ہے اور اس خدا کی طاعت کر جس کی طاعت سے تجھے پشیمانی نہیں ہوگی اور اس کتابِ مُقدَّس کو اپنی مَشعلِ راہ بنالے اور اس کے اَحکام کو پوری پابندی سے بجالاتا رہ، ایسا کرنے سے ضرور وہ تیری ہر حال میں دَستگِیری کرے گا، تجھ پر تیرے وَہم وگمان سے زیادہ اِنعام واِکرام کی بارش کرے گا اور دنیا وآخرت میں ہر مشکل وقت میں تیری فریاد رسی کرے گا، جیسا کہ نبی کریم رَءُوف ورَحیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَ التَّسْلِیْم کا ارشادِ گرامی ہے:

"اِحْفَظِ اللّٰہَ تَجِدْہُ حَیْثُ اتَّجَھْتَ"(1) ہمیشہ خدا کی ہی یاد میں مُستَغرَق(2) رہ تاکہ جدھر تو متوجہ ہو اُدھر ہی تجھے اس کے جلوے نظر آئیں۔

اور جب کہ تجھے یہ بھی اچھی طرح معلوم ہوگیا کہ شیطان خبیث ہے اور تیری عداوَت پر ہر وقت کمر بستہ ہے تو اس لعین کتے سے بچنے کے لیے ہر وقت خدا سے پناہ مانگتا رہ اور کسی وقت بھی اس کی مکاریوں اور عیاریوں سے غافل نہ ہو بلکہ خدا تعالیٰ کے ذکر سے اس کتے کو بھگا دے، جب تو مردانِ خدا جیسا عزم و یقین اپنے اندر پیدا کرلے گا تو بفضلِ خدا اس لعین کے داؤ تجھے کچھ ضَرَر(3) نہیں پہنچا سکیں گے، جیسا کہ رب تعالیٰ نے خود فرمایا ہے:

1 ......سنن الترمذی، کتاب صفة القیامة...الخ، ۵۹-باب، ۲۳۱/۴، حدیث: ۲۵۲۴۔

2 ......ڈوبا۔ 3 ......نقصان۔

اِنَّهٗ لَیْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ(۹۹) [1] بیشک شیطان کا کوئی بس کامل بندوں اور رب تعالیٰ پر توکُّل کرنے والوں پر نہیں چل سکتا۔

اَبُوحازِم رَحْمَۃُ اللّٰهِ تعَالٰی عَلَیْه نے بالکل درست فرمایا ہے کہ دنیا کی حقیقت تو یہ ہے کہ جو گزر گئی وہ گویا ایک خواب تھا اور جو باقی ہے وہ نفسانی خواہشات میں صَرف ہو رہی ہے اور شیطان کی حقیقت یہ ہے کہ جب تک وہ خدا کا مطیع رہا تو اس سے خدا کا نفع نہ ہوا اور جب نافرمان ہوا تو اس کا کچھ بگاڑ نہ سکا۔

اور جب تو نے جان لیا کہ یہ نَفْس انتہائی نادان ہے اور نقصان دہ و ہلاک کُن چیزوں پر فریفتہ ہے اور تو نے عقلمند اور نتائج پر نظر رکھنے والے علماء کی طرح نَفْس کے حالات پر غور کیا، ان لوگوں کی طرح اس کی خاطر تواضع نہ کی جو جاہل ہیں اور صرف زمانہ حال پر ہی نظر رکھتے ہیں، اس کے اَمراض اور عُیُوب کو نہیں دیکھتے، اور زُہدو تقویٰ کی کڑوی دَوا سے بھاگتے ہیں، تو جب تو نے نَفْس کو تقویٰ کی لگام دے دی اس طرح کہ فُضول چیزوں سے اسے روکا جیسے فضول کلام، ناجائز نظر، ضرورت سے زائد طَعام اور اسے اُن قَبِیح چیزوں سے روکا جن میں یہ گرفتار ہے جیسے لمبی اُمیدیں، جلد بازی، مسلمان کے ساتھ حسد، تکبر اور شہوت و حرص کے طور پر کھانا اور صرف وہی چیزیں اُسے دیں جو ضروری ہیں، بے کار باتوں سے اسے بچایا کیونکہ جب انسان زُہدو تقویٰ کی زندگی اختیار کرتا ہے تو اللّٰہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کی طرح اس انسان کو بھی اپنی رحمت اور اپنے فضل سے اس کے ایمان کو

---

[1]......ترجمۂ کنز الایمان: بے شک اس کا کوئی قابو ان پر نہیں جو ایمان لائے اور اپنے رب ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ (پ ١٤، النحل:٩٩)

نقصان پہنچانے والی چیز سے محفوظ کرلیتا ہے، جب خدا زُہد وتقویٰ اختیار کرنے سے انسان کے کاموں کا خود کفیل بن جاتا ہے تو فضول اور بے کار چیزوں میں مشغول ہونے کی کیا حاجت ہے۔

بعض صالحین (رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰى عَلَيْهِم) نے فرمایا ہے: میرے لیے تقویٰ آسان ہے کیونکہ جب مجھے کسی چیز کے جائز وناجائز ہونے میں شک ہوتا ہے تو میں اسے ترک کردیتا ہوں کیونکہ میرا نَفْس میرا مطیع ہوچکا ہے اور جو عادت میں اسے ڈالوں وہ اس کا عادی بن جاتا ہے اور بے شک نَفْس کی حالت یہی ہے جو ایک عَرَبی شاعر نے اس شعر میں بیان کی۔

فَالنَّفْسُ رَاغِبَةٌ اِذَا رَغَّبْتَهَا　　وَاِذَا تُرَدُّ اِلٰى قَلِيْلٍ تَقْنَعُ

ترجمہ: نَفْس کو جب تو کسی طرف راغب کرے تو راغب ہوجاتا ہے اور جب تھوڑی شے پر کفایت کرنے کا اسے عادی بنالے تو وہ اسی پر صابر ہوجاتا ہے۔

ایک اور شخص نے کہا ہے:

"هِيَ النَّفْسُ مَا حَمَّلْتَهَا تَتَحَمَّلُ" اس نَفْس کو تو جس چیز کا عادی بنائے گا وہ اسی کا عادی بن جائے گا۔

ایک شاعر نے یوں کہا ہے:

(۱) صَبَرْتُ عَنِ اللَّذَّاتِ حَتّٰى تَوَلَّتِ　　وَاَلْزَمْتُ نَفْسِيْ صَبْرَهَا فَاسْتَمَرَّتِ

(۲) وَمَا النَّفْسُ اِلَّا حَيْثُ يَجْعَلُهَا الْفَتٰى　　فَاِنْ اُطْعِمَتْ تَاقَتْ وَاِلَّا تَسَلَّتِ

ترجمہ: (۱) میں نے دُنیوِی لذتوں سے اپنے آپ کو روکا یہاں تک کہ وہ مجھ سے علیحدہ ہوگئیں

اور میں نے نَفْس کو صبر کا عادی بنایا تو وہ اس کا عادی بن گیا۔

(۲) نَفْس وہی حالت اِختیار کرتا ہے جس پر انسان اسے رکھے، اگر اسے خوب کھلایا جائے تو اس کی شہوتیں جوش میں آتی ہیں اور اگر بقدرِ کفایت اسے غذا دی جائے تو اسی پر مطمئن ہو جاتا ہے۔

تو جب تجھے وہ تمام باتیں معلوم ہو گئیں اور تو ان کا عامل بھی بن گیا جو ہم نے بیان کی ہیں تو بے شک تو زاہدوں میں شامل ہو گیا اور آخرت کی طرف متوجہ ہونے والے لوگوں میں سے ہو گیا۔

اے عزیز! تو جان لے جس پر زاہد کا لفظ بولنا درست ہو گیا گویا وہ ہزار اچھی صفتوں سے مُتَّصِف ہو گیا، اسی طرح جب تو زاہدوں میں شامل ہو گیا تو تو بھی مخلوق سے کِنارہ کَشی کرنے والے اور سب سے رشتۂ محبت جوڑنے والے اور اس کی سچی طاعت کرنے والے لوگوں میں شامل ہو گیا اور تو بھی ان لوگوں میں سے ہو جائے گا جن کی صِفت [1] ایک عربی شاعر نے مُنْدَرِجہ ذیل اَشعار میں کی ہے:

(۱) تَشَاغَلَ قَوْمٌ بِدُنْیَاھُمْ وَقَوْمٌ تَخَلَّوْا لِمَوْلَاھُمْ

(۲) فَاَلْزَمَھُمْ بَابَ مَرْضَاتِہٖ وَعَنْ سَائِرِ الْخَلْقِ اَغْنَاھُمْ

(۳) یَصُفُّوْنَ بِاللَّیْلِ اَقْدَامَھُمْ وَعَیْنُ الْمُھَیْمِنِ تَرْعَاھُمْ

(٤) فَطُوْبٰی لَھُمْ ثُمَّ طُوْبٰی لَھُمْ اِذَا بِالتَّحِیَّۃِ حَیَّاھُمْ

ترجمہ: (۱) ایک قوم وہ ہے جو دُنیوی عَیش وعشرت میں مَحو [2] ہے اور ایک وہ خالص بندے ہیں جو سب سے علیحدہ ہو کر صرف اپنے مولیٰ کے ہو گئے ہیں۔

(۲) خدا نے اپنے فضل سے انہیں اپنے آستانۂ رضا پر جگہ دے دی ہے اور تمام مخلوق سے

---

1 ...... تعریف۔ 2 ...... مصروف۔

انہیں بے پرواہ کر دیا ہے۔

(۳) رات کو صفیں بنائے اپنے مولیٰ کے دربار میں عبادت کی حالت میں کھڑے رہتے ہیں اور رب تعالیٰ کی نظرِ عنایت ان کی نگہبانی کرتی رہتی ہے۔

(٤) انہیں اس وقت کی مبارک ہو جب ان کا مولیٰ انہیں اپنے اِنعام واِکرام سے نوازے گا۔

تو جب تو ہمارے بیان کردہ زُہد وتقویٰ کے تمام مُقْتَضِیات [1] پر پوری طرح عمل پیرا ہو جائے گا تو تو خدا کی راہ میں نَفْس سے جہاد کرنے والے زاہدین اور خدا کے ان خاص بندوں میں سے ہو جائے گا جن کی صِفَت میں رب تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ (2) — اے اِبلیس! میرے خاص بندوں پر تیرا کوئی بس نہیں چل سکتا۔

اور اب تیرا ان پرہیز گار لوگوں میں نام درج ہو جائے گا جن کو سعادتِ دارَین حاصل ہے اور اب تو بہت سے ملائکہ مُقَرَّبِیْن سے بھی اَفضل واَعلیٰ ہو جائے گا کیونکہ ملائکہ شَہْوات اور نَفْسِ خَبِیث سے پاک ہیں (اس لیے ان کا گناہوں سے بچے رہنا زیادہ کمال نہیں)۔

اور جب تو ہماری بیان کردہ ہدایات کا عامل ہو گیا تو تو نے یہ تیسری لمبی اور مشکل گھاٹی بھی عُبور کر لی اور تو تمام رُکاوٹوں سے آگے نکل کر اپنے اَصل مقصود کے قریب ہو گیا اور جب خدا تعالیٰ کی اِمداد و اِعانت شاملِ حال ہو تو پھر کوئی

1 ......تقاضوں۔

2 ......ترجمۂ کنز الایمان: بیشک میرے بندوں پر تیرا کچھ قابو نہیں۔ (پ ۱٤، الحجر: ٤٢)

مشکل نہیں۔

ہم خدا ہی سے سوال کرتے ہیں وہ بہتر حَلُّ الْمُشْکِلات [1] ہے کہ وہ ہمیں اور تمہیں اپنی مدد اور توفیق کے قلعے میں محفوظ کرلے کیونکہ وہ ہر مشکل میں آسانی عطا فرمانے کے لئے کافی ہے اور ہر مشکل میں درحقیقت اسی سے اِمداد طلب کرنی چاہیے کیونکہ وہی ہر شے کا خالق ہے اور اسی کے دستِ قدرت میں حَقِیْقَۃً اختیار ہے اور وہ سب کچھ کرسکتا ہے۔ اس تیسرے باب میں جو ضروری اُمور ہم نے بیان کرنے تھے وہ یہی تھے۔ وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

چوتھا باب

چوتھی گھاٹی میں

اور یہ گھاٹی ''عَقَبَۃُ الْعَوَارِض'' کے نام سے مَوسُوم ہے

پھر اے طالبِ عبادت! (تجھے اللہ تعالیٰ توفیق دے) ان عَوَارِض سے بچنا اور ان کے راستے بند کرنا بھی تجھ پر لازم اور ضروری ہے تاکہ تجھے اَصل مقصود سے نہ روکیں اور ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ وہ عَوَارِض چار ہیں:

اوّل عارِضہ: رِزْق اور نَفْس کا رِزْق کے مُتَعلِّق مُطالَبہ

اس عارِضے سے نجات کی یہ صورت ہے کہ تو رِزْق کے بارے میں خدائے تعالیٰ پر تَوَکُّل اور بھروسہ کرے یہ تَوَکُّل دو وجہ سے لازم اور ضروری ہے:

[1] ......مشکلات کو حل کرنے والا۔

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ تاکہ تو عبادت کے واسطے فارغ ہو سکے اور کَمَا حَقُّہٗ نیک کام کر سکے اس لیے کہ جو شخص رِزْق کے بارے میں خدا تعالیٰ پر مُتَوَکِّل [1] نہ ہو وہ ضرور خدا تعالیٰ کی عبادت چھوڑ کر تلاشِ روزی، مَعاشی حاجات اور مَصالِحِ رِزْق [2] میں مشغول ہوگا، یا تو ظاہری جسم سے مشغول ہوگا یا خیالات کے طور پر۔

ظاہری جسم کے اعتبار سے تو اسطرح کہ تلاشِ روزی میں مارا مارا پھرے گا اور بدن سے محنت مزدوری کر کے کمانے کی کوشش کرے گا جیسے عام لوگوں کا حال ہے۔

اور خیالات کے طور پر اس طرح کہ تلاشِ رِزْق کی تدبیریں سوچے گا طرح طرح کے اِرادے کرے گا اور مختلف نَوْعِیَّتُوْں کے وسوسے اس کے دل میں آئیں گے جیسے وہ لوگ جو رِزْق کی تدبیریں سوچنے میں گرفتار ہیں۔

اور عبادت کَمَا حَقُّہٗ اس وقت ہو سکتی ہے جب دل اور بدن پوری طرح اس کے لیے فارِغ ہوں اور ایسی فراغت صرف مُتَوَکِّلِیْن کو ہی میسر آ سکتی ہے بلکہ میں کہتا ہوں کہ بہت سے ضَعِیْفُ الْاِعْتِقَاد لوگ اس وقت تک مطمئن نہیں ہوتے جب تک انہیں رِزْق یا کچھ روپیہ پیسہ ہاتھ نہ آ جائے تو ایسے ضَعِیْفُ الْاِعْتِقَاد لوگ دنیا و آخرت میں اپنے اَصل مقصود سے رہ جاتے ہیں۔

میں نے بارہا اپنے شیخ ابو محمد رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے سنا کہ آپ فرمایا کرتے تھے:

''جہان میں دو شخص ہی کامیاب ہوتے ہیں، ایک باجُرأت آدمی اور دوسرا مُتَوَکِّل۔''

---

[1] ......بھروسا کرنے والا۔ [2] ......رزق کے حصول کے ذرائع۔

میں کہتا ہوں کہ یہ ایک جامع فِقرہ ہے کیونکہ باجُرأَت شخص اپنی قوتِ اِرادِی اور جُرأَتِ قلب سے جس کام کا اِرادہ کرتا ہے اسے کر گزرتا ہے اور کوئی چیز اس کے راستے میں رُکاوٹ نہیں بنتی اور مُتَوَکِّل شخص اس لیے کامیاب ہے کہ وہ وعدۂ خداوندی پر اپنی بصیرت اور یقینِ کامل سے اِعتماد رکھتا ہے اور ہر کام کرتے وقت اسے خدائے تعالیٰ پر کامل بھروسہ ہوتا ہے وہ اپنا اِرادہ پورا کرنے میں کسی انسان سے نہیں ڈرتا اور نہ شیطانی وسوسے اس کے لیے رُکاوٹ بن سکتے ہیں اس لیے وہ اپنے مَقاصِد ومَطالِب میں کامیاب ہوجاتا ہے۔

لیکن ضَعِیفُ الطَّبْعِ اور ضَعِیفُ الْاِعْتِقاد آدمی ہمیشہ خدا تعالیٰ پر تَوَکُّل اور بھروسہ کرنے میں مُتَرَدِّد رہتا ہے اور ہمیشہ اس کے دماغ میں فُتُور اور طبیعت پر پریشانی مسلَّط رہتی ہے اور بندھے ہوئے گدھے یا قَفَس (1) میں بند پرندے کی طرح منتظر رہتا ہے، اسی پَراگَندَہ خیالی (2) میں اس کی عمر گزر جاتی ہے ایسا شخص کوئی بڑا قابلِ ستائش اور معزز کام نہیں کرسکتا اگر کہیں کرنے کا اِرادہ بھی کرے تو اس میں ناکام رہتا ہے اور اسے پورا نہیں کرسکتا، تم دیکھتے نہیں کہ دُنیَوِی بلند مراتب حاصل کرنے والے بھی بڑی پوسٹ اور بلند رُتبہ اُس وقت تک حاصل نہیں کرسکتے جب تک اپنی جان، اپنے مال اور اپنے اہل وعیال سے توجہ ہٹا کر اپنے مقصد کی طرف متوجہ نہ ہوں۔

مثلاً وہ لوگ جو کسی خِطّۂ زمین کے بادشاہ بنتے ہیں انہیں اس کے لیے جنگ وجِدَال کرنے پڑتے ہیں، دشمنوں کو کچلنا پڑتا ہے یعنی یا تو دشمنوں کو ہلاک کرنا پڑتا

1 ...... پنجرے۔ 2 ...... بُرے خیالات۔

ہے یا اپنا مُطیع بنانا پڑتا ہے تب جا کر وہ بادشاہ بنتے ہیں یا اِقتدار حاصل کرتے ہیں۔

منقول ہے کہ جب حضرت اَمیر مُعاویہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے جنگِ صِفّین کے دن اپنے اور حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کی صفوں کو ایک دوسرے کے مُقابل کھڑے دیکھا تو فرمایا:

''جو بڑی چیز کا اِرادہ کرتا ہے اسے بڑی بڑی مشکلات پیش آتی ہیں۔''

اور تاجر لوگ خشکی اور تری کے نہایت خطرناک سفر اختیار کرتے ہیں، اپنی جانوں اور اپنے مالوں کو مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق تک لے جاتے ہیں اور دلوں کو نَفع یا نقصان پر قائم کرتے ہیں، تب جا کر بڑے مَنافع، بہت مال اور بڑی بڑی اَعلیٰ اور قیمتی اشیاء کے مالک بنتے ہیں۔

باقی رہے چھوٹے دَرَجے کے عام دوکاندار جو دل کے کمزور اور عزم کے کچّے ہیں وہ اتنی جُرأت نہیں کرتے کہ دور دراز کے سفر اختیار کریں بلکہ حقیر مال کے ساتھ ہی دل لگائے رکھتے ہیں ایسے لوگ ساری عمر مکان سے دوکان تک اور دوکان سے مکان تک ہی محدود رہتے ہیں اسی بِنا پر وہ بادشاہوں جیسے بڑے مرتبے پر نہیں پہنچ سکتے اور نہ ہی وہ بڑے تاجروں کی طرح کافی سرمایہ حاصل کرسکتے ہیں ایسے آدمیوں کو شام کو اگر ایک دِرْہم ہی نفع ہو تو اسے کافی سمجھتے ہیں یہ لوگ اتنے قَلیل نفع پر اس لیے خوش ہوجاتے ہیں کہ ان کی ہمت اور وُسْعَتِ نظر ہی اتنی ہوتی ہے، یہ تو دنیا اور اہلِ دنیا کا حال ہے لیکن وہ مُقدّس لوگ جو آخرت کی نجات چاہتے ہیں ان کا اصل سرمایہ یہی تَوَکُّل اور دل کو خدا کے سوا دوسری چیزوں

سے ہٹالینا ہے۔

جب یہ لوگ تَوَکُّل کی صفت کَمَا حَقُّهٗ اپنے اندر حاصل کر لیتے ہیں اور اس پر مضبوطی سے قائم ہو جاتے ہیں تو وہ خدا کی عبادت میں ہر چیز سے فارِغ ہو کر مشغول ہو جاتے ہیں، خَلْق (1) سے کِنارہ کَشی کو اپنا دَسْتُور بنا لیتے ہیں، لَق و دَق (2) صحراؤں میں، پہاڑوں کی چوٹیوں پر اور خطرناک گھاٹیوں میں زندگی بسر کرنا ان کے لیے آسان ہو جاتا ہے تو ایسے لوگ سب سے طاقتور اور باہمت ہو جاتے ہیں درحقیقت یہی باہمت لوگ دین کے ستون، تمام سے معزز اور خدائی زمین کے بادشاہ کہلانے کے حقدار ہوتے ہیں کیونکہ یہ لوگ جہاں چاہتے ہیں جاتے ہیں جہاں چاہتے ہیں قیام کرتے ہیں اور علم وعمل کی مشکل ترین منزلوں کو طے کرتے ہیں کوئی چیز ان کے مقصد میں رُکاوٹ یا حائل نہیں ہوسکتی ساری زمین ان کے سامنے ہوتی ہے اور ماضی، حال و مستقبل ان کے لیے ایک ہوتا ہے، نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اپنے مندرجہ ذیل ارشاد میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے چنانچہ آپ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) فرماتے ہیں:

"مَنْ سَرَّهٗ اَنْ یَّکُوْنَ اَقْوَی النَّاسِ فَلْیَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰهِ وَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ یَّکُوْنَ اَکْرَمَ النَّاسِ فَلْیَتَّقِ اللّٰهَ وَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ یَّکُوْنَ اَغْنَی النَّاسِ فَلْیَکُنْ بِمَا فِیْ یَدِ اللّٰهِ اَوْثَقَ مِنْهُ بِمَا فِیْ یَدِهٖ" (3) جو شخص یہ چاہے کہ سب سے قوی ہو جائے تو اسے چاہیے کہ اللّٰہ پر تَوَکُّل کرے اور جو چاہے کہ سب سے باعزت ہو جائے تو اسے چاہیے کہ تقویٰ اختیار کرے اور جو چاہے

---

(1)......مخلوق۔ (2)......ویران۔

(3)......الزهد للامام احمد بن حنبل،اخبار عمر بن عبد العزيز،ص ۳۰۲،رقم:۱۷۰۷۔

کہ سب لوگوں سے زیادہ دولتمند ہوتو اسے چاہیے کہ اپنے پاس موجود شے سے زیادہ اس شے پر اِعتماد کرے جو خدا کے دستِ قدرت میں ہے۔

حضرت سُلَیْمَانُ الْخَوَّاص (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص صِدْقِ نِیّت سے اللہ سُبْحَانَہٗ وَ تَعَالٰی پر تَوَکُّل کرے تو اُمَراء اور غیر اُمَراء سب اس کے محتاج ہو جائیں گے اور وہ کسی کا محتاج نہیں ہوگا کیونکہ اس کا مالک تمام زمین و آسمان کے خزانوں کا مالک ہے۔

حضرت ابراہیم اَلْخَوَّاص رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے ایک جنگل میں ایک خوبصورت ترین غلام دیکھا تو میں نے اسے کہا: اے غلام! تو کہاں جا رہا ہے؟ اس نے جواب دیا: ''مَکَّے''۔ میں نے کہا: بغیر سفر خرچ اور بغیر سواری کے؟ تو اس نے کہا: ''اے ضَعِیْفُ الْاِعْتِقَاد! وہ ذات جو سات آسمانوں اور سات زمینوں کی محافظ ہے اسے یہ طاقت نہیں کہ مجھے بغیر زاد[1] اور بغیر سواری کے مَکَّے پہنچادے؟'' حضرت ابراہیم خَوَّاص (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) فرماتے ہیں کہ میں جب مَکَّۃُ مُعَظَّمَہ میں داخل ہوا تو دیکھا کہ وہ غلام طَوَاف کر رہا ہے اور یہ اَشعار پڑھ رہا ہے:

یَا نَفْسُ سِیْحِی اَبَدًا   وَلَا تُحِبِّی اَحَدًا
اِلَّا الْجَلِیْلَ الصَّمَدَا   یَا نَفْسُ مُوْتِی کَمَدًا

ترجمہ: اے میری جان! ہمیشہ سیر و سیاحت میں رہ اور خدا کے سوا کسی کو اپنا دوست نہ بنا، اور اے نَفس! غمِ آخرت میں اپنی جان دے۔

---

[1] ......سامانِ سفر۔

جب اس نے مجھے دیکھا تو کہنے لگا: ''اے شیخ! تو ابھی تک ضَعِیْفُ الْاِعْتِقَادِی میں گرفتار ہے۔''

حضرت ابو مُطیع رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے حضرت حاتم اَصَم رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کو فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ نہایت خوفناک جنگلوں میں بغیر خرچ کے صرف خدا کے تَوَکُّل پر پھرتے رہتے ہیں اور طے کرتے رہتے ہیں۔ تو حضرت حاتم اَصَم (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) نے فرمایا: ''میرا زادِ سفر چار چیزیں ہیں۔'' حضرت ابو مُطیع (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) نے پوچھا: وہ کون سی ہیں؟ تو حضرت حاتم اَصَم (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) نے جواب دیا:

﴿۱﴾ ایک یہ کہ مجھے یقین ہے کہ دنیا وآخرت خدا کی مِلک ہیں ﴿۲﴾ دوسری یہ کہ تمام مخلوق خدا کی مُطیع اور فرماں بردار ہے ﴿۳﴾ تیسری یہ کہ رِزْق اور رِزْق کے تمام اَسباب خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں ﴿۴﴾ چوتھی یہ کہ خدا کی قضا تمام دنیا میں نافذ ہے۔

ایک شاعر نے بہت اچھا کہا ہے:

(۱) اَرَى الزُّهَّادَ فِیْ رَوْحٍ وَّ رَاحَۃٍ ۔۔۔ قُلُوْبُهُمْ عَنِ الدُّنْیَا مُزَاحَۃٌ

(۲) اِذَا اَبْصَرْتَهُمْ اَبْصَرْتَ قَوْمًا ۔۔۔ مُلُوْكَ الْاَرْضِ سِیْمَتُهُمْ سَمَاحَۃٌ

ترجمہ: (۱) میں دیکھتا ہوں کہ زاہد لوگ آرام وراحت میں ہیں، ان کے دل دنیا کی محبت سے ہٹ چکے ہیں۔

(۲) جب میں انہیں دیکھتا ہوں تو ایک ایسی قوم کو دیکھتا ہوں جو زمین کی بادشاہ ہے ان کی

نشانی سخاوت ہے۔

تَوَکُّل کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کے ترک کرنے میں بڑا خطرہ اور بہت نقصان ہے، میں کہتا ہوں کیا خدا تعالیٰ نے پیدائشِ انسان کے ساتھ مُتَّصِل (1) اس کے رِزْق کا ذکر نہیں کیا؟ یعنی کیا ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا:

خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ (2) خدا نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہیں رِزق دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح وہ خالق ہے رازِق بھی ہے، پھر صرف اسی قدر پر کفایت نہ کی بلکہ صَرِیح طور پر رِزْق کا وعدہ فرمایا، چنانچہ فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ (3) بے شک اللہ ہی ہر ایک کا رَازِق ہے۔

پھر صرف اس وعدے پر اِکْتِفاء نہ کیا بلکہ صاف طور پر رِزق کا ذمہ اپنے پر لیا اور فرمایا:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (4) زمین میں کوئی جاندار نہیں مگر اس کا رِزْق خدا تعالیٰ کے ذِمّہ ہے۔

پھر صرف ذِمّہ پر اِکتفا نہ کیا بلکہ اس پر قسم کھائی، چنانچہ ارشاد فرمایا:

فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَاۤ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ﴿۲۳﴾ (5) تو آسمان اور زمین کے رب کی قسم! بیشک یہ حق ہے ویسی ہی زبان میں جو تم بولتے ہو۔

---

1 ......ساتھ۔

2 ......ترجمۂ کنز الایمان: تمہیں پیدا کیا پھر تمہیں روزی دی۔ (پ ۲۱، الروم: ۴۰)

3 ......ترجمۂ کنز الایمان: بیشک اللہ ہی بڑا رزق دینے والا۔ (پ ۲۷، الذّریت: ۵۸)

4 ......ترجمۂ کنز الایمان: اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رِزْق اللہ کے ذِمّۂ کرم پر نہ ہو۔ (پ ۱۲، ھود: ۶)

5 ......ترجمۂ کنز الایمان: تو آسمان اور زمین کے رب کی قسم بیشک یہ قرآن حق ہے ویسی ہی زبان میں جو تم بولتے ہو۔ (پ ۲۶، الذّریت: ۲۳)

پھر صرف قسم پر اِکتفاء نہ کیا بلکہ نہایت واضح الفاظ میں تَوَکُّل کا حکم دیا اور تَوَکُّل کرنے کی تنبیہ فرمائی، چنانچہ فرمایا:

وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوْتُ (1) — اس حَیّ وقَیُّوم ذات پر تَوَکُّل کر جس پر فنا نہیں آ سکتی۔

دوسری جگہ فرمایا:

وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۳﴾ (2) — اور خدا ہی پر تَوَکُّل کرو اگر تم سچے ایماندار ہو۔

تو جو شخص خدا کے قول پر اِعتبار نہ کرے اس کے وعدے کو کافی نہ سمجھے اور اس کے ذِمّہ لینے پر مطمئن نہ ہو پھر اس کے وعدے، وَعِید اور حکم کی کوئی پرواہ نہ کرے، تو ایسے شخص کے منحوس اور بُرے ہونے میں کیا شک ہوسکتا ہے اور ایسا شخص جن مَعاشی پریشانیوں میں گرفتار ہوتا ہے وہ کس سے پوشیدہ ہیں، یہ ایک بہت سخت بات ہے جس سے عام دنیا غافل ہے۔

ایک دفعہ سرکارِ دوعالَم نورِ مُجَسَّم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت عبد اللّٰہ بن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے فرمایا:

”كَيْفَ اَنْتَ اِذَا لَقِيْتَ بَيْنَ قَوْمٍ يُخَبِّئُوْنَ رِزْقَ سَنَتِهِمْ لِضُعْفِ الْيَقِيْنِ“ (3)

اے ابنِ عمر! تیرا اس وقت کیا حال ہوگا جب تو ایسی قوم میں ہوگا جو ضُعفِ یقین کے باعث

(1)......ترجمۂ کنز الایمان: اور بھروسہ کرو اس زندہ پر جو کبھی نہ مرے گا۔ (پ۱۹، الفرقان:۵۸)

(2)......ترجمۂ کنز الایمان: اور اللّٰہ ہی پر بھروسہ کرو اگر تمہیں ایمان ہے۔ (پ۶، المائدۃ:۲۳)

(3)......ابن عساکر، ۴/۱۲۷۔

قحط سالی کے خوف سے رِزْق کا ذخیرہ بنائے گی۔

حضرت حسن بصری رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ لعنت ہو اس قوم پر جسے خدا کی قَسموں پر بھی اعتبار نہ آیا۔ جب آیت فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ...الخ [1] نازل ہوئی تو ملائکہ نے کہا: ہلاکت ہو ابنِ آدم کے لیے کہ اس نے رب کو ناراض کیا یہاں تک کہ اس نے رِزْق دینے پر قسم کھائی۔

حضرت اُوَیس قَرَنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا ہے:

"لَوْ عَبَدْتَ اللّٰہَ عِبَادَۃَ اَھْلِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَا یُقْبَلُ مِنْکَ حَتّٰی تُصَدِّقَہٗ قِیْلَ وَ کَیْفَ تُصَدِّقُہٗ؟ قَالَ تَکُوْنُ اٰمِنًا بِمَا تَکَفَّلَ اللّٰہُ لَکَ مِنْ اَمْرِ رِزْقِکَ وَ تَرٰی جَسَدَکَ فَارِغًا لِعِبَادَتِہٖ" اگر تو خدا کی اتنی عبادت کرے جتنی زمین وآسمان کی تمام مخلوق تو بھی وہ تیری عبادت قبول نہیں کرے گا جب تک تو اس کی تصدیق نہ کرے۔ کسی نے سوال کیا: تصدیق سے کیا مراد ہے؟ تو آپ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) نے جواب دیا کہ تو اس کے مُرَبِّی [2]، رازِق اور کفیل ہونے پر مطمئن ہو جائے اور جسم کو اس کی بندگی کے لیے فارِغ کر دے۔

جب ہَرِم بن حَیَّان [3] (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) کی ملاقات حضرت اُوَیس قَرَنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے ہوئی تو حضرت ہَرِم (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) نے پوچھا: ''میں کہاں اِقامت اختیار کروں؟'' تو آپ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) نے اپنے ہاتھ سے شام کی طرف اشارہ فرمایا۔ تو حضرت ہَرِم (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) نے کہا:

1 ......ترجمۂ کنز الایمان: تو آسمان اور زمین کے رب کی قسم ...الخ۔ (پ ۲۶، الذریت: ۲۳)

2 ...... پالنے والا۔ 3 ...... یہاں لفظ "حبان" تھا، یہ کتابت کی غلطی ہے کیونکہ اصل عربی متن میں درست لفظ "حیّان" ہے، لہٰذا اس کی تصحیح کر دی گئی ہے۔ (علمیہ)

''شام میں گزر اوقات کس طرح ہوگی؟'' تو آپ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) نے جواب دیا: ''افسوس ان پر جو شک میں مبتلا ہو گئے ہیں، اب انہیں کوئی نصیحت فائدہ نہیں دیتی۔''

منقول ہے کہ ایک کفن چور نے حضرت بایزید بِسْطامی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے ہاتھ پر توبہ کی، حضرت بایزید (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) نے قُبُوْر کے متعلق اس سے سوال کیا تو اس نے جواب دیا: ''میں نے تقریباً ہزار قبروں سے کفن چُرائے لیکن سوائے دو مُردوں کے باقی تمام کے منہ قبلے کی جانب سے پھرے ہوئے تھے۔'' تو آپ (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) نے فرمایا: ان لوگوں کو رِزْق کے بارے میں خدا پر تَوَکُّل نہیں تھا اس لیے قبر میں ان کے چہرے قبلہ سے پھرے ہوئے تھے۔

میرے ایک دوست نے مجھ سے ذکر کیا کہ میری ایک نیک آدمی سے ملاقات ہوئی تو میں نے پوچھا: کیا حال ہے؟ اس نے جواب دیا: حال تو ان کا ہے جن کا ایمان محفوظ ہے اور وہ صرف مُتَوَکِّلِیْن ہی ہیں جن کا ایمان محفوظ ہے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اپنے فَضْل سے ہمارے اور تمہارے حال کی اصلاح فرمائے اور ہمارے بُرے اَعمال کی سزا میں ہمیں نہ پکڑے بلکہ ہمارے ساتھ روزِ حَشْر وہ سلوک کرے جو اس کی رحمت اور شان کے لائق ہے، وہ سب سے بہتر رَحْم وکرم کرنے والا ہے۔

سوال: اگر تم کہو تَوَکُّل کی حقیقت اور اس کا حکم کیا ہے اور رِزْق کے بارے میں کس حد تک تَوَکُّل لازِم وضروری ہے؟

جواب: تو اس سوال کا جواب سمجھنے کے لیے چار چیزوں کا سمجھنا ضروری ہے:

اوّل: لفظِ تَوَکُّل کے معنی۔

دوم: تَوَکُّل کے استعمال کا مقام۔

سوم: تَوَکُّل کی تعریف۔

چہارم: تَوَکُّل پیدا کرنے کے اَسباب وذَرائِع۔

لفظِ تَوَکُّل "تفعُّل" کے وَزْن پر مَصْدَر ہے، جس کا مادہ "وَکَالَۃٌ" ہے، تو مُتَوَکِّل اسے کہتے ہیں جو کسی دوسرے کو بمَنْزِل وکیل کے تصور کرے جو اس کی طرف سے اس کے کام کاج کو سرانجام دے اور جو اس کے معاملات کی دُرُستی کا ضامِن ہو اور جو بغیر تکَلُّف اور بغیر اہتمام اس کی مشکلات کے لیے کافی ہو۔

اس لفظ کا استعمال تین مقام پر کیا جاتا ہے، ایک تو قسمت پر، قسمت پر تَوَکُّل کرنے کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ نے تمہاری قسمت میں جو کچھ لکھ دیا ہے اس پر اطمینان کیا جائے کیونکہ اس کا حکم تبدیل نہیں ہو سکتا اور شَرْع کی طرف سے یہ اطمینان لازم اور ضروری ہے۔

اس لفظ کے استعمال کا دوسرا مقام نُصْرَت ہے، نُصْرَت (مدد) میں تَوَکُّل کرنے کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اِمداد پر اِعتماد اور یقین کیا جائے کیونکہ جب تم اس کے دین کی مدد اور اس کی نَشْر و اِشاعت میں کوشش کرو گے تو وہ بھی ضرور تمہاری اِمداد کرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ[1] جب تو کوئی کام کرنے کا اِرادہ کرے تو خدا کی اِمداد پر ہی بھروسہ کر۔

---

[1]......ترجمۂ کنز الایمان: اور جو کسی بات کا اِرادہ پکا کرلو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔ (پ ٤، اٰل عمرٰن: ١٥٩)

دوسرے مقام پر فرمایا:

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ [1] اگر تم خدا کے دین کی خدمت کرو گے تو وہ تمہاری اِمداد کرے گا۔

ایک اور جگہ فرمایا:

وَكَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ۝ [2] اور مومنوں کی اِمداد کرنا ہمارا حق ہے۔

تو اِمداد کے سلسلے میں بھی اللّٰہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق اس پر تَوَکُّل و بھروسہ ضروری ہے۔

اور تیسرا مقام جہاں تَوَکُّل کرنا چاہیے وہ رِزْق اور روزمرہ کی حاجات ہیں کیونکہ اللّٰہ تعالیٰ اس چیز کا ضامن اور کفیل ہے جس سے تمہارا جسم قائم رہے اور جس کے ذریعہ تم اس کی عبادت پر قادِر رہو کیونکہ خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ [3] اور جو شخص اللّٰہ تعالیٰ پر تَوَکُّل کرے تو اللّٰہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہے۔

نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے فرمایا ہے:

"لَوْ تَوَكَّلْتَ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهٖ رَزَقَكُمْ كَمَا يُرْزَقُ الطَّيْرُ تَغْدُوْا خِمَاصًا وَ تَرُوْحُ بِطَانًا" [4] اگر تم خدا پر كَمَا حَقُّهٗ تَوَکُّل کرتے تو وہ تمہیں پرندوں کی طرح رِزْق دیتا

1 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اگر تم دینِ خدا کی مدد کرو گے اللّٰہ تمہاری مدد کرے گا۔ (پ٢٦، محمد:٧)

2 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اور ہمارے ذمّہ کرم پر ہے مسلمانوں کی مدد فرمانا۔ (پ٢١، الروم:٤٧)

3 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اور جو اللّٰہ پر بھروسہ کرے تو وہ اسے کافی ہے۔ (پ٢٨، الطلاق:٣)

4 ...... ابن ماجه ، كتاب الزهد، باب التوكل واليقين، ٤/٤٥٢، حديث: ٤١٦٤۔

جو صبح خالی پیٹ گھونسلوں سے جاتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کے واپس آتے ہیں۔

اور رِزْق کے سلسلہ میں عقلاً وشرعاً خدا پر تَوَکُّل کرنا لازم ہے اور رِزْق کے سلسلے میں ہی خدا پر تَوَکُّل کرنا صوفیاء (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) کے نزدیک عام طور پر لفظ تَوَکُّل سے مراد ہوتا ہے اور اس کتاب میں اسی تَوَکُّل کی بحث مقصود ہے لیکن رِزْق کے بارے میں خدا پر تَوَکُّل کرنے کے مفہوم کی اس وقت وضاحت ہوگی جب رِزْق کے تمام اَقسام بیان کیے جائیں گے۔

تو جان لے کہ رِزْق چار قسم ہے:

﴿۱﴾ رِزْقِ مضمون ﴿۲﴾ رِزْقِ مَقْسوم ﴿۳﴾ رِزْقِ مَمْلُوک ﴿۴﴾ رِزْقِ مَوعُود۔

رِزْقِ مضمون سے مراد وہ غذا اور وہ اشیاء ہیں جن سے انسان کا بدن قائم رہے، تمام اَسباب دُنیوِی مراد نہیں اور یہ تَوَکُّل شَرْعاً وعقلاً واجِب ہے کیونکہ جب خدا نے ہمیں اس کی خدمت وعبادت کا مُکَلَّف بنایا تو ضرور وہ ہماری ان چیزوں کا کفیل وضامن ہوگا جن کے ذریعہ ہمارے بدن قائم رہیں اور ہم اس کی عبادت بجالاسکیں اور بعض مَشائِخِ کَرَّامِیَّہ نے اپنے مَسْلَک کے مطابق اس تَوَکُّل کے متعلق اچھی گفتگو کی ہے چنانچہ انہوں نے کہا ہے کہ خدا تعالیٰ کا بندوں کے رِزْق کا ضامن ہونا تین وجہ سے ضروری ہے:

ایک اس لیے کہ ہم اس کے غلام ہیں اور وہ ہمارا آقا و مالِک ہے، تو جس طرح غلاموں پر آقا کی خدمت واِطاعت لازم ہے اسی طرح آقا پر لازم ہے کہ غلاموں کے رِزْق اور ان کی دیگر ضروری حاجات کا کفیل ہو۔

دوسرے اس لیے کہ خدا تعالیٰ نے بندوں کو رِزْق کا محتاج پیدا کیا ہے لیکن انہیں تلاشِ رِزْق کا کوئی یقینی ذریعہ نہیں بتایا، کیونکہ بندے نہیں جانتے کہ ان کا رِزْق کون شے ہے اور کہاں ہے اور کب مُیَسَّر آئے گا، اس لیے رب تعالیٰ پر لازِم ہے کہ وہ ان کے رِزْق کا کفیل ہو اور ان کے لیے رِزْق مُہَیَّا کرے۔

تیسرے اس لئے کہ خدا نے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اس کی عبادت و طاعت میں مشغول رہیں، تو اگر وہ تلاشِ رِزْق میں سرگرداں رہیں تو وہ اس کی عبادت کے واسطے فارِغ نہیں ہوسکتے، اس وجہ سے بھی چاہیے کہ رب تعالیٰ ان کے رِزْق کا کفیل بنے تاکہ فراغت سے وہ اس کی عبادت وطاعت بجالاسکیں۔

لیکن کَرَّامِیَّہ کا یہ مَسْلَک درست نہیں اس لیے کہ یہ کہنا کہ بندوں کو رِزْق دینا خدا پر واجِب ہے غلط ہے اور ایسی گفتگو اَسرارِ رُبُوبِیَّت سے ناوَاقِفِیَّت کی وجہ سے ہے اور ہم نے علمِ کلام کی کتابوں میں ایسے مذہب کی نہایت مُدَلَّل طریقے سے تَرْدِید کردی ہے۔

ہم نے ابھی بیان کیا ہے کہ رِزْق چار قسم ہے: اول رِزْق مضمون، اس کی مختصر تشریح تم سُن چکے ہو۔

قسم دُوُم رِزْق مَقْسُوْم ہے، اس سے مراد وہ رِزْق ہے جو خدا نے بندوں کی قسمت میں کردیا ہوا ہے اور لوحِ محفوظ میں لکھ دیا ہوا ہے کہ بندہ یہ کھائے گا، یہ پیے گا، یہ پہنے گا، اس رِزْق مَقْسُوْم کی مقدار اور اس کا وقت مُعَیَّن ہے، اس میں کمی بیشی نہیں ہوسکتی اور نہ اس میں تَقْدِیم وتاخیر ہوسکتی ہے جیسا کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی

عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا ہے:

"اَلرِّزْقُ مَقْسُوْمٌ مَفْرُوْغٌ مِنْہُ لَیْسَ تَقْوٰی تَقِیٍّ بِزَائِدِہٖ وَلَا فُجُوْرُ فَاجِرٍ بِنَاقِصِہٖ" (1)

رِزْق روزِ اوّل سے تقسیم کر دیا گیا ہے اور قلمِ قدرت اسے تحریر کر کے فارِغ ہو چکا ہے، اب کسی پرہیزگار کی پرہیزگاری اسے زائد نہیں کر سکتی اور نہ کسی فاجر کے فسق وفُجُوْر سے وہ کم ہو سکتا ہے۔

تیسری قسم رِزْق مَمْلُوک ہے، اس سے مراد وہ رِزْق اور وہ مال واَسباب ہے جس کا بندہ بِالْفِعْل دنیا میں مالک ہوتا ہے اور جو اس کے قبضے میں ہوتا ہے اور قرآن مجید کی مُنْدَرَجہ ذیل آیت میں یہی رِزْق مراد ہے:

اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ (2) اور اس رِزْق سے راہِ خدا میں خرچ کرو جو ہم نے تمہیں دیا ہے۔

اس آیت میں لفظ "مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ" کے معنی ہیں: "مِمَّا مَلَّکْنَا کُمْ" یعنی جس کا ہم نے تمہیں مالِک بنایا ہے۔

چوتھی قسم رِزْق مَوْعُوْد ہے، اس سے مراد وہ رِزْقِ حلال ہے جس کا خدا تعالیٰ نے پرہیزگار لوگوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ انہیں بغیر محنت ومَشَقَّت کے دیا جائے گا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ﴿۲﴾ اور جو شخص خدا سے ڈرتا ہے اور پرہیزگاری

---

1 ......المقاصد الحسنة، حرف الهمزة، ص ۱۲۱، تحت الحديث: ۲۲۴، بالفاظ زائدة۔

2 ......ترجمۂ کنز الایمان: اللہ کی راہ میں ہمارے دیئے میں سے خرچ کرو۔ (پ۳، البقرة: ۲۵۴)

وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ[1] اختیار کرتا ہے تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ راہ نکال دیتا ہے اور اسے وہاں سے رِزْق دیتا ہے جہاں کا بندے کو گمان تک نہیں ہوتا۔

یہ ہیں رِزْق کی چار اَقسام ان میں سے قسم اوّل میں توَکُّل واجِب ہے۔

توَکُّل کی تعریف

توَکُّل کی تعریف میں مَشَائِخ طریقت (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) کا اِختلاف ہے، عام مَشَائِخ (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) تو کہتے ہیں کہ صرف خدا پر بھروسہ کرنے اور مخلوق سے ہر قسم کی اُمیدیں منقطع کرنے کا نام توَکُّل ہے اور بعض مَشَائِخ (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) کہتے ہیں کہ غیر سے تعَلُّق مُنْقَطَع کر کے دل کو صرف خدا کی حفاظت میں دینے کا نام توَکُّل ہے۔

اور امام ابو عمر رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَيْه نے فرمایا ہے کہ خدا کے سوا ہر شے سے ترکِ تعَلُّق کا نام توَکُّل ہے اور ترکِ تعَلُّق سے امام موصوف یہ مراد لیتے ہیں کہ بندہ اپنے بدن کے قِوَام[2] اور تنگی و تکلیف کا خدا کے سوا کسی سے ذکر تک نہ کرے۔

اور میرے شیخ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَيْه نے فرمایا ہے کہ اپنی ہر تنگی اور تکلیف کا ذکر صرف خدا سے کرنے کا نام توَکُّل ہے اور مخلوق سے تنگی و تکلیف کا ذکر کرنا غیر سے تعلق رکھنا ہے۔

---

1 ......ترجمۂ کنز الایمان: اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لیے نجات کی راہ نکال دے گا اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں اس کا گمان نہ ہو۔ (پ ۲۸، الطلاق: ۲۔۳)

2 ......نظام۔

میرے نزدیک مَشائخ (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ السَّلَام) کے اَقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ تَـوَکُّـل اس کا نام ہے کہ بندے کو اس اَمر کا یقین ہو جائے اور اس کا دل اس پر مضبوطی سے قائم ہو جائے کہ میرے جسم اور ڈھانچے کو باقی رکھنا، میری حاجات کو پورا کرنا اور ہر تنگی و تکلیف سے بچانا صرف خدا کے قبضہ ٔ قدرت میں ہے کسی دوسرے کے ہاتھوں میں نہیں اور نہ ہی اَسباب و وَسائل دنیا کے سبب سے ہے، خدا اگر چاہے تو میرے جسم کی بقا اور دیگر حاجات کے لیے کسی مخلوق کو وسیلہ بنا دیتا ہے یا دنیا کی کسی اور شے کو ذریعہ بنا دیتا ہے اور اگر وہ چاہے تو بغیر ظاہری اَسبابِ دنیا اور بغیر کسی مخلوق کے آسرے کے مجھے زندہ رکھ سکتا ہے، وہ اَسباب و ذَرائع کا محتاج نہیں۔

جب تیرا اِعتِقَاد تو َکُّل کے اس مفہوم پر ہو جائے اور تیرا دل اس عقیدے پر مضبوطی سے قائم ہو جائے اور تیرا دل مخلوق اور اَسبابِ دنیا سے بے نیاز ہو جائے تو سمجھ لے کہ کَمَا حَقُّهٗ تجھے وَصْف تو َکُّل حاصل ہو گئی اور تو مُتَوَکِّلِیْن میں شامل ہو گیا۔

تَوَکُّل پیدا کرنے کا طریقہ

تَـوَکُّل اس طرح پیدا ہوتا ہے کہ بندہ رِزْق اور دیگر ضروریات کے متعلق خدا تعالیٰ کے ضامن اور کفیل ہونے کا تصور رکھے اور خدا کے کمال علم، اس کی کمالِ قدرت کا تصور کرے اور اس بات پر یقین رکھے کہ خدا تعالیٰ خلافِ وعدہ، بھول، عِجز اور ہر نَقْص سے مُنَزَّہ اور پاک ہے، جب ہمیشہ ایسا تصور ذہن میں رکھے گا تو ضرور اسے

رِزْق کے بارے میں رب تعالیٰ پر تَوَکُّل کی سعادت نصیب ہو جائے گی۔

سوال: کیا بندے پر تلاشِ رِزْق لازم ہے یا نہیں؟

جواب: رِزْق مضمون کی تلاش بندہ نہیں کرسکتا کیونکہ اس سے مراد ہے جسم کی تربیت اور اس کو نَشْو و نُما دینا، اور یہ خدا کا فعل ہے، جس طرح موت اور زندگی عطا کرنا رب تعالیٰ کا فعل ہے اور ظاہر ہے کہ انسان ان اَفعال پر قادِر نہیں ہے جو خدا کی صِفات ہیں۔

اور رِزْقِ مَقْسُوم کی تلاش بھی انسان کو لازِم نہیں کیونکہ وہ تو رِزْق مضمون کا محتاج ہے اور رِزْق مضمون کا ضامن اور کفیل خدا ہے اور خدا تعالیٰ نے یہ جو فرمایا ہے: **وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ** (1) تو اس سے مراد تلاشِ رِزْق نہیں بلکہ طلبِ علم اور طلبِ ثواب مراد ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ رِزْق مضمون اَسباب کے ساتھ وابستہ ہے تو کیا اَسباب کی تلاش بھی لازِم ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اَسباب کی تلاش بھی لازِم نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ جب رِزْق مُقَرَّر سبب کے ساتھ یا بغیر سبب کے مہیا کرسکتا ہے تو تلاش اَسباب کی کیا حاجت ہے؟ پھر خدا تعالیٰ نے **مُطْلَقًا** فرمایا ہے کہ ہم رِزْق کے ضامن ہیں یہ قید نہیں لگائی کہ نَفْسِ رِزْق کے ہم ضامن ہیں اور اس کے اَسباب و ذَرَائِع فراہم کرنا بندوں کے ذِمَّہ ہے چنانچہ فرمایا:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (2)	اور زمین میں کوئی جاندار نہیں مگر اس کا رِزْق خدا کے ذِمّہ کرم پر ہے۔

1 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔ (پ ۲۸، الجمعة: ۱۰)

2 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رِزْق اللہ کے ذِمّہ کرم پر نہ ہو۔ (پ ۱۲، ھود: ٦)

پھر انسان وہ شے تلاش بھی کیسے کر سکتا ہے جس کی جگہ کا اسے پتہ نہ ہو، کیونکہ یقین سے انسان کو یہ معلوم نہیں کہ اس ذریعہ سے رِزْق حاصل ہوگا، یا یہ شے میری غذا ہے اور اس سے میری نَشْو ونُما ہے کوئی فردِ بَشَر یہ نہیں جانتا کہ میرا رِزْق یقیناً اس ذریعہ سے حاصل ہوگا۔

اس سلسلے میں تیرے اطمینان کے لیے یہی کافی ہے کہ انبیاء کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام اور اولیاءِ عُظّام (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) رِزْق کے معاملے میں خدا پر تَوَکُّل کرتے تھے اور بہت کم ہی رِزْق کی تلاش کرتے تھے بلکہ اپنے بدن کو خدا کی عبادت کے لیے فارِغ رکھتے تھے اور اس پر اتفاق ہے کہ انہوں نے تلاشِ رِزْق کو ترک کر کے خدا تعالیٰ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کی اور نہ ہی وہ کسی حکمِ خداوندی کے تارِک ہوئے، تو اس بیان سے واضح ہو گیا کہ رِزْق اور اَسبابِ رِزْق کی تلاش کوئی ضروری نہیں۔

سوال: تلاش سے رِزْق زیادہ اور تلاش نہ کرنے سے رِزْق کم ہوتا ہے یا نہیں؟

جواب: لوحِ محفوظ میں رِزْق کی مقدار اور اس کا وقت مُعَیَّن طور لکھا ہوا ہے اور خدا کے حکم میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی اور نہ اس کی تقسیم میں کوئی تَغَیُّر ہو سکتا ہے اور یہی علمائے اَہلِ سنّت کے نزدیک صحیح ہے۔ صرف حاتم اور شقیق کے پیروکار اس کے خلاف ہیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ رِزْق تو تلاش وعدمِ تلاش سے زیادہ کم نہیں ہو سکتا مگر مال میں تلاش وعدمِ تلاش سے زیادتی یا کمی ہو سکتی ہے اور یہ فاسِد ہے جس طرح رِزْق میں کمی زیادتی نہیں ہو سکتی اسی طرح مال میں بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ دونوں کی دَلیل ایک ہے، خدا تعالیٰ نے مُنْدَرَجَہ ذیل آیت میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے:

لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ؕ(1) تا کہ جو ہاتھ سے نکل گیا ہے اس پر غم نہ کرو اور جو مال تمہارے قبضہ میں آیا ہے اس پر خوشی نہ مناؤ۔

اگر تلاش سے رِزْق میں زیادتی ہوتی اور عدمِ تلاش سے کمی تو البتہ غمی یا خوشی کا مقام ہوتا کیونکہ سُستی اور لاپروائی سے جب کوئی شے ضائع ہو جائے تو اس پر انسان غمناک ہوتا ہے اور کوشش و کمر بستہ ہونے سے جب کوئی شے حاصل ہو تو اس پر انسان کو فرحت ہوتی ہے، نبی کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک سائل کو فرمایا:

"ھَاكَ لَوْ لَمْ تَاْتِهَا لَاَتَتْكَ" (2) سُن لے! تو اگر روزی کی تلاش نہ بھی کرتا تو بھی جو تیرے مقدر میں ہے وہ تجھے مِل جاتی۔

سوال: ثواب اور عذاب بھی تو لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے پھر بھی ہمیں حکم ہے کہ طلبِ ثواب کی جائے اور جو اَشیاء عذاب کا باعث بنتی ہیں ان سے اِجتناب کیا جائے، تو کیا طلب سے ثواب زیادہ ہو سکتا ہے یا عذاب کا مُوجِب (3) بننے والی اَشیاء سے اِجتناب کرنا عذاب میں کمی کا باعث بن سکتا ہے۔

جواب: جان لے کہ خدا تعالیٰ نے طلبِ ثواب کا حکم قطعی اور واضح طور پر ہمیں دیا

❶......ترجمۂ کنز الایمان: اس لیے کہ غم نہ کھاؤ اس پر جو ہاتھ سے جائے اور خوش نہ ہو اس پر جو تم کو دیا۔ (پ ۲۷، الحدید: ۲۳)

❷......الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب الزکاۃ، باب ماجاء فی الحرص... الخ، ذکر العلۃ... الخ، الجزء الخامس، ۹۸/۴، حدیث: ۳۲۲۹۔

❸......سبب۔

ہے اور اس کے ترک کرنے پر عذاب کا ڈر سنایا ہے اور خدا نے یہ ذمہ نہیں لیا کہ بندہ نیک اَعمال نہ کرے تب بھی وہ اسے اچھا اجر دے گا، اس لیے عذاب وثواب کی زیادتی بندے کے فعل پر مبنی ہے اور رِزْق وثواب وعذاب میں فرق ہے جو بعض علماء (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) نے بیان کیا ہے وہ یہ کہ رِزْق اور موت کے متعلق لوحِ محفوظ میں بغیر کسی شرط وتَعْلِیْق کے [1] ایک قَطْعی فیصلہ لکھا ہوا ہے، تم نے قرآن مجید میں دیکھا نہیں؟ کہ خدا نے کس طرح رِزْق کے متعلق غیر مشروط طور پر [2] فرمایا ہے، ارشاد ہے:

وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا [3] — اور زمین میں کوئی جاندار نہیں مگر اس کا رِزْق خدا کے ذمہ کرم پر ہے۔

اور موت کے متعلق فرمایا:

فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾ [4] — جب موت کا وقت آجاتا ہے تو ایک ساعت آگے پیچھے نہیں ہوسکتا۔

اور حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّم نے فرمایا ہے:

اَرْبَعَةٌ قَدْ فُرِغَ مِنْهُنَّ اَلْخَلْقُ وَالْخُلُقُ وَ الرِّزْقُ وَ الْاَجَلُ [5] چار چیزوں سے فراغت

---

1 ......بغیر کسی شرط اور کسی دوسری چیز پر مُعلَّق کئے۔ 2 ......بغیر کسی شرط کے۔

3 ......ترجمۂ کنز الایمان: اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رِزْق اللہ کے ذمۂ کرم پر نہ ہو۔ (پ ۱۲، ھود: ٦)

4 ......ترجمۂ کنز الایمان: تو جب ان کا وعدہ آئے گا ایک گھڑی نہ پیچھے ہو نہ آگے۔
(پ۸، الاعراف: ۳۴)

5 ......المعجم الاوسط، ۲۷۸/۵، حدیث: ۷۳۲۵ والمعجم الکبیر، ۱۹۳/۹، حدیث: ۸۹۵۲۔

ہوچکی ہوئی ہے، انسان کے ڈھانچے کی بناوٹ سے، اس کی عادت وطبیعت سے، اس کی موت اوراس کے رِزْق سے۔

اور عذاب وثواب کی تحریر لوحِ محفوظ میں بندے کے فعل کے ساتھ مُعلَّق و مشروط ہے یعنی اگر بندہ نیکی کرے گا تو ثواب پائے گا اور گناہ کرے گا تو عذاب کا سزاوار ہوگا، جیسا کہ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت میں مذکور ہے:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۶۵﴾ (1)

اگر اہلِ کتاب ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ضرور ہم ان کے گناہ معاف کردیتے اور انہیں نعمت والے باغات میں داخل کرتے۔

سوال: ہم نے دیکھا ہے کہ جولوگ رِزْق کی تلاش اور سعی کرتے ہیں ان کے پاس رِزْق اور مال وافر ہوتا ہے اور جو تلاش اور سعی نہیں کرتے وہ کنگال اور محتاج ہوتے ہیں۔

جواب: ایسا نہیں بلکہ دیکھا گیا ہے کہ بعض تلاش اور سعی کرنے والے رِزْق سے محروم ہوتے ہیں اور بعض تلاش نہ کرنے والے دولت منداور بانعمت ہوتے ہیں، ہاں اکثر یہ ہے کہ سعی کرنے والے فقیر وقَلَّاش (2) نہیں ہوتے اور سعی نہ کرنے والے اکثر وبیشتر فقیر ہوتے ہیں، یہ اس لیے تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ عزت وحکمت والے

---

1 ......ترجمۂ کنز الایمان: اور اگر کتاب والے ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو ضرور ہم ان کے گناہ اُتار دیتے اور ضرور انہیں چین کے باغوں میں لے جاتے۔ (پ٦، المائدۃ: ٦٥)

2 ......مُفلِس۔

خدا کی تدبیر و تقدیر اسی طرح جاری ہے۔ ابوبکر محمد بن سابِق صَقَلِی واعِظِ شام نے کیا خوب فرمایا ہے:

(۱) كَمْ مِنْ قَوِيٍّ قَوِيٍّ فِيْ تَقَلُّبِهٖ مُهَذَّبِ الرَّأْيِ عَنْهُ الرِّزْقُ مُنْحَرِفُ

(۲) وَكَمْ ضَعِيْفٍ ضَعِيْفٍ فِيْ تَقَلُّبِهٖ كَأَنَّهٗ مِنْ خَلِيْجِ الْبَحْرِ يَغْتَرِفُ

(۳) هٰذَا دَلِيْلٌ عَلٰى اَنَّ الْاِلٰهَ لَهٗ فِي الْخَلْقِ سِرٌّ خَفِيٌّ لَيْسَ يَنْكَشِفُ

ترجمہ: (۱) بہت سے قوی لوگ جو تدبیر میں بہت ہوشیار و چالاک ہوتے ہیں رِزْق سے محروم ہوتے ہیں۔

(۲) اور بہت سے ضَعِیْفُ الْبَدَن تدبیر میں نکمّے دنیا ان کے پاس اس طرح آتی ہے جیسے وہ سَمُنْدَر کی تہ سے دونوں ہاتھوں سے ہیرے اور جواہرات نکال رہے ہیں۔

(۳) یہ اس بات کی دلیل ہے کہ رزق کے بارے میں مخلوق کے ساتھ خدائے تعالیٰ کا ایک مخفی تعلُّق ہے جسے سمجھنے سے انسانی دماغ قاصِر ہے۔

سوال: کیا کسی صحرا میں بغیر زادِراہ کے داخل ہونا درست ہے؟ اور بغیر کسی ساز و سامان کے اسے طے کرنے کا اِرادہ ٹھیک ہے؟

جواب: جان لے کہ اگر تیرا دل توکُّل میں مُحْکَمْ[1] ہو اور تجھے خدا کے وعدے پر مکمل یقین ہو تو تیرے لیے بے زادِراہ صَحْرا نَوَرْدِی[2] درست ہے ورنہ عوام کی طرح تو بھی زادِراہ لے کر چل۔

اور میں نے امام اَبُوالْمَعَالِی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی سے سُنا کہ آپ فرماتے تھے: ''جو شخص اللّٰہ تعالیٰ کے ساتھ اسی دستور سے پیش آئے جو اس کا لوگوں کے

---

1 ...... مضبوط۔ 2 ...... بیابانوں میں پھرنا۔

ساتھ ہے تو خدا بھی اس کے ساتھ اسی طرح پیش آتا ہے جس طرح لوگ اس سے پیش آتے ہیں۔''

آپ (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) کا یہ ارشاد بہت درست ہے اور غور کرنے والے کو اس سے بہت فائدے حاصل ہو سکتے ہیں۔

سوال: تمہارا یہ کہنا کہ بغیر زادِ راہ محض تَوَکُّلِ خدا پر سفر اختیار کرنا درست ہے ٹھیک نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں حکم دیا ہے:

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى[1] اور زادِ راہ لے کر سفر میں نکلو اور بہتر زاد تقویٰ ہے۔

جواب: اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں:

ایک یہ کہ زاد سے مراد زادِ آخرت ہے اسی لیے اس کے ساتھ فرمایا: ''**خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى**''[2] نہ کہ دُنیوی اَسباب اور معمولی سفرِ خرچ وغیرہ۔

دوسرا قول یہ ہے کہ جب بعض لوگ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کے زمانے میں حج کو روانہ ہوتے تھے تو بغیر سفر خرچ روانہ ہوتے تھے، راستے میں لوگوں سے مانگتے تھے اور اپنی محتاجی کا شِکْوَہ شکایت کرتے تھے، لوگوں کو تنگ کرتے تھے اور اصرار کے ساتھ ان سے مانگتے تھے، تو ایسے لوگوں کو حکم دیا گیا کہ زادِ راہ لے کر حج کو جائیں اور انہیں تنبیہ کی گئی کہ خود کمائے ہوئے مال کے ساتھ حج کرنا ہی اصل حج ہے، لوگوں

---

1 ......ترجمۂ کنز الایمان: اور توشہ (سفر کا خرچ) ساتھ لو کہ سب سے بہتر توشہ پرہیز گاری ہے۔ (پ ۲، البقرۃ: ۱۹۷)

2 ......ترجمۂ کنز الایمان: سب سے بہتر توشہ پرہیز گاری ہے۔ (پ ۲، البقرۃ: ۱۹۷)

کے سہارے پر گھر سے نکل کھڑا ہونا اور راستے میں ہر ایک سے حج کا ذکر کر کے مانگتے پھرنا اور پھر اس ذلّت وخواری کے ساتھ حج کرنا بے فائدہ ہے۔

سوال: کیا مُتوَکِّل شخص بھی سفر میں زادِ راہ لے کر چلتا ہے؟

جواب: بسا اوقات مُتَوَکِّل آدمی بھی زادِ راہ اپنے ہمراہ لے کر روانہ ہوتا ہے لیکن اس کا دل اس بات پر مُحکَم نہیں ہوتا کہ یہی میرا رِزْق ہے اور سفر میں اسی پر میرا سہارا ہے بلکہ اس کا دل خدا کے ساتھ مُحکَم ہوتا ہے اور اس کا بھروسہ خدا پر ہوتا ہے اور وہ دل میں کہہ رہا ہوتا ہے کہ میرا رِزْق روزِ اَزَل سے میرے حصے میں لکھا جا چکا ہے اور فرشتے میرے حصے کا رِزْق لکھ کر فارغ ہو چکے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو اس رِزْق کے ذریعہ میرے بدن کو قائم رکھے یا سفر میں کوئی اور ذریعہ پیدا کر دے۔

اور بسا اوقات مُتَوَکِّل شخص اپنے ہمراہ زادِ راہ اس نیّت سے بھی لے لیتا ہے کہ اس سے کسی مسلمان کی اِعانت کرے گا یا کسی اور شے کو فائدہ پہنچائے گا۔

لیکن درحقیقت زادِ راہ لے کر چلنے میں اصل چیز دل کی حالت ہے، تیرے دل میں یہ بات ہونی چاہیے کہ خدا نے ہر حال میں مجھے رِزْق دینے کا وعدہ فرمایا ہے اور وہ میرا کفیل اور ضامن ہے، اس لیے کہ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو خرچ تو لے کر چلتے ہیں مگر ان کا تَوَکُّل مکمل طور پر خدا پر ہوتا ہے نہ کہ اس خرچ پر اور بہت سے ظاہِرًا خرچ لے کر تو نہیں چلتے لیکن ان کا دل اِسی میں گرفتار ہوتا ہے خدا پر انہیں کوئی بھروسہ نہیں ہوتا، تو معلوم ہوا کہ اصل بات دل کی ہے۔ اس اُصول

کو اچھی طرح ذہن نشین کرلے کیونکہ یہ بہت مفید ہے۔

سوال: نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم وصحابۂ کرام (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ) اور سَلَفِ صَالِحِین [1] (رَحِمَھُمُ اللّٰہُ الْمُبِیْن) ہمیشہ زادِراہ لے کر سفر کرتے تھے، تم کیسے کہتے ہو کہ زادِراہ کی ضرورت نہیں؟

جواب: ہم نے کب کہا ہے کہ سفر میں ضروری سامانِ خُورْدْ ونوش لے کر چلنا حرام ہے بلکہ حرام یہ چیز ہے کہ مسافر اس حقیر سامان کو ہی اپنا سہارا سمجھے اور خدا تعالیٰ پر تَوَکُّل نہ کرے، پھر رسولُ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بارے میں کیا خیال ہے؟ خدا نے قرآن مجید میں آپ کو حکم دیا:

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ [2] اے حبیب! تو اپنے رب پر ہی بھروسہ رکھ۔

کیا آپ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) جو کھانا یا پانی یا دِرْہم یا دِینار ساتھ لے کر سفر اختیار کرتے تھے تو اپنے خدا کے اس مذکورہ حکم کی نافرمانی کی؟ حَاشَا وَ کَلَّا [3]، آپ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) سے قطعًا نافرمانی صادِر نہیں ہوئی، بلکہ دِرْہم و دِینار کے ہوتے ہوئے بھی یقیناً آپ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) کا دل خدا کے ساتھ تھا اور یقیناً آپ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) کا تَوَکُّل خدا پر ہی تھا، جیسا کہ ان کے رب نے انہیں حکم دیا تھا کیونکہ آپ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) ہی وہ بے مثل ذات ہیں جس نے دنیا کی کسی چیز کی طرف قطعًا اِلْتِفات

---

1 ...... پہلے کے بزرگانِ دین رَحِمَھُمُ اللّٰہُ الْمُبِیْن۔

2 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اور بھروسہ کرو اس زندہ پر جو کبھی نہ مرے گا۔ (پ ۱۹، الفرقان: ۵۸)

3 ...... ہرگز نہیں۔

نہیں فرمایا، اور تمام زمین کے خزانوں کی چابیوں کی طرف جب کہ آپ کو پیش کی گئیں نظر اُٹھا کر نہیں دیکھا بلکہ آپ (صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم) کا اور سَلَفِ صَالِحِین (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ الْمُبِیْن) کا سفرخرچ لے کر چلنا دوسروں کی اِعانت ودستگیری کی نیّت سے تھا اس لیے نہیں تھا کہ وہ زادِراہ کو ہی **مَعَاذَ اللّٰه** اپنا سہارا سمجھتے تھے اور خدا پر انہیں کوئی بھروسہ نہیں تھا۔

تو معلوم ہوا کہ اصل اعتبار اِرادے اور قصد کا ہے اس کو خوب ذہن نشین کر اور خوابِ غفلت سے بیدار ہو اور بات کو پوری طرح ذہن میں بٹھا، تاکہ خدا تجھے نیکی کی راہ دکھائے۔

سوال: کیا زادِراہ لے کر چلنا اَفضل ہے یا نہ لے کر؟

جواب: زادِراہ سفر میں لے کر چلنا یا نہ لے کر چلنا حالات واَشخاص کی بنا پر مختلف ہے، اگر ایک مُقتَدائے قوم [1] زادِراہ اس اِرادے سے لے کر چلے کہ لوگوں پر اس کا جواز واِباحت [2] روشن وواضح ہو، یا سفر میں دوسرے مسلمان بھائی کی اِعانت کی نیت ہو، یا کسی خستہ حال کی فریادرسی مطلوب ہو، یا اسی قسم کا کوئی اور نیک ارادہ ہو تو زادِراہ لے کر چلنا اَفضل ہے اور اگر کوئی شخص اکیلا سفر کو روانہ ہو جس کا تَوَکُّل خداتعالیٰ پر قوی اور مضبوط ہو اور اسے یہ خدشہ ہو کہ زادِراہ خدا سے غافل نہ کردے تو ایسے شخص کے لیے ترکِ زاد بہتر ہے۔ اس فرق کو اچھی طرح معلوم کرلے۔ خدا تجھے نیکی کی توفیق عنایت کرے۔

1 ...... قوم کا رہنما۔ 2 ...... جائز ہونا۔

دوسرا عارضہ سفر کے خطرات کا تَصَوُّر اور خیال

اس عارِضے سے محفوظ رہنے کی صورت یہ ہے کہ تو اپنا معاملہ پورے طور پر خدائے تعالیٰ کے حوالے کردے، اور یہ دو وجہ سے بہتر ہے:

ایک تو دل کو اسی وقت اطمینان اور چین نصیب ہوجائے گا اس لیے کہ وہ اُمور جو اہم ہوں اور ان کی اچھائی یا بُرائی تم پر واضح نہ ہو تو ایسے اُمور کی فکر میں **مُضطَرِب** اور **شُوْرِیْدَہ خاطِر**[1] رہو گے۔

اور جب تم نے اپنے ہر معاملے کو خدا کے حوالے کردیا تو تمہیں یقین ہوجائے گا کہ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ تعالیٰ صلاح وخیر ہی نصیب ہوگی، تو اپنے معاملات سپردِ خدا کرنے میں تم خطرے اور ہر قسم کی تشویش سے محفوظ ہوجاؤ گے اور چین واطمینان میسر آجائے گا، اور یہ امن وراحت اور دل کا اطمینان بہت بڑی نعمت ہے، میرے شیخ رَحِمَہُ اللّٰہُ تعالیٰ اکثر دفعہ مجلس میں فرمایا کرتے تھے:

"دَعِ التَّدْبِیْرَ اِلٰی مَنْ خَلَقَکَ تَسْتَرِحْ" اپنی تدبیر اس ذات کے سپرد کردے جس نے تجھے پیدا فرمایا تو راحت میں ہوجائے گا۔

میرے شیخ عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ نے مندرجہ ذیل تین اَشعار بھی اسی سلسلے میں کہے ہیں، فرماتے ہیں:

(۱) اِنَّ مَنْ کَانَ لَیْسَ یَدْرِیْ اَفِی الْمَحْبُوْبِ نَفْعٌ لَّہٗ اَوِ الْمَکْرُوْہِ

---

[1] ...... پریشان۔

(۲) لَحَرِیٌّ بِاَنْ یُّفَوِّضَ مَا یَعجِزُ عَنْهُ اِلَــی الَّــذِیْ یَــکْـفِیْـهِ

(۳) لِلْاِلٰـهِ الْبَـرُّ الَّـذِیْ هُـوَ بِـالـرَّاحَةِ اَحْـنَـی مِـنْ اُمِّــهٖ وَ اَبِیْـهٖ

ترجمہ: (۱) جو شخص یہ نہ جانتا ہو کہ میرا نفع میری محبوب شئی میں ہے یا اس میں جو مجھے ناپسند ہے۔

(۲) تو چاہیے کہ اس کام کو جسے وہ حل کرنے سے عاجز ہے اُس ذات کے حوالے کرے جو ہر حاجت میں کافی ہے۔

(۳) یعنی خدا تعالیٰ کے سپرد کرے جو احسان فرمانے والا ہے اور ماں باپ سے بھی زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔[1]

تَفْوِیْضْ اِلَی اللّٰہ[2] کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ آئندہ بھی تم صلاح و خیر میں رہو گے اور یہ اس لیے کہ معاملات و حالات نتائج وعَوَاقِب کے اعتبار سے مُبْہَم اور مَخْفِی ہیں کیونکہ بہت بُرائیاں ایسی ہیں جو صورۃً خیر معلوم ہوتی ہیں اور بہت سے ایسے نقصان دِہ اُمور ہیں جو بظاہر زیورِ نفع سے آراستہ دکھائی دیتے ہیں اور بہت ایسے ہیں جو دیکھنے میں شہد معلوم ہوتے ہیں اور تم اَسرار و عَوَاقِبْ سے بے خبر ہو، تو جب تم کسی اَمْر کو عزم سے اور اپنے اختیار سے شروع کرو گے تو بہت جلد ہلاکت و تباہی میں پڑ جاؤ گے اور تمہیں شُعُور تک نہیں ہو گا۔

حکایت

ایک عابد کے متعلق منقول ہے کہ وہ رب تعالیٰ سے یہ سوال کیا کرتا تھا کہ اسے اِبلیس لعین دکھایا جائے، اللّٰہ تعالیٰ کی طرف سے یہی جواب ملتا تھا کہ اس خیال کو چھوڑ اور عافیت و امن کی دعا کیا کر، مگر وہ اپنے اسی خیال پر مُصِر تھا۔ آخر ایک روز اللّٰہ تعالیٰ نے اِبلیس کو اس عابد پر ظاہر کر دیا جب عابد نے اِبلیس کو دیکھا تو اسے

1 ...... اس تیسرے مصرعے کے ترجمہ کے کچھ الفاظ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ کے شایانِ شان نہ تھے لہٰذا اس میں کچھ ترمیم و اضافہ کیا گیا ہے۔ (علمیہ)

2 ...... اپنے معاملات اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ کے سپرد کرنے۔

مارنے کا اِرادہ کیا۔ اِبلیس نے کہا: اگر تو نے سو سال زندہ نہ رہنا ہوتا تو میں تجھے ہلاک کر دیتا اور تجھے سخت سزا دیتا۔ عابد اپنی عمر سو سال سن کر مغرور ہو گیا اور دل میں کہنے لگا: میری عمر بہت ہے، ابھی آزادی سے گناہ کرتا ہوں، آخر وقت پر توبہ کر لوں گا، چنانچہ وہ فِسق و فُجُور میں مبتلا ہو گیا عبادت ترک کر دی اور ہلاک ہو گیا۔

اے مخاطَب! تیرے لیے اس حکایت میں اس اَمر پر تنبیہ ہے کہ تو اپنے اِرادے کی پیروی نہ کرے اور اپنے مَطلوبِ نفسانی کے حصول میں اِصرار سے کام نہ لے اور اس حکایت سے تجھے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ طُولِ اَمَل (1) سے بچ کیونکہ طولِ اَمَل عظیم ترین آفت ہے، ایک شاعر نے کیا اچھا کہا ہے:

وَ اِیَّاكَ الْمَطَامِعَ وَ الْاَمَانِیْ فَكَمْ اُمْنِيَّةٍ جَلَبَتْ مَنِيَّهْ

ترجمہ: طمع کی چیزوں اور لمبی اُمیدوں سے بچو کیونکہ بہت اُمیدیں ایسی ہوتی ہیں جن کے پیچھے انسان لقمۂ موت بن جاتا ہے۔

لیکن جب تم اپنا معاملہ اللّٰہ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعَالٰی کے سپرد کر دو گے اور اس سے سوال کرو گے کہ وہ تمہارے لیے ایسی شے کا اِنتخاب کرے جس میں تمہاری بہتری ہو تو ضرور تمہیں خیر اور دُرستی ہی نصیب ہو گی اور تم نیک کام سے ہی ہمکنار ہو گے۔ اللّٰہ تعالٰی نے اپنے ایک صالح بندے (حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام) کے الفاظ نقل کرتے ہوئے فرمایا:

وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْۤ اِلَى اللّٰهِؕ اِنَّ میں اپنا معاملہ اللّٰہ کے حوالے کرتا ہوں بیشک

(1)......لمبی اُمیدوں۔

اللّٰہَ بَصِیۡرٌۢ بِالۡعِبَادِ ﴿۴۴﴾ فَوَقٰىہُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِ مَا مَکَرُوۡا وَ حَاقَ بِاٰلِ فِرۡعَوۡنَ سُوۡٓءُ الۡعَذَابِ ﴿ۚ۴۵﴾ (1)

وہ بندوں کو دیکھتا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اسے انکی بُری چالوں سے محفوظ رکھا اور فرعونیوں کو دُکھ دینے والے عذاب نے آ گھیرا۔

تم دیکھتے نہیں کہ رب تعالیٰ نے کس وضاحت سے اپنے معاملات اس کے حوالے کرنے پر حفاظت، دشمنوں کے خلاف اِمداد اور بندے کا اپنی مراد میں کامیاب ہونے کا ذکر فرمایا ہے؟ اس میں خوب غور کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں بھلائی کی توفیق بخشے۔

سوال: تَفْوِیْض کا معنیٰ اور اس کا حکم واضح فرمایا جائے۔

جواب: جاننا چاہیے کہ یہاں دو چیزیں ہیں جن کے سمجھ لینے سے بات واضح ہو جائے گی: ایک تو تَفْوِیْض کا مقام اور اس کا حکم اور دوسری تَفْوِیْض کا معنیٰ اس کی تعریف اور تَفْوِیْض کی ضد کا بیان۔

مقامِ تَفْوِیْض کی تفصیل یہ ہے کہ مرادیں تین قسم ہیں

ایک وہ مراد جس کو تم یقیناً اور قطعاً بُری اور خراب سمجھتے ہو، تمہیں اس کے بُرا ہونے میں ذرا شک نہیں ہوتا جیسے جہنم اور عذاب اور اَفعال میں کُفر اور بدعت اور مَعْصِیَت وغیرہ ان اُمورِ مذکورہ کا اِرادہ کرنے کی تو قطعًا کوئی گنجائش اور اجازت نہیں۔

دوسری وہ مراد جس کے اچھا اور بہتر ہونے کا تمہیں مکمل یقین ہے جیسے جنت، ایمان اور سنّت وغیرہ ان اُمور کا اِرادہ کرنا ضروری اور لازم ہے یہاں تَفْوِیْض جائز

(1)......ترجمۂ کنز الایمان: اور میں اپنے کام اللہ کو سونپتا ہوں بیشک اللہ بندوں کو دیکھتا ہے تو اللہ نے اسے بچالیا ان کے مکر کی بُرائیوں سے اور فرعون والوں کو بُرے عذاب نے آ گھیرا۔ (پ ۲۴، المؤمن: ۴۴، ۴۵)

نہیں، اس لیے کہ ان اُمور میں کوئی خطرہ نہیں اور نہ ہی ان کے بہتر اور اچھا ہونے میں کوئی شک وشبہ ہے۔

تیسری وہ شے ہے جس کے متعلق تم حتمًا[1] نہیں جانتے کہ اس میں تمہارے لیے بھلائی ہے یا خرابی، اور فائدہ ہے یا نقصان، جیسے نَوافِل اور مُباح اُمور، ان اُمور کا تم یقینی اور قَطْعی اِرادہ نہیں کر سکتے تو ایسے اُمور کا اِرادہ کرتے وقت اِنْ شَآءَ اللّٰہ ضرور کہا جائے، بلا اِنْ شَآءَ اللّٰہ ان اُمور کا اِرادہ درست نہیں بلا اِنْ شَآءَ اللّٰہ ان اُمور کا اِرادہ مَذْموم ہوگا، جس سے شرعاً روکا گیا ہے تو اس تحقیق کی رُو سے تَفْوِیْض کا مقام ہر وہ شے ہے جس کے اندر تمہارے لیے کوئی خطرہ ہو اور تمہیں اس کے بہتر ہونے کا یقین کامل نہ ہو۔

تَفْوِیْض کے معنیٰ

ہمارے بعض مَشائخ (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) نے تفویض کے یہ معنٰی کیے ہیں:

"هُوَ تَرْكُ اِخْتِيَارِ مَا فِيْهِ مُخَاطَرَةٌ اِلَى الْمُخْتَارِ الْمُدَبِّرِ الْعَالِمِ بِمَصْلِحَةِ الْخَلْقِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ" تَفْوِیْض کے معنٰی ہیں ہر وہ شے جس میں خطرہ ہو اس میں اپنے اِرادے اور اختیار کو ترک کر دینا اور مُدَبِّرِ کائنات مُخْتَارِ مُطْلَق اور مخلوق کے مَصالِح[2] جاننے والے اللّٰہ تعالٰی کے سپرد کر دینا۔

اور شیخ ابو محمد سِجْزِی[3] رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْه نے تَفْوِیْض کے یہ معنٰی کیے ہیں:

---

1 ...... یقینی۔ 2 ...... فائدے۔ 3 ...... یہاں لفظ "سنجری" تھا، یہ کتابت کی غلطی ہے کیونکہ اصل عربی متن میں درست لفظ "سِجْزِی" ہے، لہٰذا اس کی تصحیح کر دی گئی ہے۔ (علمیہ)

"ھُوَ تَرْكُ اِخْتِيَارِكَ الْمُخَاطَرَةَ عَلَى الْمُخْتَارِ لِيُخْتَارَ لَكَ مَا هُوَ خَيْرٌ لَّكَ" **تَفْوِیض** تیرا خطرے کی شے میں اپنے اختیار کو ترک کر دینا اور مختارِ مُطلَق کے حوالہ کر دینا ہے تا کہ وہ مختارِ مُطلق تیرے لیے ایسی چیز پسند فرمائے جس میں تیری بھلائی اور بہتری ہو۔

اور شیخ ابوعمر [1] رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْه نے **تَفْوِیض کی یہ تعریف** کی ہے:

"ھُوَ تَرْكُ الطَّمَعِ وَ الطَّمَعُ هُوَ اِرَادَةُ الشَّيْءِ الْمُخَاطِرِ بِالْحُكْمِ" **یعنی تَفْوِیض** ترک طَمَع کا نام ہے اور طَمَع ایسی شے کے ارادے کا نام ہے جس میں خطرہ ہو۔

تَفْوِیض کے معنی میں یہ مَشائخ کِرام (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ السَّلَام) کی عبارات تھیں جو نقل کی گئیں اور ہمارے نزدیک تَفْوِیض کے یہ معنی ہیں:

"اِرَادَةُ اَنْ يَّحْفَظَ اللّٰهُ عَلَيْكَ مَصَالِحَكَ فِيْمَا لَا تَأْمَنُ فِيْهِ الْخَطَرَ" جن اُمور میں تم کو خطرہ کا خوف ہو ایسے اُمور میں یہ اِرادہ کر لینا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مصلحتوں اور بہتریوں کی حفاظت اور نگہداشت کرے، ایسے اِرادے کا نام تَفْوِیض ہے۔

اور تَفْوِیض کی ضد طَمَع [2] ہے

اور طَمَع دو طرح کا ہے ایک وہ جو رَجا کے معنی میں ہے یعنی ایسی شے کا اِرادہ کرنا جس میں کوئی خطرہ نہ ہو یا خطرہ ہو مگر اِنْ شَآءَ اللّٰه کہہ لیا جائے۔

یہ طَمَع جو رَجاء کے معنی میں ہے، مَمْدُوْح [3] اور غیرِ مذموم ہے، جیسا کہ پروردگارِ عالَم جَلَّ وَ عَلَا نے طَمَع کو اس معنی میں قرآن مجید میں استعمال فرمایا ہے، ارشاد

❶ ...... یہاں لفظ "ابوعمرو" تھا، یہ کتابت کی غلطی ہے کیونکہ اصل عربی متن میں درست لفظ "ابوعمر" ہے، لہٰذا اس کی تصحیح کر دی گئی ہے۔ (علمیہ)

❷ ...... لالچ۔ ❸ ...... اچھا۔

ہوتا ہے:

وَالَّذِیْۤ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓــٴَـتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِؕ(۸۲) (1) اور وہ ذات جس سے مجھے اُمید ہے کہ روزِ قیامت وہ میری تمام خطائیں بخش دے گا۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰیٰنَاۤ (2) ہمیں پوری اُمید ہے کہ ہمارا پروردگار ہماری تمام خطائیں معاف کردے گا۔

اور ہم یہاں اس طمعِ محمود (3) میں بات نہیں کرتے۔

دوسرا طمع مذموم ہے جس کے متعلق نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ارشاد گرامی ہے:

"اِیَّاکُمْ وَ الطَّمَعَ فَاِنَّہٗ فَقْرٌ حَاضِرٌ" (4) اپنے آپ کو طمع سے بچاؤ کیونکہ وہ ایک بِالْفِعْل محتاجی اور تنگدستی ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ

"ھَلَاکُ الدِّیْنِ وَ فَسَادُہُ الطَّمَعُ وَ مَلَاکُہُ الْوَرَعُ" یعنی دین کی ہلاکت اور اس کا فساد طمع میں ہے اور دین کی حفاظت اور پختگی وَرَع اور تقویٰ میں ہے۔

اور ہمارے شیخ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ نے فرمایا ہے کہ

1 ......ترجمۂ کنز الایمان: اور وہ جسکی مجھے آس لگی ہے کہ میری خطائیں قیامت کے دن بخشے گا۔ (پ۱۹، الشعراء:۸۲)

2 ......ترجمۂ کنز الایمان: ہمیں طَمَع ہے کہ ہمارا رب ہماری خطائیں بخش دے۔ (پ۱۹، الشعراء:۵۱)

3 ......اچھی طمع۔

4 ......المعجم الاوسط، ۵/۴۰۳، حدیث:۷۷۵۳، بتغیر۔

طَمَع مذموم دو چیزیں ہیں: ''سُکُوْنُ الْقَلْبِ اِلٰی مَنْفَعَةٍ مَّشْکُوْکَةٍ وَّ الثَّانِیُ اِرَادَةُ الشَّیْءِ مُخَاطَرَةً بِالْحُکْمِ'' ایک ایسی شے سے سکونِ قلب حاصل کرنا جس کا نفع مشکوک ہو، دوسری ایسی چیز کا ارادہ کرنا جس میں خطرہ ہو۔

اور یاد رکھو! کہ طَمَع مذموم میں جو اِرادہ پایا جاتا ہے یہی تَفْوِیْض کے مُتَضَاد اور مخالف ہے۔

ان اُمور کا بیان جن کا تصور ''تَفْوِیْض اِلَی اللّٰه'' کا مُوْجِب[1] ہے:

﴿۱﴾ اُمور اور معاملات میں خطرہ۔

﴿۲﴾ ہلاکت کا اِمکان۔

﴿۳﴾ فساد اور خرابی کا خوف۔

﴿۴﴾ انسان کا خطرے کی چیزوں سے محفوظ رہنے سے عاجز ہونا۔

﴿۵﴾ انسان کی غفلت اور نادانی کے باعث خطرے کی چیزوں سے نہ بچ سکنا۔

اگر تم ان پانچ اُمور کو سنجیدگی سے ذہن میں حاضر کرو گے تو تمہارے دل میں خواہ مخواہ اِرادہ پیدا ہوگا کہ اپنے تمام اُمور و مُعاملات اَحْکَمُ الْحَاکِمِیْن کے حوالہ کر دینے چاہیں اور بلا اِنْ شَآءَ اللّٰه تَعَالٰی کہے ان کا اِرادہ نہیں کرنا چاہیے، ہاں اگر ان اُمور میں خیر و صلاح کا یقین کامل ہو تو پھر بلا تشویش اِرادہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِیْق

سوال: تم جس خطرے کا بار بار ذکر کرتے ہو کہ اس کی وجہ سے ''تَفْوِیْضُ الْاُمُوْرِ اِلَی اللّٰهِ''[2] ضروری ہے آخر وہ خطرہ کیا ہے؟

---

1 ...... سبب۔ 2 ...... تمام اُمور اللہ تعالٰی کے سپرد کرنا۔

جواب: جان لو کہ خطرہ دو طرح کا ہے:

ایک تو خطرہ شک، کہ شاید یہ کام ہوگا یا نہیں اور شاید میں اس تک پہنچ سکوں یا نہ، اسی خطرۂ شک کے باعث اِنْ شَآءَ اللّٰہ کہنا ضروری ہے۔

دوسرا خطرہ فساد، کہ تمہیں یہ یقین نہ ہو کہ اس میں تمہارے لیے صلاح اور بہتری ہے، اس خطرہ کی بِنا پر **تَفْوِیض** ضروری ہے۔

پھر خطرہ کی تعریف میں ائمہ کرام (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) کی عبارات مختلف ہیں، بعض ائمہ کرام نے یہ تعریف کی ہے کہ

''خطرہ وہ شے ہے جس کے غیر میں نجات ہو اور اس کے کرنے سے اِرتکاب گناہ کا اِمکان ہو۔''

اس معنیٰ کی رُو سے ایمان، اِستقامت اور سنّت میں کوئی خطرہ یا خدشہ نہیں کیونکہ ان کے بغیر نجات ناممکن ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ''اِسْتِقَامَةُ عَلَى الشَّرْعِ''[1] کسی اِرتکابِ گناہ کا باعث نہیں لہٰذا ایمان، اِستقامت اور سنّت کا اِرادہ یقیناً ہونا چاہیے۔

ہمارے شیخ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْه نے ''خَطَرَ فِي الْفِعْلِ'' کی یہ تشریح فرمائی ہے کہ

''خطرہ وہ شے اور وہ اَمرِ عارِض ہے جسے بعض اوقات اَصل فعل ترک کر کے ادا کرنا پڑے اور اس وقت اَصل فعل کی بجائے اس اَمرِ عارِض کو ادا کرنا زیادہ بہتر ہو۔''

خطرہ کی یہ تعریف مُباحات، سُنَن اور فرائض کو بھی شامل ہے۔ اس اِجمال[2] کی تفصیل یوں سمجھو کہ ایک شخص کا وقتِ نماز تنگ ہو چکا ہو اور اس نے اسے ادا کرنے

---

1 ......شریعت پر اِستقامت۔ 2 ......مختصر۔

کا اِرادہ کرلیا ہو، عین اس وقت وہ شخص کہیں جلتی آگ یا دریا میں گر پڑا، تو ایسی صورت میں اس کا قصد نماز کے بجائے اپنے آپ کو بچانا ضروری اور لَا بُدِّی [1] ہے۔ اس تعریف کے مطابق جب خطرہ کا تعلق مباحات، سُنَن اور فرائض سے بھی ہو گیا تو ان کا بھی قطعی [2] اِرادہ کرنا درست نہیں بلکہ ساتھ اِنْ شَآءَ اللّٰہ کہنا چاہیے۔

سوال: یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ رب تعالیٰ بندے پر ایک کام فرض کرے اور اس کے ترک پر وَعِید فرمائے پھر اس بندے کے لیے اس فِعل میں کوئی بھلائی اور بہتری نہ ہو؟

جواب: ہمارے شیخ رَحمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی نے فرمایا ہے کہ

"اللّٰہ تعالیٰ بندے پر جو چیز لازم اور فرض کرتا ہے بندے کے لیے ضرور اس میں بھلائی اور بہتری ہوتی ہے جب کہ وہ عَوَارِض اور رکاوٹوں سے خالی ہو، ہاں اللّٰہ تعالیٰ کسی لازم اور ضروری فعل میں اس طرح تنگی نہیں فرماتا کہ اس سے کسی اور طرف عُدُول [3] نہ ہو سکے اور ضرور ہر فرض اور لازم فعل میں بندے کے لئے صلاح اور بہتری مُضْمَر [4] ہے۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ اللّٰہ تعالیٰ کی طرف سے اس فرض اور لازم فعل سے عُدُول کے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں اور ایسے حالات میں ایک واجب کو ترک کر کے دوسرے واجب کو اختیار کرنا بہتر اور اَوْلیٰ ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ ہم ذکر کر آئے ہیں، ایسے اَسباب کے پیش آنے پر بندہ ترک فرض پر مَاخُوذ [5] نہیں ہو گا بلکہ اجر و ثواب ملے گا، یہ اجر و ثواب ترکِ فرض سے نہیں بلکہ دوسرا واجب ادا کرنے کی وجہ سے ہے۔

---

1 ......ضروری۔ 2 ......یقینی۔ 3 ......روگردانی۔ 4 ......پوشیدہ۔ 5 ......بازپرس میں مبتلا۔

اور میں نے اپنے شیخ اور امام کو کہتے سنا ہے کہ تمام فرائض جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر لازم کیے ہیں، جیسے نماز، روزہ، حج اور زکوۃ وغیرہ ان میں یقیناً بندہ کے لیے صلاح اور خیر ہے، اس لیے ان کی بجا آوری کے اِرادہ کے وقت اِنْ شَآءَ اللّٰہ کہنے کی ضرورت نہیں بلکہ ان کا یقیناً اور قطعاً اِرادہ ہونا چاہیے اور ہمارے شیخ عَلَیْہِ الرَّحْمَة نے فرمایا کہ آخر کار تمام مَشَائِخ (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) کا اس پر اِتفاق ہو چکا ہے، اس اعتبار سے جب فَرَائِض وواجبات خطرہ کے حکم سے خارِج ہو گئے تو صرف مُباحات و نَوَافِل ہی اس محلِ خطرہ[1] میں رہے۔ ہماری یہ بحث اس باب میں مشکل ترین بحث ہے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْق

سوال: کیا اپنے جملہ اُمور کو حوالۂ خدا کرنے والا ہلاکت اور فساد وغیرہ اُمور سے مامون ومحفوظ ہو جاتا ہے حالانکہ دنیا دارُ الْمَصَائِب وآلام[2] ہے؟

جواب: اَغْلَب[3] یہی ہے کہ ایسا شخص ان خطرات سے محفوظ رہتا ہے، ہاں! نادر اور قلیل طور پر کبھی اس کے خلاف بھی ہو جاتا ہے جس سے وہ خُذْلَان واَبْتَرِی[4] میں مبتلا ہو جاتا ہے اور دَرَجۂ تَفْوِیْض سے گر جاتا ہے، شیخ ابو عمر[5] رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْه نے یوں ہی فرمایا ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ ایسے شخص کو ان اُمور میں جو اس نے حوالۂ خدا کیے ہوئے ہیں بھلائی اور دُرُستی ہی پیش آتی ہے، نادر طور پر بھی وہ ذلت ورسوائی وغیرہ میں مبتلا نہیں

1 ......خطرہ کی جگہ۔ 2 ......مشکلات اور تکالیف کا گھر۔ 3 ......زیادہ غالب۔ 4 ......ذلت و پستی۔ 5 ...... یہاں لفظ ''ابو عمرو'' تھا، یہ کتابت کی غلطی ہے کیونکہ اصل عربی متن میں درست لفظ ''ابو عمر'' ہے، لہٰذا اس کی تصحیح کردی گئی ہے۔ (علمیہ)

ہوتا۔ ہمارے شیخ رَحمَۃُ اللّٰہ تَعَالٰی کے نزدیک یہ قول زیادہ پسندیدہ ہے، اس لیے کہ اگر تفوِیض کے ذریعہ مہالِک اور مفاسِد سے محفوظ رہنے کی امید نہ ہو تو تفوِیض (یعنی اپنے اُمور کو حوالۂ خدا کرنے) سے فائدہ ہی کیا۔

سوال: کیا خدا تعالیٰ پر واجب ہے کہ مُفوِّض [1] کے لیے اَفضل چیز ہی مہیا کرے؟

جواب: یہ اَمر مُتَّفَق عَلَیہ ہے [2] کہ باری تعالیٰ پر کسی شے کا اِیجاب [3] مُحال اور ناممکن ہے اور بندوں کے لیے اللّٰہ تعالیٰ پر کوئی شے واجب اور لازم نہیں، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اللّٰہ تعالیٰ بتقاضائے حکمت ایسی چیز مُقدَّر کر دیتا ہے جو حقیقت میں بہتر اور اَصلَح [4] ہوتی ہے مگر بظاہر بندے کی نظر میں وہ اَفضل اور اَعلیٰ نہیں ہوتی، دیکھئے!

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیہِ وَسَلَّم اور آپ کے صحابۂ کِبار (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنھُم) کے لیے لَیلَۃُ التَّعرِیس [5] میں دن چڑھ آنے تک نیند مقرر کر دی یہاں تک کہ آپ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) کی اور صحابہ کرام (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنھُم) کی رات کی نماز (تہجُّد) اور نمازِ فجر فوت ہوگئی، حالانکہ نیند کے بجائے نماز کی ادائیگی اَفضل اور بہتر تھی۔ اسی طرح بسا اوقات اللّٰہ تعالیٰ ایک بندے کے لیے دولت اور

---

1 ...... اپنے اُمور اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ کے حوالے کرنے والے۔ 2 ...... سب کا اس بات پر اتفاق ہے۔

3 ...... واجب ہونا۔ 4 ...... زیادہ اچھی۔ 5 ...... غزوۂ خیبر سے واپسی پر آپ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اور صحابۂ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنھُم نے ایک مقام پر پڑاؤ کیا جہاں یہ واقعہ پیش آیا۔ اس واقعہ پیش آنے والی رات کو "لَیلَۃُ التَّعرِیس" کہتے ہیں۔ (صحیح مسلم، کتاب المساجد...الخ، باب قضاء الصلوۃ الفائتۃ...الخ، ص ۳۴۲، حدیث: ۳۰۹)

نعمت مقرر کر دیتا ہے، حالانکہ درحقیقت فقر [1] اس کے حق میں افضل ہوتا ہے۔

اسی طرح بسا اوقات رب تعالیٰ بندے کے لیے بیویاں اور اولاد مُقدَّر کر دیتا ہے حالانکہ درحقیقت اس کے لیے ذکرِ الٰہی اور عبادت زیادہ بہتر اور افضل ہوتے ہیں۔

اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک حاذِق [2] اور خیر خواہ طبیب مریض کے لیے جَو کا پانی پسند کرتا ہے، اگرچہ مریض گنّے کا نچوڑ اور اس کا پانی افضل اور عمدہ خیال کرتا ہو، کیونکہ اس طبیب کو معلوم ہے کہ مریض کی اسی میں اِصلاح ہے اور بندے کا مقصود بھی تو ہلاکت سے نجات ہے، فساد و ہلاکت کے ساتھ ساتھ محض ظاہری فضل و شرف اور اچھائی حاصل کرنا مقصود نہیں ہوتا۔

سوال: کیا مُفَوِّض (اپنے جملہ اُمور حوالۂ خدا کرنے والا) تَفوِیض کے باوجود بھی مختار مُتصوَّر رہو گا [3]؟

جواب: علمائے اہلِ سنّت کے نزدیک صحیح یہی ہے کہ تَفوِیض سے اس کا اختیار باطل اور زائل نہیں ہوتا بلکہ وہ مختار ہی شمار ہو گا۔

تیسرا عارِضہ:

قضاء اور اس کی مختلف اَقسام کا انسان پر وارِد ہونا ہے

اس کا علاج صرف یہ ہے کہ انسان قضاءِ الٰہی پر راضی ہو جائے۔ اس لیے تم پر دو وجہ سے قضاءِ الٰہی پر راضی رہنا ضروری ہے:

---

1 ......فقیر ہونا۔ 2 ......ماہر۔ 3 ......اختیار دیا گیا سمجھا جائے گا۔

اوّل: عبادت کے لیے فراغت

اور یہ فراغت یوں حاصل ہوگی کہ اگر تم قضاءِ الٰہی پر راضی نہ ہو تو تمہارا قلب ہمیشہ مَغْمُوم (1) اور مشغول رہے گا کہ یہ بات اس طرح کیوں ہوئی ہے اور یہ کام اس طرح کیوں ہو، جب اس طرح کے تَفَکُّرَات (2) میں تمہارا قلب ہر وقت مشغول رہے گا تو عبادت کے لیے فراغت کب نصیب ہوگی اس لیے کہ تمہارے پہلو میں دل تو صرف ایک ہی ہے اور اسے تم نے تَفَکُّرَات و وَساوِس سے بھر دیا ہوا ہے جب تمہارے دل کے تمام گوشے دُنْیَوِی خیالات سے پُر ہوں گے تو یادِ خدا، اس کی عبادت اور فکرِ آخرت کے لیے کون سا گوشہ ہے جو خالی ہوگا۔

حضرت شَقِیْق بَلْخِی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ نے کیا خوب فرمایا ہے: "اِنَّ حَسْرَۃَ الْاُمُوْرِ الْمَاضِیَۃِ وَ تَدْبِیْرَ الْاٰتِیَۃِ قَدْ ذَھَبَتْ بِبَرَکَۃِ سَاعَتِكَ ھٰذِہٖ" تمہاری گزشتہ واقعات پر حسرت اور آئندہ کی تدبیر کے خیالات نے اس موجودہ ساعت کی برکت کو تباہ کر دیا ہے۔

کامل مسلمان کی تعریف

سرکارِ مدینۂ منوّرہ، سردارِ مکّۂ مکرّمہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ عظمت نشان ہے: "اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ" یعنی مسلمان وہ ہے کہ اس کے ہاتھ اور زَبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔
(غیبت کی تباہ کاریاں، ص ۵۹ بحوالہ صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب المسلم من سلم...الخ، ۱/۱۵، حدیث: ۱۰)

---

1 ...... غمگین۔ 2 ...... فکروں۔

قضاءِ الٰہی پر راضی ہونے کی دوسری وجہ

قضاءِ الٰہی پر اِظہارِ ناراضی سے غضبِ خداوندی کا خطرہ ہے، رِوایات اور اَخبار میں مذکور ہے کہ کسی نبی (عَلَیْہِ السَّلَام) نے اپنی کسی تکلیف کا رب تعالٰی کے دربار میں شکوہ کیا تو رب تعالٰی کی طرف سے وحی آئی کہ کیا تو میرا شکوہ کرتا ہے؟ حالانکہ میں مذمت اور شکوہ کا مُستَحِق نہیں ہوں کیا تو ایسی نامناسب بات کا اِظہار کر رہا ہے؟ تو میری قضاء پر ناراضگی کا اظہار کیوں کر رہا ہے؟ کیا تو یہ چاہتا ہے کہ میں تیری خاطر دنیا بدل دوں یا تیری خاطر لوحِ محفوظ میں تبدیلی کروں اور ایسی چیز تیرے واسطے مُقدَّر کروں جسے تو چاہے اگرچہ میں اس کو نہ چاہوں؟ اور ایسی چیز تیرے لیے مہیا کروں جو تجھے پسند ہو، مجھے پسند نہ ہو؟ مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم! اگر تیرے سینے میں آئندہ کبھی اس قسم کا خطرہ اور وسوسہ گزرا تو میں ضرور تجھ سے نُبُوَّت کا مُقدَّس لباس اُتار لوں گا اور تجھے نارِ دوزخ میں ڈال دوں گا اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔

میں کہتا ہوں عقل مند شخص کو گوشِ ہوش سے سننا چاہیے کہ ربّ تعالٰی کس طرح اپنے نبیوں اور بَرگُزِیدہ بندوں سے ایسی گفتگو فرما کر تنبیہ فرما[1] رہا ہے، جب وہ اپنے بَرگُزِیدہ اور پاک بندوں کو ایسے کلمات کہہ سکتا ہے تو غیرِ اَنبیاء کے ساتھ بَطریقِ اَوْلٰی[2] ایسی گفتگو کر سکتا ہے۔

پھر رب تعالٰی کا یہ ارشاد بہت قابلِ غور ہے کہ ''اگر تیرے دل میں دوبارہ اس قسم کا خیال آیا تو تیری نُبُوَّت چھین لی جائے گی۔'' جب محض ارادے اور خیال پر اس قدر سخت وعید اور تنبیہ[3] فرمائی تو اس شخص پر اس کے غضب[4] کا کیا عالَم ہوگا

---

1 ...... یہاں لفظ ''ڈانٹ رہا'' کو ''تنبیہ فرما رہا'' سے تبدیل کر دیا ہے۔ (علمیہ) 2 ...... اس سے بڑھ کر۔ 3 ...... حاشیہ ایک ہی ملاحظہ کیجئے۔ 4 ...... یہاں اللہ تعالٰی کے لئے لفظ ''غصہ'' استعمال ہوا تھا، فتاوی رضویہ، جلد 26، صفحہ 457 پر اسے منع لکھا ہے لہٰذا اسے ''غضب'' سے بدل دیا ہے۔ (علمیہ)

جو بے صبری سے چیخے اور چلائے اور بار بار فریاد رَسی کے لیے بلائے، شکوہ کرے اور رب کو اپنی تباہی اور بربادی کے لیے عام لوگوں کے سامنے پکارے، صرف اکیلا نہ پکارے بلکہ اس میں اپنے ساتھی اور دوست بھی شامل کرلے، پھر یہ اس کو تنبیہ [1] ہے جس نے ساری عمر میں صرف ایک بار شکوہ کیا، تو جس کی ساری عمر ہی رب تعالیٰ کے شکووں اور شکایتوں میں گزری ہو اس کا کیا انجام ہوگا؟

پھر اس قسم کی تلخ گفتگو اس کے ساتھ ہے جس نے اس کے دربار میں شکوہ کیا، تو جو شخص غیروں کے آگے اللہ تعالیٰ کا شکوہ کرے وہ تو سخت ترین سزا کا مُسْتَحِق ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا وَ نَسْاَلُهٗ اَنْ یَّعْفُوَ عَنَّا وَ یَغْفِرَلَنَا سُوْءَ اَدَبِنَا وَ یُصْلِحَنَا بِحُسْنِ نَظَرِهٖ اِنَّهٗ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۔

سوال: قضاء پر راضی ہونے کے کیا معنیٰ ہیں اور اس کی حقیقت اور حکم کیا ہے؟

جواب: ہمارے علمائے کرام (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) نے فرمایا ہے:

رِضا غصہ ترک کردینے کا نام ہے اور غصہ ایسی چیز کو اَوْلیٰ اور بہتر کہنے کا نام ہے جو قضاءِ الٰہی کے خلاف ہو اور جس کا بُرا یا اچھا ہونا یقینی نہ ہو سُخْط [2] اور غصے میں ایسا ذکر اور خیال ضروری ہے، تب غصہ مُتَحَقَّق [3] ہوگا۔

سوال: کیا شُرُوْر و مَعَاصِی [4] اللہ تعالیٰ کی قضاء وقَدَر سے نہیں ہیں؟ تو اللہ تعالیٰ بندے سے شر پر کیسے راضی ہوگا اور اس پر شر کیسے لازم کرے گا؟

جواب: رِضا کا تعلق قضا سے ہے اور قضائے شر بُرا نہیں بلکہ وہ شے بُری ہے جس کے ساتھ قضا مُتَعَلِّق ہوتی ہے لہٰذا رِضا بِالشَّر نہ پائی گئی، ہمارے مَشَائخ رَحِمَهُمُ

---

1 ...... یہاں لفظ "ڈانٹ" کو "تنبیہ" سے تبدیل کردیا ہے۔ (علمیہ) 2 ...... ناراضگی۔ 3 ...... ثابت۔

4 ...... بُرائیاں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جن اُمور سے قَضا مُتعلِّق ہوتی ہے وہ چار قسم ہیں:

﴿۱﴾ نعمت ﴿۲﴾ شدت ﴿۳﴾ خیر ﴿٤﴾ شر۔

﴿۱﴾ نعمت میں قاضی یعنی خدا تعالیٰ، قَضا اور مَقْضِی یعنی نعمت، سب پر راضی ہونا واجب ہے اور اس کے نعمت ہونے کے اعتبار سے اس کا شکر بھی واجب ہے اور اس طور پر اظہارِ نعمت بھی ضروری ہے جس سے نعمت کے اثر کا اِظہار ہو۔

﴿۲﴾ شدّت یعنی مصیبت اور تکلیف اس میں بھی قاضی یعنی اللّٰہ تعالیٰ اس کی قضا اور مَقْضِی یعنی اس مصیبت اور تکلیف تینوں پر راضی ہونا ضروری اور لازمی ہے اور اس کے سختی اور تکلیف ہونے کے اعتبار سے اس پر صَبْر بھی واجب ہے۔

﴿۳﴾ خیر یعنی بھلائی اور نیکی، اس میں بھی مذکورہ تینوں اشیاء پر رِضا مند ہونا لازم ہے اور اس میں پروردگار کے اِحسان کا اِعتراف کرنا کہ اس نے خیر کی توفیق دی، بھی ضروری ہے۔

﴿٤﴾ شر یعنی بُرائی اس میں بھی قاضی یعنی خدا اور قضا اور مَقْضِی یعنی اس بُرائی پر اس اِعتبار سے کہ اس کے ساتھ اللّٰہ تعالیٰ کی قَضا کا تَعلُّق ہے، رِضا مند ہونا ضروری ہے، ہاں اس اعتبار سے اس کے ساتھ رِضا کا تعلق نہیں ہوسکتا کہ وہ شر اور بُرائی ہے اور اس شر کا فیصلہ شدہ اور قضا شدہ ہونا اصل میں اللّٰہ تعالیٰ کے قاضی ہونے اور اس کی قَضا کی جانب ہی رُجوع کرتا ہے۔

اس کو یوں سمجھو کہ تم مثلاً کسی بُرے مذہب پر رِضا کا اظہار کرو، اس اعتبار سے کہ مجھے اس کا علم اور اس کی پہچان ہوجائے، نہ اس اعتبار سے کہ وہ تمہارا مذہب

ہو جائے، تو اس مذہب کا معلوم ہونا دراصل تمہارے علم کی طرف ہی رُجوع کرتا ہے تو رِضا اور محبت درحقیقت اس مذہبِ باطل سے نہیں بلکہ اس کے علم کے ساتھ ہے۔ اسی طرح یہاں شر پر رِضا مند ہونے کا مطلب اس کی بُرائی پر رِضا مند ہونا نہیں بلکہ اس پر رِضا مند ہونا ہے کہ یہ بھی خدا تعالیٰ کے مُقدَّر کرنے سے ہے۔

سوال: کیا راضی بقضاء[1] شخص کو زیادتی کا طالِب ہونا درست ہے؟

جواب: ہاں، اس نیّت سے کہ میرے لیے صَلاح اور خیر میں اضافہ ہو، زیادہ کا طالب ہونا درست ہے اور یہ رِضَا بِالْقَضَاء کے خلاف نہیں کیونکہ اس نیّت کے ساتھ زیادتی کا طالب ہونا، اس اَمر کی دلیل ہے کہ وہ اس پر کُلّی[2] طور سے راضی ہے، انسان اسی وقت زیادتی کا طالب ہوتا ہے جب کہ وہ اس پر خوش ہو، لہٰذا وہ زیادہ کا طالب ہوسکتا ہے۔

حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کی عادتِ مبارکہ تھی کہ جب آپ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) کے سامنے دودھ پیش کیا جاتا تو فرماتے:

"اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْهِ وَ زِدْنَا مِنْهُ"[3] اے اللہ! ہمیں اس میں برکت دے اور اس میں اضافہ فرما۔

اور اگر کوئی اور شے پیش ہوتی تو فرماتے:

"وَزِدْنَا خَیْرًا مِنْهُ"[4] ہمارے لیے اس سے بہتر میں اضافہ فرما۔

---

1 ......تقدیر پر راضی رہنے والے۔ 2 ......مکمل۔

3 ......سنن ابی داود، کتاب الاشربة، باب مایقول اذا شرب اللبن، ۳/۴۷۵، حدیث: ۳۷۳۰۔

4 ......سنن ابی داود، کتاب الاشربة، باب مایقول اذا شرب اللبن، ۳/۴۷۵، حدیث: ۳۷۳۰، بتغیر۔

اوران دنوں مقاموں میں کہیں بھی ظاہر نہیں ہوتا کہ آپ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) اللہ تعالیٰ کی مُقَدَّر شدہ چیز پر راضی نہیں تھے۔

سوال: نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے یہ تو منقول نہیں کہ بہ نِیَّتِ خیر وصَلاح زیادتی چاہے، جیسا کہ آپ نے کہا ہے؟

جواب: اس طرح کے اُمور کا تعلق قَلْب سے ہوتا ہے اس لیے عموماً انہیں زبان پر نہیں لایا جاتا مگر وہ مراد ضرور ہوتے ہیں۔

چوتھا عارِضہ:

مَصائِب اور تکالیف

ان میں کامیابی کی واحد صورت صَبْر ہے، اس لیے ایسے تمام مقامات پر صَبْر بہت ضروری ہے اور یہ دو وجہ سے ضروری ہے:

﴿۱﴾ تا کہ انسان عبادت تک پہنچ سکے اور اپنا مقصود حاصل کر سکے اس لیے کہ عبادت کا دارومدار صَبْر اور مَشَقَّت برداشت کرنے پر ہے، تو جو شخص صابر نہیں ہوگا، اس سے فِی الْحَقِیْقَت [1] کوئی نیکی انجام کو نہیں پہنچ سکتی۔ یہ اس لیے کہ جو شخص خلوصِ قَلْب سے عبادت کرے گا اسے کئی طرح کی مَشَقَّتیں، مصیبتیں اور شَدائِد [2] پیش آئیں گی۔

ایک تو اس بنا پر کہ ایسی کوئی عبادت نہیں جس میں مَشَقَّت نہ ہو کیونکہ جب تک خواہش کا قَلْع قَمْع [3] اور نَفْس پر سختی نہ کی جائے عبادت کا کوئی فعل صادِر نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ خواہش اور نَفْس دونوں انسان کو عبادت سے روکتے ہیں اور نَفْس

1 ...... حقیقت میں۔ 2 ...... تکالیف۔ 3 ...... خاتمہ۔

اور خواہش پر قابو پانا انسان کے لیے مشکل ترین اَمر ہے۔

دوسرے اس لیے کہ انسان جب کوئی نیک کام کرتا ہے تو اس میں احتیاط ضروری ہے اور احتیاط مَشقَّت کے بغیر نہیں ہو سکتی اور کسی کام کو احتیاط و دُرُستی کے ساتھ انجام دینا بھی مشکل کام ہے۔

تیسرے اس لیے کہ دنیا دارِ محنت [1] ہے، تو جو شخص اس میں ہوگا اسے ضرور طرح طرح کی مشکلات، مَصائِب اور تکالیف پیش آئیں گی، یہ مَصائِب کئی طرح کے ہیں:

﴿۱﴾ اہل وعیال، رشتہ داروں، بھائیوں اور دوستوں کا مرنا یا ان کا گم ہو جانا یا ان سے جُدائی۔

﴿۲﴾ اس کی اپنی ذات کا گُونا گُوں [2] اَمراضِ مُہلِکہ [3] میں مبتلا ہونا۔

﴿۳﴾ لوگوں کا اسے قتل کر کے اس کی عزت برباد کرنا اور اس کے زَن و فرزند [4] پر دَست درازی [5] کرنا، اسے حقیر جاننا، اسکی غیبت کرنا، اس پر اِلزام تراشیاں کرنا۔

﴿۴﴾ مال کا ضائع اور تباہ ہونا۔

اور یہ مذکورہ مَصائِب و تکالیف اپنے اپنے معیار اور دَرَجہ کے مطابق انسان کو زخمی کرتی ہیں اور اس کے دل کو جلاتی ہیں تو ان سب تکالیف میں لَامُحالہ صَبْر کی ضرورت ہے، ورنہ غم و افسوس اور بے صَبْری انسان کو عبادت سے باز رکھے گی۔

چوتھے یہ کہ طالبِ آخرت سخت آزمایا جاتا ہے اور اسے شدید محنت میں مبتلا

---

1 ...... مشقت کا گھر۔ 2 ...... طرح طرح کے۔ 3 ...... خطرناک بیماریوں۔

4 ...... بیوی بچوں۔ 5 ...... ظلم و ستم۔

کیا جاتا ہے، جو شخص اللہ تعالیٰ کے جتنا قریب ہوگا اتنا ہی اسے مَصائِب بھی دنیا میں زیادہ درپیش آئیں گے۔ حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے:

"اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً اَلْاَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْعُلَمَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ" (1) لوگوں میں سب سے زیادہ انبیاء آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں پھر علماء پھر جو اُن کے قریب ہیں پھر جو اُن کے قریب ہیں۔

جو شخص بھی نیکی کا قصد کرے گا اور راہِ آخرت اختیار کرے گا وہ ضرور ان محنتوں اور مَشَقَّتوں میں مبتلا ہوگا، تو جو شخص ان پر صَبْر نہ کرسکا اور انہیں برداشت نہ کرسکا وہ راستے میں ہی رہ جائے گا اور عبادت سے محروم رہ جائے گا، تو عبادت میں سے کچھ حاصل نہیں کرسکے گا اور خداوند تعالیٰ نے ہم کو بالکل واضح الفاظ میں بتایا ہے کہ ہم ضرور تم کو مَصائِب اور تکالیف میں آزمائش کے طور پر مبتلا کریں گے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَتُبْلَوُنَّ فِیْۤ اَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ۫ وَ لَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْۤا اَذًى كَثِیْرًا ؕ (2)

تمہاری ضرور آزمائش ہوگی تمہارے مالوں میں اور تمہاری جانوں میں اور تم ضرور سُنو گے یہود و نصاریٰ اور مشرکین سے اذیت دینے والی باتیں۔

پھر فرمایا:

1 ......المستدرك، كتاب معرفة الصحابة، ۲۲۱۷۔ محنة ابی ذر، ۴/۴۱۱، حدیث: ۵۵۱۴

2 ......ترجمۂ کنز الایمان: بیشک ضرور تمہاری آزمائش ہوگی تمہارے مال اور تمہاری جانوں میں اور بے شک ضرور تم اگلے کتاب والوں اور مشرکوں سے بہت کچھ بُرا سُنو گے۔ (پ ۴، اٰل عمرٰن: ۱۸۶)

وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴿۱۸۶﴾ (1) تو اگر تم صبر کروگے اور تقویٰ اختیار کروگے تو یہ بہت ہمت کے کام ہیں۔

تو گویا اللہ تعالیٰ ان آیات میں یہ فرمارہا ہے کہ اپنی جانوں کو مَصَائِب وتکالیف برداشت کرنے کا خُوگر (2) بنالو، تو اگر تم ان مَصَائِب میں صَبْر کروگے تو واقعی تم اپنی مردانگی کا ثبوت دوگے اور واقعی تمہارے اِرادے مردوں والے ہوں گے، پس جو شخص بھی عبادت کا عَزْم کرے گا اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے صبرِ عظیم کا اِرادہ کرے اور نَفْس کو مسلسل بڑی مشکلات برداشت کرنے کا عادی بنائے یہاں تک کہ موت آجائے ورنہ وہ ایک ایسی چیز کا اِرادہ کررہا ہے جس کا اس کے پاس ہتھیار نہیں اور جس ذریعہ سے وہ کام انجام کو پہنچ سکتا ہے وہ اس کے عَکْس (3) کرنے کا قصد کررہا ہے۔

حضرت فُضَیل بن عِیاض رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ سے منقول ہے کہ جو شخص طَرِیْقِ آخرت (4) طے کرنے کا عَزْم کرے وہ اپنے اندر پہلے موت کے چار رنگ پیدا کرے:

﴿۱﴾ سفید ﴿۲﴾ سرخ ﴿۳﴾ سیاہ ﴿۴﴾ سبز۔

موت کا سفید رنگ تو بھوک ہے اور سیاہ لوگوں کی مذمت اور سُرخ مُخَالَفَتِ شیطان اور سبز حَوَادِثِ اَیَّام (5) پر صَبْر کرنا اور صَبْر کرنے کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس سے دنیا وآخرت کی بھلائی نصیب ہوتی ہے اور نجات وکامیابی سے انسان ہمکنار

1 ......ترجمۂ کنز الایمان: اور اگر تم صبر کرو اور بچتے رہو تو یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔ (پ ۴، اٰل عمرٰن: ۱۸۶)

2 ......عادی۔ 3 ......خلاف۔ 4 ......آخرت کا راستہ۔

5 ......روزمرہ پیش آنے والی مشکلات / زمانے کی مصیبتوں۔

ہوتا ہے، ارشاد ہے:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ﴿۲﴾ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ (1)

جو شخص تقویٰ اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے ذریعہ پیدا کر دے گا اور اسے ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں کا اسے وہم و گمان بھی نہیں ہوگا۔

اس آیت کے معنی یہ ہیں: جو شخص صَبْر کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے شَدَائِد سے نجات دے گا۔

﴿۲﴾ صَبْر کے ذریعہ انسان دشمنوں پر فتح مند ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَاصْبِرْ ۭ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۹﴾ (2)

آپ صبر کریں بے شک نیک انجام مُتَّقِین کا ہی ہے۔

﴿۳﴾ صبر کے ذریعہ انسان اپنی مراد پالیتا ہے، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى (3):

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ڏ بِمَا صَبَرُوْا ۭ (4)

اللہ تعالیٰ کے نیک کَلِمات بنی اِسرائیل پر ان کے صبر کی وجہ سے پورے ہوئے۔

---

1 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لیے نجات کی راہ نکال دے گا اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں اس کا گمان نہ ہو۔ (پ ۲۸، الطلاق: ۲۔۳)

2 ...... ترجمۂ کنز الایمان: تو صبر کرو بیشک بھلا انجام پرہیزگاروں کا۔ (پ ۱۲، ھود: ۴۹)

3 ...... اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

4 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اور تیرے رب کا اچھا وعدہ بنی اِسرائیل پر پورا ہوا بدلہ اُن کے صبر کا۔ (پ ۹، الاعراف: ۱۳۷)

کہا گیا ہے کہ جب یعقوب عَلَیْہِ السَّلَام نے فِرَاق [1] کے غم واَنْدُوہ [2] کا تذکرہ یوسف عَلَیْہِ السَّلَام کو لکھا تو یوسف عَلَیْہِ السَّلَام نے جواب میں لکھا:

"اِنَّ اٰبَاءَكَ صَبَرُوْا فَظَفِرُوْا فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرُوْا تَظْفَرْ كَمَا ظَفِرُوْا" آپ کے آباو اجداد نے صَبْر کیا تو کامیاب ہوئے، آپ بھی صَبْر کریں جیسا انہوں نے کیا تو آپ بھی کامیاب ہوں گے جیسے وہ ہوئے۔

یہ دو شعر بھی اسی سلسلہ میں کہے گئے ہیں:

(۱) لَا تَيْأَسَنَّ وَاِنْ طَالَتْ مُطَالَبَةٌ اِذَا اسْتَعَنْتَ بِصَبْرٍ اَنْ تَرٰى فَرَجَا

(۲) اَخْلِقْ بِذِی الصَّبْرِ اَنْ يَّحْظٰى بِحَاجَتِهٖ وَ مُدْمِنُ الْقَرْعِ لِلْاَبْوَابِ اَنْ يَّلِجَا

ترجمہ: (۱) مایوس ہرگز نہ ہو، اگرچہ تجھے گزارش کرتے ہوئے عرصہ دراز گزر جائے، جب کہ تو نے صَبْر سے اِسْتِعانت [3] لی ہو کیونکہ آخر تو ضرور وُسعت و کشادگی سے ہمکنار ہوگا۔

(۲) صابر شخص کتنی بلند اَخلاق کا مظاہرہ کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے مقصد اور حاجت کو پالیتا ہے، اسی طرح درگاہِ ایزدی [4] کو مسلسل دستک دینے والا، یہاں تک کہ اس کی مُرادوں کا دروازہ کُھل جاتا ہے۔

﴿٤﴾ صَبْر کا یہ بھی فائدہ ہے کہ اس سے لوگوں کی پیشوائی اور ان کی اِمامت کا درجہ ملتا ہے، ارشادِ ربانی ہے:

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ؕ [5]

اور ہم نے ان کو انکے صَبْر کے باعث لوگوں کا امام بنایا کہ ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت کی تبلیغ کرتے تھے۔

---

1 ……جُدائی۔ 2 ……غم واَلَم۔ 3 ……مدد۔ 4 ……خدا کی بارگاہ۔

5 ……ترجمۂ کنز الایمان: اور ہم نے ان میں سے کچھ امام بنائے کہ ہمارے حکم سے بتاتے جبکہ انہوں نے صبر کیا۔ (پ ۲۱، السجدة: ۲۴)

﴿۵﴾ صَبر سے انسان اللہ تعالیٰ کی ثَنا کا مُستَحِق ہوتا ہے، ارشاد ہے:

اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًاؕ نِعْمَ الْعَبْدُؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ (1) ہم نے اسے صابر پایا، وہ (ایوب) بہت ہی اچھا بندہ ہے اور بہت ہی رُجوع کرنے والا ہے۔

﴿۶﴾ صَبر سے جنت کی بشارت ملتی ہے اور صابر شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مہربانی کا مُستَحِق ہوتا ہے، فرمایا:

وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَۙ (2) صبر کرنے والوں کو جنت کی بشارت دو۔

اور فرمایا:

اُولٰٓىٕكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ (3) یہی لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی صلواتیں اور رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔

﴿۷﴾ صَبر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انسان سے محبت کرتا ہے:

وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیْنَ (4) اور اللہ تعالیٰ صَبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

﴿۸﴾ صَبر کے ذریعہ جنّت میں دَرَجاتِ عالِیَہ عطا ہوں گے، ارشاد ہوتا ہے:

---

1 ...... ترجمۂ کنز الایمان: بیشک ہم نے اسے صابر پایا کیا اچھا بندہ بیشک وہ بہت رُجوع لانے والا ہے۔ (پ ۲۳، ص: ٤٤)

2 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اور خوشخبری سُنا ان صبر والوں کو۔ (پ ۲، البقرة: ۱۵۵)

3 ...... ترجمۂ کنز الایمان: یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی دُرودیں ہیں اور رحمت۔ (پ ۲، البقرة: ۱۵۷)

4 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اور صبر والے اللہ کو محبوب ہیں۔ (پ ٤، ال عمران: ۱٤٦)

اُولٰٓئِکَ یُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا[1] ان لوگوں کو صبر کے صلہ میں جنت کے اندر بالا خانے عنایت ہوں گے۔

﴿۹﴾ صَبْر کے طفیل انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے کرامت اور عزت کا مُستَحِق ہوتا ہے، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی[2]:

سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ[3] تمہارے صبر کرنے کے صلہ میں تمہارے رب کا تم کو سلام۔

﴿۱۰﴾ صبر کے باعث بندے کو آخرت میں بے حساب و بے شمار ثواب عطا ہوگا جو لوگوں کے وہم وگمان سے بہت ہی بالاتر ہوگا، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی:

اِنَّمَا یُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ۝[4] صبر کرنے والوں کو بے حساب ثواب ملے گا۔

سُبْحَانَ اللّٰه! اس بُزُرگ اور برتر ذات نے انسان پر کس قدر کرم فرمایا اور صبر کے صلہ میں جو مذکورہ دس کرامتیں اور فضیلتیں دنیا و آخرت میں پروردگار انسان کو عطا فرماتا ہے، یہ محض ایک لمحہ بھر صَبْر کے عِوَض میں، تو تم پر واضح ہوگیا کہ دنیا و آخرت کی خیر اور بھلائی صَبْر میں مُضْمَر[5] ہے، نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّم کا ارشاد گرامی ہے:

---

1 ...... ترجمۂ کنز الایمان: ان کو جنّت کا سب سے اونچا بالاخانہ انعام ملے گا بدلہ ان کے صبر کا۔ (پ۱۹، الفرقان: ۷۵)

2 ...... اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

3 ...... ترجمۂ کنز الایمان: سلامتی ہو تم پر تمہارے صبر کا بدلہ۔ (پ۱۳، الرعد: ۲۴)

4 ...... ترجمۂ کنز الایمان: صابروں ہی کو ان کا ثواب بھرپور دیا جائے گا بے گنتی۔ (پ۲۳، الزمر: ۱۰)

5 ...... پوشیدہ۔

"مَا اُعْطِیَ اَحَدٌ مِّنْ عَطَاءٍ خَیْرٍ اَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ"[1] صبر جیسی کشادہ اور وسیع بھلائی اور خیر اور کوئی انسان کو عطا نہیں کی گئی۔

حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سے مروی ہے، آپ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) فرماتے ہیں: "جَمِیْعُ خَیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ فِیْ صَبْرِ سَاعَةٍ" مومنین کی ہر قسم کی بھلائی ایک لحہ بھر کے صَبْر میں ہے۔

ایک شاعر نے اس مضمون کو ذیل کے اَشعار میں بہت اَعلیٰ پیرایہ میں ادا کیا ہے:

(۱) اَلصَّبْرُ مِفْتَاحُ مَا یُرَجّٰی　　وَ کُلُّ خَیْرٍ بِہٖ یَکُوْنُ

(۲) فَاصْبِرْ وَ اِنْ طَالَتِ اللَّیَالِیْ　　فَرُبَّمَا اَمْکَنَ الْحَرُوْنُ

(۳) وَ رُبَّمَا نِیْلَ بِاصْطِبَارٍ　　مَا قِیْلَ ھَیْھَاتَ لَا یَکُوْنُ

ترجمہ: (۱) صَبْر ہر اُمید کی چابی ہے اور ہر بھلائی صَبْر سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔

(۲) تم صَبْر کرو! اگرچہ صَبْر میں عرصہ دراز گزر جائے کیونکہ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک دُشوار شے آخر کو ممکن ہو جاتی ہے۔

(۳) اور بہت دفعہ صَبْر سے ایسے اُمور پر کامیابی حاصل کر لی گئی ہے جن کے متعلق یہ کہا جاتا تھا کہ ان کا ہونا بہت مشکل ہے۔

ایک شاعر اسی مضمون کو یوں ادا کرتا ہے:

(۱) صَبَرْتُ وَ کَانَ الصَّبْرُ مِنِّیْ سَجِیَّةٌ　　وَ حَسْبُكَ اَنَّ اللّٰہَ اَثْنٰی عَلَی الصَّبْرِ

(۲) سَاَصْبِرُ حَتّٰی یَحْکُمَ اللّٰہُ بَیْنَنَا　　فَاِمَّا اِلٰی یُسْرٍ وَّ اَمَّا اِلٰی عُسْرٍ

[1] ...... صحیح البخاری، کتاب الزکاۃ، باب الاستعفاف عن المسألة، ١ / ٤٩٦، حدیث: ١٤٦٩، بتغیر قلیل۔

ترجمہ: (۱) میں صَبر کرتا ہوں اور صَبر میری عبادت ہو چکا ہے اور تمہارے لیے صَبر کی فضیلت میں یہی کافی ہے کہ خدا تعالیٰ نے صَبر کی تعریف کی ہے۔

(۲) میں صَبر پر قائم رہوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ فرمادے یا آسانی کا یا تنگی کا۔

جب تم معلوم کر چکے کہ صَبر کے یہ فضائل ہیں تو تم پر لازم ہے کہ اس نفیس اور عُمدہ خَصلَت کو اپنے میں پیدا کرو اور اس کے حُصول کے لیے پوری جدو جہد کرو، اس خَصلت کے حاصل ہو جانے پر ضرور تم کامیاب لوگوں میں سے ہو جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق کا مالک ہے۔

سوال: صبر کی حقیقت اور اس کا حکم بیان کیجئے؟

جواب: لُغت میں صَبر کے معنی روکنے کے ہیں، جیسے کہ قرآن میں یہ لفظ روکنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ [1] اپنی ذات کو ان لوگوں کیساتھ روکے رکھیے جو دن رات رب کی یاد میں مشغول رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو بھی صابر اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ وہ مجرمین سے عذاب روکے رکھتا ہے اور جلدی ان پر عذاب نازل نہیں کرتا اور اِصطِلاحًا صبر دل کی کوششوں میں سے ایک کوشش کا نام ہے کیونکہ صبرِ نَفْس کو جَزع سے روکنے کا نام ہے اور جزع کی علماء نے یہ تعریف کی ہے:

---

1 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اور اپنی جان ان سے مانوس رکھو جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں۔
(پ ۱۵، الکھف: ۲۸)

"ذِكْرُ اِضْطِرَابِكَ فِي الشِّدَّةِ" تکلیف کے وقت اپنی پریشانی اور اِضطراب کا ذکر کرنا۔

اور بعض نے جزع کے یہ معنی کیے ہیں کہ اپنے زور سے تنگی سے نکلنے کا قصد کرنا اور صبر اس جزع کے ترک کا نام ہے۔

صبر کس طرح پیدا کیا جائے؟

اس کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی شدت اور اس کے وقت کو یاد کرے اور یہ خیال کرے کہ نہ تو میری بے صَبری سے اس میں اضافہ ہوگا اور نہ کمی اور نہ اس میں تقدیم ہوگی اور نہ تاخیر، تو پھر جزع اور بے صَبری سے کیا فائدہ؟ بلکہ اس میں بجائے فائدہ کے نقصان اور خطرہ ہے اور اپنے اندر صَبْر کا وصف پیدا کرنے کی سب سے اَعلیٰ چیز یہ ہے کہ آدمی صَبْر کے اس عِوَض کا تصور کرے جس کا پروردگار نے وعدہ فرمایا ہے۔ وَ بِاللّٰهِ التَّوْفِيْق

فصل

عبادت کے لیے فراغت حاصل کرنے کی خاطر تم پر لازم ہے کہ ان عَوَارِض اور ان کے اَسباب وعِلَل [1] کو اپنے راستے سے ہٹا کر اس اَہم اور سخت گھاٹی کو عُبور کرو! ورنہ اگر تم ان عَوَارِض ومَوَانِع مذکورہ میں مبتلا رہے تو تمہیں اپنا مقصود یاد کرنے کی مُہلت بھی نہیں ملے گی، چہ جائے کہ تم مقصود کو پاؤ اور اس کو حاصل کرو اور ان عَوَارِض میں سے ہر ایک عارِضہ جدا نوعیت کی مشغولیت ومصروفیت رکھتا ہے بعض بہت جلد انسان کو مشغول کر لیتے ہیں اور بعض دیر سے۔

1 ......وُجوہات۔

پھران چار میں سے سب سے بڑا اور سب سے سخت ترین رزق کا مُعامَلہ ہے اوراس کی تدبیر ہے کیونکہ مخلوق کے لیے سب سے عظیم مصیبت یہ رزق ہی ہے جس کی تگ ودُو نے مخلوقات کو دَرْماندہ[1] اور عاجز کردیا ہے اور دلوں کو عبادت سے غافل کررکھا ہے اور لوگوں کو بے پناہ تفکُّرات اور پریشانیوں میں مبتلا کردیا ہے اور عمروں کو ضائع کردیا ہے اور یہ رزق ہی لوگوں کیلئے بڑے بڑے گناہوں اور مَعاصی کے اِرتکاب کا باعث بنا ہے اور یہ رزق کا معاملہ ہی لوگوں کو خدمتِ پروردگار[2] سے ہٹا کر خدمتِ دنیا اور خدمتِ مخلوقات کا باعث بنا ہے، تو لوگ اس رزق کے دھندے میں پھنس کر یادِ حق سے غفلت اور گناہوں کی تاریکی میں ڈوب جاتے ہیں اور رزق کی تلاش میں سرگردانی، پریشانی اور ذلت وخواری میں عمرِ عزیز کو برباد کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں اَعمال سے مُفلس اور قَلّاش ہو کر پیش ہوتے ہیں اور اگر خدا تعالیٰ کی رحمت ان کے شاملِ حال نہ ہو تو پریشان کُن حساب اور جانگاہ[3] عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں۔

دیکھیے! اس رزق کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے کس کثرت کے ساتھ آیات نازل فرمائی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے کس قدر وعدے کیے ہیں اور رزق کی ذِمّہ داری کے متعلق تَوَکُّل کی تلقین کرتے آئے ہیں اور لوگوں کے لیے صحیح راہ کی وضاحت کرتے آئے ہیں اور عُلَمَاء نے اس سلسلے میں سینکڑوں تصانیف کی ہیں اور طرح طرح کی مثالیں دے کر سمجھاتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے غضب ومُؤاخذہ سے ڈراتے رہتے ہیں لیکن افسوس کہ لوگ اس کے باوجود راہِ ہدایت پر نہیں چلتے اور

1 ...... مصیبت میں مبتلا۔ 2 ...... اللہ تعالیٰ کی اطاعت۔ 3 ...... تکلیف دہ۔

تقویٰ اختیار نہیں کرتے اور رزق کے بارے میں مطمئن نہیں ہوتے بلکہ وہ رزق کی تلاش میں بے ہوشی کی حد تک پہنچ چکے ہیں ہمیشہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں صبح یا شام کا کھانا فوت نہ ہو جائے اور اس غفلت کی اصل اور بڑی وجہ آیاتِ قرآنی میں قِلَّتِ تَدَبُّر [1] اور اللہ تعالیٰ کی قدرتوں میں قِلَّتِ فکر اور رسولُ اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے مُقَدَّس کلام سے نصیحت پذیر نہ ہونا اور سَلَف [2] کے ارشادات میں غور و فکر نہ کرنا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ لوگ وَساوِسِ شیطانی کا شکار ہو چکے ہیں اور جُہلا کے کلام سے مانوس ہو چکے ہیں اور اہلِ غفلت کی عادات سے مُتَّصِف ہو چکے ہیں یہاں تک کہ اِبلیسِ لَعین ان پر مکمل طور پر مُسَلَّط ہو چکا ہے اور غَلَط عادات ان میں گھر کر چکی ہیں، اس طرح لوگ ضُعْفِ اِعْتِقاد اور ضُعْفِ یقین کے مَرَض میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

لیکن اَصحابِ بَصیرت اور اَربابِ رِیاضت ومُجاھَدَہ جو رب تعالیٰ کے بَرگُزِیْدَہ بندے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی رِضا پر راضی ہیں، اس لیے وہ اَسبابِ دُنیوِیَّہ کو خاطر میں نہیں لاتے، انہوں نے خدا تعالیٰ کی رسّی (دین) کو مضبوطی سے تھام لیا ہے اور مخلوق سے کُلّی طور پر بے نیاز ہو گئے ہیں، انہیں رب تعالیٰ کی آیات پر یقینِ کامل ہے، وہ اس کے بتائے ہوئے صِراطِ مُستقیم کو ہی نگاہ رکھتے ہیں، رزق کے سلسلہ میں وَساوِسِ شیطانی، مخلوق کی طرح طرح کی باتوں اور نَفْسِ خبیث کے فریب میں نہیں آتے اور جب اس سلسلہ میں شیطان یا کوئی انسان یا ان کا نَفْس وَسوَسہ اندازی [3] کی کوشش کرتا ہے تو وہ پوری طرح مقابلہ کرتے ہیں اور مکمل طور سے مُدافَعت اور

1 ...... غور و فکر کی کمی۔ 2 ...... پہلے کے بزرگانِ دین رَحِمَهُمُ اللّٰهُ الْمُبِیْن۔ 3 ...... وسوسہ ڈالنے۔

مُخالَفَت کرتے ہیں یہاں تک کہ مخلوق ان سے منہ پھیر لیتی ہے اور شیطان ان سے جدا ہو جاتا ہے اور نَفْس ان کا مُطیع ہو جاتا ہے اور انہیں صِرَاطِ مُسْتَقِیم پر اِسْتِحْکَام اور زیادہ نصیب ہو جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں حضرت ابراہیم بن اَدْہَم رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کے متعلق یہ حکایت منقول ہے کہ جب آپ نے زَادِ راہ کے بغیر ایک جنگل عُبُور کرنے کا ارادہ کیا تو اِبلیس نے آ کر آپ کو یوں خائِف کرنے کی کوشش کی کہ ''یہ ایک خطرناک جنگل ہے اور آپ کے پاس نہ تو زَادِ راہ ہے اور نہ ہی اسے طے کرنے کا کوئی اور ذریعہ ہے۔'' شیطان کی طرف سے یہ خوف دلانے پر آپ (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تعالٰی عَلَیْہِ) نے پختہ ارادہ کر لیا کہ میں ضرور یہ خوفناک جنگل زادِ راہ کے بغیر طے کروں گا اور صرف بغیر زادِ راہ ہی طے نہیں کروں گا بلکہ ہر میل پر ایک ہزار رکعت نفل ادا کروں گا۔ چنانچہ آپ نے جو ارادہ فرمایا وہ پورا کر دکھایا اور آپ بارہ برس اس جنگل میں رہے یہاں تک کہ جب ہارون رشید اس جنگل سے حَجِّ بَیْتُ اللّٰہ شریف کے ارادے سے گُزرا تو اس نے دیکھا کہ آپ (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تعالٰی عَلَیْہِ) ایک جگہ نَوَافِل میں مشغول ہیں، لوگوں نے اسے بتایا کہ یہ نماز پڑھنے والے بُزُرگ حضرت اِبراہیم بن اَدْہَم (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تعالٰی عَلَیْہِ) ہیں تو اس نے آپ (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تعالٰی عَلَیْہِ) سے کہا: ''اے ابواِسحاق! آپ اس حال میں اپنے آپ کو کیسا پاتے ہیں؟'' تو آپ (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تعالٰی عَلَیْہِ) نے اس کے جواب میں یہ دو شعر پڑھے:

(۱) نُرَقِّعُ دُنْیَانَا بِتَمْزِیْقِ دِیْنِنَا فَلَا دِیْنُنَا یَبْقٰی وَلَا مَا نُرَقِّعُ

(۲) فَطُوْبٰی لِعَبْدٍ اٰثَرَ اللّٰہَ رَبَّہٗ وَ جَادَ بِدُنْیَاہُ لِمَا یَتَوَقَّعُ

ترجمہ: (۱) ہم اپنے دین کو برباد کرکے دنیا سنوارنے کی کوشش کرتے ہیں تو نہ ہمارا دین رہتا ہے اور نہ ہی دنیا سنورتی ہے۔

(۲) تو وہ شخص کس قدر مبارک اور خوش قسمت ہے جس نے ہر معاملے میں اپنے رب کی رضا کو ہی ترجیح دی اور آخرت کی نجات کی اُمید پر دنیا کو قربان کر دیا۔

بعض صالحین (رَحِمَھُمُ اللّٰہُ الْمُبِیْن) کے متعلق منقول ہے کہ وہ کسی جنگل میں تھے کہ اِبلیس ان کے پاس آیا اور اس طرح وسوسہ اَندازی کرنے لگا کہ آپ اس ویرانے میں زادِ راہ سے تہی دَست [1] ہیں اور یہ ایسا جنگل ہے جس میں ہلاک کُن اشیاء بکثرت ہیں اور اس میں نہ تو کہیں آبادی کا نشان ہے اور نہ ہی اس میں کسی انسان کا گزر ہے، تو اس بُزُرگ نے اس شیطانی وسوسے کو محسوس کرکے عَزْمِ مُصَمَّم کر لیا کہ میں زادِ راہ کے بغیر ہی اس کو طے کروں گا اور میں اس میں چلتا رہوں گا اور نہ تو کسی سے کوئی شے لوں گا اور نہ اس وقت تک کچھ کھاؤں گا جب تک کہ میرے منہ میں جبراً گھی اور شہد وغیرہ نہ ڈالا جائے۔

یہ اِرادہ کرکے آپ (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) نے اس جنگل کے بالکل ہی اُجاڑ حصے کی طرف اپنا رُخ کر لیا اور اس کی سِیاحت میں مشغول ہو گئے۔ وہ بُزُرگ (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) فرماتے ہیں: ''میں اس میں گھومتا رہا یہاں تک کہ ایک روز میں نے دیکھا کہ ایک قافلہ راستہ بھول کر میری طرف کو آ رہا ہے میں انہیں دیکھتے ہی زمین پر لیٹ گیا، تاکہ وہ مجھے نہ دیکھ پائیں لیکن خدا کی شان کہ وہ میری طرف ہی سیدھے

1 ......خالی ہاتھ۔

چلتے رہے یہاں تک کہ میرے سر پر آ کھڑے ہوئے، میں نے آنکھیں بند کر لیں تو وہ میرے بالکل ہی قریب کھڑے ہو کر ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کا سفرِ خرچ ختم ہو چکا ہے اور بھوک پیاس کی وجہ سے غَش کھا کر گرا ہوا ہے اس لیے گھی اور شہد لاؤ کہ اس کے حلق میں ڈالیں تاکہ وہ ہوش میں آئے چنانچہ وہ گھی اور شہد لائے۔ میں نے اپنا منہ مضبوطی سے بند کر لیا تو انہوں نے چُھری منگوا کر میرا منہ زبردستی سے کھول لیا تو میں ہنس پڑا اور میں نے منہ کھول دیا میری ہنسی کو دیکھ کر وہ کہنے لگے تم تو کوئی پاگل ہو! تو میں نے جواب دیا: ''خدا کی قسم! میں مجنون یا پاگل ہرگز نہیں ہوں'' اور میں نے شیطان کے آنے اور اس کی وسوسہ اَندازی کے واقعہ سے انہیں آگاہ کیا جسے سُن کر وہ بہت ہی متعجب ہوئے۔

ایک اور بُزُرگ (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ) فرماتے ہیں کہ طالبِ علمی کے زمانہ میں سفر کے دوران میں نے ایک ایسی مسجد میں قیام کیا جو آبادی سے کافی فاصلے پر تھی اور میں اپنے مَشَائِخ (رَحِمَھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی) کی سُنَّت [1] کے مطابق سفرِ خرچ سے خالی ہاتھ تھا۔ اِبلیس نے آ کر وسوسہ اَندازی شروع کی کہ یہ مسجد آبادی سے بہت دور ہے، اس مسجد میں قیام کے بجائے اگر تو کسی ایسی مسجد میں قیام کرے جو آبادی میں واقع ہو تو وہاں تیرے خُورْدْ و نوش [2] کا انتظام ہو سکے گا۔ میں نے اس کے جواب میں کہا کہ میں یہیں رہوں گا اور خدا کی قسم! میں حلوے کے سوا اور کوئی شے کھاؤں گا بھی نہیں اور حلوہ بھی اس وقت تک نہیں کھاؤں گا جب تک ایک ایک لقمہ کر کے میرے منہ میں نہ ڈالا جائے چنانچہ میں نے وہاں نمازِ عشاء ادا کی اور مسجد کا دروازہ

1 ...... طریقہ کار۔ 2 ...... کھانے پینے۔

بند کر دیا جب رات کا ابتدائی حصہ گزر گیا تو اچانک کسی شخص نے جس کے ہاتھ میں شمع تھی مسجد کا دروازہ کھٹکھٹایا، جب اس نے کافی زور زور سے دروازہ کھٹکھٹانا شروع کیا تو میں نے اُٹھ کر دروازہ کھولا میں نے دیکھا کہ ایک بڑھیا ہے جس کے ساتھ ایک نوجوان ہے، بڑھیا دروازے سے اندر داخل ہوئی اور میرے سامنے حلوے سے بھرا ہوا ایک تھال رکھ دیا اور کہنے لگی: یہ نوجوان میرا لڑکا ہے میں نے یہ حلوہ اس کے لیے تیار کیا تھا اور گفتگو کے دوران اس نے قسم کھالی کہ میں یہ حلوہ اکیلا نہیں کھاؤں گا بلکہ کسی مسافر کے ساتھ کھاؤں گا یا اس مسافر کے ساتھ جو اس مسجد میں ہے، اس لیے تو اسے کھا، اللّٰہ تعالٰی تجھ پر رحم کرے، اس کے بعد بڑھیا نے لقمے بنا کر ایک میرے منہ میں اور ایک اپنے لڑکے کے منہ میں دینا شروع کیا یہاں تک کہ ہم نے سیر ہو کر کھایا پھر وہ نوجوان اور بڑھیا واپس چلے گئے اور میں نے مسجد کا دروازہ بند کر لیا۔ اس واقعہ پر میں دل ہی دل میں دیر تک متعجب ہوتا رہا۔

اے مخاطَب! یہ اور اس طرح کے ہزاروں واقعات ہیں جو صَالِحِین (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ السَّلَام) سے مُجاہَدے اور مُخالَفتِ شیطان کے طور پر وقوع پذیر ہوئے ہیں اس طرح کے واقعات سے تمہیں تین طرح کے فائدے حاصل ہوتے ہیں:

﴿۱﴾ اوّل: یہ کہ تم جان لو کہ جو رِزق مُقَدَّر ہو چکا ہے وہ بہر حال انسان کو ملے گا۔

﴿۲﴾ دُوُم: یہ کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ رِزق اور اس میں تَوَکُّل ایک اہم شے ہے اور یہ کہ رزق کے معاملہ میں شیطان کے فریب اور وسوسے نہایت ہولناک اور عظیم ہیں حتّٰی کہ مُندَرَجہ بالا قسم کے زَاہِدِین، اَئِمَّۂ کِرَام اور بُزُرگانِ دِین (رَحِمَهُمُ

رَحِمَہُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی) بھی ان وَساوِس سے محفوظ نہ رہ سکے اور ان کے اس قدر مُجاہَدات اور رِیاضاتِ شاقَّہ کے باوجود اِبلیس انہیں گمراہ کرنے سے مایوس نہ ہوا یہاں تک کہ ان ائِمَّۂ کِرام کو ان وَساوِس سے محفوظ رہنے کے لیے ایسے ایسے مُحَیِّرُ الْعُقُوْل[1] ذَرائع اختیار کرنے پڑے اور خدا کی قسم! جو شخص ستَّر برس سے مُجاہَدات و رِیاضات میں مصروف ہو، وہ بھی شیطانی وسوسوں سے مامون و محفوظ نہیں ہو سکتا۔ جس طرح مُبْتَدِی اور غافل لوگ اس کے وَساوِس و خطرات سے محفوظ نہیں رہ سکتے اور اگر نَفْس و شیطان کا ذرا بھی دَاوٴ چلے تو وہ اسے ہلاک کر کے رکھ دیں، جس طرح وہ غافل اور غرور میں مبتلا شخص کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ وَفِیْ ذٰلِکَ عِبْرَةٌ لِّاُولِی الْاَبْصَار۔[2]

﴿۳﴾ اَئِمَّۂ کِرام اور بُزُرگانِ دین (رَحِمَہُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی) کے اس طرح کے واقعات سے تیسرا فائدہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ ان سے پتہ چلتا ہے کہ رزق کے سلسلہ میں توکُّل کی منزل کوششِ شدید اور مُجاہَدۂ بَلِیغ[3] کے بغیر طے نہیں ہو سکتی اور وہ اَئِمَّۂ کِرام اگرچہ تمہاری طرح گوشت، خون، بدن اور روح کا مجموعہ تھے بلکہ ان کے بدن تم سے زیادہ لاغر اور ان کے اَعضاء تم سے زیادہ ضعیف اور ان کی ہڈیاں تم سے زیادہ پتلی تھیں لیکن ان میں قوتِ علم تھی، نورِ یقین تھا اور دین کے معاملے میں ان کی ہمت قوی تھی، اس لیے وہ اس قدر سخت مُجاہدے کرتے رہے یہاں تک کہ ان بلند مقامات پر فائز ہوئے۔ ان بُزُرگانِ دین (رَحِمَہُمُ اللّٰہُ الْمُبِیْن) کی زندگیوں کے

1 ......عقلوں کو حیران کر دینے والے۔ 2 ......اور اس میں عقلمندوں کے لئے ضرور دیکھ کر سیکھنا ہے۔ 3 ......بہت زیادہ رِیاضت۔

مقابلے میں ذرا اپنی طرف بھی غور کرو! تمہیں چاہیے کہ اس لاعلاج بیماری کی دوا کرو، تاکہ آخرت میں فلاح پاسکو۔

فصل

اب میں اس سلسلے میں تمہیں چند ایسے نکتے بتاتا ہوں جو میرے علم میں آئے ہیں اور جو پورا دھیان رکھ کر سننے سے تمہارے قلب میں جاگزیں ہو جائیں گے اور "تَوَکُّل فِی الرِّزْق"[1] کے مسئلے میں زیادہ کش مکش سے بچ جاؤ گے اور ان پر عمل کرنے اور ان میں غور و تَاَمُّل کرنے سے تمہیں واضح طور پر راہِ حق کی طرف راہ نمائی نصیب ہو جائے گی۔ وَ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ الْمُوَفِّق

پہلا نکتہ

تمہیں یہ یقین ہونا چاہیے کہ خدا تعالیٰ نے اپنی مُقَدَّس کتاب میں تمہارے رِزْق کی ضمانت و کفالت کا ذِمّہ اُٹھالیا ہے، اس چیز کو تم یوں سمجھو کہ کوئی دُنْیوِی بادشاہ تم سے یہ وعدہ کرے کہ آج شام تمہاری میرے ہاں مہمانی ہے اور تمہیں اس کے متعلق یہ حُسنِ ظن بھی ہو کہ یہ اپنی گفتگو میں سچا ہے جھوٹا نہیں اور وعدہ خلافی نہیں کرتا بلکہ اگر ایک بازاری یا کوئی یہودی یا نَصْرَانی یا کوئی آتش پرست[2] جس کا ظاہر حال اچھا ہو، وہ تم سے اس طرح کا کوئی وعدہ کرے تو تم ضرور اس کی بات پر اعتماد کرو گے اور تم اس کی بات پر مطمئن ہو جاؤ گے اور رات کے طَعَام[3] کے سلسلے میں

---

1 ......رزق کے بارے میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے۔ 2 ......آگ کی عبادت کرنے والا۔

3 ......کھانے۔

اس کی بات پر بھروسہ کر کے بے فکر ہو جاؤ گے۔

جب تم ان مُندَرَجہ بالا اَشخاص کے محض ظاہر حال اور اپنے حُسنِ ظَن کے باعث ان پر فوراً اعتماد کر لیتے ہو تو افسوس ہے کہ اپنے پروردگار کی بات پر اعتماد نہیں کرتے جس نے رزق کے متعلق نہایت صَرِیح[1] الفاظ میں ضمانت و کفالت کا وعدہ فرمایا ہے، صرف وعدہ ہی نہیں فرمایا بلکہ قرآن مجید میں مُتَعَدَّد مقامات پر اس وعدۂ رزق پر قسمیں کھائی ہیں، افسوس کہ اللہ تعالیٰ کے ان تاکیدی وعدوں کے باوجود رزق کے معاملہ میں تمہارا دل مطمئن نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ کی کفالت وضمانت پر سکون پذیر نہیں ہوتا اور تم اللہ تعالیٰ کی تقسیمِ اَزَلی پر نظر نہیں کرتے بلکہ تمہارا قلب مُشَوَّش[2] اور مُضطَرِب رہتا ہے۔ کاش کہ اللہ تعالیٰ کے ان تاکیدی وعدوں پر عدمِ اِعتماد کے وَبال کا اِنکِشاف تم پر واضح ہو جائے اور اس کی بُرائی اور مصیبت کا اندازہ ہو جائے۔ حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اس سلسلے میں فرماتے ہیں:

(۱) اَتَطْلُبُ رِزْقَ اللّٰهِ مِنْ عِنْدِ غَيْرِهٖ ۔۔۔ وَ تُصْبِحُ مِنْ خَوْفِ الْعَوَاقِبِ اٰمِنَا

(۲) وَتَرْضٰى بِصَرَّافٍ وَ لَوْ كَانَ مُشْرِكًا ۔۔۔ ضَمِيْنًا وَ لَا تَرْضٰى بِرَبِّكَ ضَامِنَا

(۳) كَاَنَّكَ لَمْ تَقْنَعْ بِمَا فِيْ كِتَابِهٖ ۔۔۔ فَاَصْبَحْتَ مَنْحُوْلَ الْيَقِيْنِ مُبَايِنَا

ترجمہ: (۱) کیا تم رب تعالیٰ کے سوا دوسروں سے رزق طلب کرتے پھرتے ہو، اور اس طرح تم زمانہ کے عَوَاقِب ومَصَائِب سے مامون ومحفوظ ہونے کے خام خیال[3] میں مبتلا ہو۔

(۲) افسوس کہ تم ایک مشرک صَرَّاف[4] کے ضامن بننے پر رِضا مند ہو جاتے ہو مگر اپنے پَرْوَرْدَگار کی ضمانت پر تمہیں اعتماد نہیں۔

---

1 ……واضح۔ 2 ……تشویش میں مبتلا۔ 3 ……فضول خیال۔ 4 ……سونے کا کاروبار کرنے والا۔

(۳) گویا تم نے رزق کے متعلق آیاتِ خداوندی کو پڑھا ہی نہیں اس لیے تم راہِ حق سے جدا اور یقین سے بَرگَشتَہ (1) معلوم ہوتے ہو۔

رزق کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ پر عدمِ اعتماد ایک ایسی تباہ کن چیز ہے جو انسان کو شک وشبہ میں مبتلا کر دیتی ہے اور ایسے شخص کے متعلق خطرہ ہے کہ اس سے اس کا دین اور دین کی مَعْرِفت سَلْب نہ ہو جائے۔ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہ۔ اسی لیے اللہ سُبْحَانَہٗ وَ تَعَالٰی نے قرآن مجید میں فرمایا:

وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۳﴾ (2) اور اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرو اگر تم ایماندار ہو۔

اور فرمایا:

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰﴾ (3) اور مومنوں کو صرف اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیں۔

دین کا صحیح احساس رکھنے والے ایماندار کے لیے صرف یہی ایک نکتہ کافی ہے۔

وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْم

دوسرا نکتہ

قرآنی آیات اور اِرشاداتِ نبوی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم سے نہایت صحت کے ساتھ یہ اَمْر ثابت ہے کہ ہر ایک کا رزق اَزَل سے تقسیم ہو چکا ہے، اس لیے تمہیں اس تقسیمِ خداوندی پر یقین ہونا چاہیے اور اس اَمْر کا بھی اِعْتِقاد ہونا چاہیے

---

1 ...... پھرے ہوئے۔

2 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اور اللہ ہی پر بھروسہ کرو اگر تمہیں ایمان ہے۔ (پ ٦، المائدۃ: ٢٣)

3 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ چاہیے۔ (پ ٢٨، المجادلۃ: ١٠)

کہ اس کی تقسیم میں تَغَیُّر و تَبَدُّل اور تَرمیم وغیرہ ناممکن ہے، تو اگر تم ان دَلائِل کے باوجود تقسیمِ اَزَلی کا اِنکار کرو، یا اس میں رَدّ و بَدَل کو جائز خیال کرو تو یہ دروازۂ کفر پر دستک دینا ہے۔[1] نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْہُ[2] اور جب تمہیں اس اَمْر کا یقین ہو چکا کہ اس میں رَدّ و بَدَل ناممکن ہے تو اس سلسلہ میں اہتمام اور طَلَب و جستجو سے کیا فائدہ۔ اس عقیدہ کے ہوتے ہوئے پھر تلاش و جستجو دنیا میں ذلت اور خواری اور آخرت میں تنگی اور خُسْرَان[3] کا باعث ہے۔ اسی لیے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ہے:

"مَکْتُوْبٌ عَلٰی ظَھْرِ الْحُوْتِ وَ الثَّوْرِ رِزْقُ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ فَلَا یَزْدَادُ الْحَرِیْصُ اِلَّا جُھْدًا"[4] مچھلی اور بیل کی پشت پر لکھا ہوا ہے کہ یہ فلاں بن فلاں کا رزق ہے تو رزق کے معاملہ میں حریص شخص کو بے جا مَشَقَّت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

میرے شیخ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:

"اِنَّ مَا قُدِّرَ لِمَا ضَغِیْكَ اَنْ یَمْضَغَاہُ فَلَا یَمْضُغُہٗ غَیْرُكَ فَکُلْ رِزْقَكَ وَیْحَكَ بِالْعِزِّ وَ لَا تَاْکُلْ بِالذُّلِّ" بے شک جن لقموں کا چبانا تیرے مقدر میں ہو چکا ہے انہیں کوئی دوسرا نہیں چبا سکتا، تو اپنے حصہ کے رزق کو عزت کے ساتھ کھا، ذلت و خواری سے نہ کھا۔

دانش مند شخص کے لیے یہ دوسرا نکتہ بھی ایک جامع نکتہ ہے۔

تیسرا نکتہ

یہ نکتہ میں نے اپنے شیخ رَحِمَہُ اللّٰہ تعالٰی سے سنا ہے جسے انہوں نے اپنے کسی استاذ

---

1 ...... یہاں یہ جملہ تھا "یہ صریح کفر ہے" مگر عربی متن کے لحاظ سے ترجمہ یوں بنتا ہے "تو یہ دروازۂ کفر پر دستک دینا ہے۔" لہٰذا تبدیل کر دیا ہے۔ (علمیہ) 2 ...... اس بات سے ہم اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ کی پناہ چاہتے ہیں۔ 3 ...... خسارے۔ 4 ...... فردوس الاخبار، باب المیم، ۲/ ۳۲۵، حدیث: ۶۵۴۸، بتغیر و بدون قولہ: فلا یزداد...الخ۔

رَحمَۃُ اللّٰہ سے نقل فرمایا ہے کہ

میرے شیخ کے استاذ رَحمَۃُ اللّٰہِ تعَالٰی فرماتے ہیں: رزق کے معاملہ میں جس چیز سے مجھے سکون ہوا وہ یہ ہے کہ میں نے اپنے نَفْس سے کہا کہ "یہ رزق زندہ انسانوں کے لیے ہی تو ہے، مُردوں کو رزق سے کیا تعلق اور جس طرح انسانی زندگی اللہ تعالیٰ کے خزانے اور اس کے دَستِ قدرت میں ہے اسی طرح رزق بھی اسی کے دستِ قدرت میں ہے چاہے مجھے دے اور چاہے نہ دے، اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کی مَشِیَّت میرے علم سے پوشیدہ ہے، وہی جیسے چاہتا ہے تدبیر کرتا ہے اور مجھے اپنے نَفْس کو سکون وقرار میں رکھنا چاہیے۔ اہلِ تحقیق کے لیے یہ نکتہ بھی بہت مفید ہے۔

چوتھا نکتہ

اللہ تعالیٰ ہمارے رزق کا ضامن اور کفیل ہے مگر اس حد تک جو غذا اور تربیت میں کام دے سکے، زیادہ کا نہیں، باقی رہا کھانا پینا، تو جب بندہ عبادتِ الٰہی کے لیے لوگوں سے علیحدگی اختیار کرلے اور اللہ تعالیٰ پر پوری طرح بھروسہ کرے، تو بسا اوقات خُوْرْدْ ونوش کے ظاہری اَسباب اس سے روک لیے جاتے ہیں اور ظاہری اسباب کے رُک جانے پر نہ تو بندے کو مَلُول [1] ہونا چاہیے اور نہ ہی اس کی کچھ پرواہ کرنی چاہیے، اس لیے کہ جب حقیقتِ اَمْر اس پر مُنْکَشِف [2] ہے کہ اگر میری زندگی باقی ہے تو اللہ تعالیٰ نے میرے بدن کو قائم رکھنے کا وعدہ کیا ہوا ہے اور "تَوَکُّل عَلَی اللّٰہ" [3] سے مقصود بھی صرف اسی قدر ہے کہ وہ ہلاک نہ ہو اور اس کا جسم قائم

---

1 ...... غمگین۔ 2 ...... ظاہر۔ 3 ...... اللہ پر توکُّل کرنے۔

رہے اور اللہ تعالیٰ ضرور اس کی غیبی امداد فرمائے گا تاکہ جب تک اس کی زندگی ہے عبادت اور خدمتِ حق [1] میں وہ بندہ پوری توجہ سے مشغول رہے اور مقصود بھی یہی ہے کہ کسی نہ کسی طرح انسان کا جسم قائم رہے تاکہ وہ رب تعالیٰ کی یاد میں مصروف رہے اور خدا تعالیٰ کو قدرت ہے کہ جب تک چاہے کسی بندے کا بدن قائم رکھے چاہے غذا کھانے اور پانی پینے کے ذریعے باقی رکھے یا گارے یا مٹی یا تسبیح وتہلیل کے ذریعہ باقی رکھے، جیسے ملائکہ تسبیح وتہلیل سے زندہ ہیں، اور چاہے تو بغیر کسی سبب کے باقی رکھے اور مقصود تو عبادت اور خدمتِ حق کی خاطر بقائے بَدَن [2] ہے چاہے جس طرح بھی باقی رہے، بندے کو اَکْل و شُرْب [3]، شہوت رَانی [4] اور لَذَّاتِ دُنْیَوِیَّہ کے لیے تو پیدا نہیں کیا گیا کہ خواہ مخواہ اس کے لیے مُرَغَّن غذائیں ہی ضروری ہیں۔

ہمارے اس مذکورہ بیان سے واضح ہو گیا کہ ایسے حالات میں اَسبابِ ظاہری کا چنْدَاں [5] اعتبار نہیں چونکہ یہ چیز بزُرگانِ دین اور زَاھِدِیْنِ اُمَّت کے قلوب میں پوری طرح جاگُزِیں تھی اس لیے وہ طولِ طویل مُسافتیں کئی کئی راتیں اور دن کھائے پیے بغیر کاٹ لیتے تھے، چنانچہ ان میں سے بعض دس دس روز تک نہیں کھاتے تھے اور بعض ایک ایک ماہ اور بعض دو دو ماہ بغیر کچھ کھائے پیے گزار لیتے تھے اور اس کے باوجود ان کی بَدَنی قوت بحال رہتی تھی۔

---

1 ...... اللہ عَزَّوَجَلَّ کی اِطاعت۔ 2 ...... جسم کا سلامت رکھنا۔ 3 ...... کھانے پینے۔
4 ...... شہوت کو پورا کرنے۔ 5 ...... بالکل۔

اور بعض ایسے بھی تھے جو صرف ریت پھانک لیتے تھے اور وہی ان کو غذا کا کام دے جاتی تھی جیسا کہ حضرت سُفیان ثَوری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کے متعلق منقول ہے کہ مکہ معظّمہ میں آپ کا خرچ ختم ہو گیا تو آپ مسلسل پندرہ روز ریت پر گزارا کرتے رہے۔

اَبُو مُعَاوِیَۃُ الْاَسْوَد (رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا[1] حضرت ابراہیم بن ادھم رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے مسلسل بیس روز، گارے پر گزار دیے۔

اور حضرت اَعْمَش رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے منقول ہے کہ مجھے ایک دفعہ حضرت اِبراہیم بن اَدْہَم رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ ملے اور کہنے لگے:

ایک ماہ سے میں نے کچھ نہیں کھایا پیا بلکہ دو ماہ سے اور اس دو ماہ کے عرصہ میں صرف ایک دفعہ ایک شخص نے خدا کی قسم دے کر کچھ تھوڑے سے انگور کھلا دیئے اور اس بات پر میں اب تک اپنے شِکَم کا شاکی ہوں۔

میں کہتا ہوں اے مخاطب! تجھے ایسی حکایات اور بُزُرگانِ سَلَف (رَحِمَہُمُ اللہُ تَعَالٰی) کے ایسے واقعات سن کر متعجب نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادِر ہے اور اس سلسلے میں تمہارا وہم یوں دور کیا جا سکتا ہے کہ بعض مریض ایک ایک ماہ اور دو دو ماہ کچھ کھائے پیے بغیر زندہ رہتے ہیں حالانکہ بیمار جسمانی طور پر تندرست آدمی سے زیادہ کمزور اور نَحِیف ہوتا ہے اور جو شخص ایسے تَوَکُّل میں بھوک سے ہلاک ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی زندگی صرف اتنی ہی تھی نہ یہ کہ خدا

[1] ...... یہاں "میں نے اور حضرت ابراہیم بن ادھم نے" لکھا تھا جبکہ اکثر عربی نسخوں کے مطابق "میں نے دیکھا: حضرت ابراہیم بن ادھم" ہونا چاہیے تھا، لہٰذا یہی کر دیا گیا ہے۔ (علمیہ)

پر تَوَکُّل کرنے سے اس پر موت وَارِد ہوگئی، جس طرح بعض لوگ خوب سیر ہو کر کھا لینے کی وجہ سے مر جاتے ہیں اور مجھ تک حضرت ابو سعید خَرَّاز رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَيْه کی یہ بات پہنچی ہے کہ آپ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَيْه نے فرمایا:

غذا کے سلسلے میں میرا دَستور تھا کہ ہر تیسرے روز اللہ تعالیٰ کہیں نہ کہیں سے انتظام کر دیتا تھا، ایک دفعہ مجھے ایک جنگل عُبُور کرنا پڑا، اس دوران پورے تین روز گزرنے پر کھانے پینے کی کوئی صورت مہیا نہ ہو سکی آخر چوتھے روز میں نے کچھ کمزوری محسوس کی اور ایک جگہ ذرا آرام کے لیے بیٹھ گیا تو اچانک غیب سے آواز سنائی دی: اے ابو سعید! کیا تو یہ چاہتا ہے کہ ضرور تیرے لیے خوراک ہی مہیا ہو یا تجھے صرف اس قدر کافی ہے کہ تجھے چلنے پھرنے کی قوت دے دی جائے؟ میں نے عرض کیا: مجھے صرف قوت کافی ہے، چنانچہ اس کے مُتَّصِل [1] ہی کمزوری جاتی رہی اور میں مسلسل بارہ روز کچھ کھائے پیے بغیر سفر کرتا رہا اور مجھے کچھ تکلیف محسوس نہ ہوئی۔

تو جب بندہ دیکھے کہ خُوْرْدْ و نوش کے ظاہری اَسباب میں رُکاوٹ ہو رہی ہے اور اس کا خدا تعالیٰ پر تَوَکُّل بھی ہو تو اسے یقین رکھنا چاہیے کہ اللّٰه سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰی ضرور غیبی قوت سے اِمداد فرمائے گا، تو بندشِ اَسباب پر مَلُولِ خاطِر [2] نہ ہو بلکہ اللّٰہ تعالیٰ کی ذاتِ کریم کا اس بات پر کثرت سے شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ اس نے اپنے خصوصی احسان، کرم نوازی اور مہربانی سے مَشَقَّت سے بچا کر نُصْرَتِ غیبی [3] سے سرفراز فرمایا اور مقصودِ اصلی تک پہنچایا اور خُوْرْدْ و نوش کے اَسبابِ ظاہری کی پریشانی اور بوجھ سے نجات عطا فرمائی اور خَرْقِ عادت کے طور پر اسے قوت مرحمت فرمائی اور

1 ...... ساتھ۔ 2 ...... پریشان۔ 3 ...... غیبی مدد۔

کھائے پیے بغیر اپنی یاد کی قدرت نصیب فرمائی اور اس کے حال کو ملائکہ کرام کے حال کے مُشابہ کر دیا، اور بَہائم [1] اور عَامَّةُ النَّاس [2] کے حال سے بلند کر لیا اور اسے اپنے قُرب کی عزت سے سرفراز فرمایا۔

ہمارے اس بیان میں سنجیدگی سے غور کرو، تاکہ تمہیں نَفعِ کثیر حاصل ہو۔ اِنْ شَآءَ اللّٰہ تَعَالٰی۔

میں کہتا ہوں شاید تو یہ کہے کہ رزق کے موضوع پر تم نے گفتگو کا سلسلہ خلافِ معمول بہت دراز کر دیا ہے حالانکہ تم کہہ چکے ہو کہ اس کتاب میں اِختِصار [3] کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹے گا! تو میں کہتا ہوں کہ خدا کی قسم! رزق کا معاملہ جس قدر اہم اور نازک ہے، اس کی نسبت یہ بیان بہت ہی قَلِیل اور مختصر ہے کیونکہ رزق ایک ایسی چیز ہے جس پر دنیا و دین کے تمام اُمور کا دارومدار ہے تو عبادتِ خداوندی کے لیے جس کی ہمت قوی ہو، اسے چاہیے کہ ہماری بیان کردہ باتوں پر مضبوطی سے عمل پیرا ہو اور اس کے متعلق اسلامی اَحکام کی پوری رِعایت ملحوظ رکھے اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تو وہ مقصود سے بہت ہی دور ہے اور وہ چیز جس سے تم پر اس اَمر کا اِنکشاف ہو کہ رزق کے معاملہ میں علمائے حَقَّانی اور بُزُرگانِ دین (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) کس قدر بصیرتِ کاملہ کے مالک تھے، یہ ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی کی بِنا [4] ہی تَوَکُّل عَلَی اللّٰہ [5]، عبادت کی طرف پوری توجہ اور مخلوق سے تعلقات مُنْقَطَع کرنے پر رکھی تھی۔ انہوں نے اس موضوع پر کس کثرت سے کُتُب تصنیف فرمائیں اور وِصال کے وقت

---

1 ...... جانوروں۔ 2 ...... عام لوگوں۔ 3 ...... مختصر کرنے۔
4 ...... بنیاد۔ 5 ...... اللہ تعالٰی پر تَوَکُّل۔

اس مُعامَلہ میں کیا کیا وصیت کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے دین میں ان کے لیے کیسے مُخلِص مُعاوِنین اور دوست مہیا کر دیے تھے کہ خلافِ اہلِ سنَّت و جماعت کے اِعتِقاد والے عابدوں اور زاہدوں وغیرہ کو ان میں ایک شَمَّہ [1] بھی نصیب نہیں ہوا، جیسے کَرَّامِیَہ وغیرہ، اس لیے کہ ان کے عقائِد کی بنیاد ہی اُصُولِ حَقَّہ کے خلاف پر تھی اور ہم اہلِ سنَّت و جماعت جب تک اپنے اَئِمَّۂ دِین اور بُزُرگانِ عُظَّام (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) کی سیرت اور ان کے نقشِ قدم پر چلتے رہے تو خدا اور مخلوق کی نظروں میں مُکَرَّم و مُعَظَّم رہے اور مَدارِسِ اسلامیہ اور اپنی عبادت گاہوں سے علم واَخلاق کے پیکر بن بن کر نکلتے رہے۔

چنانچہ علم میں اُستاذ ابو اِسحاق، ابو حامد، اَبُو الطَّیِّب، ابنِ فُورَک (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) اور میرے شیخ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْه جیسے مُتَبَحِّر لوگ [2] ہمارے امام اور پیشوا ہیں اور عبادت میں ابو اِسحاق شیرازی، ابوسعید الصُّوفی اور ابونَصر مَقْدِسی (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) جیسے پاکیزہ حضرات ہمارے رہبر ہیں، یہ لوگ علم و زُہد میں فائق ترین لوگ تھے، افسوس کہ ہمارے قُلوب ان حضرات کی مُتَابَعَت [3] سے کمزور وضعیف ہو گئے اور ہم ایسے عَلَائِق [4] میں مبتلا ہو گئے جن کا ضَرَر نفع سے کہیں زیادہ ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمیں دین کے معاملہ میں رَجْعَت واقع ہوگئی [5] ہمتیں پست ہو گئیں، بَرَکات اُڑ گئیں اور عبادت کی لذتیں اور حلاوتیں چلی گئیں۔ اب یہ اُمید مشکل ہی سے کی جاسکتی ہے کہ عبادت میں کسی کا حال پھر درست ہو جائے اور اسے صحیح علم

1 ...... تھوڑا سا حصہ۔ 2 ...... ماہر علما۔ 3 ...... پیروی۔
4 ...... معاملات۔ 5 ...... پستی میں چلے گئے۔

نصیب ہو جائے، اور جس جس میں اس وقت دین ومَعْرِفت کی معمولی روشنی موجود ہے وہ صرف حارث مُحاسِبی، محمد بن اِدریس شافعی، مُزَنِی اور حَرْمَلَه وغیرہ اَئِمَّۂ مُتَقَدِّمِیْن کی اِقْتِدَاء اور پیروی کا صدقہ ہے، رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تعالٰی اَجْمَعِیْن۔ جیسا کہ ایک شاعر نے اَسلاف[1] کی ان اَشعار میں صِفت[2] بیان کی ہے:

(۱) وَ مَا صَحِبُوا الْاَيَّامَ اِلَّا تَعَفُّفًا وَ مَا وَجَدُوْا مِنْ حُبِّ سَيِّدِهِمْ بُدًّا

(۲) اَفَاضِلُ صِدِّيْقُوْنَ اَهْلُ وِلَايَةٍ اِلٰى سَيِّدِ السَّادَاتِ قَدْ جَعَلُوا الْقَصْدَا

(۳) تَحَلَّلَ عَقْدُ الصَّبْرِ مِنْ كُلِّ صَابِرٍ وَ مَا حَلَّتِ الْاَيَّامُ مِنْ صَبْرِهِمْ عَقْدَا

ترجمہ: (۱) وہ زمانے میں نہایت عِفَّت اور پاکیزگی کے ساتھ رہے اور ان کے لیے اللّٰہ تعالٰی کی محبت کے سوا کوئی چیز بھی باعثِ اطمینان اور سکون نہ بنی۔

(۲) بڑے بڑے فاضل اور صدیق اَسلاف جو اہلِ وِلایت تھے ہمیشہ ان کی توجہ سَیِّدُ السَّادَات یعنی رب تعالٰی کی طرف ہی رہی۔

(۳) زمانہ کے مَصائب اور حَوادِث نے بڑے بڑوں کے صَبْر کی گرہیں کھول ڈالیں مگر ان مُقَدَّس نُفُوس کے صَبْر کی ایک گرہ بھی نہ کھول سکے۔

ہم (اہلِ اسلام) صَدْرِ اوّل[3] میں دینِ اسلام کی پیروی کے باعث بادشاہ تھے لیکن اس سے رُوگردانی کی وجہ سے اب ہماری پوزیشن ایک بازاری شخص سے زیادہ نہیں، ہم دینی ودُنیوی کمالات کے میدان کے شہسوار تھے مگر اب پیدلوں سے بھی گئے گزرے ہیں اور اب خطرہ ہے کہ کہیں راستہ سے بھٹک ہی نہ جائیں، اللّٰہ تعالٰی ہی مَصائب پر ہمارا مددگار ہے اور اسی سے خُلوصِ قلب کے ساتھ اِلتجا ہے

1 ...... گزشتہ بزرگوں۔ 2 ...... تعریف۔ 3 ...... اسلام کے ابتدائی زمانے۔

کہ دین کی جو معمولی رَمَق [1] ہم میں باقی ہے وہ سَلْب نہ کرلے۔ اِنَّهٗ جَوَّادٌ كَرِيْمٌ مَنَّانٌ رَّحِيْمٌ وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْم

تَفْوِیْض کا بیان

تَفْوِیْض کے معنی ہیں جُملہ اُمور خدا تعالیٰ کے حوالہ کر دینا، تَفْوِیض کی پوری حقیقت اور تفصیل سمجھنے کے لیے دو چیزوں کا سمجھنا ضروری ہے:

ایک یہ کہ کسی چیز کے پسند یا ناپسند کا امتیاز وہی کر سکتا ہے جو ہر معاملے کو ہر جِہَت سے جانتا ہو اور اس کے ظاہر، باطن، حال اور انجام سے پوری طرح آگاہ ہو جس شخص کو اس امتیاز کا علم نہ ہو، وہ اچھی بُری چیز اور غلط صحیح میں امتیاز نہیں کر سکتا، کسی بَدْوِی یا دیہاتی یا چرواہے کو آپ کبھی نہیں کہیں گے یہ دِرہم دیکھنا کھوٹے ہیں یا کھرے؟ کیونکہ وہ اس وَصْف سے خالی ہے، اسی طرح آپ کسی شہری سے بھی یہ بات نہیں کہیں گے جو صَرَّاف [2] نہ ہو کیونکہ وہ بھی یہ کام مشکل ہی سے سرانجام دے سکتا ہے، لہٰذا تم اس کام کے لیے اسی شخص کی طرف رجوع کرو گے جو ماہر صَرَّاف ہو اور سونے چاندی کے اَسرار و خَوَاص سے پوری طرح واقف ہو اور ہر شے کے متعلق اس طرح کا علمِ مُحِیط [3] ہر جِہَت سے صرف ذاتِ ربُّ الْعٰلَمِیْن کو ہی حاصل ہے، تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو لائق نہیں کہ اُمور کی تدبیر اور کسی اَمْر کے پسند یا ناپسند کا فیصلہ خود ہی اپنے طور پر کرلے بلکہ تدبیر و اختیار کا یہ جامع وَصْف [4] اَللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْک کے ساتھ ہی مُخْتَص [5] ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ اپنے مُقَدَّس کلام میں

1 ...... رہی سہی قوت۔ 2 ...... سونا چاندی پرکھنے والا / سونے کا کاروبار کرنے والا۔
3 ...... ہر چیز کا علم۔ 4 ...... کامل ترین صفت۔ 5 ...... خاص۔

فرماتا ہے:

وَ رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَ يَخْتَارُؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُؕ (1)
اور تیرا رب ہی جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے پسند کرتا ہے، لوگوں کو پسند و ناپسند کا کوئی اختیار نہیں۔

پھر دوسرے مقام پر فرمایا:

وَ رَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ۝۶۹ (2)
اور تیرا رب ہی جانتا ہے جسے لوگ اپنے سینوں میں چھپائے رکھتے ہیں اور جسے ظاہر کرتے ہیں۔

نقل ہے کہ کسی بُزُرگ (رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْه) کو خدا کی طرف سے اشارہ ہوا: ''آپ جو چاہیں مجھ سے مانگیں، آپ کو عطا کیا جائے گا۔'' اور وہ بُزُرگ (رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْه) مُسْتَجَابُ الدُّعَاء (3) تھے، تو آپ (رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْه) نے جواباً عرض کیا: ''سُبْحَانَ اللّٰه! وہ ذات جو جَمِيْع عُلُوم (4) پر حاوِی ہے، ایک ایسے جاہل سے فرماتی ہے مانگ جو مانگنا چاہتا ہے، مجھے کیا معلوم کہ میرے لیے فلاں شے بہتر ہے اور فلاں بہتر نہیں بلکہ جو تجھے پسند ہے وہی مجھے پسند ہے۔''

تفْوِیض کے لیے دوسری اس چیز کو ذہن میں رکھنا بھی ضروری ہے کہ اگر ایک

---

1 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اور تمہارا رب پیدا کرتا ہے جو چاہے اور پسند فرماتا ہے ان کا کچھ اختیار نہیں۔ (پ ۲۰، القصص: ۶۸)

2 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اور تمہارا رب جانتا ہے جو ان کے سینوں میں چُھپا ہے اور جو ظاہر کرتے ہیں۔ (پ ۲۰، القصص: ۶۹)

3 ...... جن کی ہر دعا قبول ہوتی ہے۔

4 ...... تمام علوم۔

شخص تجھ سے یہ کہے کہ تیرے سب اُمور میں انجام دیتا ہوں اور تیری تمام حاجات کی تدبیر (1) میں کرتا ہوں اس لیے تو اپنے جُملہ اُمور میرے حوالے کر دے اور تو اپنے کسی اَہم کام کو سرانجام دینے میں مشغول رہ اور یہ کہنے والا شخص تیرے نزدیک واقعی تمام اُمور سے واقِف ہو اور بہترین قُوَّتِ حَاکِمَہ کا مالک ہو اور اپنے اِرادے کو پورا کرنے کی قوت رکھتا ہو اور وہ تجھ پر رحیم و کریم بھی ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ شخص مُتَّقِی اور پرہیزگار اور صَادِقُ الْقَوْل (2) بھی ہو، تو کیا تو اس شخص کی اس عظیم پیش کش کو اپنے حق میں عظیم ترین غنیمت نہیں سمجھے گا اور بہت بڑی نعمت خیال نہیں کرے گا اور اس کی انتہائی احسان مندی کا مُعْتَقِد نہیں ہو گا اور اس کے شکریے اور صِفت وثنا (3) میں انتہا نہیں کر دے گا؟ یقیناً ضرور کرے گا۔

پھر جب وہ کوئی شے تیرے لیے پسند کرے گا جس کی اچھائی تجھ پر واضح نہ ہو، تو تو اس کی اس پسندیدگی پر ہرگز مَلُول اور کبیدہ خاطر (4) نہیں ہو گا بلکہ تجھے اس پر پورا اِعتماد ہو گا اور تیرا دل کامل طور پر مطمئن ہو گا اور تجھے یقین ہو گا یہ شخص وہی چیز میرے لیے منتخب کرے گا جو میرے لیے مفید اور میرے حق میں بہتر ہو، اگرچہ بعد میں اس کا انجام کچھ ہی ہو لیکن تم کو اس پر کامل اِعتماد ہو گا۔

جب تم ایک انسان پر اس طرح کا اِعتماد کر سکتے ہو تو تمہیں کیا ہے کہ اپنے جملہ اُمور اپنے پَرْوَرْدَگار جَلَّ وَعَلَا کے حوالے نہیں کرتے حالانکہ وہی ہے جو زمین و آسمان کے نظام کی تدبیر کرتا ہے اور وہ ہر عالم سے زیادہ عالم ہے اور ہر قادِر سے زیادہ قادِر ہے اور ہر رحم کرنے والے سے زیادہ رحیم ہے اور ہر غنی سے زیادہ غنی ہے۔

1 ...... اِنتظام۔ 2 ...... بات کا سچا۔ 3 ...... تعریف۔ 4 ...... رنجیدہ دل۔

وہ اپنے کامل علم اور حسنِ تدبیر سے وہ شے تمہارے لیے منتخب کرے گا جس تک تمہارا وَہم وگمان نہیں جاسکتا۔

تو جب خدا تعالیٰ ہی تیرے جُملہ اُمور کا کفیل اور ضامن ہے تو تجھے چاہیے کہ تمام تعلقات سے مُنقطِع ہو کر ہَمہ تَن اپنی آخرت کی اِصلاح میں مشغول ہو جائے اور جو جو چیزیں اللہ تعالیٰ تیرے سامنے لاتا رہے ان پر راضی رہے اگرچہ اس کا حُسن و قُبح[1] تجھ پر مُنکَشِف نہ ہو کیونکہ خدا کی طرف سے جو چیز ہو گی وہ تیرے حق میں بہتر اور خیر ہی ہو گی۔ بِاللّٰہِ التَّوْفِیْق

رِضا بِالقضاء[2] کا بیان

رِضا بِالقضاء کے سلسلے میں بھی دو امر ذہن نشین کرنے ضروری ہیں تاکہ حقیقتِ حال کی وضاحت ہو جائے: ایک تو یہ کہ رِضا بِالقضاء کا حال اور مآل[3] میں کیا فائدہ ہے؟

فِی الْحَال تو اس کا فائدہ یہ ہے کہ فراغتِ قَلْب اور بے کار فکر و تشویش سے نجات حاصل ہوتی ہے، بعض زُہَّاد[4] نے اسی لیے فرمایا ہے کہ جب قضا و قدر حق ہے تو معاملاتِ زندگی میں غم و فکر بے معنی ہے اور اس کی اصل وہ حدیث شریف ہے جو حضور عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سے منقول ہے کہ حضور (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے فرمایا:

"لِیَقِلَّ هَمُّكَ وَ مَا قُدِّرَ یَکُنْ وَ مَا لَمْ یُقَدَّرْ لَمْ یَاْتِكَ"[5] (اے ابنِ مسعود (رَضِی

---

1 ……اچھا ہونا یا بُرا ہونا۔ 2 ……تقدیر پر راضی رہنے۔ 3 ……انجام۔ 4 ……زاہدوں۔

5 ……شعب الایمان، باب فی التوکل...الخ، ۲/۶۸، حدیث: ۱۱۸۸، بتغیر۔

اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ !) تجھے کسی معاملے میں فکر وتشویش نہیں ہونی چاہیے، اس لیے کہ جو کچھ مُقَدَّر ہو چکا ہے وہ آ کر رہے گا اور جو تیرے لیے مُقَدَّر نہیں ہے وہ ہرگز تجھ پر وارِد نہیں ہوگا۔

یہ کلام نبی اَکرم (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) کا کلامِ مبارک ہے جو نہایت جامع اور بلیغ[1] ہے کہ اَلفاظ بالکل مختصر ہیں مگر بے شمار معانی پر مشتمل ہے اور رِضا بِالقضاء کا انجام کے اعتبار سے یہ فائدہ ہے کہ قضاء پر راضی ہونے والے انسان کو اللہ تعالیٰ اَجر وثواب عطا فرمائے گا اور ایسے شخص کو اپنے رب کی رِضا اور خوشنودی بھی حاصل ہوگی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ ؕ[2] اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے۔

اس کے بَرعکس خداوندِ قدُّوس کی ناراضگی اس دنیا میں تو فکر، غم اور پریشانی وغیرہ پیدا کرتی ہے اور آخرت میں بھی خواہ مخواہ بوجھ اور عذاب کا سبب بنے گی کیونکہ قضاءِ الٰہی تو بہر حال نافذ ہو کر رہے گی، تیری ناراضگی اور تیرے اِرادے سے وہ بدل نہیں سکتی، جیسا کہ ذیل کے اشعار میں کہا گیا ہے:

(۱) مَا قَدۡ قُضِیَ یَا نَفۡسُ فَاصۡطَبِرِیۡ لَهٗ　　وَلَكِ الۡاَمَانُ مِنَ الَّذِیۡ لَمۡ یُقۡدَرِ
(۲) وَتَحَقَّقِیۡ اَنَّ الۡمُقَدَّرَ كَائِنٌ　　حَتۡمًا عَلَیۡكِ صَبَرۡتِ اَمۡ لَمۡ تَصۡبِرِیۡ[3]

(۱) اے نَفس! تیرے لیے جو کچھ مُقَدَّر ہو چکا ہے اس پر صَبْر کر اور جو کچھ تیرے لیے مُقَدَّر نہیں اس سے خائف ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ تجھ پر وارِد نہیں ہو سکتا۔

---

1 ...... کامل۔

2 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ (پ ۷، المائدۃ: ۱۱۹)

3 ...... یہاں لفظ "لَمۡ تَصۡبِرۡ" تھا، یہ کتابت کی غلطی ہے کیونکہ اصل عربی متن اور ترجمہ کے لحاظ سے درست لفظ "لَمۡ تَصۡبِرِیۡ" ہے، لہٰذا اس کی تصحیح کر دی گئی ہے۔ (علمیہ)

(۲) اور اس بات پر یقین رکھ کہ جو کچھ مُقدَّر ہو چکا ہے وہ ضرور مل کر رہے گا چاہے تو صبر کرے یا بے صبری کا مظاہرہ کرے۔

اور عقلمند انسان راحتِ قلب اور ثوابِ جنت کو چھوڑ کر اس چیز کو اختیار نہیں کرتا جو آخرت میں بوجھ اور عذاب کا باعث بنے اور جس سے بے فائدہ فکر اور تشویش لاحق رہے۔ دوسری اُصولی بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ناراضگی میں نقصان کا اندیشہ اور عظیم خطرہ مُضمَر [1] ہے اور خدا تعالیٰ مہربان نہ ہو تو اسے اپنے پر ناراض کرنے والا انسان بعض اوقات کُفر و نِفاق میں مبتلا ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے اس کلام میں غور کرو:

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۶۵﴾ [2]

اے حبیب! ہمیں تیرے رب کی قسم! یہ لوگ اُس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتے جب تک آپ کو اپنے تمام تنازعات میں اپنا حاکِمِ مُطلَق تسلیم نہ کریں پھر آپ کے فیصلے کے خلاف اپنے قلوب میں ذرہ برابر رنجش بھی محسوس نہ کریں بلکہ دل و جان اور رِضا و رغبت سے اُسے تسلیم کریں۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیہ کریمہ میں اس شخص کے ایمان کی ہی نفی کر دی اور نفیِ ایمان

---

1 ...... پوشیدہ۔

2 ...... ترجمۂ کنز الایمان: تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرما دو اپنے دلوں میں اس سے رُکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔ (پ ۵، النساء: ۶۵)

پر قسم کھائی ہے جو فیصلۂ رسول عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَام کو پسند نہ کرے اور نبی کا فیصلہ سُن کر دل میں تنگی اور بے چینی محسوس کرے، تو جو شخص فیصلۂ خداوندی کو تسلیم نہ کرے بلکہ اُلٹا اس سے ناراض ہو وہ کیسے مومن ہوسکتا ہے؟ حضور نبی کریم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَ التَّسْلِیْم سے ایک قُدْسی حدیث [1] مروی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

"مَنْ لَمْ یَرْضَ بِقَضَائِیْ وَ لَمْ یَصْبِرْ عَلٰی بَلَائِیْ وَ لَمْ یَشْکُرْ عَلٰی نَعْمَائِیْ فَلْیَتَّخِذْ اِلٰھًا سِوَائِیْ"۔ [2] جو شخص میری تقدیر پر راضی نہ ہو اور میری جانب سے آنے والی مصیبتوں پر صابر نہ ہو اور میری عطا کردہ نعمتوں کا شکر نہ ادا کرے تو ایسا شخص میرے بجائے کسی اور کو رب بنالے۔

اس حدیث میں اللہ تعالٰی گویا یوں فرماتا ہے کہ یہ شخص جب مجھ سے راضی نہیں، کیونکہ تقدیر پر ناک منہ چڑھاتا ہے تو پھر یہ اپنا رب کوئی اور بنالے جو اس کو اچھا لگے، عقلمند جانتا ہے کہ یہ انتہائی زَجْر اور ڈانٹ کے الفاظ ہیں، ایک بزرگ (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) سے جب عُبُوْدِیَّت اور رَبُوْبِیَّت کا معنی دریافت کیا گیا، تو اس نے کیا ہی اچھا جواب دیا چنانچہ فرمایا:

"رَبُوْبِیَّت یہ ہے کہ رب تعالٰی جو چاہے حکم کرے اور عُبُوْدِیَّت یہ ہے کہ بندہ اس کے ہر حکم اور قضا کو بلا چون وچرا تسلیم کرے، جب اللہ تعالٰی کوئی حکم دے اور بندہ نہ تو اس کی تعمیل کرے اور نہ اس کو پسند کرے تو وہاں عُبُوْدِیَّت اور رَبُوْبِیَّت کچھ

---

1 ......وہ حدیث جس کے راوی سرکار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ہوں اور نسبت اللہ تعالٰی کی طرف ہو۔ (نصابِ اصولِ حدیث، ص ۷۷)

2 ......فیض القدیر، ۶۱۷/۴، تحت الحدیث: ۶۰۰۹ و المعجم الکبیر، ۳۲۰/۲۲، حدیث: ۸۰۷۔

بھی نہیں۔‘‘

اس میں غور کرو اور اپنے حال کو عُبُودِیَّت کے مطابق کرو، تاکہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی مدد توفیق سے سلامتی نصیب ہو۔

صبر کا بیان

صبر ایک کڑوی دَوَا ہے اور ناخوشگوار شربت ہے مگر نہایت بابرکت اور ہر طرح کی مَنْفَعَت کا مُوْجِب اور ذریعہ ہے اور ہر طرح کی مَضَرَّت کو دفع کرتا ہے، جب دَوَا ایسی بابرکت اور نافع ہو تو عقلمند انسان طبیعت پر جبر کر کے بھی ایسی دَوَا استعمال کرتا ہے اور گھونٹ گھونٹ کر کے اپنے پیٹ میں ڈال لیتا ہے اور اس کی تلخی اور تیزی کو برداشت کرتا ہے اور یوں کہتا ہے کہ اس دَوَا کی تلخی تو ایک گھڑی بھر کے لیے ہے مگر اس کا نفع سالہا سال تک باقی رہنے والا ہے۔

اب ہم ان مَنافع کی تفصیل بیان کرتے ہیں جو صبر سے حاصل ہوتے ہیں، جان لو کہ صبر چار طرح کا ہے:

﴿۱﴾ صَبر عَلَى الطَّاعَةِ ﴿۲﴾ صَبر عَنِ الْمَعْصِيَةِ ﴿۳﴾ صَبر عَنْ فُضُوْلِ الدُّنْيَا ﴿۴﴾ دنیا کے مَصَائِب و آلام پر صبر۔

جب کوئی شخص صَبْر کی تلخی برداشت کرے اور مذکورہ چاروں قسم کے صبر پر کاربند ہو جائے تو اسے طاعات اور طاعات پر اِسْتِقامت کی نعمتِ عُظْمٰی نصیب ہوتی ہے، آخرت میں ثوابِ عظیم کا مُستَحِق بنتا ہے اور ایسے شخص کو دنیا میں گناہوں اور گناہوں کے نتائجِ بد سے حفاظت نصیب ہو جاتی ہے اور آخرت میں گناہوں کے

وبال میں مبتلا ہونے سے بھی بچ جاتا ہے نیز ایسا شخص طلبِ دنیا کو ترک کردیتا ہے اوراس پانچ روزہ زندگی میں مشاغلِ دُنیوِی سے الگ رہتا ہے، ایسا شخص اِنْ شَآءَ اللّٰہ تَعَالٰی عذابِ اُخْرَوِی سے بھی محفوظ رہے گا، اس کے اَعمالِ خیر بھی ضائع نہیں ہوتے اور دُنیوِی اِبتلاء وآزمائش میں ثابت قدم رہتا ہے اور آسائشِ دنیا حاصل نہ ہونے پر رَنجیدہ خاطر [1] نہیں ہوتا، تو اس صَبْر سے انسان کو طاعت، اس کے دَرَجاتِ عالِیَہ، طاعت کا ثواب، تقویٰ، زُہد اور اللّٰہ تعالیٰ کی طرف سے اچھا بدلہ، اچھی جزا اور ثوابِ کثیر حاصل ہوتا ہے اور فوائدِ صبر کی پوری تفصیل درحقیقت خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

صبر ضرر رَساں چیزوں کو دور کردیتا ہے

صبر کی وجہ سے ایک تو انسان بے صبری سے پیدا ہونے والی جَزَع فَزَع کی مَشَقَّت سے بچ جاتا ہے اور دنیا میں بے صبری کا رنج برداشت کرنے سے محفوظ رہتا ہے پھر آخرت میں ترکِ صبر پر دیئے جانے والے عذاب سے حفاظت میں رہتا ہے لیکن اگر انسان بے صبری کرے، گِلہ شکوہ کی زبان دراز کرے تو اس کی ہر مَنْفَعَت فوت ہوجاتی ہے اور وہ اَنواع واَقسام کی مَضَرّات [2] وتکالیف میں پھنس جاتا ہے کیونکہ جب وہ اللّٰہ تعالیٰ کی طاعت وبندگی بجالانے کی مَشَقَّت پر صَبْر نہیں کرے گا تو طاعت اور بندگی مولیٰ تعالیٰ کی نعمت سے محروم رہے گا اور طاعت پر کاربند نہ ہوسکے گا یا بے صَبْری کے باعث طاعت پر اسے دَوَام نصیب نہیں ہوگا، تو مرتبۂ اِسْتِقامت نہیں پاسکے گا جو ایک اعلیٰ مرتبہ ہے یا فُقْدانِ صَبْر [3] کے باعث فُضولیات

1 ...غمگین دل۔ 2 ...نقصان دہ چیزوں۔ 3 ...صبر کی کمی۔

ولَغو یاتِ دنیا سے نہیں بچے گا اور گناہ و مَعصِیَت میں پڑ جائے گا یا فُقْدانِ صَبْر کی بنا پر دُنیوِی تکلیف و مصیبت کے وقت شکوہ شکایت کی زبان دراز کرے گا اور اس طرح صَبْر کے ثواب سے محروم رہے گا اور بسا اوقات زیادہ بے صَبْری دکھانے پر آخرت کے ثواب کے علاوہ صَبْر کرنے پر دنیا میں جو نعمت ملنے والی تھی وہ بھی اس کے ہاتھ سے نکل جاتی ہے اور بے صَبْری کا مظاہرہ کر کے ایک مصیبت کے بجائے کئی مصیبتیں مول لے لیتا ہے کہ دنیا کی نعمتیں بھی ہاتھ سے نکل جاتی ہیں اور آخرت کا ثواب بھی فوت ہو جاتا ہے، کئی اُلجھنیں پیدا ہو جاتی ہیں، صَبْر جیسی عمدہ نعمت سے محروم ہو جاتا ہے، بعض بزرگوں (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) کا قول ہے:

”حِرْمَانُ الصَّبْرِ عَلَى الْمُصِيبَةِ اَشَدُّ مِنَ الْمُصِيبَةِ“ مصیبت کے وقت صبر نہ کرنا مصیبت سے زیادہ بدتر مصیبت ہے۔

لہٰذا اس چیز کو اختیار کرنے کا کیا فائدہ جو حاصل شدہ شے کو بھی فوت کر دے اور گم شدہ شے کو واپس نہ لا سکے۔ لہٰذا کوشش کرو کہ اگر ایک شے (نعمتِ دُنیوِی) فوت ہو جائے تو دوسری تو فوت نہ ہو یعنی صبر۔ فضیلتِ صبر کے متعلق حضرت علی رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ سے ایک نہایت جامع قول منقول ہے، آپ (رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ) نے ایک شخص کو صبر کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

”اِنْ صَبَرْتَ جَرَتْ عَلَيْكَ الْمَقَادِيْرُ وَ اَنْتَ مَاْجُوْرٌ وَ اِنْ جَزِعْتَ جَرَتْ عَلَيْكَ الْمَقَادِيْرُ وَ اَنْتَ مَاْزُوْرٌ“ تجھ پر تقدیرِ الٰہی ضرور جاری ہو کر رہے گی، ہاں اگر تو صبر کرے گا تو اجر و ثواب پائے گا اور اگر بے صبری کا شیوہ اختیار کرے گا تو گنہگار ہوگا۔

پھر میں کہتا ہوں کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ برحق پر توکُّل وبھروسہ کرتے ہوئے دل کو اس کی چاہت کی چیزوں سے الگ کرنا، نَفْسِ اَمّارہ کو اس کی بُری عادات سے روکنا، دُنیوی مُعاملات کی تدابیر وتجاویز کو ترک کردینا، اپنے متعلق نفع و نقصان کی چیزوں سے اِعْراض کرتے ہوئے (1) اپنا سارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا، نَفْسِ اَمّارہ کی نگرانی کرنا، کسی اَمْر کے فوت ہوجانے پر نَفْس کو بے صبری سے روکنا، جب کہ ایسے موقع پر بے صَبْری کرنا اس کی فطرت وسِرِشت (2) میں داخل ہے نیز نَفْس کو رِضا کی لگام دینا اور نفرت کے باوجود نَفْس کو صَبْر کے تلخ اور کڑوے گھونٹ پلانا، یہ سب مُندرجہ بالا اُمور ناقابلِ برداشت ہیں اور یہ نہایت بھاری بوجھ اور مشکل ترین طریقِ علاج ہے لیکن اپنی اِصلاح اور دُرُستی کی صحیح تدبیر بھی صرف یہی ہے اور یہی صراطِ مستقیم ہے اور اسی صراطِ مستقیم پر چلنے کا انجام اچھا ہے اور سعادت ونیک بختی کے حالات اسی سے پیدا ہوسکتے ہیں۔

تم اُس مالدار باپ کے متعلق کیا کہتے ہو جو اپنے بیمار بیٹے کو کھجور اور سیب وغیرہ پھل کھانے کو نہیں دیتا اور پھل فروٹ کی نعمتیں دینے کے بجائے اس کو ایک سخت طبیعت مُعَلِّم (3) کے حوالے کر دیتا ہے جو سارا دن تعلیم کے لیے اسے اپنے پاس روکے رکھتا ہے اور اسے ڈانٹتا رہتا ہے اور اس کا باپ اس کو سِینگھی لگانے (4) کے لیے حَجّام (5) کے پاس لے جاتا ہے، جو اسے اپنے عَمَلِ جَرّاحی سے اور تکلیف

---

1 ......توجہ نہ کرتے ہوئے۔ 2 ...... مزاج۔ 3 ...... اُستاد۔ 4 ...... جانور کے سینگ کو حَجّام جسم پر رکھ کر چوستے ہیں تاکہ خون ایک جگہ جمع ہوجائے پھر اس مقام پر اُسترا مار کر خراب خون نکالتے ہیں۔(اردو لغت، ۱۲/ ۳۸۲ملخصًا)۔ 5 ......سِینگھی لگانے والے۔

دیتا ہے کیا تم یہ خیال کر سکتے ہو کہ اس کا باپ اسے بُخْل و کنجوسی کی بنا پر کھانے کو پھل نہیں دیتا جب کہ اس کا باپ اجنبی لوگوں کے ساتھ بھی فَیَّاضی [1] سے پیش آتا ہے اور ہر طرح مالی تعاون کرتا ہے ایسا شخص اپنی اولاد کے حق میں کیسے بخیل ہو سکتا ہے اور اپنی اولاد سے اپنا مال و دولت کیونکر روک سکتا ہے حالانکہ اس کے پاس جو کچھ ہے اس کی اولاد کے لیے ہی ہے۔

نیز سخت طبیعت مُعَلِّم کے حوالے کر کے کیا وہ اسے دُکھ اور تکلیف دینا چاہتا ہے؟ ہرگز نہیں کیونکہ اس کا بیٹا تو اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور اس کے دل کا چین ہے بلکہ بیٹے کو اگر ہوا بھی لگ جائے تو باپ بے چین ہو جاتا ہے، درحقیقت وہ اپنے بیٹے کے ساتھ ایسا سُلوک اس لیے کرتا ہے کہ وہ جانتا ہے کہ اس میں اس کی بہتری ہے اور تعلیم و تربیت کی اس تھوڑی سی مَشَقَّت و تکلیف سے اس کا بیٹا عظیم کمالات اور اَعلیٰ صفات کا مالک بن جائے گا۔

نیز اس خیر خواہ، مُخلِص اور ماہر طبیب کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جو ایک لاغر اور نازک حال مریض کو پانی پینے سے روک دیتا ہے حالانکہ اس مریض کو شدید پیاس لگ رہی ہوتی ہے اور شدتِ پیاس کے باعث اس کا کلیجہ جل رہا ہوتا ہے لیکن وہ طبیب اسے کڑوی دَوا دیتا ہے جو اس مریض کی طبیعت اور نَفْس پر گراں ہوتی ہے تو کیا تم یہ خیال کر سکتے ہو کہ وہ طبیب مریض سے دشمنی اور عَداوت اور اسے اذیت دینے کے لیے ایسی دَوا دے رہا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ اس میں اُس مریض کے ساتھ سراسر خیر خواہی اور احسان ہے کیونکہ طبیب جانتا ہے کہ مریض بتقاضائے شہوت

1 ...... سخاوت۔

جو کچھ طلب کرتا ہے اس میں اس کی ہلاکت اور موت ہے اور اسے اس سے روکنے اور باز رکھنے میں ہی اس کی شفا اور بقا ہے۔

تو تمہیں ان مثالوں سے اندازہ لگانا چاہیے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی وقت ایک روٹی یا ایک دِرہم تمہیں عطا نہیں کرتا تو تمہیں یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادِر ہے کہ جو کچھ تم چاہتے ہو وہ سب کچھ تمہیں عطا کر دے کیونکہ وہ فَضْل وجُود کا مالک ہے، تمہاری تنگدستی سے پوری طرح واقف ہے، اس سے کوئی شے مخفی اور پوشیدہ نہیں، اس کے باوجود اگر وہ اَحْکَمُ الْحَاکِمِیْن تمہیں تمہاری چاہت کی چیز عطا نہیں کر رہا تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مَعَاذَ اللّٰہ وہ شے اس کے پاس نہیں یا وہ عاجز ہے یا اُسے تمہاری حالت کا پتہ نہیں یا وہ بخیل ہے۔ وہ تو ان تمام عُیُوب ونَقَائِص سے پاک اور مُنَزَّہ ہے۔ وہ تمام غنیوں سے بڑا غنی، تمام قدرت والوں سے بڑا قادر، تمام علم والوں سے بڑھ کر عالم اور تمام اَسْخِیَا سے بڑھ کر جَوَاد [1] اور کریم ہے لہٰذا تمہیں یقین ہونا چاہیے کہ تمہاری چاہت کی چیزیں بسا اوقات وہ تمہیں اس لیے عطا نہیں کرتا کہ اس میں تمہاری اِصلاح اور بہتری مُضْمَر [2] ہوتی ہے، عطا نہ کرنے کی وجہ عِجز یا بُخْل نہیں بلکہ وہ تو قرآنِ مجید میں یوں ارشاد فرماتا ہے:

خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا [3] زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے پیدا کیا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی جانب بُخْل کی نسبت کیسے ہو سکتی ہے جب کہ اس نے تمہیں

1 ...... یہاں لفظ ”سخی“ تحریر تھا جسے لفظ ”جوَاد“ سے بدل دیا ہے کیونکہ باری تعالیٰ کیلئے لفظ ”سخی“ استعمال کرنے کو ”فتاوی رضویہ، جلد 27، صفحہ 165 پر منع کیا گیا ہے۔(علمیہ) 2 ...... پوشیدہ۔

3 ...... ترجمۂ کنز الایمان: جس نے تمہارے لیے بنایا جو کچھ زمین میں ہے۔(پ ۱، البقرۃ: ۲۹)

اپنی مَعْرِفَت جیسی نعمتِ عُظْمٰی عطا کی جس کے سامنے تمام نعمتیں ہیچ ہیں، ایک مشہور حدیث میں وارِد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"اِنِّیْ لَاَذُوْدُ اَوْلِيَائِیْ عَنْ نَعِيْمِ الدُّنْيَا كَمَا يَذُوْدُ الرَّاعِی الشَّفِيْقُ اِبِلَهٗ عَنْ مَبَارِكِ الْعِرَّةِ" [1] میں اپنے دوستوں کو دنیا کی نعمتوں سے اس طرح دور رکھتا ہوں جس طرح مہربان چرواہا اپنے اُونٹوں کو خارش زدہ اُونٹوں سے الگ رکھتا ہے۔

اور جب تجھے اللہ تعالیٰ دُنیاوی شَدائِد ومَصائِب میں رکھے تو اس بات پر یقین رکھ کہ وہ تیرا امتحان لینے اور تیری آزمائش کرنے سے بے نیاز ہے، وہ تیرے حال سے واقف ہے، تیرے ضُعف اور کمزوری کو بھی جانتا ہے اور وہ تجھ پر رؤف ورحیم بھی ہے، کیا تو نے حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا یہ قول مبارک نہیں سنا؟ آپ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) فرماتے ہیں:

"لَلّٰهُ تَعَالٰى اَرْحَمُ بِعَبْدِهِ الْمُؤْمِنِ مِنَ الْوَالِدَةِ الشَّفِيْقَةِ بِوَلَدِهَا" [2] بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندہ مومن پر، اپنے بچے پر شفیق ماں سے بھی زیادہ مہربان [3] ہے۔

جب تو نے یہ بات جان لی تو پھر تجھے اس بات پر یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ تیری اصلاح کے لیے تجھے تکلیف اور مصیبت میں ڈالتا ہے، اللہ تعالیٰ کے علم میں تیری اِصلاح منظور ہے مگر تو اس سے بے خبر ہے۔ اسی اِصلاح اور ترقی دَرَجات کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں اور مقبول بندوں کو اِبتلاء وآزمائش میں کثرت سے

---

1 ...... الزهد لامام احمد بن حنبل، ص ۹۹، حديث: ۳۴۱، ۳۴۲، بتغير۔

2 ...... صحيح البخاري، كتاب الادب، باب رحمة الولد وتقبيله ومعانقته، ۴/۱۰۰، حديث: ۵۹۹۹، بتغير۔

3 ...... یہاں سے لفظ "شفیق" کو حذف کیا گیا ہے کیونکہ اس نام کا اطلاق اللہ تعالیٰ کیلئے منع ہے۔ (علمیہ)

ڈالے رکھتا ہے حالانکہ یہ طبقہ اس کی درگاہ میں نہایت باعزت طبقہ ہے یہاں تک کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک موقعہ پر فرمایا:

"اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ قَوْمًا اِبْتَلَاھُمْ"(1) جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اپنا دوست بناتا ہے تو اس کو مختلف آزمائشوں میں ڈالتا ہے۔

دوسرے موقع پر فرمایا:

"اِنَّ اَشَدَّ النَّاسِ بَلَاءً اَلْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الشُّھَدَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ"(2) بے شک سب سے زیادہ انبیاء (عَلَیْہِمُ السَّلَام) امتحان اور آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں پھر شہید لوگ پھر وہ جواُن کے نزدیک ہیں اور پھر وہ جوان کے نزدیک۔

توجب تو یہ دیکھے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ سے دنیا کی نعمتوں کو روک رکھا ہے یا تیرے لیے کثرت سے مَصَائِب ومشکلات پیدا کررہا ہے تو یقین رکھ کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں تیرے باعزت اور صاحبِ مرتبہ ہونے کی علامت ہے اور وہ تجھے اپنے اولیاء (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِم) کے راستے پر چلانا چاہتا ہے، بے شک وہ پَروَرْدَگار تیرے تمام حالات سے واقف ہے اور کسی بات میں تیرا محتاج نہیں (بلکہ ان باتوں سے اسے تیری اِصلاح منظور ہے) اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْیُنِنَا (3) اور اپنے رب کے حکم کے مطابق صبر سے کام لو، بیشک تم ہماری حفاظت اور نگاہ میں ہو۔

---

1. مسند احمد ، حدیث محمود بن لبید ، ۹/۱۶۳ ، حدیث:۲۳۷۰۲ ، ملتقطاً۔
2. المعجم الکبیر ، ۲۴/ ۲۴۵ ، حدیث : ۶۲۹ ، بتغیر ۔
3. ترجمۂ کنز الایمان: اور اے محبوب تم اپنے رب کے حکم پر ٹھہرے رہو کہ بے شک تم ہماری نگہداشت میں ہو۔ (پ ۲۷ ، الطور : ۴۸)

لہٰذا مَصائب و مشکلات کے وقت تجھے اللہ تعالیٰ کا احسان مند ہونا چاہیے کہ وہ تجھے دُنیوِی لَذائِذ[1] سے دور رکھ کر گناہوں سے محفوظ رکھنا چاہتا ہے، تیری اِصلاح کرنا چاہتا ہے تجھے زیادہ اَجر و ثواب عطا کرنا چاہتا ہے اور آخرت میں اَبرار[2] و مُقَرَّبِین کے مَدارِج[3] پر فائز کرنا چاہتا ہے لہٰذا بندہ مومن کے حق میں مَصائب و مشکلات کا نتیجہ نہایت ہی اچھا ہے اور روحانی عطاؤں کا سرچشمہ ہے۔

وَ اللّٰهُ وَلِيُّ التَّوْفِيْقِ بِمَنِّهٖ وَ فَضْلِهٖ

فَصْل

خلاصہ یہ کہ جب تجھے یقین سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ تیرے لیے اس قدر روزی کا ضامن ہو چکا ہے جس سے تیری حیاتِ دنیا کی بقا وابستہ ہے اور جس سے عبادت بجالا سکے اور وہ اپنے ارادے کے مُوافِق ہر چیز کو جیسے چاہے وجود میں لانے پر قدرت رکھتا ہے اور وہ تیرے ہر وقت اور ہر گھڑی اور حالت کی حاجت و ضرورت سے بھی واقف ہے، تو تجھے اللہ تعالیٰ کی ذِمّہ داری اور کَفالت پر بھروسہ کرنا چاہیے اور اس کے وعدے کو سچا جاننا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ پر اس اعتماد اور بھروسہ سے تمہارے دل کو سکون واطمینان نصیب ہوگا اور تمہاری طبیعت عَلائِق واَسبابِ دُنیوِی سے الگ ہو جائے گی اور دل کا تعلق ان اَسباب و عَلائِق سے کٹ جائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ تعلقات اور اَسبابِ دُنیوِی بھی اس وقت ہی مفید اور کفایت کرتے ہیں جب خدا تعالیٰ کی مَشِیَّت ہو، غذا کھانے اور اس کے ہضم میں آسانی اور سہولت، اسی طرح پینے کی چیزوں کے استعمال میں سہولت، پھر کھانے پینے کی

---

1 ...... دنیا کی لذتوں۔ 2 ...... نیک بندوں۔ 3 ...... درجوں۔

اشیاء میں طبیعت کے مُوافق وخوشگوار ہونے کی صفت اللہ تعالیٰ ہی ان میں پیدا کرتا ہے پھران اشیاء سے بدن میں قوت اور نفع بھی اللہ تعالیٰ ہی ان میں رکھتا ہے نیز ان خُورْد ونوش کی اَشیاء سے طبیعت پر گرانی اوران کے نقصان کو اللہ تعالیٰ ہی اپنے اِرادے اور مَشِیَّت سے دور کرتا ہے تو در حقیقت نافع اسی کی ذاتِ بابَرَکات ہے اور وہی درحقیقت "کَافِیُ الْمُہِمَّات" (1) ہے، تو ہر طرح کا اختیار صرف اسی کی ذات وَحْدَہٗ لَاشَرِیْک کو ہے لہٰذا اسی پر تَوَکُّل اور بھروسہ کرو اور اپنے معاملات میں اپنی تدابیر کو اہمیت نہ دو بلکہ اس ذات کی تدابیر واِنتظام پر کفایت واِنحصار کرو جو مُدَبِّرِ زمین وآسمان ہے اور اپنے آپ کو آئندہ کے پروگراموں میں غوروفکر سے بھی نجات دو اور یوں نہ سوچو کہ یہ کام کل مجھے کس طرح انجام دینا چاہیے اور یہ کام کل ہوگا یا نہیں اور یہ کام انجام دینے کے لیے کیا صورت اختیار کرنی چاہیے، مطلب یہ ہے کہ "شاید" اور "اگر مگر" کے چکر میں نہ پڑو کیونکہ اس سے تَضْیِیْعِ وَقْت (2) اور مصروفیتِ دل کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا ممکن ہے کہ کل ایسے حالات سامنے آجائیں جن کا تمہیں وہم وگمان بھی نہ تھا اور جو باتیں اور پروگرام تم بنا رہے تھے اور جن معاملات میں تم غوروخوض کررہے تھے ان میں سے کوئی نہ ہوسکے اور سوچ وبچار میں بے فائدہ وقت ضائع چلا جائے، بلکہ دل کی مصروفیت اور عمر برباد جانے پر خسارہ اور پشیمانی اُٹھانی پڑے۔ کسی زاہد نے کہا ہے:

سَبَقَتْ مَقَادِیْرُ الْاِلٰہِ وَحُکْمُہٗ   فَارِحْ فُؤَادَکَ مِنْ لَعَلَّ وَمِنْ لَوْ

ترجمہ: تقدیرِ خداوندی میں ہر شے کا فیصلہ ہو چکا ہے، لہٰذا تَفَکُّرات کو خواہ مخواہ اپنے اوپر

---

(1) ......مشکلات میں کارساز۔ (2) ......وقت ضائع ہونے۔

مُسَلَّط نہ کرو، اور ''شاید'' و ''اگر مگر'' کے چکر سے اپنے آپ کو امن میں رکھو۔

ایک اور بُزُرگ (رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَیْه) فرماتے ہیں:

(١) سَیَكُوْنُ مَا هُوَ كَائِنٌ فِیْ وَقْتِهٖ وَ اَخُو الْجَهَالَةِ مُتْعَبٌ وَّ مَحْزُوْنٌ

(٢) فَلَعَلَّ مَا تَخْشَاهُ لَیْسَ بِكَائِنٍ وَ لَعَلَّ مَا تَرْجُوْهُ لَیْسَ یَكُوْنُ

ترجمہ: (١) جو کچھ ہونا ہے وہ اپنے وقت میں ضرور ہو کر رہے گا اور جاہل و بے خبر انسان خواہ مخواہ اپنے آپ کو مَشَقَّت اور غم میں ڈالے رکھتا ہے۔

(٢) تو ممکن ہے جس کا تجھے خطرہ ہے وہ نہ ہو اور جس کی تجھے اُمید ہے وہ بھی نہ ہو۔

لہٰذا اپنے نَفْس کو یوں تلقین کرو:

''اے نَفْس! ہمارے حصہ میں صرف وہی چیز آئے گی جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مُقَدَّر کر دی ہے وہ ہمارا مولیٰ ہے اور وہی ہمیں کافی اور ہمارا کارساز ہے۔''

وہ ایسا قدیر ہے کہ اس کی قدرت کی انتہا نہیں اور وہ ایسا حکیم ہے کہ اس کی حکمتوں کی حد نہیں اور ایسا رحیم ہے کہ اس کی رحمتوں کی اِنتہا نہیں اور جو ان صفات کا مالک ہے وہی اس بات کا اہل ہے کہ اسی پر بھروسہ اور تَوَکُّل کیا جائے اور اپنے تمام کام اس کے حوالے کئے جائیں لہٰذا صِفَتِ تَفْوِیض پر قائم رہو اور یہ عقیدہ بھی رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں میرے لئے جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہو گا سب میرے مُوَافِقِ حال [1] اور بہتر ہے اگرچہ میرا علم اس کی کَیْفِیَّات اور تفصیلات کو نہیں جانتا۔

اپنے نَفْس کو یوں بھی تلقین کرو: ''اے نَفْس! نَوِشْتَۂ تقدیر [2] ضرور مل کر رہے گا، غصہ اور بے چینی بے فائدہ ہے اور بہتری تو اس میں ہے جو اللہ تعالیٰ کرے، لہٰذا

1 ...... میری حالت کے مطابق۔ 2 ...... قسمت میں لکھا۔

غصے اور ناراضگی کی کوئی وجہ نہیں۔"

اے نَفْس! جب تو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر راضی ہے تو اس کے حکم اور تقدیر پر کیوں راضی نہیں حالانکہ قضاء وقدر رَبُوبِیَّت کی صفات اور اس کے لَوازِمات میں سے ہیں لہٰذا اس کی رِضا کو اختیار کرو۔

اسی طرح اگر تم کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ یا کوئی ناگوار معاملہ پیش آ جائے تو اپنے نَفْس کو تَحَمُّل وضَبط میں رکھو اور اپنے دل پر بھی قابو رکھو، یہ نہ ہو کہ جزع فزع، بے چینی اور گلہ، شکایت کا اِظہار کرنے لگو، خاص کر اوّل صَدْمَہ کے وقت کیونکہ ابتدائے مصیبت کے وَقت صَبْر وتَحَمُّل ایک دشوار اَمْر ہے اور پہلے صدمے کے وقت نَفْس پر قابو رکھنا بہت مشکل ہے، ایسے وقت میں اپنے نَفْس سے یوں کہو:

"اے نَفْس! یہ مصیبت تو سر پر پڑ چکی ہے اسے دور کرنے کی اب صورت اور تدبیر نہیں اور اللہ تعالیٰ اس سے بھی بڑے بڑے مَصائِب سے تجھے نجات دے چکا ہے کیونکہ آفات وبَلِیّات کی بے شمار اَقسام ہیں۔ اس مصیبت اور تکلیف کو بھی اللہ تعالیٰ دور کر دے گا اور مصیبت کا یہ بادل عنقریب چھٹ جائے گا۔ تو اے نَفْس! تھوڑی دیر کے لیے صَبْر کے دامن کو مضبوطی سے پکڑے رکھ، تجھے اس کے بدلے دائمی سُرور (1) اور ثوابِ عظیم عطا ہو گا۔"

پھر یہ بھی ہے کہ بے صَبْری سے نازل شدہ آفات دور نہیں ہو سکتی تو جزع فزع بے کار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ صَبْر وتَحَمُّل کے ہوتے ہوئے مصیبت کا برداشت کرنا مشکل نہیں رہتا۔ تو نُزولِ مصیبت کے وقت زبان سے: "اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْہِ

(1)...... ہمیشہ رہنے والی خوشی۔

رَاجِعُوْن" کا وِرْد کرو اور دل میں اس اَجر وثواب کا تصور کرو جو اس پر اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا اور ایسے وقت میں بڑے بڑے مَصَائِب پر اُولُوا الْعَزْم [1] اَنبیاء کرام (عَلَيْهِمُ السَّلَام) اور اَولیاء عُظّام (رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰى عَلَيْهِم) کے صَبْر و تَحَمُّل کو یاد کرو جو اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں عزت ووَجاہت کا مقام رکھتے ہیں اور اگر کسی وقت تمہارا پَرْوَرْدَگار تم سے دنیا کو روک لے تو اپنے نَفْس سے یوں کہو: "اے نَفْس! اللہ تعالیٰ تیرے حال سے پوری طرح واقف ہے تجھ پر کرم کرنے والا مہربان بھی ہے۔ وہ خَسِيْس [2] کُتّے کو روزی دیتا ہے بلکہ کافر کو بھی روزی دیتا ہے جو اس کا سراسر دشمن اور باغی ہے اور میں تو اس کا بندہ، اس کو پہچاننے والا اور اس کو ایک ماننا ہوں، کیا مجھے وہ ایک روٹی بھی نہیں دے سکتا؟ یہ تو ایک مُحال [3] بات ہے بلکہ وہ ضرور دے سکتا ہے، اس کے باوجود اگر اس نے دنیا کو مجھ سے روک لیا ہے تو ضرور اس میں کوئی نَفْعِ عظیم پوشیدہ ہے اور ہر تنگی کے بعد سہولت ہے، تو اے نَفْس! تھوڑی دیر کے لیے صَبْر سے کام لے تو اس کے بدلے اللہ تعالیٰ کے لُطْف وکرم سے عجیب عجیب اور عُمدہ عُمدہ چیزیں دیکھے گا، کسی کہنے والے نے کیا اچھا کہا ہے:

تَوَقَّعْ مَنْحَ رَبِّكَ سَوْفَ يَأْتِيْ　　بِمَا تَهْوَاهُ مِنْ فَرَجٍ قَرِيْبٍ

اپنے رب کے لطف وکرم سے اُمید وابستہ رکھو، عنقریب وہ کشادگی اور سہولت تمہیں مل جائے گی جسے تم چاہتے ہو۔

وَلَا تَيْأَسْ إِذَا مَا نَابَ خَطْبٌ　　فَكَمْ فِي الْغَيْبِ مِنْ عَجَبٍ عَجِيْبٍ

اور مصیبت اور تکلیف کے وقت مایوسی کا شکار نہ ہو جاؤ کیونکہ پردۂ غیب میں بڑے بڑے

---

1 ...... ہمت والے۔　2 ...... کم تر۔　3 ...... ناممکن۔

عجائب وغرائب موجود ہیں۔

ایک اور بزرگ (رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی عَلَيْه) فرماتے ہیں:

(۱) اَلَا يَـا اَيُّهَـا الْمَـرْءُ اَلَّـذِی الْهَـمُّ بِـهٖ بَـرَّحْ

(۲) اِذَا اشْتَـدَّتْ بِكَ الْعُسْـرٰی فَـفَـكِّـرْ فِـی اَلَـمْ نَشْـرَحْ

(۳) فَـعُسْـرٌ بَيْـنَ يُسْـرَيْـنِ اِذَا كَـرَّرْتَـهٗ فَـافْـرَحْ

ترجمہ: (۱) اے وہ شخص جس پر غم وفکر مسلط ہو چکا ہے۔

(۲) جب تیرا غم وفکر شدت اختیار کر جائے تو ''سورۂ اَلَمْ نَشْرَح'' کا مضمون ذہن میں لا۔

(۳) اس سورت میں واضح طور پر فرمایا گیا ہے کہ ایک تنگی دو آسانیوں کے درمیان ہے تو اس مضمون کے تکرار سے فرحت حاصل کر۔

تو جب تم اس طرح کے اذکار اور باتیں اپنے تصور میں لاتے رہو گے اور ان کی مَشق کرتے رہو گے تو تمہارا یہ معاملہ آسان ہو جائے گا بشرطیکہ کچھ وقت تک ہمت اور کوشش سے کام لو۔

جب تم اس مقام پر پہنچ گئے تو تم نے ان مذکورہ عَوارِضِ اَربَع کو اپنے نَفْس سے دور کر لیا اور اس کی مَشَقَّت تم نے اُٹھالی۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں تم مُتَوَکِّلِین [1] میں شامل ہو گئے ان لوگوں کا مقام پالیا جو اپنا ہر کام اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتے ہیں اور اس کی تقدیر پر راضی رہتے ہیں اور تم نے صابرین کا دَرَجہ حاصل کر لیا اور دنیا میں تو تمہیں راحتِ قَلْب و بدن حاصل ہو گئی اور آخرت میں اَجرِ عظیم اور ذخیرۂ ثواب جمع کر لیا اور رب تعالیٰ کی درگاہ میں تمہیں بلند مرتبہ حاصل ہو گیا اور خدا تعالیٰ نے

1 ......تَوَکُّل کرنے والوں۔

تم کو اپنا محبوب و دوست بنالیا۔ اس طرح تم نے خیریتِ دَارَین [1] حاصل کر لی اور عبادت کا راہِ مُستقیم [2] پالیا۔

کیونکہ اب نہ تو سامنے کوئی رُکاوٹ ہے اور نہ دل کو اِدھر اُدھر مصروف کرنے والی کوئی چیز موجود ہے اور اس وقت تم نے اس مشکل گھاٹی کو عبور کر لیا۔

اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا ہے کہ وہ حُسنِ توفیق سے تیری بھی اور ہماری بھی مدد فرمائے کیونکہ ہر چیز کا مالک ومختار وہی ہے۔

وَ هُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

کب ذِکْرُ اللہ کرنا حرام ہے!

یاد رکھئے! زَبان سے ذکر ودُرُود باعثِ اجر وثواب بھی ہے اور بعض صورتوں میں ممنوع بھی مَثَلاً: "مکتبۃ المدینہ" کی مطبوعہ "بہارِ شریعت" جلد اوّل صفحہ 533 پر ہے: گاہک کو سودا دکھاتے وَقت تاجِر کا اِس غَرَض سے دُرُود شریف پڑھنا یا "سُبْحٰنَ اللہ" کہنا کہ اس چیز کی عُمدَگی خریدار پر ظاہر کرے ناجائز ہے۔ یونہی کسی بڑے کو دیکھ کر اس نیّت سے دُرُود شریف پڑھنا کہ لوگوں کو اس کے آنے کی خبر ہو جائے تاکہ اس کی تعظیم کو اٹھیں اور جگہ چھوڑ دیں ناجائز ہے۔ (غیبت کی تباہ کاریاں، ص۱۳۱ بحوالہ ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، فصل فی بیان تالیف الصلاۃ...الخ، مطلب: ہل نفع الصلاۃ عائد للمصلی...الخ، ۲/۲۸۱)

---

[1] ......دونوں جہاں کی بھلائی۔ [2] ......سیدھا راستہ۔

پانچواں باب

پانچویں گھاٹی کے بیان میں

یہ گھاٹی عَقَبَۃُ الْبَوَاعِث کے نام سے موسوم ہے

اے برادرِ عزیز! جب طریقِ عبادت درست معلوم ہوگیا۔ اس راہِ عبادت پر چلنے میں سہولت اور آسانی حاصل ہوگئی اور موانع اور رکاوٹیں دور ہوگئیں تو اب تجھے اس راہ پر چلنا ضروری ہے لیکن اس پر چلنا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک تو اپنے اندر خوف ورَجاء کی صفت پیدا نہ کرے اور ان کا شعور حاصل نہ کرے اور ان دونوں کو کَمَا حَقُّہٗ نہ اپنائے۔

خوف کا اِلتِزام [1] دو وجہ سے ضروری ہے:

ایک تو اس لیے کہ خوف کے ذریعہ ہی انسان گناہوں سے بچ سکتا ہے کیونکہ نَفْسِ سَرکش شر اور بُرائی کا انتہائی دِلدادہ ہے اور فتنہ کی باتوں کا بہت شائق ہے یہ اس وقت تک باز نہیں آسکتا جب تک اپنے اندر زبردست خوف نہ پیدا کیا جائے اور انتہائی زَجر وتنبیہ کا طریقہ اختیار نہ کیا جائے کیونکہ نَفْسِ اَمّارہ [2] طبعاً [3] صِفَتِ وفا اور حیا سے خالی ہے جیسے کسی نے کہا ہے:

اَلْعَبْدُ یُقْرَعُ بِالْعَصَا وَالْحُرُّ تَکْفِیْہِ الْمَلَامَۃُ

(غلام لاٹھی سے درست ہوتا ہے لیکن دانا اور شریف انسان کو تھوڑی سی ملامت اور تنبیہ کافی ہوتی ہے۔)

1 ...... خوف کو اپنے اوپر لازم کرلینا۔ 2 ...... بُرائی کی طرف راغب کرنے والا نفس۔ 3 ...... فطرتاً۔

لہٰذا اس نَفْسِ اَمّارَہ کو راہِ عبادت پر چلانے کی یہ تدبیر ہے کہ تو قول، فعل اور فکر، غرض ہر طرح سے اس پر خوف کا کوڑا مُسَلَّط رکھے جیسا کہ کسی بُزُرگ (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) کے متعلق منقول ہے کہ ان کے نَفْس میں کسی گناہ کی رغبت اور چاہت پیدا ہوئی تو وہ باہر صحرا کی طرف چل پڑے، وہاں جا کر کپڑے اُتارے اور تپتی ریت پر لوٹنا شروع کیا اور نَفْس سے مخاطِب ہو کر کہا:

اے رات کے وقت مردار کی طرح چار پائی پر پڑے رہنے والے اور دن لَغْوِیَّات [1] میں ضائع کرنے والے نَفْس! اس تپش اور حرارت کو چکھ لے جَہَنَّم کی آگ تو اس سے کہیں زیادہ گرم ہے، جب تیرے لیے یہ حرارت ناقابِلِ برداشت ہے تو دوزخ کی آگ کی گرمی کس طرح برداشت کرے گا؟

دوسرے اس لیے خوف ضروری ہے تاکہ بندے کا نَفْس عُجْب اور خود پسندی میں مبتلا نہ ہو بلکہ راہِ عبادت میں پیش آنے والے خَطَرات وشَدَائِد کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے نَفْس کو مذموم [2] جانے اس کو عیب ناک تصور کرے اور ناقص جانے اور اس طرح نَفْس سے عُجْب اور خود پسندی کے مادے کی بَیْخ کَنی کرے [3]، اور یہ بات خوف ہی سے پیدا ہو سکتی ہے جیسا کہ حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم سے منقول ہے کہ آپ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) نے فرمایا:

”لَوْ اِنِّیْ وَ عِیْسٰی اُوْخِذْنَا بِمَا اكْتَسَبَتْ هَاتَانِ لَعُذِّبْنَا عَذَابًا لَمْ يُعَذِّبْهُ اَحَدٌ مِّنَ الْعَالَمِيْنَ وَ اَشَارَ بِاُصْبِعَيْهِ“ [4] اگر میں اور عیسیٰ (عَلَیْہِمَا السَّلَام) ان اَعمال کی وجہ سے پکڑے

1 ...... فضولیات۔ 2 ...... بُرا۔ 3 ...... جڑ سے اُکھاڑے۔

4 ...... الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، ۲/۲۷، حدیث: ٦٥٦، بتغیر قلیل۔

جاتے جو ہم سے صادِر ہو چکے ہیں تو ہم کو ایسے عذاب میں ڈالا جاتا جو سب سے سخت ہوتا۔ [1]

حضرت حسن بصری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

''ہم میں سے کوئی شخص اس بات سے بے خوف نہیں ہوسکتا کہ اس نے اپنی زندگی میں کسی ایسے گناہ کا اِرتکاب کیا ہو جس کی وجہ سے بخشش اور مغفرت کا دروازہ بند ہو چکا ہو اور اس کے بعد کے نیک اَعمال کسی شمار میں نہ آ رہے ہوں۔''

حضرت عبد اللّٰہ بن مبارک رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنہُ اپنے نَفْس کو یوں عِتاب [2] کرتے تھے:

''تَقُوْلِیْنَ قَوْلَ الزَّاهِدِیْنَ وَ تَعْمَلِیْنَ عَمَلَ الْمُنَافِقِیْنَ وَ فِی الْجَنَّةِ تَطْمَعِیْنَ هَیْهَاتَ هَیْهَاتَ اِنَّ لِلْجَنَّةِ قَوْمًا اٰخَرِیْنَ وَ لَهُمْ اَعْمَالٌ غَیْرُ مَا تَعْمَلِیْنَ'' اے نَفْس! تو باتیں تو درویشوں اور زاہدوں کی کرتا ہے لیکن تیرے اَعمال منافقوں جیسے ہیں، اس پر تو جنت کی اُمید لگائے ہوئے ہے، اس حال میں جنت کی اُمید ایک بعید بات ہے، درحقیقت جنتی اور لوگ ہیں اور ان کے

---

1 ......حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کا یہ ارشاد اپنی اُمّت کو خوف اور ڈر کی تعلیم کے طور پر ہے یا حضور (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) نے تَواضُعًا و اِنکِسارًا فرمایا، یا بڑے دَرجے کی نیکی چھوڑ کر چھوٹے دَرجہ کی اختیار کرنے کو انبیاء کرام عَلَیْہِمُ السَّلام کی شانِ رَفیع کے مطابق گناہ اور مَعْصِیَت پر مَحْمُول کرتے ہوئے اپنی اور حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام کی طرف عذاب کی نسبت کردی کیونکہ انبیاء کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام کو اس پر بھی عِتاب ہوسکتا ہے حضور عَلَیْہِ السَّلام کے اس ارشاد کا یہ مطلب ہرگز ہرگز نہیں کہ مَعَاذَ اللّٰہ حضور سے یا حضرت عیسیٰ عَلَیْہِمَا السَّلام سے گناہ یا مَعْصِیَت کا صُدُور ہوا ہے کیونکہ انبیاء کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلام بِالْاِجْماع قبلِ نبوت اور بعدِ نبوت صَغائِر اور کَبائِر (صغیرہ اور کبیرہ گناہوں) سے معصوم اور پاک ہوتے ہیں۔ وَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَم۔

مُتَرجِم عُفِیَ عَنہ

2 ......ملامت۔

اَعمال تیرے اَعمال سے بالکل مختلف ہیں۔

تو اس طرح کے واقعات ذہن میں دُہراتے رہو، تاکہ عبادت کے دوران نَفْسِ اَمّارہ عُجب اور خود پسندی میں مبتلا نہ ہو اور مصیبت و نافرمانی کا اِرتکاب نہ کر بیٹھے۔ وَ بِاللّٰہِ التَّوفِیق۔

رَجاء[1] کا بیان

رَجاء کا تَصَوُّر و شُعُور دو وجہ سے ضروری ہے:

ایک تو اس لیے کہ طاعات اور نیک کاموں کا جذبہ پیدا ہو، کیونکہ نیک عمل کی انجام دہی نَفْس پر گِراں[2] ہوتی ہے، شیطان بھی نیکی کی طرف رُخ نہیں کرنے دیتا اور نفسانی خواہشات بدی کی طرف کھینچتی ہیں اور انسان اہلِ غفلت کے حالات کا زیادہ اثر قبول کرتا ہے جو نیک کاموں کو بالکل ترک کر کے سراسر دنیا کی پَرِسْتِش میں مصروف ہیں، اور آخرت میں نیکیوں پر جو ثواب عطا ہو گا وہ اس وقت آنکھوں سے پوشیدہ ہے اور اس ثواب کو پالینے کا معاملہ بَعِید ہے، جب صورتِ حال یہ ہو تو نیک کاموں کی طرف نَفْس کا مُتَوَجِّہ ہونا اور پوری طرح راغِب ہونا اور حرکت کرنا ایک مشکل اَمر ہے تو ایسی شے کا ساتھ ہونا ضروری ہے جو ان مَوانِع[3] کا مقابلہ کر سکے، ان کی مُدَافَعَت[4] کر سکے، بلکہ نیکیوں سے روکنے والی چیزوں کی نسبت نیکیوں کی طرف راغب کرنے والی چیز کی قوت زیادہ ہونی چاہیے اور وہ شے رَجاء ہے یعنی رحمتِ خداوندی کی قوی اُمید، حُسنِ ثواب[5] کی طرف پوری رَغْبَت اور اَجرِ الٰہی کا پورا یقین۔

---

1 ...... اُمید۔ 2 ...... بھاری۔ 3 ...... رُکاوٹوں۔ 4 ...... دِفاع۔ 5 ...... بہترین اجر۔

ہمارے پیر و مُرشِد رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ نے فرمایا:

”اَلْحُزْنُ یَمْنَعُ عَنِ الطَّعَامِ وَ الْخَوفُ یَمْنَعُ عَنِ الذُّنُوبِ وَ الرَّجَاءُ یُقَوِّیْ عَلَی الطَّاعَاتِ وَ ذِکْرُ الْمَوْتِ یُزَھِّدُ فِی الْفُضُوْلِ“ غم وفکر کھانے کی رغبت ختم کر دیتا ہے، خوفِ الٰہی گناہوں سے روک دیتا ہے اور رحمتِ خداوندی کی اُمید نیک کاموں کی رغبت پیدا کرتی ہے اور موت کی یاد فُضول اور لغو کاموں سے مُتَنَفِّر[1] کر دیتی ہے۔

دوسرے اس لیے رَجاء ضروری ہے کہ اس سے عبادت کی مَشَقَّت اور صُعُوبَت[2] آسان ہو جاتی ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ جو شخص اپنی مَطلُوبہ شے کی اہمیت و ضرورت پہچان لیتا ہے اس پر اس شے کے حُصُول کے لیے اپنی ہر چیز قربان کر دینا آسان ہو جاتا ہے، اور جسے کوئی چیز پسند آ جاتی ہے اور دل و جان سے اس کی چاہت و رغبت رکھتا ہے وہ اس کی شدت و مَشَقَّت کو برداشت کر لیتا ہے۔

اور اس کے حصول میں جو محنت و مَشَقَّت اسے اُٹھانی پڑتی ہے وہ اس کی پرواہ نہیں کرتا اور جسے کسی چیز سے پورے طور پر پیار ہو جاتا ہے تو وہ اس کے لیے ہر مشکل و دشواری برداشت کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے بلکہ اپنی محبوب شے کی خاطر مشکلات و تکالیف برداشت کرنے میں کئی طرح کی لذت و فرحت محسوس کرتا ہے، تم دیکھتے نہیں کہ شہد فروخت کرنے والا نَفْع کی خاطر مکھیوں کے ڈسنے کی تکلیف کو محسوس نہیں کرتا اور مزدور انسان گرمیوں کے لمبے لمبے دنوں میں کڑاکے کی دھوپ کے اندر سارا سارا دن دو دِرْہم کی خاطر بھاری بوجھ سر پر اُٹھا کر بڑی اونچی اونچی سیڑھیوں

1 ......نفرت کرنے والا۔ 2 ......مشکل۔

پر چڑھتا رہتا ہے اسی طرح کسان اناج کمانے کی خاطر گرمی اور سردی کی تکلیف اور سارا سال مَشَقَّت ومحنت اُٹھانے کو آسان جانتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالٰی کے ان صاحبِ کوشش بندوں نے جب جنت میں حاصل ہونے والے آرام وآسائش، کھانے پینے، حُوْر وقُصُور [1]، خوشنما زیور ولباس اور اللہ تعالٰی کی ان تمام بیان کردہ نعمتوں پر یقین کیا اور ان کی یاد ذہن میں رکھی تو ان پر حق تعالٰی کی عبادت وطاعت میں پیش آنے والی مَشَقَّتیں آسان ہو گئیں اور دنیا کی لذتیں اور نعمتیں فوت ہو جانے پر انہیں رَنْج اور کوفت محسوس نہ ہوئی اور جنّت کی خاطر دنیا میں ہر طرح کے ضَرَر [2]، خَسْتہ حالی، بے چینی اور مَشَقَّت کو انہوں نے خوشی خوشی برداشت کیا۔

حکایت

حضرت سُفیان ثَوری رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ کے ساتھیوں نے آپ کے خوفِ الٰہی، عبادت میں انتہا درجے کی کوشش ومحنت اور آخرت کے ڈر کی وجہ سے آپ کی پریشان حالی کو دیکھ کر عرض کیا: ''اے استاذِ محترم! آپ اس سے کم دَرَجے کی کوشش کے ذریعہ بھی اِنْ شَآءَ اللہ تعالٰی اپنی مراد پالیں گے۔'' آپ (رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) نے جواب دیا:

''میں کیوں کوشش نہ کروں حالانکہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ اہلِ جنت اپنے مَنازِل ومکانات میں تشریف فرما ہوں گے کہ اچانک ان پر نور کی ایک تجلی پڑے

1 ...... محلات۔ 2 ...... نقصان۔

گی جس سے آٹھوں جنتیں جگمگا اُٹھیں گی، جنتی گمان کریں گے یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا نور ہے تو سجدے میں گر پڑیں گے انہیں ندا ہوگی اپنے سر سجدے سے اُٹھالو، یہ وہ نہیں ہے جس کا تمہیں گمان ہوا ہے یہ تو جنتی عورت کے تَبَسُّم [1] کا نور ہے جو اس نے اپنے خاوند کے سامنے کیا ہے۔''

پھر حضرت سفیان ثوری رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه نے یہ اَشعار پڑھے:

مَا ضَرَّ مَنْ كَانَتِ الْفِرْدَوْسُ مَسْكَنَهُ مَاذَا تَحَمَّلَ مِنْ بُؤْسٍ وَّ اِقْتَارِ

تَرَاهُ يَمْشِيْ كَئِيْبًا خَائِفًا وَجِلًا اِلَى الْمَسَاجِدِ يَمْشِيْ بَيْنَ اَطْمَارِ

يَا نَفْسُ مَالَكِ مِنْ صَبْرٍ عَلٰى لَهَبٍ قَدْ حَانَ اَنْ تُقْبِلِيْ مِنْ بَعْدِ اِدْبَارِ

ترجمہ: (۱) مَشَقَّت وتنگدستی برداشت کرنا اسے کوئی مُضِر ونقصان دہ نہیں جس کا مَسْکَن [2] اور جائے قرار [3] جنّتِ فردوس ہے۔

(۲) ایسا شخص دنیا میں غمناک، خائف اور آخرت میں پیش آنے والے معاملے سے ڈرتا رہتا ہے، عِجز ومَسْکَنَت [4] کا لباس زیب تن کیے ادائے نماز کے لیے مسجد کی طرف اس کی آمد ورفت جاری رہتی ہے۔

(۳) اے نَفْس! تجھے آتشِ دوزخ کے شعلے برداشت کرنے کی ہمت نہیں ہے اور اَعمال بد کی وجہ سے قریب ہے کہ بعد اَز صد ذِلَّت وخواری [5] تجھے وہ عذاب برداشت کرنا پڑے۔

میں کہتا ہوں جب مَدارِ عُبُوْدِیَّت [6] دو چیزوں پر ہے: ایک طاعت کی بجا آوری، دوم گناہ اور مَعْصِیَت سے اِجْتناب، اور مقصد اس نَفْسِ اَمّارہ کی موجودگی

---

❶ مسکرانے۔ ❷ ٹھکانہ۔ ❸ رہنے کی جگہ۔ ❹ عاجزی۔ ❺ بہت زیادہ رُسوائی کے بعد۔ ❻ بندگی کی بنیاد۔

میں صرف اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب اسے تَرغیب وتَرہیب [1] اور اُمید و خوف کے ذریعے اس طرف مُتَوَجِّہ رکھا جائے کیونکہ سَرکش حیوان اسی وقت قابو میں رہتا ہے جب ایک آگے سے کھینچنے والا ہو اور ایک پیچھے سے ہانکنے والا ہو، یہ حیوان جب اپنی پسند کا چارہ چرنے لگتا ہے اور تو اسے ایک ڈنڈا رسید کرتا ہے اور روکتا ہے اتنے میں دوسری جانب سبز چارہ نظر آتا ہے تو وہ ادھر مُتَوَجِّہ ہوجاتا ہے یہاں تک کہ تو پوری ہوشیاری اور احتیاط سے اسے روکتا ہے تب جا کر وہ رُکتا ہے اور سَرکش بچہ تعلیم کی طرف صرف اس صورت میں توجہ کرتا ہے کہ اس کے والدین اسے کئی طرح کا لالچ دیں اور مُعَلِّم [2] اپنے رُعب اور دبدبے کے نیچے رکھے۔

بِعَینِہٖ یہی حالت اس نَفْسِ اَمّارہ کی ہے یہ بھی ایک سَرکش حیوان ہے جو اپنی شہوات کی چراگاہ میں رہنے کا سخت مُشتاق [3] ہے، خوف اس کے لیے ڈنڈا اور ہانکنے والے کا کام دیتا ہے اور اُمیدِ ثواب ونجات اس کے لیے سبز جَو ہیں جس سے اِطاعت کی طرف راغب ہوتا ہے نیز یہ نَفْسِ اَمّارہ سَرکش بچے کی مانند ہے جسے عبادت وتقویٰ کی کتاب پڑھانی مقصود ہے، آتَشِ دوزخ اور عذاب کا ذکر تو اس میں ڈر پیدا کرتا ہے اور جنت اور ثوابِ اَعمال اس میں اُمید ورغبت پیدا کرتے ہیں ٹھیک اسی طرح رِیاضت وعبادت کے لیے ضروری ہے کہ نَفْس میں خوف ورَجاء کا شُعُور پیدا کرے ورنہ یہ اُمید نہیں کی جاسکتی کہ یہ نَفْس تقویٰ وعبادت کی کتاب پڑھنے پر آمادہ ہوجائے اور تم سے مُوافقت اختیار کرلے، طالبِ عبادت میں یہی شُعُور پیدا کرنے کے لیے قرآن مجید میں بار بار اور مُبالغے کی حد تک وَعْدہ، وَعِید

---

1 ...... رغبت دِلانے اور ڈرانے۔ 2 ...... استاد۔ 3 ...... بہت زیادہ چاہنے والا۔

اور تَرغیب وتَرہیب کا ذکر کیا گیا ہے، ثواب کا اس پیرایہ میں ذکر کیا کہ خواہ مخواہ کشش پیدا ہوتی ہے اور عذابِ اَلیم [1] کا اس تفصیل سے ذکر کیا کہ اس کے برداشت کی انسان میں طاقت اور ہمت نہیں، لہٰذا تم پر ضرور ہے کہ خوف ورَجاء کو پیشِ نظر رکھو، تاکہ عبادت کی بجا آوری کی مراد حاصل ہو سکے اور اس راہ میں مَشَقَّت وتکلیف برداشت کرنے میں آسانی ہو۔

وَاللّٰہُ تَعَالٰی وَلِیُّ التَّوۡفِیۡقِ بِفَضۡلِہٖ وَ رَحۡمَتِہٖ۔

سوال: خوف ورَجاء کی حقیقت وماہِیَّت [2] اور ان کا حکم ونتیجہ کیا ہے؟

جواب: خوف ورَجاء ہمارے علماءِ اہلِ سنت کے نزدیک قَبِیۡلۂ خَواطِر [3] میں سے ہیں، بندے کی قدرت میں صرف یہی ہے کہ وہ خوف ورَجاء کے مُقَدَّمات [4] کو عمل میں لائے چنانچہ خوف کی تعریف یہ کی گئی ہے:

"اَلۡخَوۡفُ رِعۡدَۃٌ تَحۡدُثُ فِی الۡقَلۡبِ عَنۡ ظَنِّ مَکۡرُوۡہٍ یَّنَالُہٗ" خوف اس ڈر اور لرزے کا نام ہے جو کسی بُری چیز کے پہنچنے کے گمان سے دل میں پیدا ہوتا ہے۔

خَشِیَّت بھی خوف جیسی کیفیت کا نام ہے لیکن خَشِیَّت کے مفہوم میں جس سے خوف ہوتا ہے اس کی ہیبت اور عظمت کا تصور بھی شامل ہے، خوف کے مقابل جُرْأَت ہے، بعض دفعہ خوف کے مقابلے میں امن بھی آتا ہے، جیسے کہتے ہیں کہ "خَائِفٌ وَ اٰمِنٌ" یعنی خوف وامن کیونکہ آمِن یعنی بے خوف وہ شخص ہوتا ہے جو اللّٰہ تعالیٰ کے اَحکام کے متعلق لاپرواہی اور بے باکی کا مظاہرہ کرے لیکن حقِیقَۃً خوف کے

1 ......دردناک عذاب۔ 2 ......اصل کیفیت۔ 3 ......دل میں آنے والے خیالات کی اقسام۔
4 ......ان کی طرف لے جانے والی چیزوں۔

مقابل جُرأت ہی ہے۔

اپنے اندر خوف پیدا کرنے کے چار مُقدَّمات اور اَسباب ہیں:

﴿۱﴾ اپنے گزشتہ گناہوں کو یاد کرنا۔

﴿۲﴾ اللہ تعالیٰ کی اس شدت وسختی کو یاد کرنا جسے برداشت کرنے کی تم میں سکت نہیں۔

﴿۳﴾ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے آگے اپنے ضُعف وناتوانی اور اپنی کمزوری کو یاد کرنا۔

﴿۴﴾ اللہ تعالیٰ کی قدرت وطاقت کو یاد رکھنا کہ وہ جب چاہے، جیسے چاہے گرفت کرسکتا ہے۔

رَجاء کی تعریف یہ کی گئی ہے:

هُوَ اِبْتِهَاجُ الْقَلْبِ بِمَعْرِفَةِ فَضْلِ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَ اسْتِرْوَاحُهٗ اِلٰى سَعَةِ رَحْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى. یعنی اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کو پہچان کر دل میں خوشی محسوس کرنا اور اس کی رحمت کے دامن میں راحت حاصل کرنے کا تصور۔

رَجاء کا یہ مفہوم ومعنٰی خَواطِر میں سے ہے اور بندے کی قدرت سے باہر ہے ہاں رَجاء بایں معنٰی [1]:

"هُوَ تَذَكُّرُ فَضْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَسَعَةِ رَحْمَتِهٖ" اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی وسعتِ رحمت کو یاد کرنا، بندے کی قدرت میں ہے۔

خَطرَات و حَوادِث کے متعلق یہ ارادہ اور عقیدہ رکھنا کہ بے مَشِیَّتِ الٰہی

1 ......اس معنٰی کے اعتبار سے۔

ان سے ضَرَر ونقصان نہیں پہنچ سکتا اس کو رَجاء کہا گیا ہے، رَجاء کے اس بیان میں ہمارے نزدیک پہلا معنٰی مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت کو یاد کرکے مسرت وراحت محسوس کرنا۔

رَجاء کی ضد ''یَاس'' (نا اُمیدی) ہے، نا اُمیدی اور یاس کی یہ تعریف کی گئی ہے:

''هُوَ تَذَكُّرُ فَوَاتِ رَحْمَةِ اللّٰهِ وَ فَضْلِهٖ وَ قَطْعُ الْقَلْبِ عَنْ ذٰلِكَ'' اس خیال کو کہ مجھے خدا کی رحمت اور اس کا فضل نہیں پہنچے گا، نیز دل کو رب تعالیٰ کے فضل ورحمت کی اُمید سے الگ کرلینے کو ''یَاس'' کہتے ہیں۔

اس طرح کی نا اُمیدی محض گناہ ہے اور جب رَجاء کا تصور پختہ کرنے کے بغیر نا اُمیدی اور یاس کا قَلع قَمع (1) کرنا دشوار ہو تو ایسی صورت میں رَجاء فرض ہے اور اگر ایسی صورتِ حال نہ ہو تو رَجاء نفل ہے، جب کہ اِجمالی طور پر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور وسعتِ رحمت کا عقیدہ دل میں مضبوط اور پختہ ہو۔

رَجاء چار چیزوں سے پیدا ہوتی ہے:

﴿۱﴾ بندے کی طرف سے بغیر کسی سفارِش کُنِندَہ (2) اور بغیر کسی رغبت وطلب کے بندے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیے گئے انعامات واِحسانات ِسابِقہ کو یاد کرنا۔

﴿۲﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنی شان رحیمی وکریمی کے مطابق عظیم عزتوں اور بڑے اجرو ثواب کے جو وعدے کیے ہیں ان کو ذہن میں رکھنا، اس اَجرو ثواب کو ذہن میں نہ رکھنا جس کے تم اپنے اَعمال کے عِوَض مُستَحِق ہو سکتے ہو، کیونکہ اجرو ثواب اگر بندے

(1)......ختم۔ (2)......سفارش کرنے والے۔

کے اَفعال واَعمال کی حیثیت کے مطابق ملے تو وہ بالکل قَلیل وحقیر ہوگا۔

﴿۳﴾ اِستِحقاق کے بغیر اور بے مانگے دین و دنیا کے ہر شعبے میں اللہ تعالیٰ جو مُختَلِفُ الْاَقْسَام[1] نعمتیں فِی الْحَال[2] عطا کررہا ہے ان کو یاد کرنا۔

﴿٤﴾ یہ تصور کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ومہربانی اس کے غضب اور اس کی گرفت پر غالب ہے، اور یہ تصور کہ خداوند قُدُّوس رحمٰن، رحیم، غنی، کریم اور اپنے بندے مومن پر نہایت مہربان[3] ہے، جب تم خوف واُمید دونوں کے مطابق تصورات وخیالات کو ذہن میں رکھو گے تو تم میں ہر وقت خوف ورَجاء کی کیفیات بیدار رہیں گی۔

وَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَلِیُّ التَّوْفِیْقِ بِمَنِّہٖ وَ فَضْلِہٖ۔

فصل

تو اے بندے! تجھ پر پوری احتیاط پورے دھیان اور پوری رِعایت کے ساتھ خوف ورَجاء کی اس گھاٹی کو طے کرنا ضروری ہے احتیاط کی اس لیے ضرورت ہے کہ یہ گھاٹی نہایت دُشوار گزار ہے اس میں طرح طرح کے خَطَرات ہیں، کیونکہ خوف ورَجاء کی اس گھاٹی کا راستہ دو مُہلِک اور خوفناک راستوں کے درمیان سے گُزرتا ہے، ایک تو اللہ تعالیٰ سے بالکل بے خوف ہوجانے کا راستہ اور دوسرا اس سے بالکل مایوس ہوجانے کا راستہ، ان دونوں ٹیڑھی راہوں کے درمیان خوف و رَجاء کا راستہ ہے، اگر رَجاء اس قدر غالب ہوگئی کہ خدا تعالیٰ کا خوف بالکل نہ رہا تو یہ بھی غلط راہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

---

❶ ...... مختلف قسموں کی۔ ❷ ...... موجودہ حالت میں۔ ❸ ...... یہاں سے لفظ ''شفیق'' کو حذف کرکے ''مہربان'' کردیا ہے کیونکہ اس نام کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے لئے منع ہے۔ (علمیہ)

فَلَا یَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ۠(۹۹) (1) اللہ تعالیٰ کی تدابیر گرفت سے صرف خسارہ اُٹھانے والے لوگ ہی بے خوف اور بے ڈر ہوتے ہیں۔

اور اگر خوف اس قدر غالب ہوا کہ دل سے اُمیدِ رحمت و بخشش کا نام ونشان مٹ گیا تو یہ نااُمیدی اور مایوسی کا راستہ ہے اور یہ بھی غلط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا یَایْــٴَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ(۸۷) (2) اللّٰہ تعالیٰ کی رحمت سے صرف وہی لوگ مایوس ہوتے ہیں جو کافر ہیں۔

لیکن اگر تم خوف ورَجاء کے درمیان چلے اور دونوں کا دامن پکڑا تو یہی وہ صِرَاطِ مُسْتَقِیْم (3) ہے جو اس کے اُن اَولیاء واَصْفِیاء کا راستہ ہے جن کی اس نے اپنی کتاب میں یوں صِفَت (4) فرمائی ہے:

اِنَّهُمْ كَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَ یَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًاؕ وَ كَانُوْا لَنَا خٰشِعِیْنَ(۹۰) (5) بے شک وہ نیک کاموں کی بجا آوری میں جلدی کرتے تھے اور خوف و ڈر کی حالت میں ہمیں پوجتے تھے اور ہمارے سامنے جھکے رہتے تھے۔

---

1 ...... ترجمۂ کنز الایمان: تو اللہ کی خفی تدبیر سے نڈر نہیں ہوتے مگر تباہی والے۔ (پ۹، الاعراف: ۹۹)

2 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اللہ کی رحمت سے نا اُمید نہیں ہوتے مگر کافر لوگ۔ (پ۱۳، یوسف: ۸۷)

3 ...... سیدھا راستہ۔ 4 ...... تعریف۔

5 ...... ترجمۂ کنز الایمان: بیشک وہ بھلے کاموں میں جلدی کرتے تھے اور ہمیں پکارتے تھے اُمید اور خوف سے اور ہمارے حضور گڑگڑاتے ہیں۔ (پ۱۷، الانبیاء: ۹۰)

جب تمہیں معلوم ہو گیا کہ اس گھاٹی میں تین مختلف راستے ہیں:

﴿۱﴾ راستہ امن و بے باکی (مکمل بے خوفی)۔

﴿۲﴾ نا اُمیدی اور مایوسی کا راستہ۔

﴿۳﴾ ان دونوں راہوں کے درمیان خوف و رَجاء کا راستہ۔

تو اگر تم ذرا بھی دائیں یا بائیں ہوئے تو دو مُہلِک راستوں میں جا پڑو گے اور ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہو جاؤ گے۔

پھر صورتِ حال یہ ہے کہ بے خوفی اور مایوسی کے دونوں راستے درمیانے راستے کی نسبت زیادہ کشادہ ہیں اور ان کی طرف بلانے والوں کی کثرت ہے، اور درمیانی راستے کی نسبت ان دو پر چلنا زیادہ سہل اور آسان ہے کیونکہ اگر تم جانبِ امن (بے خوفی) کی طرف نظر دوڑاؤ گے تو تمہیں اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت، اس کے بے پایاں فضل و کرم اور اس کی بخشش اور جُود کے وہ سمندر نظر آئیں گے کہ خوف وڈر کا شائبہ بھی دل میں باقی نہیں رہے گا، تو اللہ تعالیٰ کے فضل پر بھروسہ کر کے بے خوف ہو کر بیٹھ جاؤ گے۔

اور اگر جانبِ خوف کی طرف دیکھو گے تو تمہیں خدا تعالیٰ کی عظیم قدرت، غالب سِیاست[1]، کثرتِ ہیبت، معاملہ حساب و کتاب کی نزاکت، اپنے ولیوں اور بَرگُزِیدہ بندوں کی بطورِ عتاب گرفت کے وہ لرزہ خیز واقعات وحالات سامنے آئیں گے کہ رَجا باقی نہیں رہے گی، تو مایوسی اور نا اُمیدی کا شکار ہو جاؤ گے۔

لہٰذا ایسی صورتِ حال کے پیشِ نظر تم پر یہ بھی ضروری ہے کہ محض اللہ تعالیٰ کی

1 ...... حکمتِ عملی۔

وُسعتِ رحمت پرہی اِنْحِصَار نہ کرو تاکہ اس کی رحمت پر بھروسہ کرکے بالکل بے خوف نہ ہو جاؤ کہ یہ بھی غلط ہے اور نہ اس کی عظیم ہیبت اور آخرت میں سخت گھُود گُرِید[1] پر ہی نظر رکھو کیونکہ اس طرح تم قُنُوطِیَّت[2] اور مایوسی کا شکار ہو جاؤ گے بلکہ دونوں پہلوؤں کو پیش نظر رکھو، کچھ حصہ خوف کا لو اور کچھ رَجاء کا پھر ان دونوں کے کندھے پر سوار ہو کر اس باریک راہ پر چلو تاکہ بھٹکنے سے محفوظ رہو، کیونکہ صرف رَجاء کا راستہ بہت آسان اور سہل ہے اور بڑا وسیع اور کشادہ ہے لیکن اس کی منزل اور اِنتہا عذابِ خدا سے بالکل بے خوفی اور خسارہ ہے، اسی طرح صرف خوف کا راستہ بھی اگرچہ بڑا وسیع و عریض ہے لیکن اس کا انجام ضَلالت و گمراہی ہے، اور اِعْتِدَال کا راستہ خوف اور رَجاء کے درمیان ہے اور یہ درمیانی راستہ اگرچہ دُشوار گزار ہے لیکن ہر خطرہ سے محفوظ اور بالکل واضح اور صاف ہے۔ جو غُفْرَان[3] اور اِحسان اور جنّت و رِضوان اور لِقاءِ الٰہی[4] تک لے جاتا ہے، کیا تم نے خوف و رَجاء کے راستہ پر چلنے والوں کے متعلق خدا تعالیٰ کا یہ ارشاد مبارک نہیں سُنا؟

یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۫[5] وہ اپنے پروردگار کو خوف و اُمید کی حالت میں پکارتے ہیں۔

پھر ان کی جزا کے متعلق فرمایا:

---

1 ...... چھان بین۔ 2 ...... نا اُمیدی۔ 3 ...... مغفرت۔ 4 ...... قُربِ الٰہی۔

5 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اپنے رب کو پکارتے ہیں ڈرتے اور اُمید کرتے۔ (پ ۲۱، السجدة: ۱۶)

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾ [1]

کوئی انسان نہیں جان سکتا آنکھوں کی اُس ٹھنڈک کو جو خوف ورجا کی راہ پر چلنے والوں کے لیے ان کی جزا کے طور پر (آخرت میں) پوشیدہ رکھی ہوئی ہے۔

اس جملہ قرآنی پر پوری طرح غور کرو پھر اس راہ پر چلنے کے لیے پوری طرح مُسْتَعِد [2] اور بیدار ہو جاؤ کیونکہ خوف ورَجاء کا مقام حاصل کرنا آسان نہیں، پھر یہ معلوم ہونا بھی ضروری ہے کہ اس راہ پر چلنا اور سُست اور سرکش نَفْس کو اس کی محبوب چیزوں سے ہٹا کر طاعات اور اَعمالِ صَالِحہ میں لگانا جو اسے بڑا ناگوار ہے، اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک تین اُصول ذہن میں نہ رکھے جائیں اور جب تک غفلت اور سستی کے بغیر لگاتار دَائِماً [3] ان اُصولوں کی حفاظت و نگہداشت نہ کی جائے، وہ تین اُصول یہ ہیں:

﴿۱﴾ تَرغیب وتَرہیب کے متعلق خدا تعالیٰ کے ارشادات۔

﴿۲﴾ گرفت یا معاف کرنے کے متعلق اللہ تعالیٰ کا دَستُور۔

﴿۳﴾ آخرت میں نیک لوگوں کے ثواب اور بُرے لوگوں کے سزا وعذاب کو یاد رکھنا۔

ان تین اُصولوں کی کَمَا حَقُّهٗ تفصیل کے لیے تو دفتر درکار ہیں ہم نے اس باب میں ایک مستقل کتاب "تَنْبِیْهُ الْغَافِلِیْن" تصنیف کی ہے اور اس مختصر کتاب

---

1 ...... ترجمۂ کنز الایمان: تو کسی جی کو نہیں معلوم جو آنکھ کی ٹھنڈک ان کے لیے چھپا رکھی ہے صِلہ ان کے کاموں کا۔ (پ ۲۱، السجدۃ: ۱۷)

2 ...... تیار۔ 3 ...... ہمیشہ۔

میں ہم صرف ان کلمات کی طرف اشارہ کرتے ہیں جن کو ذہن نشین کر لینے کے بعد مقصود سے اِنْ شَآءَ اللّٰہ تعالیٰ واقِف ہو جاؤ گے۔ وَ اللّٰہُ وَلِیُّ التَّوفِیق۔

اَصْلِ اوّل

تَرغیب وتَرہیب کے متعلق خدا تعالیٰ کے اِرشادات

اے برادرِ عزیز! تجھے ان آیات میں ضرور تَدَبُّر اور غور کرنا چاہیے جن میں خدا تعالیٰ نے تَرغیب وتَرہیب اور خوف ورَجاء کا ذکر فرمایا ہے، چنانچہ رَجا کے متعلق قرآن مجید میں فرمایا:

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ (1) — اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا امید نہ ہو بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہ بخش دے گا۔

وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۫ (2) — اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون گناہ بخشنے والا ہے؟

غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ (3) — اللہ تعالیٰ گناہ بخشتا ہے اور توبہ قبول کرتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ (4) — وہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور ان کی غلطیاں معاف کرتا ہے۔

---

1 ......ترجمۂ کنز الایمان: اللہ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہو بے شک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے۔ (پ ۲۴، الزمر: ۵۳)

2 ......ترجمۂ کنز الایمان: اور گناہ کون بخشے سوا اللہ کے۔ (پ ۴، ال عمرٰن: ۱۳۵)

3 ......ترجمۂ کنز الایمان: گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا۔ (پ ۲۴، المؤمن: ۳)

4 ......ترجمۂ کنز الایمان: اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا اور گناہوں سے در گزر فرماتا ہے۔ (پ ۲۵، الشورٰی: ۲۵)

كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ[1] تمہارے پروردگار نے رحمت وبخشش اپنے ذمّے لے رکھی ہے۔

وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ[2] میری رحمت ہر شے کو وسیع ہے میں عنقریب اپنی رحمت ان لوگوں کیلئے مخصوص کردوں گا جو متّقی ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۴۳[3] بیشک اللّٰہ تعالیٰ لوگوں پر نہایت مہربان رحم والا[4] ہے۔

وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ۝۴۳[5] وہ مومنوں پر مہربان ہے۔

ان مذکورہ آیات اور اس طرح کی دیگر بہت سی آیات میں رَجاء کا بیان ہے۔

خوف اور ہیبت کی آیات

يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ۝۱۶[6] اے میرے بندو، مجھ سے ڈرو۔

1 ...... ترجمۂ کنز الایمان: تمھارے رب نے اپنے ذِمّۂ کرم پر رحمت لازم کرلی ہے۔(پ۷،الانعام:۵۴)

2 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہے تو عنقریب میں نعمتوں کو ان کے لئے لکھ دوں گا جو ڈرتے ہیں۔ (پ۹،الاعراف:۱۵۶)

3 ...... ترجمۂ کنز الایمان: بیشک اللّٰہ آدمیوں پر بہت مہربان مہر(رحم) والا ہے۔ (پ۲،البقرۃ:۱۴۳)

4 ...... یہاں سے لفظ "شفیق" کو حذف کرکے "نہایت مہربان رحم والا" کردیا ہے کیونکہ اس نام کا اطلاق اللّٰہ تعالیٰ کیلئے منع ہے۔(علمیہ)

5 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اور وہ مسلمانوں پر مہربان ہے۔ (پ۲۲،الاحزاب:۴۳)

6 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اے میرے بندو تم مجھ سے ڈرو۔ (پ۲۳،الزمر:۱۶)

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾ (1)

کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ ہم نے تم کو بے کار پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے۔

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ سُدًى ﴿۳۶﴾ (2)

کیا انسان یہ گمان کیے بیٹھا ہے کہ اس کی باز پرس نہیں ہو گی؟

لَیْسَ بِاَمَانِیِّكُمْ وَ لَاۤ اَمَانِیِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ (3)

آخرت میں نجات کا معاملہ تمہاری اور اہلِ کتاب کی اُمیدوں کے ماتحت نہیں۔

مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِهٖ وَ لَا یَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّ لَا نَصِیْرًا ﴿۱۲۳﴾ (4)

جو شخص بھی بُرائی کرے گا تو اس کا بدلہ پائے گا اور اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حمایتی اور مددگار نہیں ملے گا۔

---

1 ......ترجمۂ کنز الایمان: تو کیا یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تمہیں بیکار بنایا اور تمہیں ہماری طرف پھرنا نہیں۔ (پ۱۸، المؤمنون: ۱۱۵)

2 ......ترجمۂ کنز الایمان: کیا آدمی اس گھمنڈ میں ہے کہ آزاد چھوڑ دیا جائے گا۔ (پ۲۹، القیامۃ: ۳۶)

3 ......ترجمۂ کنز الایمان: کام نہ کچھ تمہارے خیالوں پر ہے اور نہ کتاب والوں کی ہوس پر۔ (پ۵، النساء: ۱۲۳)

4 ......ترجمۂ کنز الایمان: جو بُرائی کرے گا اس کا بدلہ پائے گا اور اللہ کے سوا نہ کوئی اپنا حمایتی پائے گا نہ مددگار۔ (پ۵، النساء: ۱۲۳)

وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾ (1)

اوران کا گمان یہ ہے کہ وہ بہت ہی اچھے کام کررہے ہیں۔

وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴿۴۷﴾ (2)

اوران کے سامنے اللہ کی طرف سے عذاب کا وہ نمونہ ظاہر ہوگا جس کا ان کو وہم وگمان بھی نہ تھا۔

وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ (3)

قیامت میں ہم ان کے اَعمال کی طرف آئیں گے تو انہیں قبول کرنے کے بجائے ذرات بنا کر اُڑا دیں گے اور بالکل نیست ونابود کر دیں گے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے دامنِ رحمت میں جگہ دے اور بداَعمالیوں سے بچائے۔

1......ترجمۂ کنز الایمان: اور وہ اس خیال میں ہیں کہ ہم اچھا کام کررہے ہیں۔ (پ۱۶،الکھف:۱۰۴)

2......ترجمۂ کنز الایمان: اورانہیں اللہ کی طرف سے وہ بات ظاہر ہوئی جو ان کے خیال میں نہ تھی۔ (پ۲۴،الزمر:۴۷)

3......ترجمۂ کنز الایمان: اور جو کچھ انہوں نے کام کئے تھے ہم نے قصد فرما کر انہیں باریک باریک غُبار کے بکھرے ہوئے ذرّے کردیا کہ رَوْزَن (روشن دان) کی دھوپ میں نظر آتے ہیں۔ (پ۱۹،الفرقان:۲۳)

چند وہ آیاتِ مبارکہ جن میں خوف ورَجاء دونوں کا بیان ہے:

نَبِّیٔۡ عِبَادِیۡۤ اَنِّیۡۤ اَنَا الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ﴿۴۹﴾ (1) میرے بندوں کو بتادو کہ میں ہی غفور ورحیم ہوں۔

اس کے مُتَّصِل بعد فرمایا:

وَ اَنَّ عَذَابِیۡ ہُوَ الۡعَذَابُ الۡاَلِیۡمُ ﴿۵۰﴾ (2) بیشک میرا عذاب بڑا سخت عذاب ہے۔

عذاب کا ذکر ساتھ ہی اس لیے فرمایا تاکہ بندے پر صرف رَجاء کا ہی غلبہ نہ ہوجائے، اسی طرح قرآن مجید میں ایک جگہ جہاں یہ فرمایا:

شَدِیۡدِ الۡعِقَابِ ۙ (3) وہ سخت گرفت کرے گا۔

وہاں اس کے مُتَّصِل بعد یہ بھی فرمایا:

ذِی الطَّوۡلِ ؕ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ؕ (4) وہ بڑا زور آور ہے اس کے سوا کوئی ہستی لائقِ عبادت نہیں۔

تاکہ بالکل خوف کا غلبہ ہی نہ ہوجائے، اس سلسلے میں اللہ سُبۡحَانَہٗ وَ تَعَالٰی کا عجیب ترین قول یہ ہے کہ پہلے فرمایا:

وَ یُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفۡسَہٗ ؕ (5) اللہ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے۔

پھر اس کے ساتھ ہی فرمادیا:

---

1 ...... ترجمۂ کنز الایمان: خبر دو میرے بندوں کو کہ بیشک میں ہی ہوں بخشنے والا مہربان۔ (پ ۱۴، الحجر: ۴۹)

2 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اور میرا ہی عذاب دردناک عذاب ہے۔ (پ ۱۴، الحجر: ۵۰)

3 ...... ترجمۂ کنز الایمان: سخت عذاب کرنے والا۔ (پ ۲۴، المؤمن: ۳)

4 ...... ترجمۂ کنز الایمان: بڑے انعام والا اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ (پ ۲۴، المؤمن: ۳)

5 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اور اللہ تمہیں اپنے عذاب سے ڈراتا ہے۔ (پ ۳، ال عمرٰن: ۳۰)

وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ (1) اور اللہ بندوں پر (2) مہربان بھی ہے۔

اور اس سے بھی عجیب تر یہ قول ہے:

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ (3) جو شخص رحمٰن کو بے دیکھے اس سے ڈرتا رہا۔

کہ خَشِیَّت کے ساتھ اپنا ذکر اِسمِ جَبَّار یا مُنْتَقِم یا مُتَکَبِّر سے نہ کیا جو خَشِیَّت کے لحاظ سے موقع کے مناسب تھا بلکہ خَشِیَّت کو رحمٰن سے مُعَلَّق فرمایا تاکہ خَشِیَّت اور رحمت کا ذکر ہو جائے کہ دل صرف ذکر خَشِیَّت سے فنا ہی نہ ہو جائے، لہٰذا ڈرانے کے ساتھ ساتھ امن دینے کا تذکرہ کیا اور تحریک کے ساتھ ساتھ تسکین کا ذکر بھی کر دیا۔

اس آیت کے مضمون کی مثال یوں ہے کہ تم کسی کو کہو: ''تم اپنی مہربان ماں سے کیوں نہیں ڈرتے۔'' یا ''تم اپنے مُشْفِق باپ سے کیوں خوف نہیں کھاتے'' یا ''تم رحم دل حاکم سے کیوں نہیں ڈرتے۔

اس قسم کی گفتگو سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ خوف و امن کا درمیانی راستہ اختیار کرنا چاہیے اور بالکل مایوسی یا بالکل بے خوفی سے دور رہنا چاہیے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت و کرم سے ہمیں اور تمہیں اس ذکر حکیم میں تَدَبُّر (4) اور اس پر عمل کرنے والوں سے کرے، بے شک وہ بڑا جواد (5) اور کریم ہے۔ وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْم۔

---

1 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اور اللہ بندوں پر مہربان ہے۔ (پ ۳، اٰل عمرٰن: ۳۰)

2 ...... یہاں سے لفظ ''شفیق'' کو حذف کر دیا ہے کیونکہ اس نام کا اطلاق اللہ تعالیٰ کیلئے منع ہے۔ (علمیہ)

3 ...... ترجمۂ کنز الایمان: جو رحمٰن سے بے دیکھے ڈرتا ہے۔ (پ ۲۶، ق: ۳۳)

4 ...... غور و فکر۔

5 ...... یہاں سے لفظ ''سخی'' کو حذف کر دیا ہے کیونکہ باری تعالیٰ کے لئے لفظ ''سخی'' استعمال کرنے کو ''فتاویٰ رضویہ، جلد 27، صفحہ 165 پر منع کیا گیا ہے۔ (علمیہ)

دوسری اصل:

اللہ تعالٰی کے اَفعال ومُعامَلات کے بیان میں

اے عزیز! مندرجہ ذیل واقعات کامُطالَعہ خوف پیدا کرنے کے لیے کافی ہے:

﴿۱﴾ اِبلیس نے اللہ تعالٰی کی اسّی ہزار برس عبادت کی اور ایک قدم کی مقدار بھی اس نے ایسی جگہ باقی نہ چھوڑی جس پر اس نے سجدہ نہ کیا ہو، پھر اس نے صرف ایک حکم کی نافرمانی کی تو اس کو اپنی درگاہ سے مردود کردیا اور اس کی اسّی ہزار برس کی عبادت اس کے منہ پر ماردی اور قیامت تک اس کے گلے میں طوقِ لعنت [1] ڈال دیا اور اس کے لیے اَبَدُ الآباد [2] تک عذابِ اَلِیم میں جلنا مقرر کردیا۔ حضور نبی کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم سے مروی ہے:

آپ (صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) نے جبرئیل عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام کو دیکھا کہ ابلیس کے حال سے عِبْرت گیر ہوکر [3] کعبہ شریف کے پردہ سے لپٹ کر نہایت گریہ وزاری کے ساتھ اللہ تعالٰی کے حضور میں یہ دعا کررہے ہیں:

اِلٰھِیْ وَ سَیِّدِیْ لَا تُغَیِّرْ اِسْمِیْ وَ لَا تُبَدِّلْ جِسْمِیْ۔ اے میرے اِلٰہ! اور اے میرے مالِک! کہیں میرا نام نیکوں کی لسٹ سے مٹا کر بدوں کی لسٹ میں نہ کردینا اور کہیں میرا جسم اَہلِ عطا کے زُمْرہ سے نکال کر اَہلِ عِقاب [4] کے گروہ میں نہ کردینا۔

﴿۲﴾ سَیِّدُنا حضرت آدم عَلٰی نَبِیِّنَا وَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام خدا تعالٰی کے وہ بَرگُزیدہ

---

1 ......لعنت کا پھندا۔ 2 ......ہمیشہ ہمیشہ۔ 3 ......عبرت حاصل کرتے ہوئے۔ 4 ......عذاب والوں۔

نبی ہیں جنکو اللہ نے براہِ راست اپنے دستِ قدرت سے بنایا پھر انکا اِعزاز ظاہر کرنے کیلئے اپنے تمام ملائکہ کو انہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا پھر انکو ملائکہ کی گردنوں پر اُٹھا کر اپنے جوارِ رحمت [1] میں اپنی وسیع اور آرام دہ جنت میں جگہ عطا کی پھر صرف ایک دانہ چکھنے سے ان سے وہاں رہنے کی نعمت چھین لی اور اللہ تعالیٰ کیطرف سے آواز آئی:

"اَلَا لَا یُجَاوِرُنِیْ مَنْ عَصَانِیْ" سُن لے! وہ شخص میرے جوارِ رحمت [2] میں رہنے کے لائق نہیں جو میری نافرمانی کا مرتکب ہوا ہے۔

اور جو ملائکہ آپ (عَلَیْہِ السَّلَام) کو نوری تخت پر بٹھا کر جنت میں لائے تھے انہی کو حکم دیا کہ آدم (عَلَیْہِ السَّلَام) کو اوپر کے آسمان سے نیچے کے آسمان کی طرف اُتار دو [3] اور اسی طرح ان کو زمین پر لے جاؤ یہاں تک کہ انہی ملائکہ نے آپ (عَلَیْہِ السَّلَام) کو زمین پر پہنچا دیا [4]، پھر آپ (عَلَیْہِ السَّلَام) کی توبہ قبول نہیں ہوتی تھی، یہاں تک کہ آپ (عَلَیْہِ السَّلَام) مسلسل دو سو برس روتے رہے اور اس سلسلے میں آپ (عَلَیْہِ السَّلَام) کو بے انتہاء مَشَقَّت اور تکلیف جھیلنی پڑی پھر اس مَشقت اور رَنج کے اثرات آپ (عَلَیْہِ السَّلَام) کی اولاد میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے باقی رہ گئے۔

﴿۳﴾ حضرت نوح عَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَاءِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام جو شَیْخُ الْاَنْبِیَاء ہیں، آپ (عَلَیْہِ السَّلَام) نے اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ کے سلسلے میں کس قدر شدید مَشَقَّتیں اور تکالیف برداشت کیں، آپ (عَلَیْہِ السَّلَام) کے منہ سے جب صرف ایک کلمہ اللہ تعالیٰ کی مَشِیَّت کے خلاف نکلا، تو خدا تعالیٰ نے فوراً فرمایا:

---

1 ...... یہاں لفظ "پڑوس" کو "جوارِ رحمت" سے بدل دیا ہے۔ (علمیہ) 2 ...... حاشیہ ایک ہی ملاحظہ کیجئے۔ (علمیہ) 3 ...... یہاں حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام کیلئے "دھکیل دو" کا جملہ تحریر تھا جو کہ شانِ نُبُوَّت کے لائق نہیں لہٰذا اسے "اتار دو" سے تبدیل کر دیا ہے۔ (علمیہ) 4 ...... یہاں حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام کیلئے "لا ڈالا" کا جملہ تحریر تھا جو کہ شانِ نُبُوَّت کے لائق نہیں لہٰذا اسے "پہنچا دیا" سے تبدیل کر دیا ہے۔ (علمیہ)

فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌؕ اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ(۴۶) (1)

آپ مجھ سے ایسی بات کی ہرگز درخواست نہ کریں جس کا آپ کو پتہ نہیں، میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ آپ نادان لوگوں میں سے نہ ہوں۔

رِوَایات میں آیا ہے کہ اس کے بعد شرم وحیا کے باعث چالیس سال آپ (عَلَیْہِ السَّلام) نے آسمان کی طرف سر اُٹھا کر نہ دیکھا۔

﴿٤﴾ پھر سَیِّدُ نا حضرت ابراہیم خلیلُ اللّٰہ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام سے صرف ایک نامناسب کَلِمَہ صادِر ہوا تو اس کے باعث آپ کو کس قدر خوف لاحق ہوا، اور کس قدر عِجز و تَضَرُّع (2) سے کام لیا، چنانچہ یوں کہا:

وَ الَّذِیْۤ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓــٴَـتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِؕ(۸۲) (3)

وہ ذات جس سے مجھے اُمید ہے کہ وہ میری خطا (4) بخش دے گا۔

---

1 ......ترجمۂ کنز الایمان: تو مجھ سے وہ بات نہ مانگ جس کا تجھے علم نہیں میں تجھے نصیحت فرماتا ہوں کہ نادان نہ بن۔ (پ ۱۲، ھود: ٤٦)

2 ......عاجزی وگریہ وزاری۔

3 ......ترجمۂ کنز الایمان: اور وہ جس کی مجھے آس لگی ہے کہ میری خطائیں قیامت کے دن بخشے گا۔ (پ ۱۹، الشعراء: ۸۲)

4 ......ایک قول یہ ہے کہ خطا سے مراد "اِنِّیْ سَقِیْمٌ ، بَلْ فَعَلَهٗ كَبِیْرُهُمْ، هٰذَا رَبِّیْ" اور بیوی کو "هِیَ اُخْتِیْ" کے الفاظ ہیں لیکن درحقیقت یہ الفاظ آپ نے توریے (("توریہ" یہ ہے کہ مُتَکَلِّم اپنے کلام کے ظاہری معنی کے برخلاف معنی مراد لے۔(التعریفات للجرجانی، ص ٥١۔)) اور تَعْرِیض ((تعریض یہ ہے کہ مخاطب (جس سے کلام کیا جا رہا ہے) کلام کو بغیر صراحت کے نہ سمجھ سکے۔(التعریفات للجرجانی، ص ٤٥۔)) کے طور پر کہے جو خطا میں داخل نہیں بلکہ جائز اور درست ہیں ان پر طلبِ مغفرت کی ضرورت نہیں اصل بات یہ ہے کہ انبیاء کرام (عَلَیْهِمُ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلام) کا اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرنا تعلیم اُمت اور تواضع و انکساری کے طور پر ہوتا ہے۔(مدارک، ج۳، ص۱۸۷، اسی آیت کے تحت) ((تفسیر المدارک، سورۃ الشعراء، تحت الآیۃ: ۸۲، ص ۸۲۳)) مترجم۔

رِوَایات میں یہاں تک آیا ہے کہ آپ (عَلَیْہِ السَّلام) اس قدر روئے تھے کہ اللہ تعالیٰ تسلی دینے کے لیے حضرت جبریل عَلَیْہِ السَّلام کو آپ کے پاس بھیجتا تھا۔ حضرت جبریل (عَلَیْہِ السَّلام) اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ پیغام لاتے تھے:

"یَا اِبْرَاهِیْمُ هَلْ رَاَیْتَ خَلِیْلًا یُعَذِّبُ خَلِیْلَهٗ بِالنَّار" اے ابراہیم! (عَلَیْہِ السَّلام) تو نے کبھی ایسا دوست دیکھا ہے جو اپنے دوست کو آگ کے عذاب میں ڈالے؟

لیکن حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلام حضرت جبریل (عَلَیْہِ السَّلام) کو جواب میں کہتے تھے:

"یَا جِبْرِیْلُ اِذَا ذَکَرْتُ خَطِیْئَتِیْ نَسِیْتُ خُلَّتَهٗ" اے جبریل! (عَلَیْہِ السَّلام) جب مجھے اپنی خطا یاد آتی ہے تو خوف کے باعث اللہ کے ساتھ رشتہ دوستی بھول جاتا ہے۔

﴿۵﴾ حضرت موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلام سے صرف اتنا ہوا کہ آپ (عَلَیْہِ السَّلام) نے تنبیہ کے طور پر ایک کافر قِبطی کو چپیڑ ماردی [1] لیکن اس فعل پر آپ (عَلَیْہِ السَّلام) کے دل میں خدا تعالیٰ کا کس قدر خوف وڈر پیدا ہوا اور آپ (عَلَیْہِ السَّلام) نے کس قدر گریہ وزاری اور اِستِغفار سے کام لیا، چنانچہ قرآن مجید میں وارِد ہے کہ آپ (عَلَیْہِ السَّلام) نے جنابِ خداوندی میں عرض کیا:

رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ [2] — اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا تو مجھے بخش دے۔

---

1 ...... تھپڑیا گھونسا مارا۔

2 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اے میرے رب میں نے اپنی جان پر زیادتی کی تو مجھے بخش دے۔ (پ ۲۰، القصص: ۱۶)

﴿٦﴾ حضرت موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام کے زمانہ کے ایک شخص بَلْعَم بِنْ بَاعُوْرَا کا واقعہ بھی یاد کرو۔

گمراہ ہونے سے پہلے اس کی حالت یہ تھی کہ جب وہ آسمان کی طرف دیکھتا تھا تو اس کی نظر عَرْشِ عظیم تک پہنچتی تھی، اللہ تعالیٰ نے درجِ ذیل آیت میں اسی کا تذکرہ کیا ہے:

وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْۤ اٰتَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا (1)	ان کو اس شخص کا واقعہ سناؤ جسے ہم نے اپنی آیات عطا کی تھیں تو وہ ان سے نکل گیا (ان کے خلاف چل پڑا)۔

اور یہ گمراہی وضلالت اس پر صرف اس وجہ سے مسلط ہوگئی کہ وہ دنیا اور اہلِ دنیا کی طرف جھک گیا اور صرف ایک موقع پر اللہ تعالیٰ کے دوستوں میں سے ایک دوست کی عزت وحُرمت قائم نہ رکھی تو اللہ تعالیٰ نے اس سے اپنی معرفت چھین لی اور اسے دُھتکارے ہوئے کتے کی طرح کردیا، چنانچہ اس کے متعلق قرآن مجید میں فرمایا:

---

1 ......ترجمۂ کنز الایمان: اور اے محبوب انہیں اس کا اَحوال سناؤ جسے ہم نے اپنی آیتیں دیں تو وہ ان سے صاف نکل گیا۔ (پ۹، الاعراف: ۱۷۵)

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ (1) تو اس کا حال کتے کی طرح ہو گیا کہ اگر تو اس پر حملہ آور ہو تو زبان نکال لے۔

تو صرف ایک بار اللہ تعالیٰ کے دوست کی بے ادبی کرنے اور ایک بار دنیا کی طرف جھکنے کی پاداش میں اسے ہلاکت اور ضلالت کے سمندر میں ہمیشہ کے لیے غرقاب کر دیا گیا۔

میں نے بعض علماء (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) سے سُنا ہے کہ گمراہ ہونے سے قبل بَلْعَمْ بِن باعُوْرَاء کی مجلسِ علم میں صرف ایک وقت میں بارہ بارہ ہزار دینی طالبِ علم ہوتے تھے، جو ہاتھوں میں قَلَم دَوَات لیے اس کے معرفت سے لبریز مَلْفُوظات قَلَمْبَنْد کرتے تھے، پھر گمراہی کے بعد وہ اس حالت کو پہنچا کہ انکارِ خدا کے مسئلہ پر سب سے پہلے اس نے کتاب تصنیف کی۔ ہم اللہ تعالیٰ کے غضب، اس کی ناراضگی اس کے عذابِ اَلِیْم اور اس کی طرف سے مُسَلَّط ہونے والی ذلت وخواری سے بار بار پناہ پکڑتے ہیں۔

تو تم غور کر لو کہ دنیا کی خیانت اور نحوست عوام تو کُجا بڑے بڑے علماء کو ضلالت وگمراہی کے گہرے غار میں کہاں تک دھکیل کر لے جاتی ہے لہٰذا بیدار اور ہوشیار بنو، کیونکہ معاملہ بڑا خطرناک ہے اور عمر مختصر ہے اور اَعمال خامیوں سے لبریز ہیں اور اَعمال کو جانچنے والا بڑا صاحبِ بَصیرت ہے، اگر وہ اچھے اَعمال پر ہمیں خاتمہ (2)

---

1 ......ترجمۂ کنز الایمان: تو اس کا حال کُتے کی طرح ہے تو اس پر حملہ کرے تو زبان نکالے۔
(پ۹، الاعراف: ۱۷۶)

2 ......موت۔

نصیب فرمائے اور ہماری لغزشوں کو معاف کردے تو اسے کوئی مشکل اور دشوار نہیں۔

﴿۷﴾ پھر سَیِّدُ نا حضرت داؤد عَلَیْہِ السَّلام سے جو زمین میں خدا تعالیٰ کے نائب اور خلیفہ تھے، صرف ایک لَغزِش کا صُدُوْر ہوا تو خوفِ الٰہی سے اس قدر روئے کہ اُن کے آنسوؤں سے زمین سے سبزہ اُگ آیا، آپ (عَلَیْہِ السَّلَام) بارگاہِ خداوندی میں یوں عرض کرتے تھے:

"اِلٰھِی تَرَحَّمْ بُکَائِیْ وَتَضَرُّعِیْ" اے اللہ! میری اس گریہ وزاری کو دیکھ اور مجھ پر رحم فرما۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب آیا:

"یَا دَاوٗدُ نَسِیْتَ ذَنْبَکَ وَ ذَکَرْتَ بُکَائَکَ" اے داؤد! تجھے اپنی لغزش تو بھول چکی ہے مگر تجھے اپنا رونا یاد ہے۔

منقول ہے کہ چالیس روز تک اور بعض رِوَایات کے مطابق چالیس سال تک آپ (عَلَیْہِ السَّلام) کی توبہ قبول نہ ہوئی۔

﴿۸﴾ پھر سَیِّدُ نا حضرت یُونُس عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سے صرف اتنی بات صادِر ہوگئی کہ آپ (عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام) ایک دفعہ بے محل غصہ میں آ گئے تو سَمُنْدَر کی گہرائیوں میں چالیس روز تک مچھلی کے پیٹ میں قید کر دیئے گئے، وہاں آپ (عَلَیْہِ السَّلَام) یہ تسبیح پڑھتے اور خدا کو ندا کرتے تھے:

لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ﳓ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﳛ (1)

نہیں کوئی معبود مگر تو ہی، پاک ہے تو، بیشک میں ظالموں سے تھا۔

(1)......ترجمۂ کنز الایمان: کوئی معبود نہیں سوا تیرے پاکی ہے تجھ کو بیشک مجھ سے بے جا ہوا۔ (پ۱۷، الانبیاء: ۸۷)

فرشتوں نے آپ (عَلَیْہِ السَّلَام) کی آواز سنی اور عرض کیا: ''اے اِلٰہَ الْعَالَمِیْن! آواز تو پہچانی جاتی ہے مگر اس کا مقام اور اس کی جگہ معلوم نہیں ہوتی، اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یہ میرے بندے یونس کی آواز و پکار ہے اس پر فرشتوں نے سفارِش کی مگران تمام باتوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ (عَلَیْہِ السَّلَام) کا نام مبارک یونس لینے کی بجائے ''ذُو النُّوْن'' کے نام سے آپ (عَلَیْہِ السَّلَام) کا ذکر کیا۔[1] اور اس قصہ کو یوں بیان فرمایا:

فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۱۴۲﴾ فَلَوْ لَاۤ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖۤ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ [2]	تو یونس کو مچھلی نے نگل لیا، آپ اس وقت اپنے آپ کو کوستے تھے تو اگر آپ اسوقت تسبیح میں مصروف نہ ہوتے تو قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں ہی بند رہتے، باہر نہ آسکتے۔

اس بیان کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس عَلَیْہِ السَّلَام پر اپنی نعمت اور اپنے احسان کا ذکر یوں فرمایا ہے:

---

1 ...... وَذَا النُّوْنِ (پ ۱۷، الانبیاء: ۸۷) ترجمۂ کنز الایمان: اور ذوالنون کو (یاد کرو)۔

2 ...... ترجمۂ کنز الایمان: پھر اسے مچھلی نے نگل لیا اور وہ اپنے آپ کو ملامت کرتا تھا تو اگر وہ تسبیح کرنے والا نہ ہوتا ضرور اس کے پیٹ میں رہتا جس دن تک لوگ اُٹھائے جائیں گے۔ (پ ۲۳، الصّٰفّٰت: ۱۴۲ - ۱۴۴)

لَوْلَاۤ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿۴۹﴾ [1]

اگر اس کے رب کی نعمت اس کے شامل نہ ہوتی تو اسے مچھلی کے پیٹ سے ایک چٹیل جگہ میں پھینک دیا جاتا اور مقامِ مدح سے دور کر دیا جاتا۔

لہٰذا اے عزیز! خدا تعالیٰ کے اس طریقہ کار کو غور سے دیکھ (اور اس سے ڈر)۔

﴿۹﴾ پھر رب تعالیٰ نے خود اس ہستی کو جسے تمام انبیاء(عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام) پر سِیادَت [2] و فضیلت اور اس کی اپنی درگاہ میں سب سے زیادہ مُکَرَّم و محترم ہونے کا مقام حاصل ہے یوں خطاب فرمایا:

فَاسْتَقِمْ كَمَاۤ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ؕ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۱۱۲﴾ [3]

اے نبی! تو بھی ہمارے اَحکامات کی بجا آوری میں اِسْتِقَامَت دکھا اور وہ بھی جو تیرے ساتھ ہماری طرف رُجوع کر چکے ہیں (اہلِ ایمان) اور سرکشی کے راستہ پر مت چلو بے شک وہ تمہارے تمام اَعمال کو دیکھ رہا ہے۔

اس حکمِ خداوندی کے نُزُول کے بعد نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم فرمایا کرتے تھے:

❶......ترجمۂ کنز الایمان: اگر اس کے رب کی نعمت اس کی خبر کو نہ پہنچ جاتی تو ضرور میدان پر پھینک دیا جاتا الزام دیا ہوا۔ (پ ۲۹، القلم: ۴۹)

❷......بزرگی۔

❸......ترجمۂ کنز الایمان: تو قائم رہو جیسا تمہیں حکم ہے اور جو تمہارے ساتھ رُجوع لایا ہے اور اے لوگو سرکشی نہ کرو بیشک وہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔ (پ ۱۲، ہود: ۱۱۲)

"شَیَّبَتْنِیْ (1) هُوْدٌ وَّ اَخَوَاتُهَا"(2) مجھے سُورہ "هُوْد" اوراس کی طرح دوسری سورتوں نے بوڑھا کردیا ہے۔

علمائے کرام (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) فرماتے ہیں: حضور عَلَیْهِ السَّلَام کی اس سے یہ آیت اوراسی طرح کی دوسری آیات مراد ہیں، قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے آپ (عَلَیْهِ السَّلَام) کو یہ حکم بھی دیا:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ (3) ترجمۂ کنز الایمان: اوراپنوں کے گناہوں کی معافی چاہو۔(پ ٢٤، المؤمن: ٥٥)

اس حکم کے مطابق حضور عَلَیْهِ السَّلَام مسلسل اِسْتِغْفار کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی:

وَ وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَۙ۝ الَّذِیْۤ اَنْقَضَ ظَهْرَكَۙ۝ (4) اور ہم نے آپ سے وہ بوجھ اُتار دیا جس نے آپ کی کمر توڑ دی تھی۔

نیز یہ آیت بھی نازل ہوئی:

لِّیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ (5) ترجمۂ کنز الایمان: تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔(پ ٢٦، الفتح: ٢)

---

1 ...... یہاں لفظ "شیبتی" تھا، یہ کتابت کی غلطی ہے کیونکہ اصل عربی مخطوطہ اور ترجمہ کے لحاظ سے درست لفظ "شَیَّبَتْنِیْ" ہے، لہٰذا اس کی تصحیح کردی گئی ہے۔(علمیہ)

2 ...... المعجم الکبیر، ١٧/ ٢٨٦، حدیث: ٧٩٠۔

3 ...... اس آیتِ مبارکہ کا ترجمہ "ترجمۂ کنز الایمان" سے درج کیا گیا ہے۔(علمیہ)

4 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اور تم پر سے تمہارا وہ بوجھ اُتار لیا جس نے تمہاری پیٹھ توڑی تھی۔ (پ ٣٠، الم نشرح: ٢-٣)

5 ...... اس آیتِ مبارکہ کا ترجمہ "ترجمۂ کنز الایمان" سے درج کیا گیا ہے۔(علمیہ)

اس طرح کی آیات کے نُزُول کے بعد حضور عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلام کی یہ حالت تھی کہ آپ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) سوتے نہیں تھے بلکہ ساری ساری رات عبادت میں مصروف رہتے تھے یہاں تک کہ آپ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) کے قدم مبارک وَرَم کر آئے۔ صحابہ کرام (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُم) **تعجُّب** وحیرت سے سوال کرتے تھے:

"اَ تَفْعَلُ ھٰذَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَ قَدْ غَفَرَ اللّٰہُ لَکَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَ مَا تَاَخَّرَ" یارسولَ اللّٰہ! (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) آپ اتنی زیادہ عبادت کرتے ہیں؟ حالانکہ اللّٰہ تعالیٰ نے آپ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) کی گزشتہ اور آئندہ ہر طرح کی لَغزِشیں (اگر ان کا وُجود فرض کرلیا جائے) دَرگُزر فرمادی ہیں۔ تو آپ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) جواب میں فرماتے تھے: "اَفَلَا اَکُوْنُ عَبْدًا شَکُوْرًا؟"[1] کیا میں اللّٰہ تعالیٰ کا شکرگزار بندہ نہ بنوں؟

حضور عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام اپنے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا کرتے تھے:

"لَوْ اَنِّیْ وَ عِیْسٰی اُوْخِذْنَا بِمَا کَسَبَتْ ھَاتَانِ لَعُذِّبْنَا عَذَابًا لَّمْ یُعَذِّبْہُ اَحَدٌ مِّنَ الْعَالَمِیْنَ"[2] میری اور حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلام کی اگر اتنی سی بھی لَغزِش پر پکڑ ہوتی[3] تو ہم ایسے عذاب میں ڈالے جاتے جو سب سے زیادہ سخت ہوتا۔

آپ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) ساری ساری رات نماز پڑھتے رہتے تھے اور روتے رہتے تھے اور زبانِ مبارک سے یہ دعا کرتے تھے:

---

1 ......الدر المنثور، ۵۱۳/۷ وابن عساکر، باب ذکر تقللہ... الخ، ۱۴۱/۴۔

2 ......الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، ۲۷/۲، حدیث: ۶۵۶، بتغیر قلیل۔

3 ......صحیح ابن حبان کی روایت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے یہاں حدیث پاک کے ترجمہ میں کچھ تبدیلی کی گئی ہے۔ (علمیہ)

"اَعُوْذُ بِعَفْوِكَ مِنْ عِقَابِكَ وَ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰی نَفْسِكَ"(1)

اے اللہ! میں تیرے عذاب سے تیری معافی کی پناہ میں آتا ہوں اور تیرے غضب سے تیری رضا کی پناہ میں آتا ہوں اور تجھ سے تیری پناہ میں آتا ہوں، میں تیری ثناء ہرگز نہیں کرسکتا، تو اسی طرح ہے جس طرح تو نے خود اپنی ثنا کی ہے۔

پھر صحابہ کرام (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم) سے جن کا زمانہ بعد کے زمانوں سے بہتر تھا اور جو تمام اُمَّت سے اَفضل تھے، آپس میں صرف ایک دفعہ کہیں ہنسی مذاق کا واقعہ رونما ہوگیا تو فوراً یہ آیت نازل ہوئی:

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ ... الأية (2)

کیا اہلِ ایمان کے لیے ابھی تک وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل پورے خُشُوع کے ساتھ ذِکرِ الٰہی کی طرف مُتَوَجِّہ ہوجائیں۔

پھر اللہ تعالٰی نے اس اُمَّت کے مَرْحُوْمَہ ہونے کے باوجود جرائم کا اِرتکاب کرنے والوں کی تنبیہ وتادِیب کے لیے سزائیں اور تدابیر مقرر کردی ہیں۔

حضرت یونس ابنِ عُبَید (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) کہا کرتے تھے کہ اگر یہاں کسی کے پانچ درہم چوری کرنے سے تمہارا بہترین عُضو (ہاتھ) کٹ سکتا ہے تو وہاں آخرت میں تم کو عذاب سے بھی بے فکر نہیں ہونا چاہیے۔

1 ......شعب الایمان للبیهقی، باب فی الصیام، ۳/۳۸۵، حدیث: ۳۸۳۷۔

2 ......ترجمۂ کنز الایمان: کیا ایمان والوں کو ابھی وہ وقت نہ آیا کہ ان کے دل جھک جائیں اللہ کی یاد (کیلئے)۔ (پ۲۷، الحدید: ۱۶)

ہم اللہ تعالیٰ سے ہر وقت اِلتِجاء کرتے ہیں کہ وہ ہمارے ساتھ اپنے کرم وفضل کے مطابق سلوک کرے۔ اِنَّہٗ ھُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ۔

رَجاء سے متعلق چند واقعات

مقام رَجا کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمتِ وسیع کو دھیان میں رکھنا چاہیے۔ رحمتِ خداوندی کا تذکرہ کرنا ایک اچھی بات ہے، اس میں کوئی حرج اور مُضایَقہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا بیان اور اس کی نہایت وغایت اس سے ظاہر و عیاں ہے کہ وہ ایک گھڑی کے ایمان سے ستّر برس کے کفر کو اُڑا دیتا ہے، قرآن مجید میں فرمایا گیا:

قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ یَّنْتَهُوْا یُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ (1)

اے نبی! کفار سے کہہ دے کہ اگر یہ لوگ اب بھی باز آجائیں تو انکے گزشتہ تمام گناہ معاف کردیے جائیں گے۔

تم فرعون کے جادوگروں کے واقعہ کو نہیں دیکھتے جو حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلام کے ساتھ جنگ اور مُناظَرہ کرنے کے لیے آئے تھے اور خدا کے دشمن فرعون کی عزت کی قسم کھائی تھی اور مقابلے پر تُل گئے تھے، انہوں نے حضرت موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام کا صرف ایک مُعجِزَہ دیکھا تو عرفانِ حق نصیب ہوگیا اور بول اُٹھے:

اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۱﴾ (2)

ہم رَبُّ الْعَالَمِیْن پر ایمان لے آئے۔

---

1 ...... ترجمۂ کنز الایمان: تم کافروں سے فرماؤ اگر وہ باز رہے تو جو ہو گزرا وہ انہیں معاف فرمادیا جائے گا۔ (پ۹، الانفال: ۳۸)

2 ...... ترجمۂ کنز الایمان: ہم ایمان لائے جہان کے رب پر۔ (پ۹، الاعراف: ۱۲۱)

ان جادوگروں کے متعلق یہ ذکر کہیں نہیں آیا کہ انہوں نے ایمان کے علاوہ نیک اَعمال بھی کیے تھے، محض ایمان قبول کرنے کی وجہ سے اللّٰــہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ مجید میں بار بار مدح اور ثنا کے طور پر ان کا ذکر کیا ہے اور ان کے سابقہ صَغَائِر و کَبَائِر [1] ایک گھڑی بھر بلکہ ایک لحظہ بھر کے ایمان کی برکت سے معاف کردیئے انہوں نے صِدْقِ دِل سے صرف اتنا کہا تھا کہ ''ہم رَبُّ الْعَالَمِیْن پر ایمان لے آئے۔'' اِخلاص کے ساتھ صرف اتنے الفاظ کہنے سے اللّٰہ تعالیٰ نے ان کی روحانیت میں اِنقلاب پیدا کردیا، اور ان پر اپنی بے شمار نعمتوں کی بارش کردی اور قیامت میں ہمیشہ کے لیے ان کو شُہَدَاء کا سردار بنادیا، یہ اللّٰہ تعالیٰ کی ان لوگوں پر کرم نوازی کا حال ہے جنہیں صرف ایک لحظہ کے لیے اس کے عرفان اور اس کی توحید پر قائم رہنے کا موقع ملا، حالانکہ ان کی سابقہ زندگی جادوگری، کفر، گمراہی اور شر وفساد میں گزری تھی۔ تو ان لوگوں پر خدا تعالیٰ کی عنایات کس قدر رہوں گی جن کی زندگی توحید پر اِستقامت اور عبادت میں گزر گئی اور دونوں جہان میں اپنے تمام معاملات اسی سے وابستہ رکھے۔

اَصْحَابِ کَہْف کے واقعہ پر غور کرو کہ عرصۂ دراز تک یہ لوگ حالتِ کفر میں رہے پھر ان کو یکا یک توحید وایمان کی توفیق نصیب ہوگئی، قرآن مجید میں ہے:

اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ جب وہ لوگ کھڑے ہوئے تو کہنے لگے ہمارا

---

1 ...... صغیرہ اور کبیرہ گناہ۔

وَ الْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاۡ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا (1) رب وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے ہم اسکے سوا کسی اور معبود کی ہرگز عبادت نہیں کریں گے۔

اور پھر جب وہ حق تعالیٰ کی طرف مُلتَجِی ہوئے تو اس نے ان کو فوراً مقبول بندوں کا مقام عطا فرمایا اور انہیں روحانی نعمتوں کے ساتھ نوازا پھر ان کا نہایت اِعزاز و اِکرام فرمایا، چنانچہ قرآن مجید میں وارِد ہے:

وَّ نُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْیَمِیْنِ وَ ذَاتَ الشِّمَالِ ۖۗ (2) ہم خود ان کی دائیں بائیں کروٹیں بدلتے ہیں۔

نیز خدا تعالیٰ نے ان کی عزت و حُرمت قائم اور محفوظ رکھنے کے لیے ان کو دہشت اور ہیبت کا لباس پہنا دیا کہ کوئی ان تک پہنچ نہ سکے یہاں تک کہ ان کے رُعب وہیبت کے متعلق اَکْرَمُ الْخَلْق یعنی حضور عَلَیْہِ السَّلام کو فرمایا:

لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَیْهِمْ لَوَلَّیْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّ لَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۱۸﴾ (3) اگر آپ ان کو جھانک کر دیکھ لیں تو دہشت کے باعث بھاگ پڑیں اور آپ کا دل رُعب اور دہشت سے بھر جائے۔

---

1 ...... ترجمۂ کنز الایمان: جب کھڑے ہو کر بولے کہ ہمارا رب وہ ہے جو آسمان اور زمین کا رب ہے ہم اس کے سوا کسی معبود کو نہ پوجیں گے۔ (پ ۱۵، الکھف: ۱۴)

2 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اور ہم ان کی داہنی بائیں کروٹیں بدلتے ہیں۔ (پ ۱۵، الکھف: ۱۸)

3 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اے سننے والے اگر تو انہیں جھانک کر دیکھے تو ان سے پیٹھ پھیر کر بھاگے اور ان سے ہیبت میں بھر جائے۔ (پ ۱۵، الکھف: ۱۸)

بلکہ خدا تعالیٰ نے ان کے کتّے کا اِعزاز واِکرام فرمایا یہاں تک کہ اپنی کتابِ مُقَدَّس میں مُتَعَدَّد بار اس کا ذکر فرمایا پھر دنیا میں اس کو ان کا ساتھی کر دیا اور آخرت میں ان کے اِعزاز کے طور پر اس کتّے کو جنت میں داخل ہونے کی سعادت عطا کرے گا۔

یہ اس کا ایک کُتّے پر فضل و کرم ہے جو بلا خدمت اور بلا عبادت صرف چند دن اور چند قدم اہلِ توحید وعرفان کے ساتھ چلا تو اللہ تعالیٰ کا اس بندۂ مومن پر کس قدر فضل و کرم ہوگا جو ستّر برس تک اس کی خدمت [1] میں مصروف رہا اور نشۂ توحید سے مَخْمُوْر [2] رہا اور اس کی بندگی میں مُسْتَغْرَق [3] رہا، بلکہ ستّر سال تو کُجا [4] اگر یہ بندۂ مومن ستّر ہزار برس زندہ رہتا تو اس کی بندگی میں ہی مشغول رہتا۔

کیا تمہیں پتا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام پر کس طرح عِتاب فرمایا جب کہ آپ نے مجرم لوگوں کے تباہ و برباد ہونے کی بددعا کی تھی۔

اور پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلام پر قارون کے بارے میں کیسا عِتاب فرمایا اور آپ سے یوں کہا: ”اے موسیٰ! اس نے تجھ سے مدد چاہی مگر تو نے اس کی مدد نہ کی مجھے اپنی عزت کی قسم! اگر وہ مجھ سے فریاد کرتا تو میں ضرور اس کو بچا لیتا اور اس کو معاف کر دیتا۔“

اسی طرح حضرت یونس عَلَیْہِ السَّلام سے ان کی قوم کے بارے میں کس طرح عِتابانہ گفتگو کی کہ ”اے یونس! تجھے کدّو کے ایک درخت کے خشک ہو جانے کا تو غم ہے جسے میں نے ایک گھڑی میں اُگایا اور دوسری گھڑی میں خشک کر دیا لیکن

---

1 ...... عبادت۔ 2 ...... گم۔ 3 ...... ڈوبا۔ 4 ...... کہاں۔

"نِینَوٰی" شہر کے ایک لاکھ یا لاکھ سے زائد باشندگان کا تجھے کوئی غم لاحق نہ ہوا؟"

پھر اس پر بھی نظر کرو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم کا کتنا جلدی عذر قبول کر لیا اور ان سے عذابِ عظیم اُٹھا لیا حالانکہ پہلے ان کو بتقاضائے عدل [1] گمراہی میں ڈال رکھا تھا۔

پھر اس واقعہ پر بھی غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے حضور سَیِّدُ الْمُرْسَلِیْن صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن سے بھی عتابانہ گفتگو فرمائی، جب کہ ایک دفعہ آپ (عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَام) بابِ بَنِی شَیْبَہ سے اندر تشریف لائے تو کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ہنس رہے ہیں تو فرمایا: "کیوں ہنستے ہو، آئندہ میں تم کو ہنستا ہوا نہ دیکھوں۔" یہ بات کہہ کر آپ جب حَجَرِ اَسْوَد کے پاس پہنچے تو وہاں سے اُلٹے پاؤں فوراً واپس لوٹے اور آ کر اُن لوگوں سے فرمانے لگے کہ ابھی ابھی میرے پاس جبریل امین آئے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ پیغام لائے ہیں کہ اے میرے حبیب! تو میرے بندوں کو میری رحمت سے کیوں مایوس کرتا ہے، میرے بندوں کو بتا دو کہ میں غفور و رحیم ہوں۔

حضور (عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَام) کا ایک ارشادِ مبارک ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندۂ مومن پر مہربان ماں کے اپنے بچے پر شفیق ہونے سے بھی زیادہ مہربان ہے۔ [2]

اور ایک مشہور حدیث میں نبی کریم صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے وارِد ہے کہ آپ

---

1 ......عدل کی بناء پر۔

2 ......صحیح البخاری، کتاب الادب، باب رحمۃ الولد...الخ، ۴/ ۱۰۰، حدیث ۵۹۹۹، بتغیر قلیل۔

(عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَ السَّلام) نے فرمایا:

”اِنَّ لِلّٰهِ تَعَالٰى مِائَةُ رَحْمَةٍ فَوَاحِدَةٌ مِنْهَا قَسَّمَهَا بَيْنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ وَ الْبَهَائِمِ فَبِهَا يَتَعَاطَفُوْنَ وَ بِهَا يَتَرَاحَمُوْنَ وَ اَدَّخَرَ مِنْهَا تِسْعَةٌ وَّ تِسْعِيْنَ لِنَفْسِهٖ لِيَرْحَمَ بِهَا عِبَادَهٖ يَوْمَ الْقِيَامَه“ (1) بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس سو رحمتیں تھیں تو اس نے ان میں سے صرف ایک رحمت کو جِنّوں، انسانوں اور حیوانات کے درمیان تقسیم کیا تو ہر مُتَنَفِّس (2) صرف اس کی ایک رحمت سے ایک دوسرے سے نرمی اور شفقت سے پیش آتا ہے، باقی ایک کم سو رحمتیں اس نے اپنی ذات کے لیے مخصوص کر رکھی ہیں جنھیں وہ قیامت کے روز اپنے بندوں کے درمیان تقسیم کرے گا۔

جب اس نے اپنی رحمت کے سو حصّوں میں سے صرف ایک حصے سے دنیا میں تجھ پر اس قدر نعمتیں کیں کہ تجھے اپنی معرفت عطا کی، اس اُمّتِ مَرحومہ میں پیدا کیا اور طریقہ اہلِ سنّت و جماعت کی پہچان نصیب کی۔ اس کے علاوہ بے شمار ظاہری اور باطنی نعمتیں عطا کیں، تو اس کے فضلِ عظیم سے اس بات کی بھی اُمید ہے کہ وہ اپنی نعمتیں تجھ پر مکمل کر دے کیونکہ جو احسان کی ابتداء کرتا ہے اس کے ذمّے ہوتا ہے کہ اس کو مکمل بھی کرے اور بقیہ ایک کم سو رحمتوں سے حصہ وَافِر (3) عطا کرے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اِلتجا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے فضلِ عظیم سے نامراد نہ کرے، بے شک وہ بڑا صاحبِ کرم و احسان مالک ہے اور بڑا رحیم اور جَوَاد ہے۔

---

1 ...... صحیح مسلم، کتاب التوبة، باب فی سعة رحمة اللّٰه ... الخ، ص ١٤٧٢، حدیث: ٢٧٥٢، بتغیر قلیل۔

2 ...... جاندار۔ 3 ...... بہت زیادہ۔

تیسری اَصْل:

آخرت کے وَعْد ووَعِیْد کے بیان میں

ہم اس سلسلے میں پانچ قسم کے حالات کا ذکر کرتے ہیں:

﴿۱﴾ موت ﴿۲﴾ قبر ﴿۳﴾ قیامت ﴿۴﴾ جَنَّت ﴿۵﴾ دوزخ۔

اور ہر مقام کے مناسب ان خَطَراتِ عظیمہ کا تذکرہ جو نیکوکار، نافرمانوں، نیک کام میں کوتاہی کرنے والوں اور نیکی میں پوری کوشش کرنے والوں کو پیش آئیں گے۔

موت کا بیان

اس باب میں دو آدمیوں کا حال ذہن میں رکھو، ایک تو وہ جو ابنِ شُبْرُمَہ (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) سے مروی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں اور شَعْبِی (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) ایک مریض کی عیادت کو گئے، اس پر نَزْع کی حالت طاری ہو چکی تھی اور اس کے پاس بیٹھا ہوا ایک شخص اس کو کَلِمَہ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ" کی تلقین کر رہا تھا۔ حضرت شَعْبِی (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) نے اس شخص سے کہا: مریض سے نرمی اور شفقت سے پیش آؤ، اتنے میں مریض بول اُٹھا اور کہنے لگا: تو مجھے کَلِمَہ طیبہ کی تلقین کرے یا نہ کرے، میں یہ ضرور پڑھوں گا، پھر اس مریض نے قرآن کریم کے یہ الفاظ پڑھے:

وَ اَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَ كَانُوْۤا اَحَقَّ بِهَا وَ اَهْلَهَاؕ (1) — اللہ تعالیٰ نے کَلِمَۂ تقویٰ ان کیلئے لازم کر دیا اور وہ اس کے بہت حقدار اور اہل تھے۔

1 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اور پرہیز گاری کا کلمہ ان پر لازم فرمایا اور وہ اس کے زیادہ سزاوار اور اس کے اہل تھے۔ (پ ۲۶، الفتح: ۲۶)

تو شَعْبِی (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) نے کہا:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ نَجَا صَاحِبَنَا" اس خدا کی حمد وثناء جس نے ہمارے دوست کو نجات عطا فرمائی۔

دوسرا واقعہ وہ ہے جو حضرت فُضَیل بِن عِیاض رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ سے مروی ہے کہ آپ اپنے ایک شاگرد کے پاس پہنچے جو مر رہا تھا، آپ اس کے سر کے پاس بیٹھ گئے اور "سُوْرَۂ یٰسٓ" پڑھنے لگے۔ تو اس نے کہا: "سُوْرَۂ یٰسٓ" پڑھنی بند کردیں، پھر آپ نے اسے کَلِمَہ "لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ" کی تلقین کی، مگر اس نے کہا: میں یہ کَلِمَہ بالکل نہیں پڑھوں گا میں اس سے بیزار ہوں اور ان الفاظ پر اس کی موت واقع ہوگئی، حضرت فُضَیل بِن عِیاض رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کو اپنے شاگرد کے بُرے خاتمے کا سخت صدمہ ہوا، اور چالیس روز تک اپنے گھر سے باہر نہ نکلے، اندر ہی بیٹھ کر روتے رہے، چالیس دن کے بعد خواب میں دیکھا کہ اس شاگرد کو فرشتے دوزخ میں گھسیٹ رہے ہیں، آپ نے اس سے دریافت کیا کس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تیری معرفت سَلْب کرلی حالانکہ تو میرے صاحبِ علم اور لائق ترین تَلامِذَہ[1] میں سے تھا؟ تو اس نے جواب دیا: تین عُیُوب[2] کی وجہ سے، ایک تو میرے اندر چُغل خوری کا عیب تھا کہ میں اپنے ساتھیوں کو کچھ بتاتا تھا اور آپ کو اس کے خلاف، اور دوسرا عیب یہ تھا کہ میں اپنے ساتھیوں سے حَسَد کرتا تھا، اور تیسرا عیب یہ تھا کہ مجھے ایک بیماری تھی میں نے اس بیماری کا حکیم سے علاج پوچھا تو اس نے کہا: سال میں ایک دفعہ ایک گلاس شراب پیا کر تب صحت یاب ہوگا ورنہ یہ بیماری تجھے نہیں چھوڑے

1 ......شاگردوں۔ 2 ......خرابیوں۔

گی تو ہر سال میں ایک گلاس شراب پیتا تھا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی ناراضگی سے بچائے جس کے ہم مُتحمِّل نہیں ہو سکتے۔

پھر دو اور آدمیوں کے حال پر غور کرو:

ایک تو حضرت عبد اللہ بن مبارک (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) ہیں کہ جب آپ (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) کا آخروقت آیا تو نظر آسمان کی طرف اُٹھائی اور ہنسے اور زبان سے:

لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿٦١﴾ (1) عمل کرنے والوں کو ایسے ہی عمل کرنے چاہییں۔

کے الفاظ پڑھے اور وِصال کر گئے۔

اور میں نے اپنے اُستاذ حضرت اِمَامُ الْحَرَمَیْن رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے سُنا ہے کہ وہ اپنے اُستاذ حضرت ابو بکر رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ کی زبانی یہ حکایت بیان کرتے تھے کہ زمانہ تعلیم میں میرا ایک ساتھی تھا جو اِبتدائی کتابیں پڑھتا تھا، تعلیم میں نہایت محنتی اور پرہیز گار اور عبادت گُزار تھا لیکن محنت و کوششِ بِسیار (2) کے باوجود تعلیم میں بہت کم آگے بڑھتا تھا، ہمیں اس کے حال پر تعجب ہوتا تھا، وہ طالب علم اچانک بیمار ہو گیا اور وہاں اَولیاءُ اللہ کی ایک خانقاہ میں پڑ گیا۔ ہسپتال میں داخل نہ ہوا، لیکن سخت بیماری کی حالت میں بھی اس نے پڑھنے کی کوشش جاری رکھی یہاں تک کہ اس کی حالت زیادہ نازک ہوگئی، اس وقت میں اس کے پاس تھا، اچانک اس

---

1 ......ترجمۂ کنز الایمان: ایسی ہی بات کے لیے کامیوں کو کام کرنا چاہیے۔ (پ۲۳، الصّٰفّٰت: ٦١)

2 ......بہت زیادہ کوشش۔

نے اپنی نظر آسمان کی طرف اُٹھائی اور پھر مجھ سے کہا: اے ابنِ فُورَک!

لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ [1] (یعنی کام کرنے والے اسی مثل کے لیے ایسا کام کرتے ہیں۔)

یہ الفاظ کہے اور فوت ہو گیا۔ رَحْمَةُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْه

دوسرا واقعہ وہ ہے جو حضرت مالک بن دینار رَحْمَةُ اللّٰہِ عَلَیْه سے منقول ہے، آپ (رَحْمَةُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْه) فرماتے ہیں میرا ایک پڑوسی تھا، میں بوقتِ موت اس کے پاس گیا، اس وقت اس پر سکراتِ موت طاری تھے، مجھے دیکھ کر کہنے لگا: اے مالک! اس وقت مجھے اپنے سامنے آگ کے دو پہاڑ نظر آتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ ان پر چڑھو۔ مالک بن دینار (رَحْمَةُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْه) کہتے ہیں کہ میں نے اس کے گھر والوں سے اس کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے کہا: اس شخص نے غلَّہ کے لیے دو پیمانے رکھے ہوئے ہیں، ایک غلَّہ لینے کا اور دوسرا دینے کا، میں نے وہ دونوں پیمانے منگوائے اور ایک دوسرے پر مار کر توڑ دیئے، پھر میں نے اس سے دریافت کیا اب کیسا حال ہے؟ اس نے کہا: معاملہ تو اور ہی زیادہ نازک اور خراب ہو رہا ہے۔

قبر اور بَعْدَ الْمَوْت کا حال

اس باب میں بھی دو آدمیوں کا قصہ خاص طور پر یاد رکھنے کے لائق ہے، ایک تو وہ جو کسی بُزُرگ نے فرمایا ہے کہ میں نے حضرت سفیان ثَوری رَحْمَةُ اللّٰہِ عَلَیْه کو ان کے وِصال شریف کے بعد خواب میں دیکھا، تو میں نے کہا: اے ابو عبد اللّٰہ!

[1] ترجمۂ کنز الایمان: ایسی ہی بات کے لیے کامیوں کو کام کرنا چاہیے۔ (پ ۲۳، الصّٰفّٰت: ۶۱)

تم کس حال میں ہو؟ تو آپ نے مجھ سے اِعراض فرمایا، اور فرمایا: ''یہ کُنْیَت سے بُلانے کا وقت نہیں۔'' پھر میں نے کہا: ''اے سُفیان! کس حال میں ہو؟'' تو آپ (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) نے جواب میں یہ اَشعار پڑھے:

(۱) نَظَرْتُ اِلٰی رَبِّیْ عِیَانًا فَقَالَ لِیْ هَنِیْئًا رِضَائِیْ عَنْكَ یَاابْنَ سَعِیْدِ

(۲) لَقَدْ كُنْتَ قَوَّامًا اِذَا اللَّیْلُ قَدْ دَجَا بِعَبْرَةِ[1] مُشْتَاقٍ وَ قَلْبٍ عَمِیْدِ

(۳) فَدُوْنَكَ فَاخْتَرْ اَیَّ قَصْرٍ تُرِیْدُهٗ وَ زُرْنِیْ فَاِنِّیْ عَنْكَ غَیْرُ بَعِیْدِ

(۱) بعد اَز موت[2] میں نے اپنے پروردگار کو بالکل سامنے دیکھا، میرے پروردگار نے مجھے فرمایا: اے ابن سعید! تجھے میری رضامندی مبارَک ہو۔

(۲) تو تاریک راتوں میں میری یاد کے اندر کھڑا رہتا تھا اس وقت تیری آنکھوں سے ذوق و شوق کے آنسو جاری ہوتے تھے اور تیرا دل پوری طرح میری طرف مُتَوَجِّہ ہوتا تھا۔

(۳) اب جنّتُ الْفِردوس کے مَحَلّات تیرے سامنے ہیں، تو جس کو چاہتا ہے، لے لے اور ہر وقت میری زیارت سے لطف اندوز ہو، کیونکہ میں اب تیرے سامنے اور تیرے قریب ہی رہوں گا۔

دوسرا واقعہ اس شخص کا ہے جسے بعض لوگوں نے خواب میں دیکھا کہ اس کا رنگ بدلا ہوا ہے اور دونوں ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے ہیں، اس سے دریافت کیا گیا: ''اے شخص! اللّٰہ تعالٰی نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے؟''

1 ...... یہاں لفظ ''بصرۃ'' تھا، یہ کتابت کی غلطی ہے کیونکہ اصل عربی متن اور ترجمہ کے لحاظ سے درست لفظ ''بِعَبْرَۃٍ'' ہے، لہٰذا اس کی تصحیح کر دی گئی ہے۔ (علمیہ)

2 ...... موت کے بعد۔

تو اس نے جواب میں یہ شعر پڑھا:

تَوَلّٰی زَمَانٌ لَعِبۡنَا بِہٖ وَھٰذَا زَمَانٌ بِنَا یَلۡعَبُ

وہ زمانہ بیت گیا جس سے ہم کھیلتے تھے، اب یہ وہ زمانہ ہے جو ہم سے کھیل رہا ہے۔

نیز اس باب میں دو اور آدمیوں کا حال بھی ذہن میں رکھنے کے قابل ہے، ایک تو یہ کہ کسی بزرگ کا لڑکا شہید ہو گیا، وہ اپنے باپ کو کبھی خواب میں نظر نہ آیا۔ صرف اس دن خواب میں باپ سے ملا جس دن سیدنا حضرت عمر بن عبدالعزیز رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہ نے وِصال فرمایا۔ باپ نے دیکھ کر فرمایا: اے میرے بیٹے! کیا تجھ پر موت نہیں واقع ہو چکی؟ تو اس نے جواب دیا: میں مردہ نہیں ہوں بلکہ مجھے شہادت نصیب ہوئی ہے اور میں اللہ تعالٰی کے قُرب میں زندہ ہوں اور مجھے اَنواع واَقسام کی روزی ملتی ہے۔ باپ نے کہا: آج تو کیسے ادھر آ گیا؟ تو اس نے کہا: آج تمام آسمان والوں کو آواز دی گئی کہ آج کوئی نبی، صِدِّیق اور شہید ادھر نہ رہے، سب عمر بن عبدالعزیز کے جنازہ میں شریک ہوں، تو میں بھی ان کی نمازِ جنازہ میں شرکت کے لیے ادھر آیا تھا پھر میں نمازِ جنازہ سے فارغ ہو کر تمہیں سلام کہنے آ گیا ہوں۔

اور دوسرا واقعہ وہ ہے جو حضرت ہِشَّام بن حَسَّان (رَحۡمَةُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہ) سے منقول ہے، وہ کہتے ہیں کہ میرا ایک چھوٹی عمر کا بچہ فوت ہو گیا۔ بعد اَز موت میں نے اسے خواب میں دیکھا کہ بوڑھا ہو چکا ہے۔ میں نے پوچھا: اے بچے! تو بوڑھا کس طرح ہو گیا؟ تو اس نے جواب دیا: جب فلاں شخص دنیا سے ہمارے پاس پہنچا تو دوزخ نے اسے دیکھ کر غصے سے ایک سانس لی جس کے خوف سے ہم سب ایک گھڑی میں بوڑھے ہو گئے۔ نَعُوۡذُ بِاللّٰہِ الرَّحِیۡمِ مِنَ الۡعَذَابِ الۡاَلِیۡمِ۔

روزِ قیامت

روزِ قیامت میں لوگوں کی کیفیت اس آیت میں بیان کی گئی ہے:

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿۸۵﴾ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿۸۶﴾ (1)

اس دن ہم پرہیزگار لوگوں کو رحمٰن کی بارگاہ میں سوار کر کے لے جائیں گے اور مجرمین کو دوزخ کی طرف پیاسا ہانکیں گے۔

ایک شخص قبر سے اُٹھے گا تو اس کی سواری کے لیے قبر پر بُرّاق تیار ہو گا، تو قبر سے نکلتے ہی اس کے سر پر نوری تاج رکھا جائے گا، اعلیٰ لباس پہنایا جائے گا اور بُرّاق پر بٹھا کر جنت کی طرف لے جایا جائے گا، اس کے اِعزاز و اِکرام کی خاطر اس کو پیدل نہیں چلنے دیا جائے گا۔

اور ایک دوسرا شخص قبر سے اُٹھے گا تو دوزخ کے فرشتے، دوزخ کی زنجیر اور اَنواع و اَقسام کے عذاب اسے دوزخ کی طرف پیدل چلنے کی فرصت بھی نہیں دیں گے بلکہ قبر سے نکلتے ہی اسے چہرے کے بل گھسیٹ کر فرشتے دوزخ میں ڈال دیں گے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِهٖ۔

میں نے بعض علماء کرام (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) سے یہ حدیث مبارک سنی ہے کہ حضور نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَ سَلَّم نے فرمایا:

"اِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَخْرُجُ قَوْمٌ مِنْ قُبُوْرِهِمْ لَهُمْ نُجُبٌ يَرْكَبُوْنَهَا لَهَا اَجْنِحَةٌ خُضْرٌ فَتَطِيْرُ بِهِمْ فِيْ عَرَصَاتِ الْقِيَامَةِ حَتّٰى اِذَا اَتَوْا عَلٰى حِيْطَانِ الْجَنَّةِ فَاِذَا رَاَتْهُمْ

1 ......ترجمۂ کنز الایمان: جس دن ہم پرہیزگاروں کو رحمٰن کی طرف لے جائیں گے مہمان بنا کر اور مجرموں کو جہنم کی طرف ہانکیں گے پیاسے۔ (پ۱۶، مریم: ۸۵-۸۶)

اَلْمَلَائِکَۃُ قَالَ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ مَنْ ھٰؤُلَاءِ فَیَقُوْلُوْنَ مَا نَدْرِیْ لَعَلَّھُمْ مِنْ اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم فَیَاْتِیْھِمْ بَعْضُ الْمَلَائِکَۃُ فَیَقُوْلُ مَنْ اَنْتُمْ وَ مِنْ اَیِّ الْاُمَمِ اَنْتُمْ فَیَقُوْلُوْنَ نَحْنُ مِنْ اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّم فَتَقُوْلُ لَھُمُ الْمَلٰئِکَۃُ ھَلْ حُوْسِبْتُمْ؟ فَیَقُوْلُوْنَ لَا فَتَقُوْلُ الْمَلٰئِکَۃُ ھَلْ وُزِنْتُمْ؟ فَیَقُوْلُوْنَ لَا فَتَقُوْلُ الْمَلَائِکَۃُ ھَلْ قَرَأْتُمْ کُتُبَکُمْ؟ فَیَقُوْلُوْنَ لَا فَتَقُوْلُ الْمَلَائِکَۃُ اِرْجِعُوْا فَکُلُّ ذٰلِکَ وَرَائَکُمْ فَیَقُوْلُوْنَ ھَلْ اَعْطَیْتُمُوْنَا شَیْئًا فَنُحَاسَبَ عَلَیْہِ وَ فِیْ خَبَرٍ اٰخَرَ مَا مَلَکْنَا شَیْئًا فَنَعْدِلَ اَوْ نَجُوْرَ وَ لٰکِنْ عَبَدْنَا رَبَّنَا حَتّٰی دَعَانَا فَاَجَبْنَاہُ فَیُنَادِیْ مُنَادٍ صَدَقَ عِبَادِیْ مَا عَلَی الْمُحْسِنِیْنَ مِنْ سَبِیْلٍ وَ اللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ"

"قیامت کے دن ایک قوم قبروں سے نکلے گی، ان کے لیے سبز پروں والی نہایت عمدہ سواریاں ان کی قبروں پر تیار کھڑی ہوں گی، وہ ان پر سوار ہو جائیں گے تو وہ انہیں اُڑا کر میدانِ محشر سے آگے لے جائیں گی، چنانچہ وہ ان سواریوں پر جنت کی دیواروں تک پہنچ آئیں گے، جنت کی دیواروں پر محافظ فرشتے انہیں دیکھ کر آپس میں کہیں گے یہ کون لوگ ہیں بعض جواب دیں گے: شاید یہ لوگ حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی اُمت سے ہیں تو چند فرشتے ان کے پاس آئیں گے اور پوچھیں گے: تم کون ہو اور کس اُمت سے ہو؟ تو وہ جواب دیں گے: ہم حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی اُمت میں سے ہیں۔ تو فرشتے ان سے پوچھیں گے: کیا تمہارا حساب وکتاب ہو چکا؟ وہ جواب دیں گے: ہمارا کوئی حساب نہیں ہوا۔ پھر فرشتے دریافت کریں گے: کیا تمہارے اَعمال تولے جا چکے ہیں؟ وہ اس کا بھی نفی میں جواب دیں گے۔ پھر فرشتے ان سے دریافت کریں گے: کیا تم نے اپنے اَعمال نامے پڑھ لیے ہیں؟ وہ کہیں گے: نہیں۔ تو فرشتے ان سے کہیں گے: واپس چلو کیونکہ یہ سب کارروائی پیچھے رہ گئی ہے۔

تو وہ لوگ جواب دیں گے کیا تم نے ہم کو کوئی چیز دی تھی جس کا ہم سے حساب لیا جائے۔ دوسری حدیث میں ہے وہ جواب دیں گے: دنیا میں ہم کسی شے کے مالک نہیں تھے کہ ہم عدل وانصاف کرتے یا ظلم کا اِرتکاب کرتے، ہم تو دنیا میں اپنے رب کی بندگی اور عبادت میں مصروف رہے۔ یہاں تک کہ آج اس نے ہم کو یہاں بلایا تو ہم آ گئے۔ اتنے میں کوئی آواز دینے والا آواز دے گا: میرے بندوں نے ٹھیک بیان کیا ہے، اِخلاص سے نیکی میں زندگی گُزار کر آنے والوں سے کوئی پُرسشِ اَعمال (1) نہیں، اور اللہ تعالیٰ غَفُوْرٌ رَّحِیْم ہے۔"

اے مخاطَب! کیا تو نے خدا تعالیٰ کا یہ فرمان مبارَک نہیں سُنا:

اَفَمَنْ یُّلْقٰى فِی النَّارِ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ یَّاْتِیْۤ اٰمِنًا یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ (2)

تو کیا جو شخص دوزخ میں ڈالا جائے گا وہ اچھا ہے یا وہ شخص جو امن و عافیت کے ساتھ جنت میں چلا جائے گا۔

تو وہ شخص کس قدر عَظِیْمُ الْمَرْتَبہ (3) ہوگا جو قیامت کے ان خوفناک مناظر، ہَیبت ناک زلزلوں اور ڈرانے والے واقعات کو دیکھے گا مگر اس کے دل کو کوئی خوف، گھبراہٹ اور بوجھ محسوس نہیں ہوگا بلکہ وہ خدا کی مہربانی سے عَرَصاتِ قیامت (4) میں سے سکون وامن کے ساتھ گزر کر جنت کی طرف چلا جائے گا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں اور تمہیں سب کو ان نیک بختوں میں داخل کرے اور یہ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کے لیے کوئی مشکل نہیں۔

---

1 ...... اعمال کے بارے میں پوچھ گچھ۔

2 ...... ترجمۂ کنز الایمان: تو کیا جو آگ میں ڈالا جائے گا وہ بھلا یا جو قیامت میں امان سے آئے گا۔ (پ ٢٤، حم السجدۃ: ٤٠)

3 ...... بڑے مقام والا۔

4 ...... قیامت کی مدت۔

جنت اور دوزخ کا بیان (1)

اس باب میں قرآن مجید کی ان دو آیات پر غور کرو، ایک آیت یہ ہے:

وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ﴿۲۱﴾ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۲۲﴾ (2)

اللہ تعالیٰ انہیں شرابِ طہور کے جام پلائے گا اور ان سے کہا جائے گا یہ ہے تمہارے اَعمال کی جزا اور تمہاری کوشش مقبول ہوئی۔

اور دوسری آیت وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ دوزخ کا حال اس طرح نقل کیا ہے:

رَبَّنَاۤ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قَالَ اخْسَــٴُـوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ (3)

عرض کریں گے اے ہمارے پروردگار ہمیں اس دوزخ سے نکال اگر ہم نے دوبارہ تیری نافرمانی کی تو بیشک ہم ظالم ہوں گے، اللہ تعالیٰ جواب میں فرمائے گا اسی میں ذلت و خواری کیساتھ پڑے رہو اور مجھ سے بات بھی نہ کرو۔

---

1 ...... جنت یا دوزخ میں لے جانے والے اعمال کے بارے میں تفصیلی معلومات کیلئے "مکتبۃ المدینہ" کی مطبوعہ دو کتابیں "جنت میں لے جانے والے اعمال" و "جہنم میں لے جانے والے اعمال" کا مطالعہ کیجئے۔

2 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اور انہیں ان کے رب نے ستھری شراب پلائی ان سے فرمایا جائے گا یہ تمہارا صلہ ہے اور تمہاری محنت ٹھکانے لگی۔ (پ ۲۹، الدھر: ۲۱۔۲۲)

3 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اے ہمارے رب ہم کو دوزخ سے نکال دے پھر اگر ہم ویسے ہی کریں تو ہم ظالم ہیں رب فرمائے گا دُتکارے (ذلیل ہوکر) پڑے رہو اس میں اور مجھ سے بات نہ کرو۔
(پ ۱۸، المؤمنون: ۱۰۷۔۱۰۸)

روایت میں ہے کہ اس کے بعد ان کی شکلیں کتوں کی طرح ہو جائیں گی اور وہ اس میں کتوں کی طرح بھونکتے پھریں گے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ الرَّءُوْفِ الرَّحِیْمِ مِنْ عَذَابِہِ الْاَلِیْم۔

تو معاملہ ایسا ہی ہے جیسا حضرت یحییٰ بن مُعاذ رازی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا ہے کہ

''ہم نہیں جانتے کہ دو مصیبتوں میں سے بڑی مصیبت کون سی ہے، جنت کو ہاتھ سے دینا یا دوزخ میں جانا، جنت سے صبر کی کوئی گنجائش نہیں اور عذابِ دوزخ کو برداشت کرنے کی کوئی صورت نہیں لیکن بہر صورت نعمت کا فوت ہونا عذابِ دوزخ برداشت کرنے سے نسبتاً آسان ہے پھر دوزخ میں ہمیشہ رہنا حادِثۂ کُبریٰ اور مصیبتِ عُظمیٰ [1] ہے۔اس لیے کہ اگر عذاب کسی وقت ختم ہو جانے والا ہوتا تو پھر بھی قدرے سہولت تھی لیکن وہ تو اَبَدُ الْآبَاد [2] تک رہے گا وہ کسی انتہا پر جا کر اختتام پذیر نہ ہوگا، تو کس دل میں ایسا عذاب برداشت کرنے کی طاقت ہے اور کس کی جان اس پر صبر کر سکتی ہے،اسی لیے حضرت عیسٰی عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلام نے فرمایا: ''عذابِ دائمی [3] کا تذکرہ ڈرنے والوں کے دلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے۔''

حضرت حسن رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کے سامنے جب اس شخص کا ذکر کیا گیا جو سب سے آخر دوزخ سے نکلے گا جس کا نام ''ھَنَّاد'' ہوگا،اس کو ایک ہزار سال عذاب ہوا ہوگا وہ ''یَاحَنَّان'' ''یَامَنَّان'' پکارتے ہوئے دوزخ سے باہر آئے گا،تو اس کا حال

1 ...... بڑی مصیبت۔ 2 ...... ہمیشہ ہمیشہ۔ 3 ...... ہمیشہ رہنے والے عذاب۔

سن کر رو پڑے اور فرمانے لگے: ''کاش! ''ھَنَّاد'' میں ہوتا''۔

لوگوں کو آپ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہُ) کے اس قول پر تعجب ہوا، آپ نے فرمایا: تم پر افسوس! کہ بات نہیں سمجھتے، وہ ایک نہ ایک دن عذاب سے نکل تو آئے گا۔

میں کہتا ہوں کہ خوف و ڈر کا یہ سارا معاملہ ایک اُصولی بات کی طرف لوٹتا ہے اور وہی ایک نکتہ ہے جو پُشتوں [1] کو توڑتا ہے اور چہروں کو زرد کرتا ہے، جس کے تصور سے جگر پگل جاتے ہیں، دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں اور رونے والوں کی آنکھیں خون کے آنسو برساتی ہیں، وہ نکتہ ہے معرفتِ الٰہی کا چھن جانا، یہی وہ اصل بات ہے جس کا خوف ڈرنے والوں کو ہر وقت لگا رہتا ہے اور جس پر رونے والوں کی آنکھیں ہر وقت آنسو بہاتی رہتی ہیں۔

بعض بُزرگوں کا قول ہے غم تین طرح کے ہیں: ﴿۱﴾ طاعت اور نیکی کا غم کہ شاید وہ قبول نہ ہو ﴿۲﴾ گناہ اور مَعْصِیَت کا غم کہ شاید اس کی مغفرت نہ ہو، اور ﴿۳﴾ معرفت کا غم کہ وہ کسی وقت چھن نہ جائے۔

بعض اہلِ اِخلاص نے کہا ہے کہ غم در حقیقت ایک ہی ہے اور وہ سَلْبِ مَعْرِفَت [2] کا غم ہے باقی ہر غم اس سے کم درجے کا ہے کیونکہ وہ کسی وقت ختم ہو سکتا ہے لیکن سَلْبِ مَعْرِفَت کا غم کبھی دور نہیں ہو سکتا۔

ہمیں یوسف بن اَسباط رَحۡمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہ سے یہ بات پہنچی ہے کہ ایک دفعہ آپ حضرت سفیان ثَوری رَحۡمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہ کے پاس تشریف لے گئے، یوسف بن اَسباط (رَحۡمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہ) فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ حضرت سفیان (رَحۡمَۃُ

---

1 ...... پیٹھوں۔ 2 ...... ایمان چھین لیے جانے۔

اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) ساری رات روتے رہے، میں نے دریافت کیا: کیا آپ اپنے گناہوں کے خوف سے روتے ہیں؟ تو حضرت سفیان (رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) نے ایک تنکا اٹھایا اور فرمایا کہ گناہ تو اللہ تعالیٰ کے سامنے اس سے بھی کم حیثیت رکھتے ہیں، مجھے تو اس بات کا خوف ہے کہ اللہ تعالیٰ دولتِ اِسلام نہ چھین لے۔ ہم اِحسان کرنے والے اللہ سُبْحَانَہٗ سے اِلتجا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں کسی مصیبت میں مبتلا نہ کرے اور اپنے فضل سے ہم پر اپنی نعمتوں کی تکمیل کرے اور مِلّتِ اِسلام پر ہمیں موت نصیب کرے۔ وہ "اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْن" ہے۔ ہم سُوْءِ خاتمہ [1] کا سبب اور معنٰی "اِحْیَاءُ الْعُلُوْم" میں بیان کرچکے ہیں، وہاں دیکھ لو، یہاں اس بحث کو چھیڑنا ایک بڑی طویل بحث کا دروازہ کھولنا ہے جس کی یہ کتاب مُتَحَمِّل نہیں، تم اسی مختصر بات کو سنجیدگی سے سمجھو کیونکہ بسا اوقات تفصیل وتشریح سے خلافِ مقصود اَوْہام [2] پیدا ہوجاتے ہیں لہٰذا مختصر بیان پر ہی کفایت کرو، شاید تمہیں اللہ تعالیٰ کی مدد وتوفیق سے فلاح وکامیابی نصیب ہوجائے۔

سوال: تم اگر یہ سوال کرو کہ "پھر ہمیں کون سا راستہ اختیار کرنا چاہیے؟ خوف کا راستہ یا رَجاء کا راستہ؟"

جواب: تو اس کا جواب یہ ہے تمہیں ان دونوں کے درمیان کا راستہ اختیار کرنا چاہیے کیونکہ کہا گیا ہے کہ جس پر رَجا کا غلبہ ہوگیا وہ مُرْجِئَہ [3] بن جاتا ہے اور اس کے متعلق اکثر یہ خطرہ رہتا ہے کہ یہ شخص خُرَّمِیُّ الْعَقَائِد [4] بن جائے اور جس پر خوف کا

---

1 ...... بُرے خاتمہ۔ 2 ...... خیالات۔ 3 ...... ایک بد مذہب فرقہ۔ 4 ...... ایک بد مذہب فرقہ۔ یہاں "حرمی العقائد" لکھا تھا جو کہ کتابت کی غلطی ہے جس کی تصحیح کردی گئی ہے۔ (علمیہ)

غلبہ ہو گیا وہ خوارِج (1) میں سے ہو گیا۔ اس مقولے کا مطلب بھی یہی ہے کہ صرف ایک پہلو اختیار نہ کرے اور حقیقت بھی یہ ہے کہ رَجاء حقیقی خوف حقیقی سے الگ نہیں ہو سکتی اور خوف حقیقی رَجاء حقیقی سے جدا نہیں ہو سکتا، اسی بناء پر کہا گیا ہے کہ رَجاء سب کا سب اہلِ خوف کے لیے ہے امن سے انہیں کوئی تعلق نہیں اور خوف سب کا سب اہلِ رَجا کے لیے ہے یاس اور نا امیدی سے انہیں کوئی واسطہ نہیں۔

سوال: کیا اوقات اور حالات کے اعتبار سے ان میں سے کسی ایک کو ترجیح اور زیادتی حاصل ہو سکتی ہے یا ہر حال میں دونوں کے درمیان راستے پر ہی قائم رہنا ضروری ہے؟

جواب: معلوم ہونا چاہیے کہ جب انسان تندرست اور قوی ہو تو ایسی حالت میں خوف غالب ہونا چاہیے اور جب بیمار پڑ جائے اور ضُعف و لاغری کا شکار ہو جائے خاص کر جب کہ آخرت کی طرف رَختِ سفر باندھنے کا وقت آ جائے تو اس وقت رَجاء کا غلبہ ہونا چاہیے میں نے علماءِ کرام (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) سے یوں ہی سنا ہے، میں کہتا ہوں اس کی ایک دلیل بھی ہے، مروی ہے کہ اللّٰه سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰی فرماتا ہے:

”میں ان لوگوں کے پاس ہوتا ہوں جن کے دل میرے خوف سے چُور ہو چکے ہیں۔“(2)

تو ایسے وقت میں اس کے لیے رَجاء اَوْلٰی اور بہتر ہوتی ہے کیونکہ صحت، قوت اور قدرت کے زمانے میں اس پر خوف غالب رہا ہوتا ہے اس لیے ان سے

1 ......ایک گمراہ فرقہ۔

2 ......حلية الاولياء، وهب بن منبة، ٤ / ٣٤، رقم: ٤٦٦٤۔

کہا جاتا ہے:

اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا [1] کہ کسی قسم کا خوف نہ کرو اور نہ کوئی غم کرو۔

سوال: کیا بہت سی اَخبار اور اَحادیث اس سلسلے میں وارِد نہیں ہوئیں کہ اللہ تعالیٰ سے حُسنِ ظَن [2] رکھنا چاہیے اور اس حُسنِ ظَن کی ترغیب میں بھی بہت رِوَایات وارِد ہیں۔

جواب: معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے حُسنِ ظَن یہ ہے کہ بندہ اس کی نافرمانی سے بچے، اس کے عذاب اور مُواخَذے [3] سے ڈرے اور اس کی خدمت اور بندگی میں کوشش کرے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ یہاں ایک مضبوط اصل اور اہم نکتہ ہے جس میں اکثر لوگ غلطی کا شکار ہیں اور وہ یہ ہے کہ رَجا اور اُمْنِیَّۃ (آرزو) میں فرق ہے کیونکہ رَجا تو دلیل اور اصل سے وابستہ ہوتی ہے مگر اُمْنِیَّۃٌ (آرزو) ایک بے اصل اور بے دلیل چیز ہے، ان دونوں کی مثال یوں ہے کہ ایک شخص بیج ڈالے پھر اس کی دیکھ بھال میں کوشش اور محنت کرے پھر فصل کاٹ کر کھلیان [4] میں رکھے، پھر یہ کہے مجھے امید ہے کہ سو بوری فصل ہو جائے گی، تو یہ رَجاء اور اُمید ہے اس کے برعکس ایک دوسرا شخص ہو جس نے موقعہ پر نہ بیج ڈالا اور کھیتی باڑی کا ایک دن بھی کام نہ کیا گھر پر ہی سویا رہا اور سارا سال غفلت میں گزار دے اور فصل اُٹھانے کے وقت کہنا شروع کر دے کہ اُمید ہے کہ سو بوری غلّہ حاصل ہو جائے۔ تو ایسے شخص سے کہا جائے گا

1 ...... ترجمۂ کنز الایمان: کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو۔ (پ ۲۴، حم السجدۃ: ۳۰)

2 ...... اچھا گمان۔ 3 ...... باز پرس۔ 4 ...... وہ جگہ جہاں اناج کا ڈھیر لگاتے ہیں۔

کہ تیری یہ اُمید حقیقت میں اُمید نہیں بلکہ یہ تو محض اُمْنِیَّت اور آرزو ہے۔ بالکل اسی طرح بندہ جب نیک اَعمال میں کوشش کرے اور مَعْصِیَت و نافرمانی سے بچے تو یہ کہہ سکتا ہے کہ مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالٰی اس حقیر کی خدمت کو قبول فرمائے اور کمی کو پورا کرے اور اس پر بڑا ثواب عنایت کرے اور لَغْزِشوں [1] کو معاف کرے اور مجھے اللہ تعالٰی کی ذات سے حُسنِ ظن ہے۔ تو بندے کی اس طرح کی اُمید رَجاء کہلاتی ہے جو شَرْع میں محمود [2] ہے لیکن ایک شخص اگر غافل اور لاپرواہ رہے نیک کاموں کو ہاتھ نہ لگائے، مَعْصِیَت اور نافرمانی کا اِرتکاب کرے۔ اللہ تعالٰی کے غضب اور ناراضگی کی کوئی پرواہ نہ کرے اور اللہ تعالٰی کی رضا اور اس کے وَعْدَہ وَعِید کو خاطر میں نہ لائے پھر یوں کہتا پھرے کہ مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالٰی مجھے جنت عطا کرے گا اور دوزخ کے عذاب سے بچائے گا تو یہ اُمْنِیَّت اور آرزو ہے، رَجاء اور امید نہیں اور یہ ایک لاحاصل شے ہے اس نے اس کو رَجاء اور حُسنِ ظَن کا نام دے دیا، وہ اس سلسلے میں بھٹکا ہوا ہے اور خطا اور غَلَط فہمی میں مبتلا ہے، ایک شاعر نے یہ مضمون یوں ادا کیا ہے:

تَرْجُو النَّجَاةَ وَ لَمْ تَسْلُكْ مَسَالِكَهَا إِنَّ السَّفِيْنَةَ لَا تَجْرِىْ عَلَى الْيَبَسِ

ترجمہ: تم نجات کی امید رکھتے ہو لیکن نجات کے راستے اختیار نہیں کرتے، کشتی خشکی پر نہیں چل سکتی۔

میں کہتا ہوں اس اصل اور قاعدے کی تائید جس سے ہوتی ہے وہ حضور نبی کریم عَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَام کی یہ حدیث ہے کہ آپ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم)

---

1 ...... گناہوں۔ 2 ...... پسندیدہ۔

نے فرمایا:

"اَلْکَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَ تَمَنّٰی عَلَی اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ الْاَمَانِیُّ" (1) داناوہ ہے جو اپنے نَفْس کو دین اور شرع کے تابع کرے اور مَا بَعْدَ الْمَوت کے لئے ذخیرہ اَعمال جمع کرے اور احمق وہ ہے جو اپنے نَفْس کی خواہشات کی پیروی کرے اور اللہ تعالیٰ سے نجات اور جنت کی اُمیدیں لگائے رکھے۔

اس بارے میں حضرت حسن بصری رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْه کا یہ قول ہے:

کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں جو دنیا میں بخشش اور مغفرت کی اُمیدوں میں رہتے ہیں، نیک عمل کچھ نہیں کرتے، دنیا سے آخرت کی طرف مُفلِس اور قَلّاش جاتے ہیں ان کے پاس کوئی نیکی نہیں ہوتی اور کہتے یہ ہیں کہ ہمیں اپنے رب سے حُسنِ ظن ہے (کہ وہ ہم سے بہتر سلوک کرے گا) لیکن ایسے لوگ جھوٹے ہیں کیونکہ اگر انہیں اللہ تعالیٰ سے حُسنِ ظن ہوتا تو ان کے اَعمال بھی اچھے ہوتے۔ پھر قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی:

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا (الآیۃ) (2) تو جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی اُمید رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اَعمالِ صالحہ اختیار کرے۔

دوسری آیت یہ پڑھی:

1 ...... سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب ذكر الموت...الخ، ٤/ ٤٩٦، حديث: ٤٢٦٠ و الجامع الصغير، ص ٤٠٢، حديث: ٦٤٦٨ ـ

2 ...... ترجمۂ کنز الایمان: تو جسے اپنے رب سے ملنے کی اُمید ہو اسے چاہئے کہ نیک کام کرے۔ (پ ١٦، الکهف: ١١٠)

وَ ذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِیْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۲۳﴾ [1]

یہ تھا تمہارا گمان تمہارے رب کے متعلق جس نے تمہیں ہلاک کر دیا تو تم نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہو گئے۔

حضرت جعفر ضَبُعِی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں:

''میں نے ایک دفعہ حضرت اَبُو مَیْسَرَہ (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) عابد کو دیکھا کہ عبادت وبندگی میں کوشش ومحنت اور کثرت مُجَاھدات کے باعث ان کی پسلیاں نکلی ہوئی تھیں، میں نے کہا: اللہ آپ پر رحم کرے، اللہ تعالیٰ کی رحمت تو بڑی وسیع ہے۔ آپ یہ الفاظ سن کر غصہ میں آ گئے اور فرمایا: تو نے میرے اندر ایسی چیز دیکھی ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس اور نا اُمید ہوں، اللہ تعالیٰ کی رحمت تو نیکوکار لوگوں کے بالکل قریب ہے۔ جعفر ضَبُعِی (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) کہتے ہیں کہ مجھے آپ کی یہ بات سن کر رونا آ گیا کہ جب اَنبیاء کرام عَلَیْهِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام اور تمام اَولیاء اور اَبدال (رَحِمَهُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی) عبادت میں کوشش ومحنت اور گناہ اور مَعْصِیَت سے پوری طرح پرہیز اور اِجتناب کے باوجود ہر وقت خوف و خشیت سے لبریز رہے تو تمہارا کیا خیال ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ سے حُسنِ ظن نہیں حالانکہ انہیں اس کی رَحْمَۃِ وَاسِعَہ [2] پر بڑا یقین تھا اور انہیں اللہ تعالیٰ کے جود و کرم سے بڑا حُسنِ ظن تھا۔ درحقیقت وہ جانتے تھے کہ طاعت میں کوشش اور محنت

---

1 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اور یہ ہے تمہارا وہ گمان جو تم نے اپنے رب کے ساتھ کیا اور اس نے تمہیں ہلاک کر دیا تو اب رہ گئے ہارے ہوؤں میں۔ (پ ۲۴، حم السجدة: ۲۳)

2 ...... وسیع رحمت۔

کے بغیر خالی حُسنِ ظَن، حُسنِ ظَن نہیں بلکہ جھوٹی آرزو اور دھوکا اور غرور ہے۔ اس نکتے سے عبرت پکڑو اور صَالِحِیْن (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) کے حالات پر غور کرو اور خوابِ غفلت سے بیدار ہو جاؤ۔ وَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَلِیُّ التَّوْفِیْق۔

فَصْل

خلاصہ گفتگو یہ ہوا کہ جب تم اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تصور کرو گے جو اس کے غضب پر غالب ہے اور جو تمام اَشیاءِ مَوجُودات کو مُحِیط ہے پھر اس کا بھی تصور کرو کہ خدا تعالیٰ نے تم کو اس اُمَّتِ مَرحُومَہ مُکَرَّمَہ میں پیدا کیا پھر اس کے فضلِ عظیم اور اس کے کمالِ جودو کرم کا بھی تصور کرو، پھر اس امر کا بھی تصور کرو کہ جو کتاب اس نے تیری ہدایت کے لیے نازل فرمائی اس کو "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" سے شروع کیا یعنی "بِسْمِ" کے اندر ہی اپنی "رَحْمَانِیَّت" اور "رَحِیْمِیَّت" کا ذکر فرمایا۔ پھر اس کا بھی تصور کرو کہ اس ذاتِ کریم نے تمہاری طرف سے کسی سفارشی اور کسی سابق خدمت [1] کے بغیر محض اپنے فضل و کرم سے تمہیں بے شمار ظاہری و باطنی مہربانیوں اور انعامات سے نوازا۔ دوسری طرف اس کے کمالِ جلال اس کی عظمت اس کی عظیم قدرت و ہیبت نیز اس کے شدید غضب و ناراضگی کا بھی تصور کرو جس کے آگے آسمان اور زمین بھی نہیں ٹھہر سکتے۔ پھر تم آخرت کے معاملے کی نزاکت اور خطرے کے ساتھ اپنی انتہائی غفلت اپنے لاتعداد گناہ اور اپنی سنگدلی کا بھی تصور کرو، پھر اس بات کا تصور کرو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری تمام حرکات و سکنات تمہارے

1 ...... عبادت۔

تمام عُیُوب اور پوشیدہ باتوں سے بھی پوری طرح واقف اور آگاہ ہے، پھر تم اس کے حسنِ وعدہ اور اس ثواب کو بھی ذہن میں لاؤ جس کی کُنْہ [1] اور حقیقت انسانی وہم وگمان سے بہت بلند ہے، پھر اس کی شدید وعیدوں اور اس کے عذابِ اَلِیْم کو بھی خیال میں لاؤ جس کے قُلوبِ انسانی مُتَحمِّل نہیں ہو سکتے نیز تم اس کے فضل و کرم اس کے مقابلے میں اس کے عذاب پھر اس کی رحمت اور شفقت پھر اپنے نَفْس کی زیادتی اور بے راہ رَوِی اور جرائم اور مَعاصی کو بھی ذہن میں رکھو گے تو یہ تمام باتیں تمہارے اندر خوف ورَجاء کی صفت پیدا کر دیں گی اور تم درمیانی راہ پر چل پڑو گے اور تم بے خوفی اور نا اُمیدی کے دونوں ہلاک کُن راستوں اور بے خوفی اور نا اُمیدی کی وادیوں میں حیران پھرنے والوں سے الگ ہو جاؤ گے اور ہلاک وبرباد ہونے والوں سے کنارہ کش ہو جاؤ گے اور خوف ورَجاء کی مُعْتَدِل شراب سے سرشار ہو جاؤ گے پھر نہ تو صرف رَجاء کی ٹھنڈک سے ہلاک ہو گے اور نہ محض خوف کی آتش میں جلو گے اور اب تم اپنے مقصود سے ہمکنار ہو گئے اور دونوں مُہلِک اَمراض سے بچ گئے اب تم اپنے نَفْس کو طاعت وبندگی پر آمادہ پاؤ گے اور وہ غفلت اور سُستی کے بغیر دن رات خدمت میں مصروف ہو جائے گا اور اس طرح تم گناہوں اور ذلیل حرکتوں سے پوری طرح محفوظ ہو جاؤ گے اور بُرائیوں سے پوری طرح کنارہ کشی حاصل ہو جائے گی۔

حضرت نَوْفْ بِکَالِی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:

نَوْف جب جنّت کا ذکر کرتا ہے تو اس کے دل میں جنت کا شوق پیدا ہو جاتا ہے

---

1 ...... باریکی۔

اور جب اسے آتشِ دوزخ یاد آتی ہے تو مارے خوف کے اس کی نیند اُڑ جاتی ہے۔

خوف ورَجا کی یہ صحیح کیفیت پیدا ہو جانے کے بعد تم اللہ تعالیٰ کے بَرگُزِیدہ اور خَواص عابدین میں سے ہو جاؤ گے جن کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر کیا ہے:

اِنَّهُمْ كَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَ یَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًاؕ وَ كَانُوْا لَنَا خٰشِعِیْنَ (۹۰) (1)

بے شک یہ لوگ نیک کام کرنے میں جلدی کرتے تھے اور خوف ورغبت کی حالت میں ہماری بندگی کرتے تھے اور ہمارے آگے جھکے رہتے تھے۔

اور اب تم نے اللہ تعالیٰ کے اِذن اور اس کے حُسنِ توفیق سے اس خطرناک گھاٹی کو عبور کرلیا، اب تمھیں دنیا میں بہت صفائی اور حلاوت نصیب ہوگئی اور تم نے عُقبیٰ (2) کے لیے ذخیرہ عظیم اور اجر کثیر حاصل کرلیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری اور تمہاری اپنی توفیق اور دُرُستی سے مدد فرمائے، بے شک وہ اَرْحَمُ الرّٰحِمِین اور تمام سخیوں سے بڑھ کر نوازنے والا (3) ہے۔

وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْم۔

---

1 ...... ترجمۂ کنز الایمان: بیشک وہ بھلے کاموں میں جلدی کرتے تھے اور ہمیں پکارتے تھے امید اور خوف سے اور ہمارے حضور گڑگڑاتے ہیں۔ (پ ۱۷، الانبیاء: ۹۰)

2 ...... آخرت۔ 3 ...... یہاں لفظ "سخی" تحریر تھا جسے لفظ "بڑھ کر نوازنے والا" سے بدل دیا ہے کیونکہ باری تعالیٰ کے لئے لفظ "سخی" استعمال کرنے کو "فتاویٰ رضویہ، جلد 27، صفحہ 165 پر منع کیا گیا ہے۔ (علمیہ)

چھٹا باب

چھٹی گھاٹی میں اور یہ عقبۂ القوادح سے موسوم[1] ہے

پھر اے برادر! (اَیَّدَکَ اللّٰہُ وَاِیَّانَا بِحُسْنِ تَوْفِیْقِہٖ)[2] تجھ پر اس راستے کی پہچان اور معرفت اور اس راستے پر چلنے میں اِستقامت کے بعد عبادت اور بندگی کو خراب اور برباد کرنے والی چیزوں سے الگ رکھنا اور بچنا بھی لازم اور ضروری ہے۔ اور یہ بات اخلاص کو قائم کرنے اللہ تعالیٰ کے احسانات یاد کرنے اور ناروا اُمور سے اِجتناب کے بعد ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اور یہ بات دو وجہ سے لازم اور ضروری ہے۔ ایک تو اس لیے کہ اخلاص سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عمل کو حُسنِ قُبول کا مقام حاصل ہوتا ہے اور ثواب حاصل کرنے میں کامیابی نصیب ہوتی ہے ورنہ اِخلاص مَفقود ہونے کی صورت میں اَعمال مردود ہو جاتے ہیں اور ان کا ثواب یا تو بالکل ہی یا کچھ نہ کچھ ضائع اور برباد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مشہور حدیث میں حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے مروی ہے، اس میں اللہ سُبْحَانَہٗ وَ تَعَالٰی فرماتا ہے:

"اَنَا اَغْنَی الْاَغْنِیَاءِ عَنِ الشِّرْکِ مَنْ عَمِلَ عَمَلًا فَاَشْرَکَ فِیْہِ غَیْرِیْ فَنَصِیْبِیْ لَہٗ فَاِنِّیْ لَا اَقْبَلُ اِلَّا مَا کَانَ لِیْ خَالِصًا"[3] میں شرک سے بالکل بے نیاز ہوں، جو شخص عمل میں میرے غیر کو شریک کرے، تو میرا حصہ بھی اس شریک کو ہی پہنچا، میں صرف اُس عمل کو قبول کرتا ہوں جو خالص میرے لیے کیا گیا ہو۔

---

1 ......نام رکھا گیا۔ 2 ......ترجمہ: اللہ تعالیٰ اچھی توفیق کے ساتھ تمہاری اور ہماری مدد فرمائے۔

3 ......سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب رياء و السمعة، ٤/٤٦٩، حديث: ٤٢٠٢ بتغير۔

مروی ہے کہ قیامت کے روز جب بندہ اللہ تعالیٰ سے اپنے اعمال پر ثواب طلب کرے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تجھے مَجالِس ومَحافِل میں وُسعت نہیں دی گئی تھی کیا وہاں تجھے سرداری نہیں دی گئی تھی! کیا تجھے دنیا میں تیرے کاروبار تجارت میں ترقی اور سہولت اور ہر قسم کی اَرْ زانی (1) عطا نہیں کی گئی تھی! کیا تجھے اسی طرح کے بے شمار اِعزازات وانعامات نہیں دیے گئے تھے اور تجھے اَنواع واَقسام کے خطرات ومَضَرّات (2) سے محفوظ نہیں رکھا گیا تھا! یعنی یہ سب کچھ جزائے اَعمال (3) کے طور پر دنیا میں تجھے دے دیا گیا تھا۔

میں کہتا ہوں ریاء (4) کے خطرات میں سے کم از کم دو قسم کی تو ندامت انسان کو لاحق ہوتی ہے اور دو مصیبتیں اس پر مسلّط ہوتی ہیں، ایک ندامت تو پوشیدہ قسم کی ہے وہ تمام ملائکہ کے سامنے شرمندگی اور ندامت ہے، جیسا کہ روایت میں ہے کہ ملائکہ ایک بندے کے اعمال خوشی خوشی اوپر لے جاتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوتا ہے کہ یہ اَعمال سِجّیْن (5) میں پھینک دو کیونکہ اس نے یہ اَعمال میری رضا اور خوشنودی کے لیے نہیں کیے تھے۔ (6)

تو اس وقت اُس بندے اور اس کے عمل کو ملائکہ کے سامنے ندامت لاحق ہوتی ہے، دوسری ندامت اور شرمندگی علانیہ اس کو لاحق ہوگی جو قیامت کے دن تمام

---

1 ...... کثرت۔ 2 ...... نقصانات۔ 3 ...... اعمال کے بدلے۔ 4 ...... ریاکاری کے بارے میں مزید معلومات کیلئے "مکتبۃ المدینہ" کی مطبوعہ کتاب "ریاکاری" کا مطالعہ کیجئے۔ 5 ...... جہنم کی ایک وادی۔

6 ...... حلیۃ الاولیاء، ۲۱۰ ـ یحیی بن ابی کثیر، ۳/۸۲، حدیث: ۳۲۵۵ ـ

مخلوقات کے سامنے ندامت اور رُسوائی لاحق ہوگی، حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم سے روایت ہے کہ

اِنَّ الْمُرَائِیْ یُنَادٰی یَوْمَ الْقِیَامَۃِ بِاَرْبَعَۃِ اَسْمَاءٍ یَا کَافِرُ، یَا فَاجِرُ، یَا غَادِرُ، یَاخَاسِرُ، ضَلَّ سَعْیُکَ وَبَطَلَ عَمَلُکَ فَلَا خَلَاقَ لَکَ الْیَوْمَ اِلْتَمِسِ الْاَجْرَ مِمَّنْ کُنْتَ تَعْمَلُ لَہٗ یَا مُخَادِعُ. [1] ریاء کار کو قیامت کے دن چار ناموں سے پکارا جائے گا: اے کافر! اے فاجر! اے غدار! اے خسارہ اٹھانے والے! تیری کوشش بے کار چلی گئی تیرے اعمال بے کار ہو چکے ہیں، یہاں آخرت میں تیرا کوئی حصہ نہیں، اے دھوکے باز! اپنے اعمال کا اجر وثواب اس سے جا کر لے جس کو دکھانے کے لیے تو عمل کرتا تھا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ

یُنَادِیْ مُنَادٍ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ یُسْمِعُ الْخَلَائِقَ، اَیْنَ الَّذِیْنَ کَانُوْا یَعْبُدُوْنَ النَّاسَ؟ قُوْمُوْا خُذُوْا اُجُوْرَکُمْ مِمَّنْ عَمِلْتُمْ لَہٗ، فَاِنِّیْ لَا اَقْبَلُ عَمَلاً خَالَطَہٗ شَیْءٌ. [2] قیامت کے روز ایک ندا کرنے والا ندا کرے گا جسے تمام مخلوقات سنے گی، کہاں ہیں وہ جو خدا کے بجائے لوگوں کی عبادت کرتے تھے، جاؤ اور اپنے اعمال کا بدلہ ان سے لو جن کے لیے کرتے تھے، میں اس عمل کو قبول نہیں کرتا جس میں ریاء اور نمائش کی ملاوٹ ہو۔

اور ریاء سے آنے والی دو مصیبتوں میں ایک مصیبت جنت سے محرومی ہے، کیونکہ حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے مروی ہے کہ

"اِنَّ الْجَنَّۃَ تَکَلَّمَتْ وَقَالَتْ اَنَا حَرَامٌ عَلٰی کُلِّ بَخِیْلٍ وَّ مُرَاءٍ" [3] جنت نے گفتگو

1 ......فردوس الاخبار، ٣٥٦/٢، حدیث: ٦٩٠١۔

2 ......جمع الجوامع، قسم الاقوال، حرف الھمزة، ٣٣٦/١، حدیث: ٢٤٧٦، بتغیر۔

3 ......تاریخ مدینة دمشق، ٦١٣٣۔محمد بن بشر، ١٥١/٥٢۔

کی اور کہا: میں بخیل اور ریاء کار پر حرام ہوں۔

اس حدیث شریف کے دو معنی ہوسکتے ہیں ایک یہ کہ اس بخیل سے وہ بخیل مراد ہے جو سب سے بہتر کلِمے کو زبان پر لانے سے بُخل کرتا ہے، یعنی "لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تصدیقِ قلبی[1] کے ساتھ نہیں پڑھتا اور اس ریاء کار سے وہ مراد ہے جو بدترین قسم کی ریاء کاری کا مظاہرہ کرتا ہے، یعنی منافق جو اپنی توحید اور اپنے ایمان میں ریاء کاری کرتا ہے، حدیث کے اس معنی میں اُمید کی طرف اشارہ ہے کہ اگر صِدْق اور اخلاص پیدا ہوجائے تو اس کا معاملہ درست ہوسکتا ہے، حدیث کا دوسرا معنی یہ ہوسکتا ہے کہ جو شخص بُخْل اور ریاء کاری سے باز نہ آئے اور اپنی پروا اور رِعایت نہ کرے تو ایسی صورت میں دو خطرے ہیں ایک تو یہ کہ ممکن ہے اس بُخْل اور ریاء کاری کی نُحوست اس پر آپڑے اور وہ کفر کے گڑھے میں جا گرے اور اس طرح جنت سے بالکل محروم ہوجائے۔ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ مِنْہُ۔

دوسرا خطرہ یہ ہے کہ اس بُخْل و ریاء کاری کے باعث ایمان ہی سَلْب ہو[2] جائے اور دوزخ کا مُستَحِق ہوجائے۔ ہم اللّٰہ کی ناراضگی اور شدید غضب سے پناہ مانگتے ہیں۔

اور دوسری مصیبت دوزخ میں جانا ہے، کیونکہ ابوہریرہ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

"اَوَّلُ مَنْ یُدْعٰی یَوْمَ الْقِیَامَۃِ رَجُلٌ قَدْ جَمَعَ الْقُرْاٰنَ وَرَجُلٌ قَدْ قَاتَلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَرَجُلٌ کَثِیْرُ الْمَالِ فَیَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالٰی لِلْقَارِیِٔ اَلَمْ اُعَلِّمْکَ مَا نَزَلْتُ عَلَی الرَّسُوْلِ

1 ...... دل کی تصدیق۔ 2 ...... چھین لیا۔

فَيَقُوْلُ بَلٰى يَا رَبِّ، فَيَقُوْلُ مَاذَا عَمِلْتَ فِيْمَا عَلِمْتَ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ قُمْتُ بِهٖ اٰنَاءَ اللَّيْلِ وَاَطْرَافِ النَّهَارِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ كَذَبْتَ وَتَقُوْلُ الْمَلَائِكَةُ كَذَبْتَ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ بَلْ اَرَدْتَ اَنْ يُقَالَ فُلَانٌ قَارِیءٌ فَقَدْ قِيْلَ ذٰلِكَ وَيُؤْتٰى بِصَاحِبِ الْمَالِ فَيَقُوْلُ لَهٗ اَلَمْ اُوَسِّعْ عَلَيْكَ حَتّٰى لَمْ اَدَعْكَ تَحْتَاجُ اِلٰى اَحَدٍ فَيَقُوْلُ بَلٰى يَا رَبِّ فَيَقُوْلُ مَاذَا عَمِلْتَ فِيْمَا اٰتَيْتُكَ فَيَقُوْلُ كُنْتُ اَصِلُ الرَّحِمَ وَاَتَصَدَّقُ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ كَذَبْتَ وَتَقُوْلُ الْمَلَائِكَةُ كَذَبْتَ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ بَلْ اَرَدْتَ اَنْ يُقَالَ اَنَّكَ جَوَادٌ فَقَدْ قِيْلَ ذٰلِكَ وَيُؤْتٰى بِالَّذِیْ قُتِلَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ مَا فَعَلْتَ فَيَقُوْلُ اُمِرْتُ بِالْجِهَادِ فِیْ سَبِيْلِكَ فَقَاتَلْتُ حَتّٰى قُتِلْتُ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى كَذَبْتَ وَ تَقُوْلُ الْمَلَائِكَةُ كَذَبْتَ وَيَقُوْلُ اللّٰهُ بَلْ اَرَدْتَ اَنْ يُقَالَ فُلَانٌ جَرِیْءٌ وَشُجَاعٌ فَقَدْ قِيْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ ضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ عَلٰى رُكْبَتِیْ وَقَالَ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ اُولٰئِكَ اَوَّلُ خَلْقِ اللّٰهِ يُسْعَرُبِهِمْ نَارُ جَهَنَّمَ"(1)

قیامت کے روز سب سے پہلے حساب کے لیے جس شخص کو بلایا جائے گا وہ حافظ اور قاریِ قرآن ہوگا، اور ایک وہ جس نے راہِ خدا میں جان دی ہوگی اور ایک مالدار شخص کو۔

تو اللہ تعالیٰ قاری سے فرمائے گا: کیا میں نے تجھے وہ کتاب نہیں سکھائی تھی جو میں نے اپنے رسول پر نازل کی تھی وہ جواب دے گا: ہاں یارب! تو اللہ تعالیٰ پوچھے گا: تو علم کے مطابق تو نے عمل کیا۔ قاری جواب دے گا: میں تیری خوشنودی کے لیے ساری ساری رات اور دن کے اَوْقاتِ مُخْتَلِفَہ(2) میں آیاتِ قرآنی کی تلاوت میں مشغول ومصروف رہا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ بولتا ہے اور فرشتے بھی کہیں گے تو جھوٹ بولتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

(1)......سنن الترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی الریاء والسمعة، ١٦٩/٤، حدیث: ٢٣٨٩۔

(2)......مختلف اوقات۔

تلاوتِ آیات سے تیرا ارادہ یہ تھا کہ لوگ کہیں فلاں شخص قاری ہے اور یہ بات تجھے حاصل ہوگئی تھی۔

پھر صاحبِ مال شخص کو بلایا جائے گا اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا: کیا میں نے تجھے رِزْق میں فراخی اور وُسعت عطا نہیں کی تھی یہاں تک کہ میں نے تجھے کسی انسان کا محتاج نہیں رکھا تھا۔ وہ کہے گا: ہاں یا رب تعالیٰ! تو اس سے پوچھے گا: میرے دیئے ہوئے مال کو تو نے کس عمل میں صرف کیا وہ کہے گا میں نے اس مال کے ساتھ صِلَہ رحمی قائم کی اور تیری راہ میں صَدَقہ اور خیرات کیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو جھوٹا ہے فرشتے بھی کہیں گے تو جھوٹا ہے، اللہ سُبْحٰنَہٗ وتعالیٰ فرمائے گا بلکہ تیری نیت تو یہ تھی کہ دنیا تجھے سخی اور فَیَّاض کے نام سے پکارے اور یہ چیز دنیا میں تجھے حاصل ہوگئی۔

اور اس شخص کو دربارِ خداوندی میں لایا جائے گا جس نے اللہ کی راہ میں جان دی ہوگی اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا: تو نے دنیا میں کیا نیک کام کیے: عرض کرے گا: مجھے تیری راہ میں جہاد کا حکم ملا تو میں جہاد میں مصروف ہوگیا حتی کہ تیرے راستے میں جان کٹا دی [1]۔ اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو جھوٹ بولتا ہے، ملائکہ بھی کہیں گے تو جھوٹ بول رہا ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: بلکہ تیرا تو یہ مقصد تھا کہ لوگ تجھے دلیر اور شُجاع [2] کہیں اور یہ بات تجھے دنیا میں حاصل ہوگئی۔

پھر نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنا دستِ مبارک میرے گھٹنے پر مارا اور فرمایا: اے ابو ہریرہ! یہی وہ لوگ ہیں جن کو سب سے اول دوزخ میں پھینک کر اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ بھڑکائے گا۔

ایک دوسری حدیث حضرت ابنِ عباس رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سے مروی ہے وہ فرماتے

1 ...... جان دے دی۔ 2 ...... بہادر۔

ہیں:

”سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم یَقُوْلُ اِنَّ النَّارَ وَ اَھْلَھَا یَعُجُّوْنَ مِنْ اَھْلِ الرِّیَاءِ قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَ کَیْفَ تَعُجُّ النَّارُ؟ قَالَ مِنْ حَرِّ النَّارِ الَّتِیْ یُعَذَّبُوْنَ بِھَا“

میں نے رسولُ اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سنا کہ آپ فرماتے تھے دوزخ اور اہلِ دوزخ ریاء کاروں سے چیخ اٹھیں گے۔ کہا گیا: یارسولَ اللہ! (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) دوزخ کیوں چیخے گی۔ آپ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم) نے فرمایا: اُس آگ کی تپش سے جس سے ریاء کاروں کو عذاب دیا جا رہا ہوگا۔

قیامت کے روز لاحق ہونے والی شرمندگیوں اور ندامتوں میں اہلِ بصیرت کے لئے درسِ عبرت ہے۔ وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَلِیُّ الْھِدَایَۃِ بِفَضْلِہٖ۔

سوال: آپ ہمیں اخلاص اور ریاء کی حقیقت اور ان کے نتیجے سے آگاہ فرمائیں، نیز ان سے انسان کے اعمال میں کس قسم کا اثر رونما ہوتا ہے اس پر بھی روشنی ڈالیں؟

جواب: ہمارے علمائے اہلِ سنت (رَحِمَھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی) کے نزدیک اخلاص کی دو قسمیں ہیں: ﴿1﴾ عمل میں اخلاص ﴿2﴾ طلبِ ثواب میں اخلاص۔

اِخْلَاصُ فِی الْعَمَل [1] تو یہ ہے کہ بندہ اپنے عمل سے تقرُّبِ حق تعالیٰ [2] اس کے حکم کی تعظیم اور اس کے فرمودات [3] کی بجا آوری کا ارادہ کرے اور یہ اخلاص اِعْتِقادِ صحیح سے نصیب ہوتا ہے۔ اس اخلاص کی ضد نفاق ہے، جس میں غیرُ اللہ کا تقرُّب مقصود ہوتا ہے۔

ہمارے شیخ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ نے فرمایا: نفاق اس اِعْتِقادِ فاسد کا نام ہے جو اللہ

1 ......عمل میں اخلاص۔ 2 ......اللہ تعالیٰ کا قرب۔ 3 ......احکامات۔

تعالیٰ کے بارے میں منافق کے دل میں پایا جاتا ہے۔اور یہ اِعْتِقاد اِرادہ کے قَبِیْلہ[1] میں سے نہیں ہے۔ جیسا کہ ہم دوسرے مقام پر ذکر کر چکے ہیں۔

لیکن طلبِ ثواب میں اخلاص کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ نیک عمل سے نفعِ آخرت کا ارادہ کرے، ہمارے شیخ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ اس کی حقیقت یہ بیان کرتے تھے:

''ایسے نیک کام پر نفعِ آخرت کا ارادہ کرنا جسے شرعاً رَدّ کرنا دشوار ہو اور رَدّ کردینے کی صورت میں آخرت میں نفع کی اُمید باقی نہ رہے۔''

ہم اخلاص کی اس تعریف میں ملحوظ قیدوں کی شرح دوسرے مقام پر کرچکے ہیں۔

ایک دفعہ حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام کے حواریوں نے آپ (عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام) سے دریافت کیا: ''اخلاص کیا ہے؟'' آپ (عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام) نے جواب دیا: ''اخلاص یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے لیے نیک کام کرے اور دل میں اس کی چاہت نہ رکھے کہ اس پر اس کی حمد وثناء کی جائے۔''

حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام کے اس قول مبارک کا مطلب بھی یہی ہے کہ بندہ ریاء کو نزدیک نہ آنے دے اور حمد وثناء کی خصوصیت سے نفی اس واسطے فرمائی کہ یہ ریاء کے اَقْوٰی[2] اَسْباب ہیں جو اخلاص کو تباہ وبرباد کرتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ فرماتے ہیں: ''ریاء کاری وغیرہ کے میل کچیل سے اَعمال کو پاک وصاف رکھنے کا نام اخلاص ہے۔''

---

1 ......قسم۔ 2 ......قوی ترین۔

حضرت فضیل بن عیاض رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہ فرماتے ہیں: ”تمام نفسانی اور بشری تقاضوں کو بھول جانے اور اللہ تعالٰی کی ذات پاک کے ساتھ دَوامِ رَبْط [1] اور دَوامِ مُراقبہ [2] کا نام اخلاص ہے۔“

یہ اخلاص کا مکمل بیان ہے۔ اخلاص کی تعریف میں اور بھی بہت سے اَقوال ہیں لیکن اِنکشافِ حَقائق [3] کے بعد نقلِ اَقوال میں کوئی فائدہ نہیں۔

حضور نبی کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم سے جب اخلاص کی حقیقت دریافت کی گئی تو آپ (صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) نے فرمایا:

”تَقُوْلُ رَبِّیَ اللّٰہُ ثُمَّ تَسْتَقِیْمُ کَمَا اُمِرْتَ“ اخلاص یہ ہے کہ تو کہے: میرا رب اللہ ہے، اور پھر جو تجھے حکم ہے اس پر قائم اور مضبوط ہو جائے۔

یعنی تو اپنے نَفْس اور خواہشات کی عبادت چھوڑ دے، بلکہ صرف رب تعالٰی کی پوجا اور بندگی کرے اور اس کے حکم کے مطابق اس کی عبادت اور بندگی میں مستقیم [4] رہے۔ حضور عَلَیْہِ السَّلام کے اس ارشاد میں دراصل اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالٰی کے سوا ہر شے سے تعلق مُنْقَطِعْ کر لے اور اس کی ذات کے سوا ہر چیز اپنی نظر سے ہٹا دے، اِخلاصِ حقیقی اسی کا نام ہے۔ اخلاص کے مقابلہ میں ریاء ہے، اور ریاء کی تعریف ہے: عملِ آخرت کے عِوَض دُنْیَوِی نفع کا ارادہ کرنا۔ پھر ریاء دو قسم ہے: ﴿1﴾ رِیاءِ مَحْض ﴿2﴾ رِیاءِ مَخْلُوط۔

ریاءِ محض تو یہ ہے کہ صرف دُنْیَوِی نفع کا ارادہ کیا جائے۔ اور رِیاءِ مَخْلُوط

1 ...... ہمیشہ اللہ تعالٰی کے ساتھ لو لگائے رکھنا۔ 2 ...... ہمیشہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کی یاد میں رہنا۔
3 ...... حقیقت واضح ہو جانے۔ 4 ...... قائم۔

یہ ہے کہ عملِ آخرت سے دُنیوی اور اُخروی دونوں قسم کے نفع کا ارادہ کیا جائے۔

یہ تو تھی اخلاص اور رِیاء دونوں کی حقیقت اور ماہیَّت باقی رہی ان دونوں کی تاثیر تو اخلاص سے تو تم اپنے فعل کو قُربَت اور نزدیکی کا سبب بنالوگے اور طلبِ ثواب میں اخلاص سے تمہارا عمل بڑے ثواب اور عظمت کا مستحق ہو جائے گا۔ اس کے بَرعَکس[1] نِفاق عملِ خیر کو ضائع کر دیتا ہے اور اس عمل سے نزدیکی اور قُربَت کی حیثیت سَلب کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نیک عمل پر ثواب کا جو وعدہ کیا ہے نفاق سے وہ عمل اس وعدے کا مُستحق نہیں رہتا۔

بعض عُلَماء کے نزدیک ریاءِ محض کا صُدُور عارف سے نہیں ہوسکتا ہاں ریاء کی آمیزش ہوسکتی ہے۔ جس سے نصف ثواب باطل اور ضائع ہوسکتا ہے اور بعض دوسرے عُلَماء کے نزدیک عارف سے رِیاءِ مَحض کا صُدُور بھی ہوسکتا ہے اور اس سے دُگنے کا نصف ثواب ضائع ہوتا ہے اور ریا مخلوط سے دُگنے کا چوتھائی ثواب برباد ہوتا ہے اور ہمارے شیخ قُدِّسَ سِرُّہٗ کے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ عارِف سے آخرت کا تصور ہوتے ہوئے رِیاءِ مَحض کا صُدُور نہیں ہوسکتا، ہاں آخرت سے سَہو کی صورت میں رِیاءِ مَحض کا صُدُور ممکن ہے۔

مختار اور پسندیدہ بات یہ ہے کہ ریاء کی تاثیر سے عمل کی قبولیت ختم ہوجاتی ہے اور ثواب میں کمی واقع ہوجاتی ہے باقی یہ اندازہ نہیں ہوسکتا کہ نصف ثواب ضائع ہوتا ہے یا چوتھائی ثواب اور ان مسائل کی شرح بڑی طویل ہے، ہم ان کی مکمل اور پوری شرح وتفصیل کتاب "اِحیاءُ العُلُوم" اور "اَسرارِ مُعاملاتِ دِین" میں کرچکے ہیں۔

---

1 ......خلاف۔

سوال: اگر تم یہ سوال کرو کہ اخلاص کا مَوْقَعہ مَحل کون سا ہے اور کس طاعت میں یہ پایا جاتا ہے اور کہاں واجِب وضروری ہے؟

جواب: تو اس کا جواب یہ ہے کہ بعض عُلَماء کے نزدیک اعمال تین قسم ہیں:

ایک قسم وہ ہے جس میں دونوں قسم کا اخلاص پایا جاتا ہے اور وہ عباداتِ ظاہِرَہ اَصْلِیَّہ ہیں۔ دوسری قسم عبادات کی وہ ہے جس میں دونوں قسم کا اخلاص نہیں پایا جاتا، وہ عباداتِ بَاطِنِیَّہ اَصْلِیَّہ ہیں۔ اور اعمال کی تیسری قسم وہ ہے جس میں طلبِ اَجرو ثواب کا اخلاص تو پایا جاتا ہے لیکن اِخْلَاصُ الْعَمَل [1] نہیں پایا جاتا اور یہ وہ مُباحات ہیں جو سامانِ آخرت کے طور پر انسان اپنے پاس رکھتا ہے۔

ہمارے شیخ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے فرمایا ہے: وہ عباداتِ اَصْلِیَّہ جو غَیْرُ اللّٰہ کے لیے بھی ہوسکتی ہیں ان میں اخلاصِ عمل پایا جاتا ہے، تو اکثر عباداتِ بَاطِنِیَّہ میں اخلاصِ عمل مُتَحَقِّق ہوتا ہے۔ لیکن طلب اجر میں اخلاص تو یہ اکثر مَشائخِ کَرَّامِیَّہ کے نزدیک عباداتِ باطِنَہ میں نہیں پایا جاتا کیونکہ ان پر اللّٰہ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی کے سوا کوئی مُطَّلع نہیں ہوتا تو ان میں رِیاء کے اَسباب و دَوَاعی نہیں پائے جاسکتے لہٰذا ان میں طلبِ اَجر کے اخلاص کی حاجت اور ضرورت نہیں پڑتی۔ ہمارے شیخ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی کا کہنا ہے کہ جب ایک بندۂ مُقَرَّب عباداتِ باطِنَہ سے دُنْیَوی نفع کا قصد کرے تو یہ بھی ریاء میں داخل ہے۔ میں کہتا ہوں اس صورت میں کوئی بَعِید نہیں کہ بہت سی عباداتِ باطِنَہ میں دونوں قسم کا اخلاص پایا جائے۔ اسی طرح نوافل شروع کرتے وقت دونوں قسم کا اخلاص ہونا ضروری ہے لیکن وہ مُباحات جو تیاری آخرت

---

[1] ......عمل کا اخلاص۔

کی غرض سے انسان نے اپنے پاس رکھے ہوئے ہیں ان میں طلبِ ثواب کا اخلاص تو پایا جاتا ہے مگر اخلاصِ عمل نہیں پایا جاتا کیونکہ یہ مُباحات بذات خود عبادت وقُربت نہیں ہیں بلکہ قُربت وبندگی کا ذریعہ اور مُوجِب [1] ہیں۔

سوال: اگر تم کہو کہ یہ جو بیان کیا گیا ہے یہ دونوں قسم کے اخلاص کے مَوقعہ ومَحل کا بیان تھا ان دونوں کا وقت بھی بتائیں۔

جواب: اِخلاصِ عمل تو فعل کے ساتھ ہی ہوتا ہے اس سے مُتأخِر [2] نہیں ہوسکتا لیکن اخلاص طلبِ اجر عمل سے مُتأخِر ہوسکتا ہے اور بعض علماء (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) عمل سے فراغت کے وقت کا اعتبار کرتے ہیں یعنی عمل سے فراغت اخلاص کی کیفیت پر ہوتی ہے تو اِخلاص کا اعتبار ہوگا اور اگر رِیاء پر ہوتی ہو تو رِیاء کا اعتبار ہوگا اور چونکہ عمل سے فراغت ہوچکی ہے، اس لیے اب اس کا تَدارُک [3] ممکن نہیں اور مَشائخِ کَرّامِیّہ کے نزدیک جب تک عمل سے کوئی دُنیوی مَنْفِعت [4] نہ اٹھالی ہو اور اخلاص کا ارادہ کرلیا جائے تو اخلاص مُعْتَبر ہوجائے گا لیکن اگر دُنیوی مَنْفِعت حاصل کرلی ہو تو پھر اخلاص کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا اور بعض علماء کا خیال ہے کہ فرائض میں موت تک اخلاص کا پیدا کرلینا ممکن ہے لیکن نوافل میں نہیں اور انہوں نے فرائض اور نوافل میں فرق کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ فرائض میں اللّٰہ تعالٰی کے حکم سے بندہ داخل ہوتا ہے، تو اس میں اللّٰہ تعالٰی کے فَضْل اور اس کی طرف سے آسانی کی امید ہوتی ہے لیکن نوافل میں یہ صورتِ حال نہیں کیونکہ نوافل بندہ اپنی مرضی اور چاہت سے شروع کرتا ہے۔ لہٰذا ان میں سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ انہیں

1 سبب۔ 2 بعد میں۔ 3 تلافی۔ 4 فائدہ۔

کَمَا حَقُّهٗ ادا کرے اور ان میں ذرا سی کوتاہی نہ آنے دے۔ میں کہتا ہوں کہ اس مسئلہ میں ایک فائدہ ہے وہ یہ کہ جس شخص سے ریاء کا صُدور ہو چکا ہو، یا ترکِ اِخلاص کا اِرتکاب ہو چکا ہو تو اس کے لیے مذکورہ وُجوہ کی روشنی میں تلافی اور تدارُک کی گنجائش ہے۔ ان باریک اور دَقیق مسائل میں لوگوں کے مختلف مذاہب نقل کرنے سے ایک مقصد تو یہ ہے کہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ فی زمانہ صحیح عمل کرنے والے بہت کم ہیں اور اس راہِ تصوف وفَقر پر چلنے والوں کی رغبت اور ان کا شوق ختم ہو چکا ہے۔ اس لیے وہ ان دَقائق وحقائق کو جاننے کی طرف متوجہ نہیں۔ نقلِ مذاہب سے دوسرا مقصد یہ ہے کہ اس راستے کے مُبْتَدِی [1] کو عبادات میں اور قریب لایا جائے اور اس کو اپنی بیماریوں کا علاج ایک مذہب میں نہ ملے تو دوسرے مذہب میں پالے کیونکہ انسانی اَمراض، اَغراض، اَعمال کی خرابیاں اور ان کی آفات مختلف ہیں۔ اِنْ شَآءَ اللّٰه تعالٰی تم یہ باتیں اچھی طرح سمجھ لوگے۔

سوال: کیا ہر عمل میں اِخلاص مُفْرَد ہی صرف کافی ہوسکتا ہے یا ہر عمل کے ہر جزو کے لیے علیحدہ علیحدہ اِخلاص جدید کی ضرورت ہے۔

جواب: اس میں علماء کرام کا اختلاف ہے، بعض تو یہ کہتے ہیں سارے عمل کے لیے ایک ہی اخلاص کی ضرورت ہے، اور بعض یہ کہتے ہیں کہ کچھ اعمال ایسے ہیں جن میں ایک اخلاص ہی کفایت کرتا ہے جیسے وہ اعمال جو مختلف ارکان سے مُرَکَّب [2] ہیں لیکن مِنْ حَیْثُ الْمَجْمُوع [3] دُرُستی اور فساد کے لحاظ سے ایک شے کی حیثیت رکھتے ہیں، جیسے نماز، روزہ وغیرہ۔

---

1 ......آغاز کرنے والے۔ 2 ......مل کر بنے۔ 3 ......مجموعی اعتبار سے۔

سوال: ایک شخص اپنے عملِ خیر سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خُوشنودی نہیں بلکہ اپنے نفع اور فائدے کا ارادہ کرتا ہے۔ لوگوں سے کوئی ارادہ نہیں رکھتا یعنی اس کے دل میں یہ بات نہیں کہ اس عمل خیر پر لوگ میری حمد وثناء کریں یا میرے عمل کو دیکھیں یا مجھے کوئی نفع پہنچائیں۔ تو کیا اس قسم کا عمل بھی ریاکاری میں داخل ہے۔

جواب: اس قسم کا عمل خالص رِیاء کارانہ عمل ہے، علماء کرام (رَحِمَھُمُ اللہُ تعالٰی) فرماتے ہیں کہ عمل میں مراد کا اعتبار ہوتا ہے اس کا اعتبار نہیں ہوتا جس سے مراد طلب کی جارہی ہو۔ لہٰذا عمل سے تیری مراد اگر دُنیوی نفع اور فائدہ ہو تو بہر حال یہ ریاء ہے چاہے خدا تعالیٰ سے یہ مراد طلب کی جارہی ہو یا لوگوں سے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ حَرۡثَ الۡاٰخِرَۃِ نَزِدۡ لَہٗ فِیۡ حَرۡثِہٖ ۚ وَ مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ حَرۡثَ الدُّنۡیَا نُؤۡتِہٖ مِنۡہَا وَ مَا لَہٗ فِی الۡاٰخِرَۃِ مِنۡ نَّصِیۡبٍ ﴿۲۰﴾ (1)

جو شخص آخرت کی کھیتی کا ارادہ رکھتا ہو تو ہم اسکی اس کھیتی میں اضافہ کریں گے اور جو دنیا کی کھیتی چاہتا ہو تو ہم اسے کچھ دیدیتے ہیں لیکن آخرت میں اسے کچھ حصہ نہیں ملے گا۔

اور لفظ رِیاء کا اعتبار نہیں بلکہ نیت اور مراد کا اعتبار ہے اور یہ لفظ "رُؤیَۃ" سے مُشتَق (2) ہے، اس سے اِشتِقاق (3) کی وجہ یہ ہے کہ یہ ارادہ فاسدہ اکثر وبیشتر لوگوں کی طرف سے اور ان کے دیکھنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔

(1) ...... ترجمۂ کنز الایمان: جو آخرت کی کھیتی چاہے ہم اس کے لیے اس کی کھیتی بڑھائیں اور جو دنیا کی کھیتی چاہے ہم اسے اس میں سے کچھ دیں گے اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں۔

(پ ۲۵، الشورٰی: ۲۰)

(2) ...... وہ لفظ جو کسی دوسرے لفظ سے نکلا۔ (3) ...... ایک لفظ سے دوسرے لفظ بنانے۔

سوال: اگر ایک شخص اللہ تعالیٰ سے دنیا اس لیے طلب کرے کہ وہ لوگوں کے سامنے دستِ حاجت دراز کرنے سے بچے اور اللہ تعالیٰ کی بندگی اور عبادت میں دِل جمعی سے مصروف ومشغول رہ سکے تو کیا ایسا قصد وارادہ بھی ریاء میں داخل ہے۔

جواب: لوگوں کے سامنے دستِ حاجت دراز کرنے سے بچنا کثرتِ مال وجاہ اور سامانِ دنیا کی زیادتی سے نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ چیز تو قناعت اور خدا تعالیٰ پر کامل بھروسے اور تَوَکُّل سے ہوتی ہے لیکن اگر طلبِ دنیا سے اس کا مقصد یکسوئی سے عبادت میں مصروف ہونا ہو تو اس طرح کا مقصد وارادہ ریاء میں داخل نہیں لیکن اس سے وہی چیزیں مراد ہوں گی جو آخرت اور اَسبابِ آخرت سے تعلق رکھتی ہیں اور اس کا قصد بھی قَطْعًا آخرت کی تیاری سے ہی متعلق ہو۔ اگر کسی عملِ خیر سے اس قسم کا ارادہ ہو تو وہ رِیاء نہیں کیونکہ دُنْیَوِی اُمور اس ارادہ سے خیر بن جاتے ہیں، یا اعمالِ آخرت کے حکم کے تحت آجاتے ہیں اور خیر کا ارادہ ریاء نہیں ہوسکتا۔ یوں ہی اگر تم یہ ارادہ کرو کہ لوگوں میں تمہاری عزت ہو اور مشائخ اور مذہبی رہنما تم سے محبت کریں۔ لیکن اس سے تمہارا مقصود یہ ہو کہ تمہیں اہلِ حق کے مذہب کی تائید وتقوِیَت کی قدرت حاصل ہو یا اس طرح مؤثر طور طریقہ پر اہلِ بدعت کا رد کرسکو، تاکہ اس طرح ٹھوس طریقہ سے علمِ دین کی اشاعت کرسکو اور لوگوں کو عبادت کی تَحْرِیْص وترغیب دے سکو۔ اپنے نفس کی عظمت وبزرگی اور حصولِ دنیا کی نیت نہ ہو تو دین سے متعلق اس طرح کے تمام مضبوط ارادے اور اچھی نیتیں رِیاء میں داخل نہیں کیونکہ درحقیقت ان سے مقصود آخرت ہے۔

میں نے بعض مشائخ (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) سے پوچھا کہ کئی اَولیاءُ اللّٰہ (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) کی عادت ہے کہ وہ عُسرَت وتنگی کے ایام میں سورۂ وَاقِعَه پڑھتے ہیں، کیا ان کی نیت یہ نہیں ہوتی کہ اس سے اللّٰہ تعالیٰ ان کی اس عُسْرَت اور تنگی کو دور کرے اور انہیں رِزْق کے معاملہ میں فراخی اور وُسْعت عطا کرے، کیا عمل آخرت سے حصول دنیا کا ارادہ کرنا درست ہے۔

بعض مَشائخ (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) کی طرف سے اس کا جو جواب مجھے ملا اس کا مفہوم یہ تھا کہ اَولیاء کرام (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) کی مراد و نیت اس سے یہ ہوتی ہے کہ اللّٰہ تعالیٰ انہیں قناعت عطا کرے اور اتنی مقدار میں روزی عطا کرے جس سے وہ عبادتِ الٰہی بجالاتے رہیں اور دَرْس و تدریس کی قوت بحال رہے اور اس طرح کا ارادہ نیک ارادہ ہے دنیا کا ارادہ نہیں۔

جاننا چاہیے کہ عُسْرَت وتنگی کے وقت فَراخیِ رِزْق [1] کے لیے اس سورت کو پڑھنے کا معمول بنانا خود حضور نبی کریم عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلام اور صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ سے مروی ہے یہاں تک کہ حضرت ابنِ مسعود [2] رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ نے بوقتِ وفات سب مال خیرات کر دیا اور اپنی اولاد کے لیے کچھ نہ چھوڑا تو اس فعل پر جب ان کو ڈانٹا گیا تو انہوں نے جواب دیا میں اپنی اولاد کے لیے سورۂ وَاقِعَه چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ [3]

1 ......رزق کی کشادگی۔ 2 ...... یہاں لفظ ''ابو مسعود'' تھا، یہ کتابت کی غلطی ہے کیونکہ اصل عربی متن میں درست لفظ ''ابن مسعود'' ہے، لہٰذا اس کی تصحیح کر دی گئی ہے۔ (علمیہ)

3 ......شعب الایمان، باب فی تعظیم القرآن، فصل فی فضائل سور والآیات، حدیث: ٢٤٩٧، ٢/٤٩١، بتغیر۔

سُنّت کے اسی اصول کے مطابق ہمارے علماء کرام رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے اس قسم کی باتیں اختیار کیں۔ ورنہ بِحَمْدِهٖ تعالٰی انہیں دنیا کی عُسْرَت اور فراخی کی کوئی پرواہ نہیں تھی بلکہ وہ تو اَسبابِ دنیا کی تنگی اور عُسْرَت کو غنیمت جانتے تھے اور اس میں ایک دوسرے پر فوقیت لے جانے کی کوشش کرتے تھے اور مالی تنگدستی کو اللہ تعالٰی کا احسانِ عظیم تصور کرتے تھے اور جب اپنے آپ کو ساز و سامانِ دُنیوی کی وُسْعَت وکشادگی میں دیکھتے تو سخت ڈرتے تھے حالانکہ اکثر لوگ دُنیوی مال و نعمت کو اللہ تعالٰی کا فضل وکرم خیال کرتے ہیں باوجود یہ کہ یہ وُسْعَتِ مال و دولت ان کے لیے اِسْتِدْرَاج [1] اور مصیبت ہوتا ہے۔

اللہ تعالٰی کے نیک بندے عُسْرَت اور تنگدستی کو کیوں اللہ تعالٰی کا احسان تصور نہ کریں جب کہ ان کی اندرونی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ عموماً بھوک کی حالت میں ہوتے ہیں۔ مُتَقَدِّمِین صوفیاء [2] (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) کہا کرتے تھے: بھوک ہمارا سرمایہ ہے۔ اس بارے میں اہلِ تصوف کا مذہب یہ ہے اور میرا اور میرے مشائخ کا مذہب بھی یہی ہے اور ہمارے اَسلاف کی سیرت بھی یہی تھی۔ باقی رہا اس سلسلے میں بعض مُتَأَخِّرِین [3] کا کوتاہی کرنا تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

رزق کی وُسْعَت اور تنگی کے متعلق ان کا نُقْطَۂ نظر میں نے اس لیے بیان کیا ہے تاکہ مخالف جہالت کی وجہ سے ان کو حقیر اور مجبور خیال نہ کرے یا صَحِیْحُ الْعَقِیْدَہ مُبْتَدِی [4] ان کے متعلق غلطی میں مبتلا نہ ہو۔

---

1 ...... اللہ عَزَّوَجَلَّ کا بندے کو ڈھیل دینا۔ 2 ...... گزشتہ زمانے کے صوفیاء کرام۔
3 ...... بعد میں آنے والوں۔ 4 ...... وہ جو ابھی راہِ تَصَوُّف کے ابتدائی مراحل میں ہو۔

سوال: اَہلِ علم، اَصحابِ تَجَرُّد وزُہد[1] اور اَرْبابِ صَبْر وقَناعَت[2] کو یہ کب لائق ہے کہ وہ حصولِ دنیا کے لیے وظیفے کرتے پھریں؟

جواب: جب کہ مقصود حصولِ قناعت اور تیاری آخرت ہو تو پھر قُوْتِ لَا یَمُوْت[3] کے لیے کوئی وظیفہ پڑھنا یا قرآن کی سورۃ پڑھنا سنت سے ثابت ہے۔ ہاں حرص وشہوت کی پیروی کے لیے ایسا کرنا درست نہیں، نیز عُسْرت اور تنگدستی سے پریشان ہو کر یہ راستہ اختیار کرنا بھی ٹھیک نہیں۔

اور جب مقصود تیاری آخرت ہو تو اس کے پیچھے اکثر وبیشتر تو اپنے دل میں قناعت محسوس کرے گا اور بھوک اور ضُعْف ولاغرِی[4] کو بھی مَفْقُوْد پائے گا۔ نیز طَعام سے بے نیازی اور عدَمِ حاجت[5] بھی محسوس کرے گا جن لوگوں نے اس کا تجرِبَہ کیا ہے ان کو اس کا اچھی طرح علم ہے اللہ تعالیٰ تجھے توفیق دے اور اس تحقیق کو ذہن میں رکھ۔

عُجْب

دوسرا اَمْرِ قادِح[6] عُجْب ہے، اس سے بچنا دو وجہ سے ضروری ہے: ایک تو یہ ہے کہ عُجْب کے باعث انسان توفیق وتائیدِ ایزَدِی[7] سے محروم ہو جاتا ہے، عُجْب میں گرفتار انسان انجام کار[8] ذلیل وخوار ہوتا ہے، جب انسان توَفیق وتائیدِ خداوَندِی

---

1 ...... عبادت کے لئے مخلوق سے علیحدگی اختیار کرنے والے پرہیزگار لوگوں۔ 2 ...... صبر کرنے اور تھوڑے رزق پر راضی رہنے والوں۔ 3 ...... اس قدر خوراک جس سے زندگی قائم رہے۔

4 ...... کمزوری۔ 5 ...... حاجت کا نہ ہونا۔ 6 ...... اعمال برباد کرنے والی بُرائی۔ 7 ...... اللہ تعالیٰ کی جانب سے ملنے والی توفیق وحمایت۔ 8 ...... آخرکار۔

سے محروم ہو جاتا ہے تو ہلاکت و بربادی کا جلد شکار ہوتا ہے، اسی لیے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ انسان کو تین چیزیں ہلاک کرتی ہیں: بُخل جس کی پیروی کی جائے، خواہشِ نفسانی جس کا انسان مُتَّبِع[1] بن جائے۔ اور آدمی کا اپنے آپ کو اچھا جاننا۔[2]

دوسری وجہ یہ ہے کہ عُجب عملِ صالح کو تباہ و برباد کر دیتا ہے اسی لیے حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلام نے حَوَارِیِّین[3] سے فرمایا: بہت سے چراغ ہیں جن کو ہوا نے بجھا دیا اور بہت سے عابد ہیں جن کو عُجب نے تباہ کر دیا، جب انسانی زندگی سے مقصود اور غرض و غایت عبادت و بندگی ہے اور یہ خَصْلَت[4] انسان کو اس مقصود سے محروم کر دیتی ہے کہ انسان کسی خیر کو حاصل نہیں کر سکتا اور اگر کچھ تھوڑی بہت نیکی حاصل بھی کرے تو یہ عُجب اس کو بھی تباہ کر دیتا ہے، اور اس کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں رہتا تو بہت ضروری ہے کہ انسان اس سے بچے اور محفوظ رہے۔ وَاللّٰہُ وَلِیُّ التَّوْفِیْقِ وَالْعِصْمَۃِ

عُجب کی حقیقت اور اس کا معنی

اگر تم یہ دریافت کرو کہ عُجب کی حقیقت اور اس کا معنی کیا ہے، نیز اس کی تاثیر اور اس کا حکم اور نتیجہ کیا ہے۔ اس کی وضاحت ہونی چاہیے تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ عُجب کی حقیقت یہ ہے:

---

1 ...... پیروی کرنے والا۔

2 ...... شعب الایمان، باب فی الخوف من اللّٰہ تعالٰی، ۱/٤۷۱، حدیث: ٧٤٥ والمعجم الاوسط، ٤/١٢٩، حدیث: ٥٤٥٢۔

3 ...... اپنے اَصحاب۔ 4 ...... عادت۔

"اَلْعُجُبُ اِسْتِعْظَامُ الْعَمَلِ الصَّالِح" اپنے اَعمالِ صالحہ [1] کوعظیم خیال کرنے کا نام عُجب ہے۔

ہمارے علماء کرام عَلَیْہِمُ الرَّحْمَة کے نزدیک عُجب کی تفصیل یہ ہے کہ بندہ یہ ذکر واِظہار کرے کہ عملِ صالح [2] کی فضیلت وبزرگی فلاں شے سے یا مخلوق یا نفس سے ہوئی ہے نہ کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کا حُصُوْل ہوا ہے۔ علماء کرام (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) کا بیان ہے کہ بعض اوقات عُجب میں مبتلا انسان تینوں چیزوں کا ذکر کرتا ہے بعض اوقات دو کا ذکر کرتا ہے اور بعض اوقات صرف ایک کا ذکر کرتا ہے، اور عُجب کی ضد اِحسان اور مِنَّت ہے۔ اِحسان ومِنَّت سے یہ مراد ہے کہ انسان یہ ظاہر کرے کہ یہ سب بزرگی وفضیلت خداوند تعالیٰ سُبْحَانَہٗ کی تائید وتوفیق سے ہے اور مجھے یہ حاصل شدہ شرف وبزرگی اور مرتبہ ومقام عطا کرنے والا رب تعالیٰ ہے۔ عُجب کے اَسباب وعلامات کے ظُہور کے وقت خدا تعالیٰ کے احسان کا ذکر کرنا فرض ہوجاتا ہے اور عام اوقات وحالات میں اس اِحسانِ خداوندی کا تذکرہ مستحب و بہتر ہے۔

باقی رہی عُجب وخودستائی کی عملِ صالح میں تاثیر تو اس کے متعلق بعض علماء کرام (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) فرماتے ہیں کہ عُجب والے انسان کے اَعمال کو ضائع کرنے کے متعلق انتظار کی جاتی ہے اگر وہ موت سے پہلے توبہ کرلے تو اس کے اعمال ضائع ہونے سے بچ جاتے ہیں ورنہ ضائع کردیے جاتے ہیں۔ مَشَائِخِ کَرَّامِیَّہ میں

1...... نیک اعمال۔

2...... نیک عمل۔

سے محمد بن صابر کا یہی مذہب ہے، محمد بن صابر کے نزدیک اَعمال کے ضائع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عملِ صالح ہر قسم کی اچھائی سے خالی ہو جائے کہ اجر وثواب اور مدح[1] تک کا اِستحقاق ختم ہو جائے محمد بن صابر کے علاوہ دوسروں کے نزدیک اَعمال ضائع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عملِ صالح پر دُگنا تگنا ثواب جو ملنا تھا وہ ضائع ہو جاتا ہے عمل کا اصل ثواب باقی رہتا ہے۔

سوال: عارِف شخص پر یہ بات کیسے پوشیدہ رہ سکتی ہے کہ عملِ صالح کی توفیق دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہی اپنے فَضل واِحسان سے بلند مرتبہ اور کثیر ثواب عطا کرتا ہے۔

جواب: دراصل یہاں ایک عمدہ ذخیرہ اور لطیف نکتہ ہے جس کو ذہن نشین کر لینا جواب کے تمام پہلو واضح کر دیتا ہے اور وہ یہ ہے کہ عُجب کے معاملہ میں لوگ تین قسم ہیں: ایک وہ ہیں جو ہر حال میں عُجب وخودستائی کا شکار ہیں اور یہ مُعْتَزِلَہ اور قَدَرِیَّہ کا گروہ ہے جو اپنے اَفعال کا خود اپنے آپ کو خالق جانتا ہے اور اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کا اپنے اوپر کوئی احسان تسلیم نہیں کرتا اور اس کی مدد ونصرت اور توفیق اور لطف خاص کا منکر ہے اور یہ خرابی انہیں اس شبہ کی بنا پر لاحق ہوتی ہے جس نے ان کو متأثر کیا ہوا ہے۔

دوسرا گروہ وہ مُسْتَقِیْمُ الْحَال کَامِلِیْن[2] ہیں جو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے احسان کو ہی یاد کرتے ہیں ان کو اپنے کسی بھی عمل میں عُجب لاحق نہیں ہوتا اور یہ اس بصیرت کے باعث ہے جو ان کو عطا ہوتی ہے اور اس تائید کی وجہ سے ہے جو انہی کے

1 ...... تعریف۔ 2 ...... درست حال کامل لوگ۔

ساتھ خاص ہے۔

تیسرا گروہ عام اَہلِ سُنّت و جماعت ہیں جو جب بیدار ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا ہی احسان مانتے ہیں اور جب ان پر غفلت طاری ہوتی ہے تو عُجب اور خود ستائی کا شکار ہو جاتے ہیں اور یہ عارضی غفلت سستی اور کمی بصیرت کی وجہ سے ہوتا ہے۔

سوال: قَدَرِیَّہ اور مُعْتَزِلَہ کے اَفعال واَعمال کی صورتِ حال کیا ہے۔ کیا اس عُجب کی وجہ سے ان کے سب اَعمال ضائع اور برباد ہیں؟

جواب: اس میں بہت اِختلاف ہے، بعض کا قول ہے کہ ان کے تمام اَعمال ضائع اور بے کار ہیں کیونکہ ان کا عقیدہ ہی خراب ہے اور بعض کہتے ہیں: اگر ایک شخص فِی الْجُمْلَہ [1] اسلامی عقیدے رکھتا ہو تو تھوڑی بہت اِعتقادی غلطی سے اس کے اَعمال ضائع نہیں ہوتے جب تک ہر عمل میں عُجب موجود نہ ہو، جس طرح عقیدہ اہلِ سنت ہوتے ہوئے یہ ضروری نہیں کہ عُجب سے محفوظ رہے جب تک خصوصیت سے اللہ تعالیٰ کے احسان کا اظہار نہ کرے۔

سوال: کیا ریاء اور عُجب کے علاوہ بھی کوئی چیز اعمال کو نقصان دیتی ہے۔

جواب: ان کے علاوہ بھی بہت ایسی چیزیں ہیں جو اَعمال کو خراب کرتی ہیں، ہم نے ان دو کا خصوصیت سے اس لیے ذکر کیا ہے کہ بربادیِ اَعمال میں اصل اور بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں ورنہ بعض مَشائخ (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) کا قول ہے کہ بندہ پر لازم ہے کہ اپنے عمل کو دس چیزوں سے محفوظ رکھے:

(١) نفاق سے (٢) ریاء سے (٣) لوگوں سے میل جول سے (٤) احسان

---

[1] ......مجموعی طور پر۔

جتلانے سے (٥) اَذِیَّت دینے سے (٦) نَدامت سے (٧) عُجْب سے (٨) حسرت سے (٩) سستی اور کاہلی سے (١٠) ملامت کے خوف سے۔ یعنی اگر میں نے فلاں نیک کام کیا تو لوگ ملامت کریں گے۔ پھر ہمارے شیخ مُکَرَّم رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ نے ان میں سے ہر ایک کی ضد اور ان سے اَعمال کو جو ضَرَر[1] پہنچتا ہے سب بیان کیا ہے، چنانچہ آپ (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تعَالٰی عَلَیْہ) فرماتے ہیں: نفاق کی ضد اخلاص عمل ہے اور ریاء کی ضد طلبِ ثواب میں اخلاص پیدا کرنا ہے اور لوگوں سے میل جول کی ضد علیحدگی اور تَجرِیْد و تَفرِیْد[2] ہے اور اِحسان جتلانے کی ضد اپنے عمل کو خدا تعالیٰ کے سپرد کرنا ہے اور اَذِیَّت دینے کی ضد اپنے عمل کی حفاظت ہے۔ ندامت کی ضد نفس کو مضبوط اور قائم کرنا ہے، اور عُجب کی ضد اللہ تعالیٰ کے احسان کا اظہار ہے۔ حسرت کی ضد نیکی اور خیر کو غنیمت جاننا ہے۔ سستی کی ضد توفیق خداوندی کی تعظیم کرنا ہے۔ خوف ملامت کی ضد اللہ تعالیٰ کی خَشیَّت اور اس کا ڈر ہے۔

نفاق سے عمل ضائع اور برباد ہوتا ہے۔ ریاء عمل کو مردود بناتا ہے۔ اِحسان جتلانا اور اَذِیَّت دینا صدَقہ کے ثواب کو برباد کرتے ہیں۔

اور بعض مَشَائِخ (رَحِمَهُمُ اللّٰہُ تعَالٰی) کے نزدیک مَنّ و اَذٰی[3] سے اصل عمل کا ثواب ضائع نہیں ہوتا۔ البتہ دگنا تگنا ثواب جو ملنا تھا وہ ضائع ہو جاتا ہے۔ لیکن نیک عمل پر نَدامت بھی بالاتفاق عمل کو بے کار کرتی ہے۔ عُجب سے اَعمال کا زائد ثواب ضائع ہوتا ہے اور حسرت اور سستی اور خوف ملامت سے عمل کا ثواب کم ہوتا ہے اور عمل کی قدر و قیمت ناقص ہو جاتی ہے۔

1 ......نقصان۔ 2 ......تنہائی۔ 3 ......احسان جتلانے اور اذیت دینے۔

میں کہتا ہوں اعمال کا مقبول ہونا یا مردود ہونا اَصحابِ تحصیل [1] کے نزدیک مختلف قسم کی عظمتوں اور نقصانات کی طرف رجوع کرتا ہے اور اَعمال کے حَبط وضائع ہونے کی بھی مختلف صورتیں ہیں۔ بعض اوقات تو بِالفِعل اَعمال کا نفع برباد ہوتا ہے اور بعض اوقات اَعمال میں رِیاء وغیرہ کی خرابی عمل کے بے کار ہو جانے کا سبب بن جاتی ہے۔ بعض اوقات اَعمال پر ثواب نہیں ملتا اور بعض دفعہ اَعمال کا زائد ثواب نہیں ملتا۔ ثواب تو عمل کا اصل نفع ہے جو عقلاً انسان کو ملنا چاہیے اور عمل کی حالت ثواب کی مُتَقاضِی [2] اور اس کا قرینہ ہوتی ہے اور ثواب کا دگنا تگنا ہو جانا اصل ثواب پر اضافہ اور زیادتی جو اللّٰہ تعالیٰ انسان کو عطا کرتا ہے اور اعمال کی قدر و قیمت میں اضافہ اور خارجی قسم کے حالات وقَرائِن سے عمل میں پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً نیک لوگوں سے حسنِ سلوک کرنا بھی بڑے ثواب کی چیز ہے۔ مگر والدین سے حسنِ سلوک سے پیش آنے میں اس سے بھی زیادہ ثواب ہے۔ پھر ایک نبی (عَلَیْہِ السَّلام) سے حسنِ سلوک سے پیش آنا بہت ہی زیادہ ثواب کا باعث ہے۔ تو بعض اوقات ایک عمل کی قدر و قیمت تو زیادہ ہوتی ہے۔ مگر اس کا ثواب دُگنا تگنا نہیں ملتا یہ گفتگو خلاصہ ہے اس کا جو اس باب میں میرے ذہن میں آئی ہے۔ اس کو اچھی طرح سمجھو۔

وَبِاللّٰہِ التَّوفِیق

فصل

عُجب اور رِیا سے بچنے کے اُصول

تم پر عُجب و رِیاء جیسی خوفناک شے کا عُبور اور قطع کرنا بھی ضروری ہے جو کئی

[1] ……اہلِ علم حضرات۔ [2] ……تقاضا کرنے والی۔

طرح کی ہلاکتوں اور رہزنی کی واردات کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے، لہٰذا اس میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے، طاعات اور نیکیوں کا سرمایہ رکھنے والے کے لیے ان گھاٹیوں سے گزرنا پڑتا ہے اور اس راستے کی تمام مشقتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں اور ان گھاٹیوں کو عبور کرنے سے ہی عابد کو درحقیقت عبادت کا مُعَزَّز اور عمدہ سرمایہ ہاتھ آتا ہے اور اس سرمائے کا ضائع ہونے کا زیادہ تر خطرہ اسی گھاٹی میں پیش آتا ہے کیونکہ اس گھاٹی میں رہزن شیطان کے ایسے ایسے مقامات اور اعمال کی تباہی و بربادی کے ایسے ایسے مَوَاضع [1] موجود ہیں جن میں اس سرمایہ کے چھن جانے کے زبردست خَطرات پائے جاتے ہیں اور ایسی ایسی آفات نمودار ہوتی ہیں جو بندے کی عبادت وطاعت کو بے کار کر کے رکھ دیتی ہیں۔ سب سے زیادہ کَثِیْرُ الْوُقُوْع [2] سب سے عظیم یہ دو رَہزَن ہیں: ایک رِیاء، دوسرا عُجب، لہٰذا ہم یہاں ان دونوں سے بچاؤ کے چند ضروری اور جامع اُصول ذکر کرتے ہیں۔ ان کو ذہن نشین کرنے سے اِنْ شَآءَ اللّٰه تعَالٰی تو ان کے نقصانات سے بچا رہے گا۔

پہلا اُصول:

رِیاء کے بارے میں سب سے پہلے میں خدا تعالیٰ کا یہ ارشاد نقل کرتا ہوں:

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّ	اللہ تعالیٰ وہ قادر ذات ہے جس نے سات
مِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّؕ یَتَنَزَّلُ	آسمان پیدا کیے اور انہی کی مقدار میں زمینیں
الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى	پیدا کیں زمین و آسمان کے درمیان حکم نازل

1 ......مقامات۔ 2 ......بہت زیادہ پیش آنے والے۔

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۱۲﴾ (1)

ہوتا ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادِر ہے اور اس کے علم نے ہر شے کا اِحاطہ کیا ہوا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے گویا یوں فرمایا ہے، میں نے آسمان پیدا کیے اور زمینیں پیدا کیں اور ان دونوں کے درمیان اپنی صَنّاع (2) کے عجیب وغریب نمونے بھی پیدا کیے یہ سب کچھ پیدا کر کے تیری نَظَرِ عبرت کے حوالے کر دیا تاکہ تو خود مشاہدے سے جان لے کہ میں قادر بھی ہوں، عالم بھی ہوں۔ اور اے انسان تیرے نَقْص اور ضُعْف کا یہ حال ہے کہ دو رکعت نماز پڑھتا ہے مگر اس میں بھی تجھ سے کئی طرح کی کوتاہی واقع ہو جاتی ہے اور کئی قسم کے عُیوب ونقائص رہ جاتے ہیں۔ میں چونکہ قادِر ہونے کے ساتھ ساتھ عالم بھی ہوں اس لیے تیری ان دو رکعتوں کو اچھی طرح دیکھ رہا ہوں مگر تو اپنی اس حقیر سی عبادت کے بارے میں میری نظر میرے علم میری مدح وثناء اور میری قدر دانی پر کفایت نہیں کرتا بلکہ تو اس کا طالب ہوتا ہے کہ لوگوں کو تیری اس عبادت کا حال معلوم ہوتا کہ لوگ تیری مدح وثناء کریں، کیا تیرا یہ رویہ وفاداری کا رویہ ہے، کیا یہ دانشمندی کی بات ہے، ایسا رویہ کوئی عقلمند اپنے لیے اختیار نہیں کرتا۔ تجھ پر افسوس! تو بڑی بے سمجھی کا مظاہرہ کرتا ہے۔

---

1 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اللہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور انہی کے برابر زمینیں حکم ان کے درمیان اُترتا ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے اور اللہ کا علم ہر چیز کو مُحِیط ہے۔

(پ ۲۸، الطلاق: ۱۲)

2 ...... قدرت۔

دُوسرا اُصول:

جس شخص کے پاس ایک نَفِیس (1) شے ہو جسے بیچ کر وہ لاکھوں دینار وُصول کرسکتا ہو پھر وہ ایک پیسے کے عوض فروخت کر دے تو کیا یہ عظیم خسارہ نہیں کہلائے گا اور یہ انتہائی دَرَجہ کا نقصان نہیں ہوگا اور اس کا یہ فعل اس کی پست ہمتی اور قُصورِ علم (2) کی دلیل نہیں ہوگی اور یہ اس کی کمزوریِ رائے اور بے عقلی کا ثبوت نہیں؟ ضرور اس کی کم عقلی کا ثبوت ہے۔ بِعَیْنِہٖ (3) یہی حالت اس بندے کی ہے جو اپنے عمل سے خدا تعالیٰ کی رضا اس کی قدردانی، اس کی مَدْح وَستائش اور اس کے ثواب کو چھوڑ کر مخلوقات کی مَدْح وسَتائش (4) اور کمینی دنیا کا طلب گار ہو۔ اللّٰہ تعالیٰ کی رضا وثواب کے مقابلے میں مخلوق کی مدح وثناء اور دنیا کی طلب گاری لاکھوں دینار کے مقابلے میں ایک پیسے سے بھی کم حیثیت رکھتی ہے بلکہ تمام دُنیا وَمَا فِیْھَا (5) بلکہ ایک دنیا نہیں اس طرح کی بیسیوں دنیا بھی خدا تعالیٰ کی رضا کے سامنے ہیچ اور بے حیثیت ہیں۔ کیا یہ خُسرانِ مُبِیْن (6) نہیں کہ اپنے نفس کو اَعمالِ صالحہ (7) کے عوض اللّٰہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی عِنایاتِ عَظِیمہ شریفہ (8) کو چھوڑ کر ان حقیر اور کمینی چیزوں کو چاہے اور قبول کرے۔ پھر اگر کمینی دنیا کی چاہت اور کم ہمتی کا مظاہرہ کرنے سے باز نہیں آسکتے تو پھر بھی آخرت ہی کو چاہو دنیا اس کے ساتھ خود بخود مل جائے گی بلکہ صرف خدا تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے ہی طلب

❶......بہترین۔ ❷......کم علمی۔ ❸......بالکل اسی طرح۔ ❹......تعریف وتوصیف۔ ❺......دنیا اور جو کچھ اس میں ہے۔ ❻......واضح نقصان۔ ❼......اچھے اعمال۔ ❽......بہت بڑے بڑے انعامات۔

گار بنو اللہ تعالیٰ تمہیں دارین کی نعمتوں سے مالا مال کر دے گا کیونکہ وہ دنیا وآخرت سب کا مالک ہے، اسی چیز کو اللہ تعالیٰ اس آیۃ میں بیان فرماتا ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ (1)

جو شخص دنیا کا طالب ہو تو اس کو دنیا بھی خدا ہی سے طلب کرنی چاہیے کیونکہ دنیا وآخرت دونوں کی نعمتیں اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں۔

حضور نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّم فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰہَ لَيُعْطِي الدُّنْيَا بِعَمَلِ الْاٰخِرَةِ وَلَا يُعْطِي الْاٰخِرَةَ بِعَمَلِ الدُّنْيَا (2) اللہ تعالیٰ نیک اعمال کے طفیل دنیا بھی عطا کر دیتا ہے، مگر اعمالِ دُنیوی کے ساتھ آخرت عطا نہیں کرتا۔

توجب تم نیت خالص کر لو اور آخرت کے لیے دُنیوی اَفکار (3) سے ہمت خالی کر لو (4) تو تمہیں دنیا وآخرت مل جائیں گی۔ لیکن اگر تم نے صرف دنیا کو ہی چاہا تو آخرت تمہارے ہاتھ سے نکل جائے گی اور بسا اوقات اُتنی دنیا بھی تم کو نہ ملے گی جتنی تم چاہتے تھے اور حسبِ منشاء (5) دنیا تم کو مل بھی گئی تو پھر بھی وہ چند دن کی بہار ہے، تو طالبِ دنیا بن کر تم نے دنیا وآخرت دونوں کا خسارہ مُول لے لیا، لہٰذا دانشمندی کا ثبوت دو۔

تیسرا اُصول:

وہ مخلوق جس کے لیے تم کام کرو گے اور جس کی رضا کے طالب بنو گے اگر

---

1 ...... ترجمۂ کنز الایمان: جو دنیا کا انعام چاہے تو اللہ ہی کے پاس دنیا وآخرت دونوں کا انعام ہے۔ (پ ۵، النساء، ۱۳۴)

2 ......الزھد لابن مبارک، باب ھوان الدنیا علی اللّٰہ، ص ۱۹۳، حدیث: ۵۴۹، بتغیر قلیل۔

3 ...... دنیا کے خیالات۔ 4 ...... توجہ ختم کر دو۔ 5 ...... خواہش کے مطابق۔

اسے معلوم ہوجائے کہ تم اس کی رضا کے لیے یہ کام کررہے ہوتو وہ تمہیں بُرا جانے گی اور تم پر ناراض ہوگی اور تمہیں ذلیل اور ہلکا جانے گی۔تو ایک عقلمند آدمی اس کے لیے کوئی کام کرنے کو تیار نہیں ہوسکتا جس کو اگر پتہ چل جائے کہ وہ میری رضا کے لیے کام کررہا ہے تو اس پر ناراض ہو اور اس کو ذلیل جانے لہٰذا اے مسکین بندے! اس کی رضا وخوشنودی کے لیے کام کر اور اس کو اپنا مقصود اور اپنی کوششوں کا مرکز بنا جو تجھ سے محبت کرے جو تجھے نعمت عطا کرے اپنی رحمت تجھ پر نچھاور کرے، تیری عزت کرے یہاں تک کہ تجھے اجر وثواب دے کر خوش اور راضی کرے اور تجھے سب سے بے نیاز کردے۔اگر تو عقلمند ہے تو اس نکتہ کو ذہن میں بٹھا۔

چوتھا اُصول:

جس شخص کے پاس کوشش وسَعی کا ایسا سرمایہ موجود ہو جس کے ذریعہ وہ دنیا میں سب سے بڑے بادشاہ کی رضاء اور خوشنودی حاصل کرسکتا ہو،لیکن وہ اس سے بادشاہوں کی خوشنودی تو حاصل نہ کرے بلکہ اس سے ایک جارُوب کش[1] کی رضاء وخوشنودی کا خواہاں بنے تو اس کی یہ حرکت اس بات کی دلیل ہے کہ یہ شخص بے وقوف اور احمق ہے صائبُ الرَّائے[2] نہیں، بدبخت اور بدقسمت ہے،سب لوگ اسے کہیں گے جب عظیم بادشاہ کی خوشنودی حاصل کرنا تیرے لیے ممکن تھا تو تونے اسے ترک کرکے ایک جارُوب کش کی خوشنودی حاصل کرنے میں کیا بہتری محسوس کی۔خاص کر جب کہ بادشاہ کی ناراضگی کی وجہ سے وہ جارُوب کش بھی تجھ

1 ......جھاڑو لگانے والے۔ 2 ......عقلمند۔

سے ناراض ہوگا۔تو اس طرح دونوں کی خوشنودی سے تو ہاتھ دھو بیٹھا۔بِعَیْنِہٖ یہی حال رِیاء کار انسان کا ہے۔جب کہ انسان اللّٰہ رَبُّ الْعَالَمِیْن کی جو انسان کی تمام مُہِمَّات ومشکلات کے لیے کافی ہے، رضاء اور خوشنودی حاصل کرسکتا ہے تو حقیر، ضعیف، بے وُقعت مخلوق کی رضا جوئی کی کیا ضرورت وحاجت ہے پھر اگر تمہاری ہمت کمزور ہو اور تم بصیرت سے خالی ہو کہ لامُحالہ [1] رضاءِ مخلوق کے ہی طالب ہو تو ایسی صورت میں بھی تمہیں اپنا ارادہ غیر کی رضا سے خالی کرنا چاہیے اور اپنی سعی و کوشش خالص خدا تعالیٰ کے لیے ہونی چاہیے کیونکہ لوگوں کے قلوب اور ان کی پیشانیاں اسی کے قبضہ میں ہیں، وہ دلوں کو تیری طرف جھکا دے گا اور نُفُوسِ اِنسانی [2] کو تیرا گرویدہ [3] بنادے گا اور لوگوں کے سینے تیری محبت والفت سے لبریز کردے گا۔تو اس طرح تمہیں وہ کچھ ملے گا جو تم اپنی کوشش اور قصد وارادے سے حاصل نہیں کرسکتے تھے لیکن اگر تم اپنی کوششوں کو خدا تعالیٰ کے لیے خالص نہ کرو بلکہ رضاءِ مخلوقات کے ہی طالب بنو تو ایسی صورت میں اللّٰہ تعالیٰ لوگوں کے دل تم سے پھیر دے گا اور لوگوں کے دلوں میں تیرے متعلق نفرت ڈال دے گا اور مخلوق کو تجھ پر ناراض کردے گا۔تو تمہارے اس رویے سے خدا تعالیٰ بھی ناراض ہوگیا اور مخلوق بھی ناراض ہوگئی تو ایسے شخص کے خسارے اور محرومی کا کیا ٹھکانا۔

حکایت

حضرت حسن بَصْرِی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ سے منقول ہے کہ ایک شخص کہا کرتا تھا: خدا

---

1 ......ضرور۔ 2 ......لوگوں۔ 3 ......محبت کرنے والا۔

کی قسم! میں ایسی عبادت کروں گا جس سے لوگوں میں میرا چرچا ہو، یہ شخص نماز کے لیے سب سے پہلے مسجد میں داخل ہوتا اور سب سے آخر مسجد سے نکلتا۔ اوقاتِ نماز میں ہر وقت نماز پڑھتا ہی نظر آتا، ہمیشہ روزہ دار رہتا، مجالسِ ذکر میں پابندی سے شریک ہوتا، سات ماہ کا عرصہ وہ اسی طرح کرتا رہا لیکن اس کے متعلق لوگوں کا رویہ یہ تھا کہ جب بھی کہیں سے گزرتا تو سب لوگ یہی کہتے اللہ تعالیٰ اس ریاکار کو لے اور سنبھالے، آخر اس نے اپنے آپ پر ملامت کی اور کہا کہ میری عبادت اور بندگی تو ضائع گئی اور اس کا کچھ نتیجہ نہیں نکلا۔ آئندہ کے لیے میں بندگی و عبادت صرف رضاءِ الٰہی کے لیے کروں گا۔ اس نے عبادت میں پہلے کی نسبت مزید اضافہ نہ کیا۔ بلکہ اتنی ہی مقدار میں کرتا رہا، جتنی مقدار میں پہلے کرتا تھا۔ اس نے صرف نیت میں تبدیلی کی اور اس میں اخلاص پیدا کیا۔ اس کے بعد جہاں سے بھی وہ گزرتا سب یہی کہتے اللہ تعالیٰ فلاں شخص پر رحمت نازل فرمائے، یہ حکایت بیان کرنے کے بعد حضرت امام حسن بصری عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ نے یہ آیت پڑھی:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾ (1)

جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے اللہ تعالیٰ عنقریب ان کیلئے دوستی اور مودّت (2) پیدا کر دے گا۔ (3)

---

1 ...... ترجمۂ کنز الایمان: بیشک وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے عنقریب ان کے لیے رحمٰن محبت کردے گا۔ (پ ١٦، مریم: ٩٦)

2 ...... محبت۔

3 ...... تفسیر ابن کثیر، مریم، تحت الآیۃ: ٩٦، ٥ / ٢٣٨۔

یعنی اللہ تعالیٰ خود بھی ان سے دوستی کرے گا اور لوگوں کے دلوں میں بھی ان کی دوستی اور مُوَدَّت ڈال دے گا۔

کسی نے بہت ٹھیک کہا ہے:

(١) یَا مُبْتَغِیَ الْحَمْدَ وَ الثَّوَابَا فِیْ عَمَلٍ تَبْتَغِیْ مُحَالاَ

(٢) قَدْ خَیَّبَ اللّٰہُ ذَا رِیَاء وَ اَبْطَلَ السَّعْیَ وَالْکَلاَلاَ

(٣) مَنْ کَانَ یَرْجُوْ لِقَاءَ رَبِّ اَخْلَصَ مِنْ خَوْفِہٖ الْفِعَالاَ

(٤) اَلْخُلْدُ وَ النَّارُ فِیْ یَدَیْہِ فَرَائِہٖ یُعْطِكَ النَّوَالاَ

(٥) وَ النَّاسُ لَا یَمْلِکُوْنَ شَیْئًا فَکَیْفَ رَایْتَھُمْ ضَلاَلاَ

ترجمہ اشعار: (١) اے لوگوں سے حمد وثواب کے طالب تو اپنے عمل سے ایک اَمرِ مُحال[1] کا قصد کر رہا ہے۔

(٢) اللہ تعالیٰ ریاء کار کو ناکام ونامراد کرتا ہے، اس کی سَعی[2] اور مَشقّت کو بے کار کر دیتا ہے۔

(٣) جو ملاقات رب تعالیٰ کا امیدوار ہو وہ اس کے ڈر سے اپنے اَفعال میں اخلاص پیدا کرتا ہے۔

(٤) جنت اور دوزخ اس کے ہاتھ میں ہیں اس لیے اپنے اعمال اسی کو دکھا وہ تجھے اپنی عطاؤں سے مالا مال کر دے گا۔

(٥) لوگوں کے قبضہ اختیار میں کچھ نہیں، تو بے سمجھی کے باعث ان کیلئے ریاء کاری کیوں کرتا ہے۔

عُجب کا بیان

ہم اس سے بچاؤ کے لیے بھی چند ضروری اور جامع اُصول بیان کرتے ہیں:

1 ...... ناممکن کام۔ 2 ...... کوشش۔

پہلا اصول یہ ہے کہ بلاشبہ بندے کا فعل اسی وقت مفید اور قابلِ اعتبار ہوتا ہے جب کہ اسے محض حصولِ رضاءِ الٰہی کے لیے کیا جائے ورنہ اس کی مثال اس مزدور کی طرح ہوگی جو کہ سارا دن دو درہموں کے لیے مارا مارا پھرتا ہے، اور اس چوکیدار کی طرح ہوگی جو صرف دو پیسوں کے لیے تمام رات جاگتے اپنی آنکھوں سے نکال دیتا ہے اور ایسے جیسا کہ کاروباری لوگ محض چند ٹکوں کے لیے شب و روز اپنے اوقاتِ عزیزہ[1] کو ضائع کرتے رہتے ہیں۔ تو پھر جب بندہ مثلاً محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے ایک روزہ رکھتا ہے تو یوں سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی وجہ سے اس روزہ کی جزا کی مثال نہیں جیسا کہ رب تعالیٰ نے خود فرمایا ہے:

اِنَّمَا یُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۱۰﴾[2] مشکلات پر صبر کرنے والوں کو بے شمار اجر دیا جائے گا۔

اسی حدیث شریف میں وارد ہے:

اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصَّائِمِیْنَ مَا لَا عَیْنٌ رَاَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَ لَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ[3] میں نے اپنے روزہ دار بندوں کے لیے ایسا اجر متعین کر رکھا ہے جس کو کسی آنکھ نے دیکھا تک نہیں اور نہ ہی کسی کان نے اسے سنا اور نہ ہی کسی کے دل پر اس کا کھٹکا تک گزرا۔

بہرصورت بندہ جب اللہ تعالیٰ کے لیے ایک روز روزہ رکھتا ہے تو اس روزہ کی قیمت اور اجر بے انداز[4] ہو جاتا ہے اسی طرح اگر بندہ کسی رات محض حصولِ

1 ......قیمتی وقت۔

2 ......ترجمۂ کنز الایمان: صابروں ہی کو ان کا ثواب بھرپور دیا جائے گا بے گنتی۔ (پ۲۳، الزمر: ۱۰)

3 ......الکامل فی ضعفاء الرجال، یوسف بن السفر، ۸ / ۵۰۰۔

4 ......بہت زیادہ۔

رِضاءِ الٰہی کی خاطر قیام کرتا ہے تو اس اعتبار سے یہ قیام بے شمار اِعزاز اور اہتمام کا مُستَحِق [1] ہو جاتا ہے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (۱۷) [2]

کسی نفس کو علم نہیں کہ اس کے اعمال کا بدلہ اس کی آنکھوں کے لیے کس قدر ٹھنڈک کا موجب ہوگا۔

بہر پہنچ [3] یہ معمولی سی عبادت جس کی قیمت دو درہم یا روپیہ تھی، جب کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کی جائے تو اس کی بے بہا [4] قیمت ہو جاتی ہے بلکہ یوں سمجھئے کہ اگر ایک کسی گھڑی میں محض رِضاءِ الٰہی کے دو رکعتیں پڑھی جائیں بلکہ ایک سانس جس میں "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے پڑھا جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓىٕكَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ یُرْزَقُوْنَ فِیْهَا بِغَیْرِ حِسَابٍ (۴۰) [5]

جو شخص نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت جب کہ وہ ایماندار ہو تو وہ جنت میں داخل ہوں گے جہاں انہیں بلا حساب وکتاب کھانے کو رزق دیا جائے گا۔

---

1 ......حق دار۔

2 ......ترجمۂ کنز الایمان: تو کسی جی کو نہیں معلوم جو آنکھ کی ٹھنڈک ان کے لیے چُھپا رکھی ہے صلہ اُن کے کاموں کا۔(پ ۲۱، السجدۃ: ۱۷)

3 ......بہر حال۔ 4 ......بہت زیادہ۔

5 ......ترجمۂ کنز الایمان: اور جو اچھا کام کرے مرد خواہ عورت اور ہو مسلمان تو وہ جنت میں داخل کیے جائیں گے وہاں بے گنتی رزق پائیں گے۔ (پ ۲۴، المؤمن: ۴۰)

حساب

یہ ایک سانس جس کی دنیاداروں کے ہاں کوئی عزت و قیمت نہیں جب کہ اس کو رضا الٰہی کے حصول کے لیے استعمال کیا جائے تو تو کتنے غیر معمولی اعزاز کا مستحق ہو جاتا ہے تو بندے کو دیکھنا چاہیے کہ وہ شب و روز اپنے ان اُوقاتِ عَزِیْزَہ کو فضول اور بیہودہ کاروبار میں ضائع کرتا ہوا نظر آتا ہے پس عقلمند کو یہ سوچنا چاہیے کہ وہ فعل جو کہ بلا رضاءِ الٰہی کچھ قیمت نہیں رکھتا تھا وہی حصولِ رِضاءِ الٰہی کے نظریہ سے کس قدر شرافت اور احترام کا مستحق ہو جاتا ہے سو اس کا ہر فعل خوشنودی خدا کے لیے ہونا لازمی ہے تاکہ دنیا و آخرت میں ہر طرح سے مفید ثابت ہو اور اس کی یوں ایک مثال دی جاسکتی ہے کہ مثلاً انگور کا گوشہ یا رَیحان[1] کا شِگُوْفہ[2] جس کی بازار میں ایک دَمڑی[3] یا پیسہ قیمت ہو اگر کوئی اس کو بادشاہ کی خدمت میں بطورِ ہدیہ پیش کرے اور وہ بادشاہ اس حقیر سے تحفہ کو شرف قبولیت بخشے اور خوشی سے ایک ہزار اشرفی دے دے تو وہ حقیر شئی حصولِ رضا کی وجہ سے ایک ہزار دینار کی ہو گئی اور اگر وہ اس کو قبول نہ کرے تو اس کی قیمت وہی پیسہ یا دَمڑی پڑے گی، اسی طرح بندے کے جملہ اَعمال[4] کی کیفیت ہے کہ ان کو دیکھ کر اترانا اور دوسروں کے اَعمال کی تحقیر کرنا بندے کے لیے ایک مُہلِک شئی[5] ہے بلکہ یہ اِلتِجا کرنی ضروری ہے کہ اے اللہ یہ سب تیرا ہی فضل و کرم ہے تیری توفیق سے سب کچھ ہوتا ہے کہ بندے کے جُملہ اَقْوال و اَفعال دنیا و آخرت میں مُوْجِبِ اَجْر و ثواب[6] ہوں۔

1 ......ایک خوشبودار پودے۔ 2 ......کلی۔ 3 ......پیسے کا چوتھا حصہ۔ 4 ......تمام اعمال۔
5 ......ہلاک کر دینے والی چیز۔ 6 ......اجر و ثواب کا ذریعہ۔

اور دوسرا اصل یہ ہے کہ تمہیں معلوم ہے کہ دنیا کے بادشاہ جب کسی آدمی کو کوئی کھانا یا مشروب یا لباس یا چند ایک فانی درہم و دینار عطا کرتے ہیں تو وہ آدمی دن رات اس بادشاہ کی خدمت بجالاتا ہے حالانکہ اس خدمت میں ذِلّت بھی ہوتی ہے وہ اسکی خدمت میں اس طرح کھڑا رہتا ہے کہ اس کے پاؤں بے حس ہوجاتے ہیں اور جب بادشاہ اپنی سواری پر سوار ہوتا ہے تو وہ اس کے ساتھ ساتھ دوڑتا ہے کبھی ساری ساری رات اس کے دروازہ پر پہرہ دیتا ہے اور کبھی دشمن سے مقابلہ کی نوبت آتی ہے تو اپنی وہ جان اس پر قربان کردیتا ہے جو اسے پھر کبھی نہ مل سکے گی اور یہ تمام خدمت اور تکلیف اور خطرات اور نقصان صرف اس تھوڑے سے حقیر مَنافع کے لیے برداشت کرجاتا ہے حالانکہ حقیقت میں یہ تمام احسانات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں اور بادشاہ صرف ایک ظاہری سبب ہوتا ہے۔ پھر تیرا وہ رب جس نے تجھے پیدا کیا جب کہ تیری کوئی حقیقت نہ تھی پھر تیری تربیت کی اور بہت اچھی کی پھر تجھ پر دینی دنیاوی اور جانی ظاہری اور باطنی منافع کی تجھ پر بارش برسادی کہ جن کو سمجھنے سے تیری عقل فہم اور فراست قاصر ہے خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ (الآیۃ)[1] اگرتم اللہ تعالیٰ کے احسانات شمار بھی کرنے لگو تو نہ کرسکو۔

پھر دیکھ کہ تو دو رکعت نماز پڑھتا ہے جن میں کئی ایک قُصُور اور کوتاہیاں ہوتی ہیں اور پھر اس کے باوجود اس نے تجھ سے آئندہ کے لیے بہترین جزا اور رنگا رنگ نوازِشات[2] کا وعدہ فرما رکھا ہے اور پھر تو ان رکعات کو بہت کچھ سمجھتا ہے اور ان

1 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو انہیں شمار نہ کرسکو گے۔ (پ ١٤، النحل: ١٨)

2 ...... طرح طرح کی مہربانیوں۔

پر مغرور ہوتا ہے اگر تو غور کرے گا تو تجھے معلوم ہوگا کہ یہ عقلمندی کا کام نہیں ہے۔ اسے یاد رکھ۔

اور تیسرا اصل یہ ہے کہ ایسا بادشاہ جس کی خدمت دنیا کے بادشاہ اور اُمَراء کرتے ہوں جس کی خدمت میں بڑے بڑے اور سردار لوگ دَست بَستہ [1] کھڑے ہوں جس کی خدمت پر دانایانِ زَمانہ [2] اور عُقَلاءِ عَصْر [3] فخر محسوس کرتے ہوں جس کی تعریف عُقَلاء اور علماء کرتے ہوں جس کے آگے آگے رُؤَسا [4] اور اَکابِر [5] دوڑتے ہوں وہ بادشاہ اگر کسی بازاری یا دیہاتی آدمی کو محض اپنے فضل وکرم سے اپنے دروازہ پر حاضر ہونے کی اجازت بخش دے جس کے دروازہ پر بادشاہوں، بڑے لوگوں، سرداروں اور علماء و فُضَلا کی بھیڑ لگی ہو اور پھر وہ بادشاہ اس کو ایک مُعَزَّز مقام پر جگہ دے اور اس کی خدمت کو بنظرِ پسند [6] دیکھے حالانکہ اس میں کئی ایک عیب بھی ہوں تو کیا یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس حقیر انسان پر بادشاہ نے بہت بڑا کرم فرمایا۔ پھر اگر یہ حقیر اپنی ناکارہ خدمت کی وجہ سے بادشاہ پر اپنا احسان جتانے لگے اور اس کو بہت کچھ سمجھے اور اس پر مَغْرُور ہو تو کیا یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ حَدْ دَرَجہ کا بے وقوف اور پاگل آدمی ہے جسے کوئی کسی قسم کا ہُوش نہیں ہے، جب یہ بات ثابت ہوگئی تو اب سمجھنا چاہیے کہ ہمارا معبود برحق ایک ایسا بادشاہ ہے جس کی تَسْبِیحات آسمان زمین اور ان کی تمام مَوْجُودات [7] کررہی ہے۔

---

1 ...... ہاتھ باندھے عاجزی کے ساتھ۔ 2 ...... زمانے کے دانشمند۔ 3 ...... زمانے کے عقلمند۔
4 ...... امیر۔ 5 ...... بڑے بڑے لوگ۔ 6 ...... پسندیدگی کی نظر سے۔ 7 ...... تمام مخلوقات۔

وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ (الآیۃ)[1] کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد اور تسبیح نہ بیان کرتی ہو۔

اور ایک ایسا معبود ہے جس کے سامنے تمام آسمان اور زمینیں سجدہ ریز ہیں خواہ خوشی سے یا ناخوشی سے اور اس کے عقبۂ عالیہ کے خُدّام میں سے ہیں جبریل امین، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل اور عرش اٹھانے والے فرشتے کرّوبی[2] اور رُوحانی[3] اور تمام ملائکہ مُقرّبین کہ جن کی تعداد کو اللہ رَبُّ الْعَالَمِین کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا، باوجود یہ کہ ان کے مقامات بڑے بلند ہیں ان کے نفوس پاک ہیں ان کی عبادت بھی بہت بڑی اور زیادہ ہے، اور پھر اسی کے بابِ عالی کے خادِم ہیں نوح (عَلَیْهِ السَّلَام)، ابراہیم (عَلَیْهِ السَّلَام)، موسیٰ (عَلَیْهِ السَّلَام)، عیسیٰ (عَلَیْهِ السَّلَام) اور محمد (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم) جو تمام کائنات کا خلاصہ ہیں اور ان کے علاوہ دوسرے انبیاء اور رسول بھی خدا تعالیٰ کی ان پر رحمتیں اور سلام نازل ہوں حالانکہ ان کے مَراتب بڑے بلند ان کے مَناقِب عزیز اور مقامات بُزرگ اور عادات جلیل ہیں۔ پھر علماء، ائمہ، نیک لوگ اور زاہد بھی اپنے بُزرگ مَراتب اور پاک اَجسام اور عباداتِ کثیرہ خالِصہ کے باوجود بھی اسی کی چوکھٹ کے غلام ہیں۔

اور دنیا کے بادشاہ اور جابر لوگ اس کے دروازے کے ایک اَدنیٰ خادِم ہیں نہایت ذِلّت سے اس کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں، نہایت خُضوع وخشوع سے

---

1 ......ترجمۂ کنز الایمان: اور کوئی چیز نہیں جو اسے سراہتی (تعریف کرتی) ہوئی اس کی پاکی نہ بولے۔ (پ ١٥، بنی اسرائیل: ٤٤)

2 ......اعلیٰ درجہ کے فرشتے۔ 3 ......رحمت کے فرشتے۔

اس کے سامنے اپنے چہرے خاک پر رکھتے ہیں رو رو کر عاجزی کے ساتھ اپنی حاجتیں اس کے سامنے پیش کرتے ہیں اس کی خُداوَندی اور اپنی غلامی کا اقرار سجدۂ عُبُودِیَّت سے کرتے ہیں پھر وہ کبھی ان کی طرف نگاہ اُٹھاتا ہے اپنے فضل وکرم سے ان کی حاجتیں پوری کرتا ہے اپنے کرم سے ان کی تقصیرات [1] سے درگزر کرتا ہے اور پھر اس نے اپنی اس عظمت اور جلال اور بادشاہی اور کمال کے تجھ کو باوجود تیری حقارت تیرے عُیوب اور تیری گندگی کے اپنے دروازہ پر حاضر ہونے کی اجازت بخش دی ہے حالانکہ تیری حیثیت یہ ہے کہ اگر تو اپنے شہر کے سردار سے داخلہ کی اجازت مانگے تو تجھے اجازت نہ ملے اگر اپنے مَحلَّہ کے سردار سے گفتگو کرنا چاہے تو وہ تجھ سے نہ بولے اور اگر تو اپنے شہر کے حاکم کے سامنے سجدہ ریز ہو تو وہ توجہ بھی نہ کرے۔

اور اس اللّٰہ نے تجھے اجازت دے رکھی ہے کہ تو اس کی عبادت کرے اس کی ثنا کہے اسے مخاطب کرسکے بلکہ اپنی حاجتیں اس پر پیش کرے۔ دل کھول کر باتیں کرے اپنی ضروریات اس سے مانگ لے اور تیری تمام مرادیں پوری کرے۔ پھر وہ تیری ان دو رکعتوں سے خوش ہے حالانکہ ان میں بہت سے عُیوب ہیں اور پھر ان پر اتنا ثواب عطا فرماتا ہے کہ کسی انسان کے دل میں اس کا تصور بھی نہیں آسکتا اور پھر تو اپنی ان دو رکعتوں پر مغرور ہے اور ان کو بہت کچھ سمجھتا ہے اور بڑا جانتا ہے اور اس معاملہ میں اللّٰہ تعالیٰ کے اِحسانات کو نہیں سمجھتا تو کتنا بُرا غلام ہے اور کتنا جاہل انسان ہے۔ اللّٰہ تعالیٰ ہی سے مدد کی درخواست ہے اور اس جاہل نَفْس کی شکایات

---

1 ......خطاؤں۔

اسی کی بارگاہ میں ہیں اور صرف اسی پر بھروسہ ہے۔ اس کو یاد رکھ۔

فصل

اب ایک اور طریقہ سے دیکھو کہ اگر کوئی بہت بڑا بادشاہ تحائف اور ہدایا نذر کرنے کی اجازت بخشے اور اس کی بارگاہ میں اُمَراء، کُبَراء، رُؤَسا، عُقَلا اور دولت مند لوگ قیمتی ہیروں، نفیس ذخیروں اور بے اَنداز[1] مال و دولت کے تحائف پیش کرنے لگیں پھر اگر کوئی سبزی فروش کوئی معمولی سبزی یا کوئی دیہاتی انگور کا گچھا پیش کرے جس کی قیمت ایک دَمڑی یا ایک رَتّی[2] بھر ہو اور ان بڑے بڑے لوگوں اور دولت مندوں کے گروہ میں گھس جائے جو بہترین تحائف لے کر کھڑے ہوں اور پھر وہ بادشاہ اس فقیر سے اس کا ھَدِیَّہ[3] قبول فرمالے اور اسے پسندیدگی اور قبولیت کی نگاہ سے دیکھے اور اس کے لیے خِلْعَتِ فاخِرہ[4] اور عزت و احترام کا حکم صادر فرمائے تو کیا یہ اس کا انتہائی فضل و کرم نہ ہوگا۔ پھر اگر یہ فقیر بادشاہ پر احسان جتانے لگے اور اپنے ہَدِیَّہ کو بہت کچھ سمجھے اور بادشاہ کے احسان کا تذکرہ کرنا بھول جائے تو کیا اسے دیوانہ، بدحواس یا بے وقوف اور بدتمیز اور انتہائی نادان نہ سمجھا جائے گا۔

اب تجھ پر لازم ہے کہ جب تو خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہو اور دو رکعت ادا کرے تو فارغ ہونے پر ذرا سوچ کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کتنے خادم[5] کھڑے ہوئے ہوں گے زمین کے مختلف گوشوں میں، جنگلوں، سمندروں، پہاڑوں اور شہروں میں کئی ایک اِستقامت والے، صِدّیق، خائف، مُشتاق،

---

1 ...... بہت زیادہ۔ 2 ...... وزن کی مقدار جو آٹھ چاول کے دانوں کے برابر ہوتا ہے۔
3 ...... تحفہ۔ 4 ...... عزت والا لباس۔ 5 ...... عبادت گزار۔

مُجتَہِدِیْن اور عاجزی کرنے والوں کے گروہ اور غور کر کہ اس گھڑی میں خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں کتنی ہی خالص عبادت اور کھوٹ[1] سے مُبَرَّا[2] خدمت[3] پیش ہو رہی ہوگی اور وہ بھی ڈرنے والے لوگوں، پاک زبانوں، رونے والی آنکھوں، آباد دلوں، پاک سینوں اور پرہیزگار لوگوں کی طرف سے اور تیری نماز اگرچہ تو نے اس کو اچھی طرح ادا کرنے میں اس کے اخلاص اور مضبوطی میں اپنی طاقت کے مطابق کوشش کی ہوگی لیکن پھر بھی اس بادشاہ عظیم کی بارگاہ میں پیش ہونے کے قابل کہاں ہے اور ان عبادات کے مقابلے میں اس کی کیا حیثیت ہے جو وہاں پیش ہو رہی ہیں کیونکہ تو نے اسے غافل دل سے ادا کیا جس میں طرح طرح کے عُیوب شامل تھے بدن گناہوں کی آلودگی سے ناپاک تھا اور زبان فُضول اور گناہ کی باتوں سے لتھڑی ہوئی تھی پھر ایسی نماز اس کی بارگاہ میں پیش ہونے کے قابل کہاں تھی اور ربُّ الْعِزَّت کی بارگاہ میں ھَدِیَّہ کرنے کی اس میں کون سی صلاحیت تھی۔

ہمارے شیخ رَحمَۃُ اللّٰہ نے فرمایا: اے عقلمند! غور کر آسمان کی طرف نماز بھیجنے میں تو نے کبھی وہ توجہ کی ہے جو کسی امیر آدمی کے سامنے کھانا پیش کرتے وقت تو کرتا ہے۔

ابوبکر وَرَّاق (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) فرمایا کرتے کہ جب میں نماز سے فارغ ہوتا ہوں تو اس عورت سے زیادہ شرمندگی مجھ پر مُسَلَّط ہو جاتی ہے جو زنا سے فارغ ہوئی ہو۔

پھر اللّٰہ تَعَالٰی سُبْحَانَہٗ نے محض اپنے فضل و کرم سے ان دو رکعتوں کی قدر افزائی کی اور ان پر بہت بڑے ثواب کا وعدہ فرمایا حالانکہ تو اس کا غلام ہے اس کا

1 ...... ملاوٹ۔ 2 ...... پاک وصاف۔ 3 ...... عبادت۔

دیا ہوا کھاتا ہے اور پھر یہ عمل بھی اسی کی توفیق اور اِمداد سے تو نے کیا ہے پھر باوجود ان تمام چیزوں کے تو ان پر مغرور ہے اور اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے احسان کو بھول رہا ہے۔ خدا کی قسم! یہ تمام عجائبات میں سے عجیب چیز ہے اور اس کا صُدور ایسے جاہل ہی سے ہوسکتا ہے جس میں کوئی عقل نہ ہو اور ایسے غافل سے جس کا کوئی ذہن نہ ہو اور یا پھر کسی مردہ دل سے جس میں کوئی بھلائی نہ ہو۔ اس کو یاد رکھ، ہم اللہ تعالیٰ ہی سے اس کے فضل وکرم کا واسطہ دے کر بہترین کِفایَت کا سوال کرتے ہیں۔

فصل

پھر ان گُزارِشات کے بعد کہوں گا کہ اے انسان! اس گھاٹی میں اپنی خوابِ غفلت سے بیدار ہو ورنہ خسارہ اُٹھائے گا، یہ گھاٹی بڑی سخت دشوار گزار، نہایت کڑوی اور نقصان دہ ہے جو تجھے اس راہ میں پیش آنی ہے کیونکہ پچھلی تمام کھائیوں[1] کے ثَمرات[2] یہیں آکر مُنْتَہِی[3] ہوتے ہیں اگر تو یہاں سے بچ کر نکل گیا تو غنیمت اور فائدہ حاصل کرے گا اور اگر دوسری طرح کا معاملہ ہوا تو تمام محنت رائِگاں[4] جائے گی امیدیں خاک میں مل جائیں گی، عمر ضائع ہو جائے گی۔ پھر اب معاملہ یہ ہے کہ اس گھاٹی میں تین امور آکر مُجْتَمَع[5] ہوگئے ہیں۔

پہلا یہ ہے کہ معاملہ نہایت باریک ہے اور نقصان بڑا سخت اور خطرات بے انداز، معاملہ کی باریکی تو یہ ہے کہ اعمال میں ریاء اور عُجب کی راہیں نہایت باریک ہیں ان پر دینی اُمور میں بصیرت رکھنے والا نہایت عقلمند، بیدار دل اور ہوشیار آدمی

1 ...... گھاٹیوں۔ 2 ...... نتائج۔ 3 ...... ختم۔ 4 ...... ضائع۔ 5 ...... جمع۔

ہی مُطَّلع ہوسکتا ہے اور ایک جاہل، کھنڈرا اور غفلت کی نیند سویا ہوا آدمی کہاں ان کو جان سکتا ہے۔

میں نے اپنے علماء کرام رَحِمَهُمُ الله سے نیشاپور میں سنا بیان کرتے تھے کہ عطاء سُلَمِی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه نے ایک کپڑا نہایت اچھا بُنا بڑا خوبصورت کپڑا تیار ہوا آپ اسے اٹھا کر بازار لے گئے اور بزّاز (1) کو جا کر دکھایا اس نے اس کی قیمت بہت تھوڑی لگائی اور کہا کہ اس میں فلاں فلاں عیب ہیں تو عطاء (رَحِمَهُ الله) نے اس کو واپس لے لیا اور رونے لگے اور بڑا سخت روئے بزّاز کو اس پر ندامت ہوئی اور آپ سے معذرت کرنے لگا اور عطاء (رَحِمَهُ الله) کی مانگی ہوئی قیمت دینے پر تیار ہوگیا تو عطاء (رَحِمَهُ الله) نے کہا: میں اس لیے نہیں رویا، بلکہ رونے کی وجہ یہ ہے کہ میں یہ صَنْعَت (2) جانتا ہوں میں نے اس کپڑے کی مضبوطی اور دُرُستی اور خوبصورتی میں بہت کوشش کی یہاں تک کہ میری دانست میں اس میں کوئی عیب نہ تھا، پھر جب اس کے عیوب کو جاننے والے پر پیش کیا تو اس نے اس کے عُیوب ظاہر کر دیے جن سے میں بے خبر تھا پھر ہمارے ان اَعمال کا کیا حال ہوگا جب کہ کل وہ خداوند تعالیٰ کے حضور پیش کیے جائیں گے معلوم نہیں ان میں کتنے عُیوب اور نقصان ظاہر ہوں گے جن سے آج ہم بے خبر ہیں۔

بعض نیک لوگوں سے روایت ہے کہ میں ایک رات سحری کے وقت برلبِ سڑک (3) ایک بالاخانہ پر سورۃ "طٰہٰ" پڑھ رہا تھا، جب میں نے سورۃ کو ختم کرلیا تو مجھے کچھ اونگھ سی آ گئی میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک آدمی آسمان سے نازل

1 ...... کپڑا فروخت کرنے والے۔ 2 ...... کام۔ 3 ...... سڑک کے کنارے۔

ہوا اس کے ہاتھ میں ایک صَحِیفَہ تھا اس نے وہ میرے سامنے پھیلا کر رکھ دیا تو اس میں وہی سورۃ طٰـہٰ لکھی ہوئی تھی اور ہر کلمہ کے نیچے دس نیکیاں لکھی ہوئی تھیں۔ مگر ایک کلمہ میں نے دیکھا کہ وہ مِٹا ہوا ہے اور اس کے نیچے کچھ بھی نہیں لکھا ہوا۔ میں نے کہا: میں نے یہ کلمہ بھی پڑھا تو تھا اور نہ اس کا ثواب لکھا ہوا ہے نہ یہ کلمہ ہی لکھا ہوا ہے۔ تو اس آدمی نے کہا: تم صحیح کہتے ہو تم نے اسے پڑھا تھا اور ہم نے لکھا بھی تھا مگر ہم نے آسمان سے ایک آواز دینے والے کو سنا اس نے کہا کہ اس کلمہ کو مِٹا دو اور اس کا ثواب بھی ختم کر دو تو ہم نے اس کو مِٹا دیا۔ اس آدمی نے کہا کہ میں اپنے خواب ہی میں رونے لگا اور ان سے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا تو اس نے جواب دیا کہ ایک آدمی سڑک پر سے گزرا تو اس کو سنانے کے لیے تم نے یہ کلمہ بلند آواز سے پڑھا تھا تو اس کا ثواب ختم ہو گیا۔ اس کو یاد رکھ۔ (1)

باقی رہی نقصان کی شدت تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ریاء اور عُجب ایک بہت بڑی آفت ہے جو ایک لَحْظَہ میں واقع ہو جاتی ہے، اور بسا اوقات ستر سال کی عبادت کو بگاڑ کر رکھ دیتی ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک آدمی نے سفیان ثَوری رَحمَۃُ اللّٰہ اور ان کے ساتھیوں کی ضیافت کی تو اپنے گھر والوں سے کہا کہ اس تھال میں روٹی رکھ کر لاؤ جو میں دوسرے حج کے موقع پر لایا تھا پہلے حج والے تھال میں روٹی نہ لانا تو سُفیان (رَحمَۃُ اللّٰہ) نے اس کی طرف دیکھا اور کہا کہ اس مسکین نے اتنی سی بات میں اپنے حج کو باطل کر دیا۔

1 ......قوت القلوب ، الفصل التاسع عشر ، کتاب الجهر بالقران ، ١ / ١١٢ ـ

اور بعض نے نقصان زیادہ ہونے کی یہ تَوجِیہ[1] کی ہے کہ وہ تھوڑی سی عبادت جو رِیاء اور عُجب سے سلامت رہے اس عبادت کی قیمت خدا تعالیٰ کے نزدیک بے اَنداز[2] ہے اور ایسی بہت سی عبادت جسے یہ آفت پہنچ جائے اس کی کوئی قیمت نہیں رہتی مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو بچالے جیسا کہ حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: مقبول عمل کبھی کم نہیں ہوتا اور مقبول عمل کم ہو بھی کیسے سکتا ہے۔[3]

امام نَخعِی (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) سے پوچھا گیا کہ فلاں فلاں عمل کا کتنا ثواب ہے؟ آپ (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) نے فرمایا: جب وہ قبول ہو جائے تو اس کے ثواب کی کوئی حد نہیں۔[4]

اور وَہْب سے روایت ہے کہ پہلے لوگوں میں ایک آدمی تھا جس نے ستر سال تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ایک ہفتہ کے بعد روزہ اِفطار کیا کرتا تھا اس نے اللہ تعالیٰ سے ایک حاجت کا سوال کیا تو اُس کی وہ حاجت پوری نہ ہوئی۔ وہ اپنے نفس کو ملامت کرنے لگا اور کہنے لگا: اگر تیرے پاس کوئی بھلائی ہوتی تو تیری حاجت پوری کر دی جاتی تو اللہ تعالیٰ نے ایک فِرِشتہ کو نازل فرمایا اور کہا: اے آدم کے بیٹے! تیری وہ ایک گھڑی جس میں تو نے اپنے نفس کو بے حقیقت سمجھا وہ تیری پہلی تمام عبادت سے بہتر ہے۔[5]

---

1 ...... وجہ بیان۔ 2 ...... بہت زیادہ۔

3 ...... فیض القدیر، ۱/ ۲۸۰، تحت الحدیث: ۲۹۸۔

4 ...... فیض القدیر، ۱/ ۲۸۰، تحت الحدیث: ۲۹۸۔

5 ...... الزھد لامام احمد بن حنبل، ص ۳۷۰، الرقم: ۲۱۹۵، بتغیر قلیل۔

میں کہتا ہوں کہ عقل مند کو اس کلام پر غور کرنا چاہیے کیا یہ شدید نقصان نہیں ہے کہ ایک آدمی ستر سال تک تکلیف اور محنت اٹھائے اور دوسرا ایک گھڑی سوچ بچار کرے تو اُس کی ایک ایک گھڑی کی فکر اللہ تعالیٰ کے نزدیک ستر سال کی عبادت سے افضل ہو جائے۔ کیا یہ عظیم نقصان نہیں ہے کہ ستر سال سے ایک گھڑی زیادہ بہتر ہو جائے اور ستر سال کی تمام عبادت بے کار چلی جائے۔ خدا کی قسم! یہ بہت بڑا نقصان ہے اور اس سے بے خبر رہنا اس سے بھی بڑا نقصان ہے اور وہ خَصلت [1] جس کی یہ قیمت ہو اور ایسے خطرات ہوں ضروری ہے کہ اُس سے اِجتناب اور پرہیز کی جائے اور اِس معنیٰ میں عقل مند لوگوں کی نگاہ ایسی باریکیوں پر پڑتی ہے پھر وہ اِن اَسرار کو پہچاننے کا اولاً تو اہتمام کرتے ہیں اور بعد میں اُس کی رِعایت اور حفاظت کا خیال رکھتے ہیں، اُن کی نگاہ اعمال کی ظاہری کثرت پر نہیں ہوتی، وہ کہتے ہیں کہ شان صفائی میں ہے کثرت میں نہیں۔ وہ کہتے ہیں: ایک ہیرا ہزار گوڑیوں [2] سے بہتر ہے، لیکن جن لوگوں کا علم کم ہوتا ہے اور جن کی نگاہ اس باب میں قاصِر [3] ہے وہ ایسے معانی سے بے خبر ہیں، اور وہ دلوں کے عیوب سے بے خبر ہیں اور اپنے نُفُوس [4] کو رُکوع اور سُجود اور کھانے پینے سے روک کر تھکا دیتے ہیں، اُن کو تعداد اور کثرت نے دھوکا دے رکھا ہے، اور وہ صفائی اور بزرگی پر نگاہ نہیں رکھتے اور ایسے اَخروٹوں کی کثرت کوئی فائدہ نہیں دیتی جن میں کوئی گودانہ ہو ایسے مکانوں کی بلند چھتیں کوئی نفع نہیں دیتیں جن کی بنیادیں مضبوط نہ ہوں اور

1 …… عادت۔ 2 …… پرانے زمانے میں استعمال ہونے والے بہت کم درجہ کے سکّے۔

3 …… عاجز۔ 4 …… جانوں۔

ان حقائق کو صرف عالم لوگ ہی جان سکتے ہیں جن پر خدا تعالیٰ کی طرف سے کشف ہو اور اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل و کرم سے ہدایت کا ولی ہے۔ اور باقی رہا خطرات کا بڑا ہونا تو اُس کی کئی ایک وجوہات ہیں:

پہلی یہ ہے کہ معبود ایک ایسا بادشاہ ہے کہ جس کے جلال اور عظمت کی کوئی انتہا نہیں اور اُس کے تجھ پر احسانات اتنے ہیں جو حساب اور شمار سے باہر ہیں اور تیرا بدن پوشیدہ عُیوب سے آلودہ ہے، بے شمار آفات سے بھرا ہوا ہے اور معاملہ خطرناک ہے، اگر نفس کی جلدی سے تیرا پاؤں پھسل گیا تو پھر تو محتاج ہو گا کہ عیب دار بدن اور برائی کی طرف میلان رکھنے والے اور برائی کا حکم دینے والے، نَفْس سے کسی خالص عمل کا اِستِخراج کرے ایسے طریقہ پر کہ وہ رَبُّ الْعَالَمِیْن کے جلال اور عظمت کے لائق ہو، اور اُس کی نعمتوں اور احسانات کی کثرت کا شکرانہ بن سکے اور اُس کی بارگاہ میں پسندیدگی اور قبولیت حاصل کر سکے ورنہ تجھ سے وہ عظیم فائدہ فوت ہو جائے گا جس کے فوت ہونے کو کوئی نفس بَرِضا و رَغْبت قبول نہیں کر سکتا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تجھے کوئی ایسی مصیبت پہنچ جائے کہ جس کی تجھے طاقت نہ ہو، اور خدا کی قسم! یہ ایک عجیب حالت ہے اور ایک عظیم کیفیت ہے، باقی رہا اُس بادشاہ کے جلال اور عظمت کا معاملہ اس طرح کہ ملائکہ مُقَرَّبِیْن ہر وقت دِن رات اس کی خدمت[1] میں کھڑے ہیں یہاں تک کہ بعض اُن میں سے اپنی ابتدائے پیدائش سے لے کر قیام میں ہیں اور بعض اُن ہی سے رُکوع کی حالت میں اور بعض سجدہ کی کیفیت میں اور بعض ان میں سے تَسْبِیح و تَہْلِیل میں مشغول ہیں،

---

1 ......عبادت۔

تو قیام کرنے والے کا قیام اور رُکوع کرنے والے کا رُکوع اور سجدہ کرنے والے کا سجدہ اور تسبیح کہنے والے کی تسبیح اور لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ کہنے والے کی تہلیل [1] صُوْر پھونکنے تک برابر چلی جائے گی اور پھر بھی اُن کی عبادت پوری نہ ہوگی۔ پھر بھی جب وہ اس عظیم خدمت [2] سے فارغ ہوں گے تو سب کے سب پکار اُٹھیں گے تو پاک ہے، جیسا تیری عبادت کا حق تھا ہم اُسے ادا نہیں کر سکے۔

اور یہ رسولوں کے سردار، کائنات کا خلاصہ، تمام مخلوقات سے زیادہ علم اور فضیلت رکھنے والے حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہیں جو فرماتے ہیں کہ میں تیری ایسی ثناء بیان نہیں کرسکتا جس ثناء کا تو مستحق ہے، اور کہتے ہیں کہ میں تیری اُس تعریف کو بیان کرنے سے قاصر ہوں جس تعریف کا تو مستحق ہے۔ [3] پھر اُس عبادت کا تصور بھی کیسے کیا جا سکتا ہے جس کا تو اہل ہے۔

اور آپ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) ہی تو ہیں جنہوں نے فرمایا کہ کوئی آدمی جنت میں اپنے عمل سے داخل نہیں ہوسکتا، صحابہ (رَضِیَ اللّٰـهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ) نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ بھی داخل نہیں ہوسکتے؟ تو آپ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) نے فرمایا: جب تک خدا تعالیٰ کی رحمت مجھ کو نہ ڈھانپ لے میں بھی نہیں داخل ہوسکتا۔ [4] باقی رہے اِنعامات اور اِحسانات تو جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

---

1 ...... ''لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه'' کہنا۔ 2 ...... عبادت۔

3 ...... صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب مايقال في الركوع والسجود، ص٢٥٢، حديث:٤٨٦۔

4 ...... صحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب القصد والمداومة على العمل، ٢٣٨/٤، حديث:٦٤٦٧۔

وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا ؕ(1) اور اگر تم اللہ تعالیٰ کے احسانات کو شمار کرنے لگو تو شمار بھی نہیں کر سکتے۔

اور جیسا کہ حدیث میں ہے:

يُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰى ثَلٰثَةِ دَوَاوِيْنَ دِيْوَانِ الْحَسَنَاتِ وَدِيْوَانِ السَّيِّاٰتِ وَدِيْوَانِ النِّعَمِ فَتُقَابَلُ الْحَسَنَاتُ بِالنِّعَمِ فَلَا يُؤْتٰی (2) بِحَسَنَةٍ اِلَّا اُتِیَ بِنِعْمَةٍ حَتّٰی تَغْمُرَ الْحَسَنَاتُ النِّعَمَ وَتَبْقَى السَّيِّاٰتُ وَالذُّنُوْبُ فَلِلّٰهِ تَعَالٰی فِيْهَا الْمَشِيْئَةُ. (3) لوگوں کے اعمال کے تین دفتر ہوں گے ایک نیکیوں کا دفتر ایک برائیوں کا دفتر اور ایک خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا دفتر نیکیوں کو نعمتوں کے مقابل لایا جائے گا جب کوئی نیکی لائی جائے گی تو اُس کے مقابل میں نعمت رکھ دی جائے گی یہاں تک کہ نیکیاں نعمتوں میں ختم ہو جائیں گی اور گناہ اور برائیاں باقی رہ جائیں گے تو پھر اللہ تعالیٰ کو اُن میں اختیار ہے۔

باقی رہے نفس کے عیوب اور اُن کی آفات، پس ہم پہلے اُس کو اُس کے باب میں ذکر کر چکے ہیں اور خطرناک معاملہ تو یہ ہے کہ آدمی عبادت میں ستر سال تک محنت کرتا ہے اور تکلیف اٹھاتا ہے اور وہ اُن کے عیوب اور آفات سے بے خبر ہوتا ہے پھر کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ اُن میں سے ایک بھی مقبول نہیں ہوتا اور کبھی وہ کئی سال تک محنت کرتا ہے اور ایک گھڑی اسے برباد کر کے رکھ دیتی ہے اور ان تمام

(1)...... ترجمۂ کنز الایمان: اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو انہیں شمار نہ کر سکو گے۔ (پ ۱۴، النحل: ۱۸)

(2)...... یہاں لفظ "فَلَا يُؤْتَ" تھا، یہ کتابت کی غلطی ہے کیونکہ اصل عربی متن اور ترجمہ کے لحاظ سے درست لفظ "فَلَا يُؤْتٰی" ہے، لہٰذا اس کی تصحیح کر دی گئی ہے۔ (علمیہ)

(3)...... یہاں لفظ "المشية" تھا، یہ کتابت کی غلطی ہے کیونکہ اصل عربی متن اور ترجمہ کے لحاظ سے درست لفظ "اَلْمَشِيْئَةُ" ہے، لہٰذا اس کی تصحیح کر دی گئی ہے۔ (علمیہ)

خطرات سے بڑھ کر یہ خطرہ ہے کہ کبھی اللہ تعالیٰ بندے کو دیکھتا ہے اور وہ خدا تعالیٰ کی عبادت اور خدمت لوگوں کو دکھانے کے لیے کرتا ہے اس طرح کہ اُس کا ظاہر تو اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے اور باطن مخلوق کے لیے، پھر وہ اس کو اس طرح مردود قرار دیتا ہے کہ اُسے کوئی بھی خدا کے ہاں مقبول نہیں بنا سکتا۔ اس سے خدا کی پناہ۔

اور بعض علماء (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) سے سنا ہے کہ وہ حسن بَصْرِی (رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْه) کے متعلق بیان کرتے تھے کہ اُن کی وفات کے بعد اُن کو خواب میں دیکھا گیا تو اُن سے اُنکا حال پوچھا گیا، تو فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے سامنے کھڑا کرلیا، اور فرمایا: اے حسن! کیا تجھے یاد ہے کہ ایک دن تو مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا لوگوں نے تجھ کو دیکھا تو تو نے اپنی نماز اچھی کر کے پڑھی اگر تیری پہلی نماز میرے لیے خالص نہ ہوتی تو میں تجھے آج اپنے دربار میں سے ہانک دیتا اور تجھ سے اپنے تعلُّقات مُنْقَطِعْ (1) کر لیتا۔

اور جب معاملہ مشکل اور باریکی کی وجہ سے اِس عظیم حد تک بڑھا ہوا ہے تو عقلمند لوگوں نے اس میں غور کیا اور وہ اپنی جانوں پر ڈرتے رہے یہاں تک کہ بعض اُن میں سے اپنے اُس عمل کی طرف توجہ بھی نہیں کرتے تھے جو لوگوں پر ظاہر ہو جائے یہاں تک کہ رابِعَہ بَصْرِیَہ (رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْهَا) سے بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میرا جو عمل ظاہر ہو جائے میں اُسے شمار میں نہیں لاتی۔

اور کسی اور نے کہا: اپنی نیکیوں کو اس طرح چھپا جس طرح تو اپنی برائیوں کو

---

1 ...... ختم۔

چھپاتا ہے اور کسی اور نے کہا: اگر تجھے نیکیوں کو چھپا کر رکھنے کی کوئی جگہ مل سکے تو ایسا ہی کر۔

بیان کیا جاتا ہے کہ رابعہ (رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْھَا) سے سوال کیا گیا کہ آپ کو اپنے کون سے عمل پر سب سے زیادہ امید ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: اس عمل پر کہ میں اپنے اَعمال سے مایوس ہوں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ محمد بن واسع اور مالک بن دینار (رَحِمَھُمَا اللہُ تَعَالٰی) دونوں کی ملاقات ہوئی، تو مالک (رَحِمَہُ اللہ) نے کہا: "یا تو اللہ تعالیٰ کی عبادت ہوگی یا جَہَنَّم۔" تو محمد بن واسع (رَحِمَہُ اللہ) نے کہا: "یا اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوگی یا جَہَنَّم۔" تو مالک (رَحِمَہُ اللہ) نے کہا: "مجھے تیرے جیسے استاد کی کتنی ضرورت ہے۔"[1]

بایزید بسطامی رَحِمَہُ اللہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: میں نے تیس سال تک عبادت میں محنت کی پھر میں نے ایک کہنے والے کو دیکھا کہ جو مجھ سے کہنے لگا: اے بایزید! اُس کے خزانے عبادت سے بھرے ہوئے ہیں اگر تو اُس کی بارگاہ تک پہنچنا چاہتا ہے تو تجھے ذِلّت اور مسکینی اِختیار کرنی چاہیے۔[2]

اور میں نے استاد ابوالحسن (رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) سے سنا وہ استاد ابوالفضل (رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) سے بیان کرتے تھے کہ آپ (رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) نے فرمایا: میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ میں جو بھی عبادت کرتا ہوں وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں ناقابلِ قبول ہے۔ آپ سے اس مُعامَلہ میں گفتگو کی گئی تو آپ نے جواب

1 ......فیض القدیر، ۴/۱۳۷، تحت الحدیث: ۴۶۸۸۔

2 ......فیض القدیر، ۴/۱۳۷، تحت الحدیث: ۴۶۸۸۔

دیا: کسی کام کے مقبول ہونے کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے اُن کو میں جانتا ہوں اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ میں اُن کو پورا نہیں کر رہا ہوں۔ تو میں جانتا ہوں کہ میرے عمل غیر مقبول ہیں۔ تو آپ سے کہا گیا پھر آپ عمل کیوں کرتے ہیں؟ فرمایا: ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی دن مجھ کو درست کر دے تو نفس کو اچھے کام کرنے کی عادت تو ہوگی اور ابتدا سے اسے عادت ڈالنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ یہ حال اُن بڑے بڑے لوگوں کا ہے جو صاحبِ مُجاہَدہ اور مشکلات کو عبور کرنے والے اور مضبوط قدم رکھتے تھے۔ تیری حالت ایسی ہے جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

(۱) فَاطْلُبْ لِنَفْسِكَ صُحْبَةً مَعْ غَيْرِهِمْ وَقَعَ الْاِيَاسُ وَخَابَتِ الْاٰمَالُ

(۲) هَيْهَاتَ تُدْرِكُ بِالتَّوَانِىْ سَادَةً كَدُّوا النُّفُوْسَ وَ سَاعِدِ الْاِقْبَالُ (1)

پھر مجھے خیال ہوا کہ میں یہاں وہ حدیث بیان کردوں جو صَادِقُ الْمَصْدُوق (صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم) سے منقول ہے، اور ہم نے اُس کو کئی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔

ابنِ مبارک رَحِمَهُ اللّٰهُ خالد بن مَعْدَان (رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْه) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت مُعاذ (رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْه) سے عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسی حدیث سناؤ جو آپ (رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْه) نے رسولُ اللّٰه صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم سے خود سنی ہو، اور اُس کو یاد کیا ہو، اور اُس کی شدت اور باریکی کی وجہ سے آپ

---

1 ...... ترجمہ: (۱) اپنے نفس کیلئے غیر لوگوں کی صحبت تلاش کرو کیونکہ مایوسی طاری ہوگئی ہے اور اُمیدیں ختم ہوچکی ہیں۔ (۲) افسوس کہ سستی کے بدلے سرداری کی خواہش کرتا ہے نفسوں سے کوشش کراؤ اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف مُتَوَجِّہ کرنے میں مدد کرو۔

(رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ) اُسی کا تذکرہ ہر روز کرتے ہوں، تو آپ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ) نے فرمایا: ہاں بیان کرتا ہوں۔

پھر آپ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ) بڑی دیر تک روتے رہے پھر کہنے لگے: رسولُ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور اُن کی ملاقات کا شوق حد سے بڑھ گیا ہے۔

پھر فرمایا: ایک دفعہ میں رسولُ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس تھا آپ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) سواری پر بیٹھے اور مجھے بھی اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ پھر ہم چلے آپ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) نے اپنی نگاہ آسمان کی طرف اُٹھائی پھر فرمایا: تمام تعریف اُس اللّٰہ کے لیے ہے جو اپنی مخلوق میں جو چاہتا ہے فیصلہ فرماتا ہے۔ اے مُعاذ! میں نے عرض کیا: لَبَّیْکَ یَا سَیِّدَ الْمُرْسَلِیْن! آپ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) نے فرمایا: میں تجھ سے ایسی بات بیان کر رہا ہوں کہ اگر تو نے اُس کو یاد رکھا تو تجھے نفع دے گی اور اگر تو نے اس کو ضائع کر دیا تو اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ کے نزدیک تیری حُجّت ختم ہو جائے گی۔ اے مُعاذ! اللّٰہ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی نے زمین اور آسمان کی پیدائش سے پہلے سات فرشتوں کو آسمانوں کے خازِن اور دَرْبان کی حیثیت سے پیدا کیا۔

اور ہر ایک آسمان کے دروازے پر ایک فِرِشتہ کو بحیثیت دَربان کھڑا کر دیا پھر کِرَامًا کَاتِبِیْن بندے کے اَعمال لے کر چڑھتے ہیں اُن میں روشنی اور چمک ہوتی ہے جیسے سورج کی روشنی، یہاں تک کہ وہ پہلے آسمان پر چلے جاتے ہیں اور کِرَامًا کَاتِبِیْن اُس کے عمل کو بہت زیادہ سمجھتے ہیں اور اُس کو خالص جانتے ہیں پھر جب

وہ دروازہ پر پہنچتے ہیں تو دربان فرشتہ اُن سے کہتا ہے: اس عمل کو عمل کرنے والے کے منہ پر دے مارو۔ میں غیبت کا فِرشتہ ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ایسے آدمی کا عمل اوپر نہ جانے دوں جو لوگوں کی غیبت کرتا ہے [1]۔ وہ مجھے چھوڑ کر دوسروں کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

پھر دوسرے دن فرشتے اوپر جاتے ہیں، اُن کے پاس بہت اچھے عمل ہوتے ہیں، وہ عمل نور سے روشن ہوتے ہیں کِرَامًا کَاتِبِیْن اُن کو بہت زیادہ اور پاکیزہ خیال کرتے ہیں یہاں تک کہ جب وہ دوسرے آسمان پر جاتے ہیں تو فرشتہ کہتا ہے: ٹھہر جاؤ اور اس عمل کو عمل کرنے والے کے منہ پر دے مارو کیونکہ اس کی نیت اس عمل سے دنیا کمانے کی تھی مجھے میرے اللہ نے حکم دے رکھا ہے کہ میں کسی ایسے آدمی کا عمل اوپر نہ جانے دوں جو مجھے چھوڑ کر غیر کی طرف متوجہ ہوتا ہے پھر فِرشتے شام تک اُس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔

پھر فِرشتے بندے کا عمل لے کر اوپر جاتے ہیں اور اُن سے بڑا خوش ہوتے ہیں، اُن میں صدقہ روزہ اور بہت سی نیکیاں ہوتی ہیں، فِرشتے ان کو بہت زیادہ سمجھتے ہیں اور خالص جانتے ہیں، پھر جب وہ تیسرے آسمان تک پہنچتے ہیں تو دربان فِرشتہ کہتا ہے، کہ ٹھہر جاؤ اور اس عمل کو عمل کرنے والے کے منہ پر دے مارو میں تکبر والوں کا فِرشتہ ہوں، میرے اللہ نے مجھے حکم دے رکھا ہے کہ میں کسی ایسے

---

[1]...... غیبت کے بارے میں تفصیلی معلومات کیلئے شیخِ طریقت، امیرِ اہلسنّت، بانیِ دعوتِ اسلامی، حضرت علامہ مولانا ابو بلال محمد الیاس عطار قادِری رضوی، ضیائی دامَتْ بَرَکاتُھُمُ العالِیَہ کی فیضانِ سنت جلد 2 کے ایک باب ''غیبت کی تباہ کاریاں'' کا مطالعہ کیجئے۔

آدمی کا عمل اُوپر نہ جانے دوں جو مجھے چھوڑ کر غیر کی طرف متوجہ ہو یہ آدمی لوگوں پر ان کی مجالس میں اپنی بڑائی بیان کرتا ہے۔

اور فرشتے بندے کا عمل لے کر اُوپر جاتے ہیں اور وہ عمل اس طرح چمکتے ہیں جیسے ستارے یا کوئی روشن ستارہ اُن اعمال میں سے تسبیح کی آواز آتی ہے۔اُن میں روزہ، حج ، نماز اور عمرہ ہوتا ہے۔پھر جب وہ چوتھے آسمان پر جاتے ہیں تو وہاں کا مُوَکَّل [1] دَربان فِرشتہ اُن سے کہتا ہے ٹھہر جاؤ اور اس عمل کو عمل کرنے والے کے منہ پر دے مارو میں عُجب والوں کا فِرشتہ ہوں مجھے میرے اللہ نے حکم دے رکھا ہے کہ میں ایسے آدمی کا عمل اوپر نہ جانے دوں جو مجھے چھوڑ کر غیر کی طرف متوجہ ہوتا ہے یہ آدمی جب کوئی عمل کرتا ہے تو اُس پر مغرور ہو جاتا ہے۔

اور فرشتے بندے کا عمل لے کر اوپر جاتے ہیں وہ عمل اس طرح آراستہ ہوتے ہیں جیسے دلہن سُسرال جانے کے وقت، جب وہ ان کو لے کر پانچویں آسمان تک پہنچتے ہیں ان میں جہاد، حج، عمرہ وغیرہ اچھے اعمال ہوتے ہیں۔اُن کی چمک سورج جیسی ہوتی ہے تو فِرشتہ کہتا ہے: میں حسد کرنے والوں کا فِرشتہ ہوں، یہ آدمی لوگوں پر اُن چیزوں میں حسد کرتا تھا جو اُن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے دی ہیں یہ آدمی خدا تعالیٰ کی پسندیدہ تقسیم پر ناراض ہے۔میرے اللہ نے مجھے حکم دے رکھا ہے کہ میں اسکے عمل اُوپر نہ جانے دوں کہ وہ مجھے چھوڑ کر دوسروں کی طرف متوجہ ہے۔ [2]

اور فرشتے بندے کا عمل لے کر اوپر جاتے ہیں اُن میں اچھے وضو، بہت سی

---

1 ...... ذمہ دار۔ 2 ...... حسد کے بارے میں تفصیلی معلومات کیلئے "مکتبۃ المدینہ" کی شائع کردہ کتاب "حسد" کا مطالعہ کیجئے۔

نمازیں، روزے حج اور عمرہ ہوتا ہے وہ چھٹے آسمان تک پہنچ جاتے ہیں، تو دروازے پر مقرر ہ نگہبان کہتا ہے: میں رحمت کا فرشتہ ہوں اِن اعمال کو عمل کرنے والے کے منہ پر دے مارو یہ آدمی کبھی کسی انسان پر رَحْم نہیں کرتا تھا اور کسی بندے کو مصیبت پہنچتی ہے تو خوش ہوتا ہے میرے اللہ نے مجھے حکم دے رکھا ہے کہ میں اِس کے اعمال کو اوپر نہ جانے دوں یہ مجھے چھوڑ کر غیروں کی طرف متوجہ ہے۔[1]

پھر فِرشتے بندے کا عمل لے کر چڑھتے ہیں، اُس میں بہت سا صَدَقہ، نماز، روزہ، جہاد اور پرہیز گاری ہوتی ہے، اُن کی آواز ہوتی ہے جیسے رَعْد[2] کی آواز اور چمک جیسے بجلی کی چمک، پھر جب وہ ساتویں آسمان پر پہنچتے ہیں تو فِرشتہ جو اس آسمان پر مُوَکَّل ہوتا ہے کہتا ہے: میں ذکر کا فِرشتہ ہوں یعنی سنانے کا اور لوگوں میں آواز دینے کا، اِس عمل والے نے اس عمل میں مجلسوں میں تذکرہ اور دوستوں میں بلندی اور بڑے لوگوں کے نزدیک جاہ پسندی[3] کی نیت کی تھی، میرے اللہ نے مجھے حکم دے رکھا ہے کہ میں اس کے عمل کو اُوپر نہ جانے دوں کہ یہ مجھے چھوڑ کر دوسروں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور ہر وہ عمل جو اللہ کے لیے خالص نہ ہو وہ ریاء ہے، اور رِیاء کار کا عمل اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا۔

اور فرشتے بندے کے اَعمال نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، عمرہ، اچھا خُلُق[4]، خاموشی اور ذکرِ الٰہی لے کر اوپر جاتے ہیں۔ ساتوں آسمانوں کے فرشتے اُن کی مُشَایَعَت[5]

---

1 ...... ظلم کے بارے میں تفصیلی معلومات کیلئے شیخِ طریقت، امیرِ اہلسنّت، بانیٔ دعوتِ اسلامی، حضرت علامہ مولانا ابو بلال محمد الیاس عطار قادِری رضوی، ضیائی دامَتْ بَرَکاتُہُمُ العالیہ کا رسالہ ''ظلم کا انجام'' کا مطالعہ کیجئے۔ 2 ...... بجلی کے کڑکنے۔ 3 ...... عزت پسندی۔ 4 ...... اخلاق۔ 5 ...... تعظیم۔

کے لیے ساتھ ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے سامنے سے تمام پردے ہَٹ (1) جاتے ہیں پھر وہ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے سامنے کھڑے ہو کر اس کے لیے شہادت دیتے ہیں کہ اُس کا عمل نیک خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم میرے بندے کے اعمال پر نگران ہو اور میں اُس کے دل کی نگرانی کرنے والا ہوں، اس عمل سے اُس کا ارادہ مجھے خوش کرنا نہیں تھا بلکہ میرے سوا اوروں کو خوش کرنا مقصود تھا۔ میں اسے اپنے لیے خالص نہیں سمجھتا اور میں خوب جانتا ہوں جو عمل کرنے سے اِس کی نیت تھی اس پر میری لعنت، اس نے بندوں کو بھی دھوکا دیا اور تم کو بھی لیکن مجھے دھوکا نہیں دے سکتا، میں غیبوں کا جاننے والا ہوں، دلوں کے خیالات سے واقف ہوں، مجھ پر کوئی پوشیدہ چیز چھپی نہیں رہ سکتی، اور کوئی چھپی چیز مجھ سے اوجھل نہیں ہے میرا علم حاضر کے متعلق بھی اُسی طرح ہے جیسے مستقبل کے متعلق ہے، اور گزری ہوئی چیزوں کے ساتھ میرا علم اُسی طرح ہے جیسا کہ باقی چیزوں کے متعلق اور میرا علم پہلے لوگوں کے ساتھ اُسی طرح ہے جیسے پچھلوں کے ساتھ۔ میں پوشیدہ کو جانتا ہوں اور دل کے خیالات کو بھی۔ میرا بندہ اپنے عمل کے ساتھ مجھے کس طرح دھوکا دے سکتا ہے۔ دھوکہ تو مخلوق کھاتی ہے جن کو علم نہیں ہوتا، اور میں تو غیبوں کا جاننے والا ہوں اس پر میری لعنت ہے اور ساتوں فرشتے اور تین ہزار فرشتے وَداع (2) کرنے والے سب کہتے ہیں: اے ہمارے رب! اس پر تیری لعنت ہے، اور ہماری بھی لعنت۔ پھر آسمانوں والے کہتے ہیں: اِس پر اللہ کی لعنت اور لعنت کرنے والوں کی لعنت۔

---

(1) ہٹ۔ (2) رخصت۔

پھر مُعاذ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ رونے لگے اور بڑا سخت روئے اور کہا: اے اللّٰہ کے رسول! (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) آپ نے جو ذکر فرمایا ہے اِس سے نجات کی کیا صورت ہے؟ تو فرمایا: اے مُعاذ! اپنے نبی کی یقین میں اِقْتِدا[1] کر، میں نے کہا: آپ تو اللّٰہ کے رسول ہیں اور میں مُعاذ بن جَبَل ہوں، مجھے نجات اور خَلاصی کس طرح نصیب ہو سکتی ہے؟ آپ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) نے فرمایا: اے مُعاذ! اگر تیرے عمل میں کوتاہی ہو تو لوگوں کی بے آبْرُوْئی[2] کرنے سے اپنی زبان کو روک خصوصًا اپنے بھائیوں، قرآن پڑھنے والوں سے اور لوگوں کی بے آبْرُوْئی کرنے سے اپنے نفس کے عیبوں کا علم تجھے روک دے، اور اپنے بھائیوں کی خدمت کر کے اپنے نفس کو پاک نہ بنا اور اپنے بھائیوں کو گرا کر اپنے آپ کو بلند کرنے کی کوشش نہ کر اور اپنے عمل میں ریاء کاری نہ کر کہ تو لوگوں میں پہچانا جائے اور اس طرح دنیا میں مشغول نہ ہو جا کہ تجھے آخرت کا معاملہ بھول جائے اور جب تیرے پاس کوئی اور آدمی بھی بیٹھا ہو تو کسی دوسرے سے چھپ کر مشورہ نہ کر اور لوگوں میں بڑائی حاصل کرنے کی کوشش نہ کر کہ دنیا اور آخرت کی بھلائیاں تجھ سے منہ موڑ لیں گی اور اپنی مجلس میں اس طرح فُحش گوئی[3] نہ کر کہ لوگ تیری بداخلاقی کی وجہ سے تجھ سے گریز کرنے لگیں اور لوگوں پر احسان نہ جتا اور لوگوں کی عزت کا پردہ اپنی زبان سے چاک نہ کر کہ تجھے جہنم کے کتے پھاڑ ڈالیں گے اور یہی ہے اللّٰہ تعالٰی کا قول: " وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۝۲ " یعنی ہڈیوں سے گوشت کو الگ کر دیں گے۔

---

1 ......پیروی۔ 2 ......بے عزتی۔ 3 ......بیہودہ باتیں۔

میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) ! ان باتوں کی کون طاقت رکھ سکتا ہے، آپ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) نے فرمایا: اے مُعاذ! جو میں نے تجھ سے بیان کیا ہے، وہ اُسی آدمی پر آسان ہے، جس پر اللہ تعالیٰ آسان کرے۔ تجھے اِن تمام باتوں سے یہ چیز کفایت کرتی ہے کہ تو لوگوں کے لیے وہی کچھ پسند کرے جو تو اپنے نفس کے لیے پسند کرتا ہے اور لوگوں کے لیے وہی کچھ ناپسند کرے جو اپنے نفس کے لیے ناپسند کرتا ہے اگر تو ایسا کرے گا تو سلامت رہے گا اور نجات پا جائے گا۔

خالد بن مَعْدَان (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) نے کہا کہ حضرت مُعاذ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ) قرآن پاک کی تلاوت بھی اِس کثرت سے نہیں کرتے تھے جتنا کہ اس حدیث کو بیان کرتے اور اپنی مجلس میں اس کا تذکرہ کرتے۔[1]

اور اے آدمی! جب تو نے یہ عظیم حدیث اور بہت بڑی خبر سن لی ہے جس کا انجام بڑا دردناک ہے جس کے اثر سے دل اڑنے لگتے ہیں اور عُقُول[2] پریشان ہوجاتی ہیں اور جس کو سینے اٹھانے سے تنگ ہیں جس کی ہَیْبَت سے نفس گھبراتے ہیں، تو اپنے مولا کی رحمت کا دامن تھام لے اور عاجزی اور تَضَرُّع[3] اور دِن رات کے رونے سے اُس کے دروازہ کو لازم پکڑ۔ جیسا کہ دوسرے عاجزی کرنے والے اور تَضَرُّع کرنے والے کرتے ہیں، اِس معاملہ میں نجات صرف اُس کی رحمت سے ہے اور اس سمندر سے سلامتی کے ساتھ بچ نکلنا صرف اُس کی تَوَجہ اور تَوفیق اور

---

1 ...... الترغیب و الترہیب، المقدمۃ، الترہیب من الریاء...الخ، ۱/۴۸، حدیث: ۵۹، بتغیر۔

2 ...... عقلیں۔ 3 ...... گڑگڑانے۔

عنایت سے ہے۔ غافلوں کی نیند سے بیدار ہو اور اس کام کو اس کا حق دے اور اِس خوفناک گھاٹی میں اپنے نفس سے جہاد کرتا کہ تو ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک نہ ہو جائے اور ہر حالت میں اللہ تعالیٰ ہی سے مدد کی اِلتجا ہے وہ بہترین مددگار ہے، اور وہ سب رَحم کرنے والوں سے زیادہ رَحم کرنے والا ہے اور گناہ سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت بھی اللہ تعالیٰ بلند اور عظیم کی توفیق سے ہے۔

فصل

قصّہ مختصر جب تو نے اچھی طرح دیکھ لیا اور اللہ تعالیٰ کی اِطاعت کے اندازے کو ملاحظہ کر لیا اور مخلوق اور اُن کی کمزوری اور ان کی جہالت کو دیکھ لیا تو اپنے دِل کے ساتھ اُن کی طرف توجہ مت کر اور ان کی مَدح وثناء اور ان کی تعظیم سے بے نیاز ہو جا کہ اُس میں کوئی فائدہ نہیں ہے، تو اِن چیزوں سے اپنی عبادت کو مردود نہ کر اور جب تو نے دنیا کی کمینگی اور حقارت اور سُرعتِ زَوال[1] کو جان لیا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے اُسکی طرف توجہ نہ کر اور اپنے نفس سے کہہ: اے نَفْس! رَبُّ الْعَالَمِیْن کی تعریف اور اُس کی شکر گزاری عاجز اور جاہل مخلوق کی ثناء[2] سے بہتر ہے جو کہ حقیقت میں تیرے عمل کی قدر کو اور تیری محنت کو جانتے ہی نہیں اور تیرے حق کو تیرے اعمال میں اور تیری تکلیفات میں نہیں پہچان سکتے بلکہ بسا اوقات تجھ پر کسی ایسے آدمی کو فضیلت دیں گے جو کہ تجھ سے ہزار ہا درجہ کم تر ہوگا اور سب سے زیادہ حاجت کے اوقات میں تجھ کو ضائع کر دیں گے اور بھول جائیں گے اور اگر وہ ایسا

1 ...... بہت جلد ختم ہونے۔ 2 ...... تعریف۔

نہ بھی کریں تو اُن کے ہاتھ میں آخر ہے بھی کیا اور ان کی طاقت کہاں تک پہنچ سکتی ہے! پھر وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کے قبضے میں ہیں تو پھر وہ اُن کو جس طرح چاہے گا اور جدھر چاہے گا پھیر دے گا تو اے نفس! عقل سے کام لے اور اپنی عزیز[1] عبادت کو اُن کی وجہ سے ضائع نہ کر اور نہیں فوت[2] ہوگی تجھ سے اُس ذات کی ثناء جس کی ثناء تمام تر فخر اور عطا ہے، اور جس کی عطا تمام تر ذخیرہ ہے اور کہنے والے نے کتنا سچ کہا ہے:

سَهَرُ الْعُيُوْنِ لِغَيْرِ وَجْهِكَ بَاطِلٌ وَ بُكَاؤُهُنَّ لِغَيْرِ فَقْدِكَ ضَائِعٌ

ترجمہ: تیرے چہرے کے سوا آنکھوں کا جاگنا باطل ہے اور تیرے گم ہونے کے سوا ان کا رونا ضائع ہے۔

اور کہو اے نفس! کیا ہمیشہ کی جنت بہتر ہے یا دنیا اور اس کا ناکارہ اور فانی حرام سے آلودہ سامان، حالانکہ تجھے طاقت ہے کہ تجھے تیری اس عبادت سے ہمیشہ کی نعمتیں حاصل ہوں، پس نہ ہو تو خَسِیْس ہِمَّت[3] رَدِی ارادے[4] اور کمینہ اَفعال والا، کیا تو غور نہیں کرتا کہ کبوتر جب فضا میں بلند اڑنے والا ہو تو اُس کی قیمت کس طرح بڑھ جاتی ہے اور اس کی قدر کتنی زیادہ ہو جاتی ہے، سو تو اپنی تمام ہمت کو آسمان کی طرف بلند کر اور اپنے دل کو اکیلے اللہ تعالیٰ کے لیے خالی کر دے جس کے اختیار میں تمام اُمور ہیں اور ناکارہ چیزوں کی وجہ سے اپنی کمائی ہوئی عبادت کو ضائع نہ کر، اور اِسی طرح جب تو اچھی طرح غور کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور بڑے بڑے احسانات کو اس عبادت میں اپنے اوپر ملاحظہ فرمائے گا کہ اُسی نے تجھ کو اس

---

1 قیمتی۔ 2 ضائع۔ 3 کم ہمت۔ 4 بیکار ارادے۔

کی توفیق بخشی اور اس نے اِس کا سامان فراہم کیا اور اسی نے تمام مَوانعات [1] کو تجھ سے دور فرمایا یہاں تک کہ اس عبادت کے لیے فارغ ہوا۔

پھر اُس نے تجھ کو توفیق اور تائید سے خاص کیا اور اِس کو تجھ پر آسان بنایا اور تیرے دِل میں اُس کو زینت بخشی یہاں تک کہ تو نے اِس پر عمل کیا۔

پھر اُسی نے اپنی عظمت اور جلال اور تیری عبادت اور تجھ سے بے نیازی اور اپنی تجھ پر بے اَنداز نعمتوں کے باوجود تیرے لیے اس معمولی عمل پر ثنائے جمیل [2] اور ثوابِ عظیم کا اجر تیار کر رکھا ہے، جس کا تو کسی صورت میں مستحق نہیں ہے، پھر وہ اس پر تجھے شکر کی توفیق عطا فرماتا [3] ہے اور اس معمولی کام پر تعریف فرماتا [4] ہے اور اسی کی وجہ سے تجھ سے محبت رکھتا ہے۔

خاصۃً یہ سب کچھ اُسی کے بہت بڑے فضل کی وجہ سے ہے، نہ کسی اور وجہ سے ورنہ تیرا کون سا حق ہے اور تیرے اِس عیب دار اور حقیر عمل کی کون سی قدر ہے، سو اے نَفْس! اپنے رب کریم رحیم سُبْحَانَهٗ وتعالیٰ کے احسان کو یاد کر کہ اُس نے تجھ پر اس عبادت کے بجالانے میں کتنا احسان کیا اور اس سے شرم کر کہ تو اپنے عمل کی طرف توجہ کرے بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کا ہم پر ہر حال میں فضل اور احسان ہے اور اس عبادت کے حاصل ہو جانے کے بعد تیرا شُغْل [5] اللّٰہ تعالیٰ سُبْحَانَهٗ کی بارگاہ میں تَضَرُّع اور عاجزی کے سوا اور کچھ نہیں ہونا چاہیے کہ وہ اسے اپنی رحمت سے قبول فرمالے۔ کیا تو نے اللہ تعالیٰ کے خَلیل ابراہیم (عَلَیْهِ السَّلام) کی بات نہیں سنی کہ جب وہ خدا تعالیٰ کے گھر کی تعمیر کی خدمت سے فارغ ہوئے تو کس طرح اللہ

---

1 ...... رُکاوٹوں۔ 2 ...... اچھی تعریف۔ 3 ...... یہاں جملہ "تیری شکر گزاری کرتا" تحریر تھا جو کہ نامناسب ہے لہٰذا اسے "تجھے شکر کی توفیق عطا فرماتا" سے تبدیل کیا گیا ہے۔ (علمیہ) 4 ...... یہاں جملہ "ثنا کہتا" تحریر تھا جو کہ نامناسب ہے لہٰذا اسے "تعریف فرماتا" سے تبدیل کیا گیا ہے۔ (علمیہ) 5 ...... کام۔

تعالیٰ کی جناب میں رگڑ گڑائے کہ وہ اس کو قبول فرما کر اُن پر احسان کرے انہوں نے کہا:

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۱۲۷﴾ (1) اے ہمارے رب ہم سے قبول فرما بے شک تو ہی سننے والا جاننے والا ہے۔

اور جب اپنی دعا سے فارغ ہوئے تو فرمایا:

رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾ (2) اے ہمارے رب دعا کو قبول فرما۔

پھر اگر اُس نے اِس کھوٹی پونجی (3) کو قبول فرما کر تجھ پر احسان کیا تو اُس نے اپنی نعمت کو مکمل کر دیا اور احسانِ عظیم فرمایا۔ کتنی اچھی ہے یہ سعادت اور دولت وعزت ورِفعت (4) اور یہ خِلْعت اور نعمت اور ذخیرہ اور کرامت تجھ پر کتنی زیب دے گی اور اگر دوسری کیفیت ہوئی تو اِس خسارے اور نقصان اور محرومی پر نہایت افسوس، پس تو اٹھ اور اِس کیفیت میں مشغول ہو جا، جب تو اس عمل پر ہمیشگی کرے گا اور اپنی عبادت سے فارغ ہونے پر اپنے دل پر اس کی تکرار کرے گا اور خداوند تعالیٰ سے مدد چاہے گا تو وہ تجھے مخلوق اور نفس کے اِلتِفَات (5) سے بچالے گا اور عُجب اور رِیاء کاری کے شُغل سے محفوظ رکھے گا اور تجھے خالص اخلاص پر عبادات ذِکرِ الٰہی میں آمادہ کرے گا اور پھر تمام حالات میں تجھ پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہوگا۔ تجھے ظاہری اِطاعت حاصل ہوگی جو امید کے قابل ہو اور ایسی نیکیاں میسر آئیں گی جن میں کوئی کَدُوْرَت (6)

---

1 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اے رب ہمارے ہم سے قبول فرما بیشک تو ہی ہے سنتا جانتا۔ (پ ۱، البقرۃ: ۱۲۷)

2 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اے ہمارے رب اور میری دعا سن لے۔ (پ ۱۳، ابراھیم: ۴۰)

3 ...... ناقص عمل۔ 4 ...... بلندگی۔ 5 ...... متوجہ ہونے۔ 6 ...... خرابی۔

نہ ہواور ایسی مقبول عبادتیں حاصل ہوں گی جن میں کوئی نقص نہ ہواور ایسی عبادت اگر بالفرض زندگی میں ایک ہی دفعہ میسر ہوجائے اور پھر کبھی میسر نہ ہوتو وہ بھی حقیقت میں بہت ہے، اور مجھے اپنی عمر کی قسم! اگر چہ اس کی تعداد کم ہو لیکن اس کے معنی بہت ہیں اس کی قدر بڑی ہے، اِس کا نفع کثیر ہے، اس کا انجام اچھا ہے اور اس طرح کی توفیق ملنا بہت عزیز ہے اور بندے پر خدا تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے۔ پھر اُس تحفے سے کون سا تحفہ بڑا ہوسکتا ہے کہ جس کو اللّٰہ رَبُّ الْعَالَمِین قبول کرلے اور اُس کوشش سے اچھی اور کون سی کوشش ہوسکتی ہے جس پر توفیقِ شکر کی نوازش (1) بے قراروں کی دعائیں سننے والا کرے اور رَبُّ الْعَالَمِین اُس پر تعریف کرے اور کون سی پونجی اس پونجی سے زیادہ معزز ہے جس کو رَبُّ الْعَالَمِین پسند کرلے اور اُس پر خوش ہوجائے۔

پس اے مسکین غور کر! اور ہوشیار ہو جا کہ تو خسارہ پانے والوں سے نہ ہوجائے اور جب معاملہ اس حد تک پہنچ جائے گا تو تو اللّٰہ تعالیٰ کے مخلص ڈرنے والے، فکر کرنے والے اللّٰہ کے احسانات پر راضی ہونے والے لوگوں میں سے ہوجائے گا اور تو اس خوفناک گھاٹی کو اپنے پیچھے چھوڑ جائے گا اُس کی آفتوں سے سلامت رہے گا اور اُس کی بھلائیاں اور پھل اپنے ساتھ لے جائے گا اُس کی سعادتوں اور کرامتوں پر ہمیشہ کے لیے فائز ہوجائے گا اور اللّٰہ تعالیٰ ہی اپنے فضل و کرم سے عِصمت اور توفیق کا والی ہے اور اللّٰہ تعالیٰ بلند عظیم کی توفیق ہی سے گناہ سے پرہیز اور نیکی کی قوت حاصل کی جاسکتی ہے۔

1 ...... یہاں جملہ "جس کی شکر گزاری" تحریر تھا جسے زیادہ مناسب جملے "جس پر توفیقِ شکر کی نوازش" سے بدل دیا گیا ہے۔ (علمیہ)

ساتواں باب

ساتویں گھاٹی شکر کے بیان میں

اور یہ گھاٹی حمد اور شکر کی ہے۔ اللہ تجھے بھی توفیق دے اور ہمیں بھی ان گھاٹیوں کے قطع کرنے کے بعد اور ایسی عبادت کے حصول کے بعد جو آفات سے صحیح سلامت ہو۔ اللہ تعالیٰ کا شکر اور حمد بجالانا اسی نعمتِ عظیمہ اور احسان کریمہ پر لازم ہے اور یہ تجھے دو وُجوہات سے لازم ہے ایک تو نعمتِ عظیمہ کے دَوام [1] کے لیے اور دوسرے زیادہ حاصل ہونے کے لیے پھر نعمتِ دَوام کے لیے اس لیے ضروری ہے کہ شکر کے ساتھ نعمتیں مُقَیَّد [2] ہو جاتی ہیں اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے باقی رہتی ہیں اور اس کو تَرک کر دینے سے چلی جاتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ [3]

اللہ تعالیٰ کسی قوم کے حالات میں اُس وقت تک تبدیلی نہیں کرتے جب تک وہ خود نہ تبدیل ہو جائیں۔

اور فرمایا:

فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَ الْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۞ [4]

پس اس نے اللہ کی نعمتوں کا انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اُس کو خوف اور بھوک کا لباس پہنا دیا یہ بدلہ تھا ان کی کمائی کا۔

---

1 ...... ہمیشگی۔ 2 ...... قید۔

3 ...... ترجمۂ کنز الایمان: بیشک اللہ کسی قوم سے اپنی نعمت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدل دیں۔ (پ ١٣، الرعد: ١١)

4 ...... ترجمۂ کنز الایمان: تو وہ اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے لگی تو اللہ نے اسے یہ سزا چکھائی کہ اسے بھوک اور ڈر کا پہناوا پہنایا بدلہ ان کے کئے کا۔ (پ ١٤، النحل: ١١٢)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَا یَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَ اٰمَنْتُمْ ؕ (1) اگر تم شکر کرو اور ایمان لے آؤ تو اللہ تعالیٰ تمہیں کیوں سزا دے گا۔

اور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّم نے فرمایا:

"اِنَّ لِلنِّعَمِ اَوَابِدَ (2) كَاَوَابِدِ الْوَحْشِ فَقَیِّدُوْهَا بِالشُّكْرِ" نعمتیں بھی اسی طرح بھاگ جاتی ہیں جیسے جنگلی جانور بھاگ جاتے ہیں تو ان کو شکر کے ساتھ پابند کرو۔

باقی رہا زِیادَت کا حصول! تو چونکہ شکر نعمتوں کے لیے زنجیر ہے تو وہ زِیادَت کا پھل دیں گی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ (3) اگر تم شکر کرو گے تو میں تم کو زیادہ دوں گا۔

اور فرمایا:

وَالَّذِیْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى (4) جن لوگوں نے ہدایت کو قبول کیا اللہ ان کو ہدایت زیادہ دیتا ہے۔

---

1 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اور اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم حق مانو اور ایمان لاؤ۔ (پ ۵، النساء: ۱۴۷)

2 ...... یہاں لفظ "اَوَابِدَا" تھا، یہ کتابت کی غلطی ہے کیونکہ اصل عربی متن میں درست لفظ "اَوَابِدَ" ہے، لہٰذا اس کی تصحیح کر دی گئی ہے۔ (علمیہ)

3 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اگر احسان مانو گے تو میں تمہیں اور دوں گا۔ (پ ۱۳، ابراھیم: ۷)

4 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اور جنہوں نے راہ پائی اللہ نے ان کی ہدایت اور زیادہ فرمائی۔ (پ ۲۶، محمد: ۱۷)

اور فرمایا:

وَ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ(1) جن لوگوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ہم اُنکو اپنے راستوں کی راہنمائی کرتے ہیں۔

پھر عقلمند مالک جب غلام کو دیکھتا ہے کہ وہ اُس کی نعمت کا حق ادا کر رہا ہے تو اس پر اور بھی اِحسان کرتا جاتا ہے اور اُس کو اُن کا اہل سمجھتا ہے، ورنہ اُس سے اپنے اِحسانات مُنْقَطَع کر لیتا ہے۔

پھر نعمتیں دو قسم کی ہیں: دنیاوی اور دینی، پھر دنیاوی دو قسم کی ہیں: پہلی نفع کی نعمت اور دوسری مُدَافَعَت کی نعمت، نفع کی نعمت تو یہ ہے کہ تجھے اللہ تعالیٰ تیرے مناسب اور منافع کی چیزیں عطا فرمائیں۔ پھر منافع کی دو قسمیں ہیں: صحیح پیدائش اور جسمانی سلامتی اور عافیت اور مرغوب چیزوں کا مہیا کرنا، مثلاً: کھانا پینا، لباس نکاح وغیرہ کے فوائد، اور مُدافَعَت کی نعمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھ سے بگاڑ پیدا کرنے والی اور تکلیف دینے والی چیزوں کو تجھ سے روک رکھے اور یہ بھی دو قسم ہے: پہلی نَفْس میں کہ اللہ تعالیٰ تجھے تمام آفتوں، بیماری سے محفوظ رکھے، اور دوسری اُن چیزوں کی مُدَافَعَت جن سے تجھے کوئی نقصان پہنچ سکے یا کوئی انسان یا جن یا درندہ اور مُوذی جانور تجھے بُرائی پہنچانے کا قصد کرے اور باقی رہیں دینی نعمتیں تو وہ بھی دو قسم کی ہیں:

---

(1)......ترجمۂ کنز الایمان: اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھا دیں گے۔ (پ ۲۱، العنکبوت: ۶۹)

نعمتِ توفیق اور نعمتِ عصمت

توفیق کی نعمت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے پہلے تو اسلام کی توفیق بخشے پھر اتباعِ سنّت کی پھر اطاعت کی، اور عصمت کی نعمت یہ ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ تجھے کفر اور شرک سے بچائے پھر بدعت اور گمراہی سے پھر تمام گناہوں سے اور اس کی تفصیل اس کائنات کے مالک کے سوا کوئی نہیں جانتا جس نے تجھ پر اِحسانات کیے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ(1) اور اگر تم اللہ تعالیٰ کے احسانات کو شمار کرنے لگو تو شمار بھی نہ کرسکو۔

اور ان تمام نعمتوں کا رَواج بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ پر ان کا احسان کیا اور ہر طرف سے اس میں اضافہ فرمایا کہ جس کو تیرا وَہم نہ تو شمار کرسکتا ہے اور نہ وہاں تک پہنچ سکتا ہے اور یہ تمام چیزیں ایک ہی چیز سے متعلق ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی تعریف اور اُس کا شکر۔

اور وہ کام جس کی یہ قیمت ہو جس میں یہ تمام فائدے ہوں حق رکھتا ہے کہ اس کو کسی حال میں غفلت کے بغیر تھام رکھا جائے، یہ ایک قیمتی ہیرا ہے اور عزیز کیمیا(2) ہے، اور اللہ ہی اپنے فضل و رحمت سے توفیق کا والی ہے۔

اگر سوال کیا جائے کہ حمد اور شکر کی حقیقت کیا ہے اور اُس کے معنی کیا ہیں اور اُن کا حکم کیا ہے تو جان لینا چاہیے کہ علماء (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) نے حمد اور شکر میں کچھ

1 ......ترجمۂ کنز الایمان: اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو انہیں شمار نہ کرسکو گے۔ (پ ۱۴، النحل: ۱۸)

2 ......نہایت قیمتی شے۔

فرق کیا ہے وہ یہ کہ حمد تسبیح وتہلیل کی قسم سے ہے تو یہ ظاہری کوششوں میں سے ہوگی اور شکر صبر اور سُپُردَگی کی قسم سے ہے تو یہ باطنی کوششوں میں سے ہوگا کیونکہ شکر کفر کے مقابل ہے اور حمد مذمت کے مُقابل اور دوسرا فرق یہ ہے کہ حمد عام ہے اور اکثر ہے اور شکر کم ہے اور خاص ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾[1] اور میرے شکر گزار بندے تھوڑے ہیں۔

تو ثابت ہوا کہ یہ دونوں الگ الگ معانی رکھتے ہیں، پھر یہ فرق بھی ہے کہ حمد کسی کے اچھے کام کرنے پر تعریف کرنے کو کہتے ہیں۔ ہمارے شیخ رَحمَۃُ اللّٰہ کے کلام کا مُقتَضا[2] یہی ہے۔

باقی رہا شکر تو اس کے معنی میں علماء(رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) نے بہت کلام کیا ہے حضرت ابنِ عباس رَضِیَ اللّٰهُ عَنْه سے مروی ہے کہ آپ(رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ) نے فرمایا: خداوند تعالیٰ کی ظاہر اور باطن میں تمام اَعضاء سے اِطاعت کا نام شکر ہے اور ہمارے بعض مَشَائخ(رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) کا بھی یہی قول ہے کہ انہوں نے کہا: ظاہر اور باطن میں اطاعت کا ادا کرنا شکر ہے، پھر دوسرے قول کی طرف رجوع کیا اور کہا کہ ظاہر اور باطن میں گناہوں سے پرہیز کرنا شکر ہے اور کسی اور نے کہا: اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کو اِختیار کرنے سے اپنی حفاظت کرنے کا نام شکر ہے کہ تو اپنے دل اور زبان اور اَعضاء کی اس طرح حفاظت کرے کہ ان تینوں سے کسی طرح بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرسکے اور اس قول اور پہلے شیخ کے قول میں فرق یہ ہے کہ

1 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اور میرے بندوں میں کم ہیں شکر والے۔ (پ ۲۲، سبا: ۱۳)

2 ...... حاصل / نتیجہ۔

شیخِ بُزُرگ نے حفاظت کو گناہوں سے اِجتناب پر ایک زائد معنی کی حیثیت سے ثابت کیا ہے اور نافرمانی سے اِجتناب کی حقیقت تو یہی ہے کہ جب اس کے دَوَاعی[1] موجود ہوں تو انسان نافرمانی نہ کرے اور اس تعریف کے مطابق کوئی ایسا معنی اپنے نَفْس میں حاصل نہیں ہوگا جس سے بندہ مشغول رہے اور ناشکری سے بچا رہے۔

اور ہمارے شیخ رَحِمَہُ الله نے فرمایا: اِحسان کرنے والے کی نعمت کے مقابلے میں اس طرح تعظیم کی جائے کہ اِحسان کرنے والے کی نافرمانی اور ناشکری سے اُس کو روک دے اس کا نام شکر ہے اور اگر احسان کے مقابلہ میں محسن کی تعظیم رکھی جائے تو ایسی صورت میں یہ بھی صحیح ہوگا کہ اللہ تعالیٰ بندے کو شکر کی توفیق دے[2] اور یہ بہت اچھی تعریف ہے اور اس میں کافی تفصیل ہے جس کو ہم نے اپنی کتاب "اِحیاءُ عُلُومِ الدِّین" وغیرہ میں پوری طرح بیان کیا ہے، لیکن حاصل یہ ہے کہ بندے سے شکر یہ ہے کہ اپنے محسن کی اس طرح تعظیم کرے کہ اُس کی نافرمانی سے باز آجائے اور یہ اُس کے احسان کے یاد کرنے سے ہوتا ہے اور شکر کرنے والے کا حال شکر میں بہت بہتر ہے اور ناشکری کرنے والے کا حال ناشکری میں بہت بدتر ہے۔

میں کہتا ہوں کہ مُنْعِم[3] کا کم از کم یہ حق ہے کہ اُس کی نعمت کے ساتھ اس کی نافرمانی نہ کی جائے اور کتنی بدتر حالت ہے اُس آدمی کی جو مُنعِم کی نعمت کو اُس کی نافرمانی پر ہتھیار کے طور پر استعمال کرے پس بندے پر شکر کا حقیقت میں یہ فرض ہے کہ اُس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی ایسی تعظیم ہو کہ وہ خدا تعالیٰ اور اس کی نافرمانی کے درمیان حائل ہو جائے جبکہ اس نعمت کو یاد کرے، جب اُس نے ایسا

---

1 ......اس کے اسباب۔ 2 ......یہاں ترجمہ میں "بندے کا شکر کرے" کو زیادہ مناسب جملے "بندے کو شکر کی توفیق دے" سے بدل دیا گیا ہے۔ (علمیہ) 3 ......نعمت دینے والے۔

کرلیا تو اُس نے شکر کا اصل [1] ادا کر دیا، پھر اس کے مقابل خدا تعالیٰ کی اِطاعت میں کوشش اور عبادت میں جدو جہد ہے کیونکہ وہ نعمت کے حقوق میں سے ہے تو نافرمانی سے بچتے رہنا بھی ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے توفیق ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ شکر کا مقام کونسا ہوتا ہے تو معلوم ہونا چاہیے کہ اُس کا مقام دینی اور دنیاوی نعمتیں ہیں، باقی رہا مصیبتوں اور سختیوں پر دنیا میں خواہ وہ اپنے نفس پر ہوں یا اہل اور مال پر شکر کرنا بندے پر لازم ہے یا نہیں، تو بعض نے کہا ہے کہ بندے کو اُن پر اُن کی حیثیت سے شکر کرنا لازم نہیں ہے بلکہ اُن پر صبر کرنا لازم ہے، باقی رہا شکر تو وہ نعمتوں پر ہوتا ہے نہ کہ کسی دوسری چیز پر اور بعض نے کہا ہے کہ کوئی سختی ایسی نہیں کہ جس کے پہلو میں اللہ تعالیٰ کا احسان نہ ہو، تو اُس نعمت پر جو اس سختی سے ملی ہوئی ہے، بندے پر شکر یہ لازم ہے نہ کہ سختی اور مصیبت پر، اور یہ نعمتیں وہ ہیں جو "ابنِ عمر" رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمَا نے فرمائیں۔

آپ (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہ) نے فرمایا کہ جب کبھی بھی کوئی مصیبت مجھ پر آئی تو میں نے اُس میں اللہ تعالیٰ کے چار احسان دیکھے:

پہلا یہ کہ وہ مصیبت میرے دین میں نہ آئی، دوسری یہ کہ اس سے زیادہ نہ آئی، تیسری یہ کہ میں رِضا بِالقضا [2] سے محروم نہ رہا، اور چوتھی یہ کہ مجھے اُس پر ثواب کی اُمید ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بھی ایک نعمت ہے کہ وہ سختی دور ہو جانے والی ہے، ہمیشہ رہنے والی نہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے نہ کہ کسی دوسرے کی طرف سے۔

1 ......شکر کا حق۔ 2 ......تقدیر پر راضی ہونے۔

اور اگر وہ سختی کسی مخلوق کے سبب سے ہو تو وہ تیری طرف سے اس پر ہے نہ کہ اُس کی طرف سے تجھ پر۔ تو اس وقت بندے پر شکریہ لازم ہے اُن نعمتوں پر جو سختی کے ساتھ ملی ہوئی ہیں۔

اور کچھ لوگوں نے یہ بھی کہا ہے اور ہمارے شیخ رَحْمَةُ الله عَلَيْه نے اِس قول کو رَاجِح[1] قرار دیا ہے کہ دنیا کی مصیبتوں پر شکر کرنا بھی بندے کے لیے لازم ہے کیونکہ یہ سختیاں حقیقت میں نعمتیں ہیں کیونکہ بندے کو اس کے معاوضے میں عظیم مَنافع بے انداز[2] ثواب اور اچھا بدل آخرت میں ملتا ہے جن کے مقابلے میں ان سختیوں کی کوئی حیثیت نہیں رہتی اور اس سے بڑھ کر اور کون سی نعمت ہوگی اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ تجھے بدمزہ اور کڑوی دوائی پلائے تاکہ خطرناک بیماری دور ہو جائے یا کسی بہت بڑی بیماری یا خوفناک خطرے کی وجہ سے کوئی تیرا فَصْد کرے[3] یا سِینگی لگائے[4] تو اِس کا نتیجہ نَفْس کی صحت، بدن کی سلامتی اور زندگی کی صفائی ہوگا تو اُس کا تجھے کڑوی دوائی پلا کر تکلیف دینا یا فَصْد کا زخم لگانا یا سِینگی کھینچنا حقیقت میں ایک بہت بڑا احسان اور عظیم نعمت ہوگی اگرچہ اس کی ظاہری صورت ناپسندیدہ ہے اس سے طبیعت نفرت کرتی ہے اور نَفْس وحشت محسوس کرتا ہے پھر بھی تو اُس آدمی کا شکریہ ادا کرتا ہے بلکہ اپنی ہمت کے مطابق اُس کو اچھا معاوضہ بھی دیتا ہے تو یہی حکم اِن مصیبتوں اور سختیوں کا بھی ہے، کیا تم غور نہیں کرتے کہ نبی (صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ

---

1 ...... زیادہ بہتر۔ 2 ...... بے شمار۔ 3 ...... یعنی رگ کھول کر فاسد خون نکالے۔ 4 ...... جہاں سینگی لگانی ہوتی ہے پہلے اس جگہ کو تیز دھار آلے (اُسترے) وغیرہ سے زخم لگاتے ہیں، پھر کسی جانور کے سینگ کا چوڑا حصہ زخم پر رکھ کر اس کا باریک حصہ اپنے منہ میں لے کر زور سے چوستے ہیں، پھر اس سوراخ کو آٹے وغیرہ سے بند کر دیتے ہیں، پھر جب اُکھیڑتے ہیں تو فاسد (خراب) خون نکل جاتا ہے۔

وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) سختیوں پر بھی اسی طرح حمد اور شکر ادا کرتے تھے جیسا کہ خوشی کی چیزوں پر۔ آپ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) نے فرمایا:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی مَا سَاءَ وَ سَرَّ [1]" تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں بُرائیوں پر بھی اور بھلائیوں پر بھی۔

کیا آپ اللہ تعالیٰ کے قول کی طرف غور نہیں فرماتے کہ

فَعَسٰۤی اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْــٴًـا وَّ یَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا كَثِیْرًا ﴿۱۹﴾ [2] ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ نے اُس میں بہت سی بھلائی رکھی ہو۔

اور اللہ تعالیٰ جس کا نام بھلائی رکھے وہ اس سے بہت زیادہ ہے کہ تیرا خیال بھی وہاں تک پہنچ سکے، اور اس کی تائید اس قول سے ہوتی ہے کہ نعمت صرف وہ ہی نہیں ہوتی جس میں خوشگوار مزہ ہو یا جسے طبیعت کے تقاضے کی وجہ سے نَفْس چاہے بلکہ وہ چیز بھی نعمت ہے جس سے دَرَجات میں رِفعت نصیب ہو۔ یہی وجہ ہے کہ نعمت کو زِیادَت کے معنی میں بھی استعمال کرتے ہیں اور جب سختی بندے کے شرف اور دَرَجات کی بلندی کا سبب ہے تو یہ بھی حقیقت میں نعمت ہوگی اگرچہ اپنی ظاہری صورت سے اسے سختی اور تکلیف شمار کیا جاتا ہے، اس کو اچھی طرح یاد رکھ خدا تجھے توفیق دے۔

پھر اگر تم یہ پوچھو کہ شکر گُزار اَفضل ہے یا صبر کرنے والا؟ تو معلوم ہونا چاہیے

---

1 ...... یہاں لفظ "شــر" تھا، یہ کتابت کی غلطی ہے کیونکہ اصل عربی متن اور ترجمہ کے لحاظ سے درست لفظ "سَرَّ" ہے، لہٰذا اس کی تصحیح کر دی گئی ہے۔ (علمیہ)

2 ...... ترجمۂ کنز الایمان: تو قریب ہے کہ کوئی چیز تمہیں ناپسند ہو اور اللہ اس میں بہت بھلائی رکھے۔ (پ ۴، النساء: ۱۹)

کہ شکر کرنے والا اَفضل ہے اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول ہے فرمایا:

وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾ (1) میرے تھوڑے بندے شکر گزار ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو اَخصُّ الْخَوَاص (2) بنایا ہے اور نوح عَلَیْہِ السَّلام کی تعریف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ﴿۳﴾ (3) یقیناً وہ شکر گزار بندہ تھا۔

اور ابراہیم عَلَیْہِ السَّلام کے متعلق فرمایا:

شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ (4) وہ اُس کی نعمتوں کا شکر گزار تھا۔

اور اس لیے بھی کہ یہ انعام اور عافیت کے مقام پر ہوتا ہے اور اِسی لیے کہا گیا ہے کہ اگر مجھ پر احسان کیا جائے اور میں شکر کروں تو یہ اس سے مجھے زیادہ پسند ہے کہ میں سختی میں مبتلا کیا جاؤں اور صبر کروں۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ صبر کرنے والا زیادہ اَفضل ہے کیونکہ اُس کی مَشقّت چونکہ بڑی ہے اس لیے اس کا ثواب بھی بڑا اور دَرَجات بھی بلند ہوں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ (5) ہم نے اس کو صبر کرنے والا پایا، وہ بڑا اچھا بندہ تھا۔

---

1 ......ترجمۂ کنز الایمان: اور میرے بندوں میں کم ہیں شکر والے۔ (پ ۲۲، سبا: ۱۳)

2 ......خاصوں میں سے خاص۔

3 ......ترجمۂ کنز الایمان: بیشک وہ بڑا شکر گزار بندہ تھا۔ (پ ۱۵، بنی اسرائیل: ۳)

4 ......ترجمۂ کنز الایمان: اس کے احسانوں پر شکر کرنے والا۔ (پ ۱۴، النحل: ۱۲۱)

5 ......ترجمۂ کنز الایمان: بیشک ہم نے اسے صابر پایا کیا اچھا بندہ۔ (پ ۲۳، ص: ۴۴)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّمَا یُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۱۰﴾ [1] صابر لوگ بغیر حساب کے پورا پورا اجر دیے جائیں گے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاللّٰهُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۴۶﴾ [2] اور اللہ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حقیقت میں شکر کرنے والا صابر کے سوا کوئی نہیں اور صبر کرنے والا حقیقت میں شکر گزار کے سوا اور کوئی نہیں کیونکہ شکر گزار امتحان میں ہے۔ اِس میں سختی کے سوا چارہ نہیں جس پر وہ لازمی طور پر صبر کرے گا اور بے صبری نہ کرے گا کیونکہ شکر احسان کرنے والے کی ایسی تعظیم ہے جو اس کی نافرمانی سے روک دے اور بے صبری بھی نافرمانی ہے۔

اور صبر کرنے والا بھی نعمت سے خالی نہیں ہے جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ پہلے معنی کے مطابق سختی بھی حقیقت میں نعمت ہے تو جب اُس پر صبر کرے گا تو حقیقت میں یہ بھی شکر ہوگا کیونکہ صبر یہ ہے کہ اللہ کی تعظیم کے لیے اپنے نفس کو بے صبری سے روکے اور شکر بھی بِعَیْنِہٖ یہی ہے کیونکہ وہ ایسی تعظیم ہے جو نافرمانی سے بچائے اور اس لیے بھی کہ شکر گزار اپنے نفس کو ناشکری سے روکتا ہے اور نافرمانی سے صبر کرتا ہے اور اپنے نفس کو شکر پر آمادہ کرتا ہے اور عبادات پر صبر کرتا ہے تو حقیقت

---

1 ......ترجمۂ کنز الایمان: صابروں ہی کو ان کا ثواب بھرپور دیا جائے گا بے گنتی۔ (پ ۲۳، الزمر: ۱۰)

2 ......ترجمۂ کنز الایمان: اور صبر والے اللہ کو محبوب ہیں۔ (پ ۴، ال عمران: ۱۴۶)

میں یہ بھی صابر ہے اور صابر نے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی جس نے اُسے بے صبری سے روک دیا اور صبر پر آمادہ کیا تو اُس نے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا تو حقیقت میں یہی شاکر ہے اور اس لیے بھی کہ نفس کو ناشکری سے روکنا جب کہ نفس اس کا ارادہ رکھتا ہو، ایک سختی ہے جس پر شکر گزار صبر کرتا ہے اور صابر کی توفیق اور عِصْمَت ایک نعمت ہے جس پر صابر شکر گزار ہے، تو ان دونوں میں سے کوئی ایک بھی دوسرے سے الگ نہیں۔

اور اس لیے بھی کہ وہ بصیرت جو ان دونوں پر انسان کو آمادہ کرتی ہے وہ ایک ہی ہے اور وہ ہمارے بعض علماء (رَحِمَہُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی) کے قول کے مطابق اِستقامت کی بصیرت ہے۔ انہیں وجوہات کی بناء پر ہم نے کہا ہے کہ یہ ایک دوسرے سے الگ نہیں ہیں۔ اس جملے کو خوب ذہن نشین کر اور توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

فصل

اے مردِ خدا! تجھ پر لازم ہے کہ اس آسان سی گھاٹی کو عبور کرنے کے لیے اپنی ہمت خرچ کر دے یہ ایسی گھاٹی ہے کہ جس کی مَشَقَّت بہت تھوڑی ہے معاوضہ بہت زیادہ ہے اور جس کا وجود نہایت عزیز اور قدر و منزلت نہایت عظیم ہے۔ دو چیزوں پر غور کر پہلی یہ ہے کہ نعمت اُس کو دی جاتی ہے جو اس کی قیمت کو جانتا ہو، اور اس کی قدر کو صرف شکر گزار ہی جانتا ہے اور ہمارے اس قول کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول ہے جو کہ خداوند تعالیٰ نے کفار سے حکایت کرتے ہوئے اور اُن کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے:

اَهٰۤؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَاؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿۵۳﴾[1] کیا یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللّٰہ تعالیٰ نے ہم میں سے احسان کیا ہے کیا اللہ تعالیٰ شکر گزاروں سے واقف نہیں ہے۔

تو ان جاہل لوگوں نے یہ خیال کر رکھا تھا کہ عظیم نعمت اور بڑا احسان اُسی پر کیا جاتا ہے جو مالی لحاظ سے زیادہ اور حسب ونسب کے لحاظ سے اشرف ہو، تو کہنے لگے: اِن فقیروں کا ایک مقام ہے کہ اُن کے قول کے مطابق غلام اور آزاد تھے کہ اِن کو یہ نعمتِ عظیمہ دی جائے اور ہمیں اس سے محروم رکھا جائے، تو انہوں نے تکبر کی راہ اور مذاق کے طَرِیق[2] پر کہا: کیا یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللّٰہ نے ہم میں سے احسان کیا ہے۔ تو اُن پر اللہ تعالیٰ نے اِس روشن نکتہ سے جواب دیا اور فرمایا:

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿۵۳﴾[3] کیا خداوند تعالیٰ شکر گزاروں کو نہیں جانتا۔

جس کلام کا مُدَّعا یہ ہے کہ آقا کریم اُسی کو نعمت دیتا ہے جو اس کی قدر کو پہچانتا ہو اور اُس کی قدر وہی پہچانتا ہے جو اُس پر اپنے نفس اور دل سے مُتَوَجِّہ ہو، اور دوسری چیزوں کو چھوڑ کر اُس کو پسند کر لے اور اُس کے حصول میں جو مشکلات برداشت کرنا پڑیں اُن کی پرواہ نہ کرے پھر اس کا شکر ادا کرنے کے لیے ہمیشہ مُنْعِمْ[4] کے دروازے پر کھڑا رہے اور ہمارے اَزَلی علم میں یہ پہلے سے موجود تھا کہ یہ کمزور لوگ

1 ...... ترجمۂ کنز الایمان: کیا یہ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا ہم میں سے کیا اللہ خوب نہیں جانتا حق ماننے والوں کو۔ (پ ۷، الانعام: ۵۳)

2 ...... طور۔

3 ...... ترجمۂ کنز الایمان: کیا اللہ خوب نہیں جانتا حق ماننے والوں کو۔ (پ ۷، الانعام: ۵۳)

4 ...... نعمت دینے والے۔

اس نعمت کی قدر کو جانیں گے اور اِس کے شکریہ کے لیے کھڑے ہوں گے تو تمہاری نسبت یہ اس نعمت کے زیادہ حق دار تھے اور تمہاری دولت مندی اور ثروت اور دُنیاوی جاہ وحشمت اور حسب ونسب کی اللہ کو کوئی پرواہ نہیں تم لوگ تمام تر نعمت دنیا اور اُس کے سامان اور حسب ونسب کی بلندی کو سمجھتے ہو، نہ کہ دین، علم، حق اور معرفت کو۔ یہی وجہ ہے کہ تم لوگ اِسی کی تعظیم کرتے ہو اور اسی پر فخر کرتے ہو کیا تم غور نہیں کرتے کہ تم اِس دین اور علم اور حق کو اگر قبول کرتے ہو تو اس پر احسان جتاتے ہو جو یہ چیزیں تمہارے پاس لے کر آیا ہے اور یہ اس لیے ہے کہ تم ان چیزوں کو حقیر سمجھتے ہو اور ان کی بہت تھوڑی پرواہ کرتے ہو اور یہ کمزور لوگ اس پر اپنی جانیں قربان کرتے ہیں اس کی آبیاری کے لیے اپنا خون دیتے ہیں اور جو کچھ ان کے ہاتھوں سے اس سلسلہ میں نکل جاتا ہے اس کی پرواہ نہیں کرتے اور نہ اُن کی پرواہ کرتے ہیں جو ان سے دشمنی رکھتے ہیں اور یہ اس لیے ہے کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس کی قدر کو پہچانا جن کے دلوں میں اس کی تعلیم راسخ[1] ہے اور اس کے سوا ہر چیز کا ضائع ہو جانا اُن پر نہایت آسان ہے اور اس میں ہر سختی کو برداشت کرنا ان کو پسند ہے تو یہ لوگ اپنی تمام عمر کو اس کے شکریہ میں ختم کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ اس نعمتِ عظیمہ اور احسانِ جلیلہ کے اہل قرار پائے اور ہمارے سابقہ علم کی وجہ سے ہم نے اُن کو خاص کر لیا اور تمہیں اس سے محروم کر دیا۔

پھر میں کہتا ہوں لوگوں میں سے ہر طریق کا یہی حال ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے دینی نعمتوں میں سے کسی نعمت کے ساتھ خاص کیا ہے خواہ وہ علمی ہو یا عملی، جب

---

1 ...... پختہ۔

تم حقیقت میں غور کرو گے تو ان لوگوں کو اس کی قدر کا سب سے زیادہ جاننے والا اور اس کی تعظیم میں سب سے زیادہ سخت اور اس کے حصول میں سے زیادہ کوشش کرنے والا اور اُس کی تعظیم میں سب سے بڑا اور اُس کے شکریے میں سب سے زیادہ مضبوط پاؤ گے۔

اور بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اِس سے محروم کیا ہے اُن کو اپنی تقدیر کے مطابق اسی بے پرواہی اور بے ادبی کی وجہ سے محروم کیا ہے پھر اگر علم اور عبادت کی تعظیم عوام اور بازاری لوگوں کے دلوں میں بھی ویسی ہی ہوتی جیسی کہ علماء اور عبادت گزاروں کے دل میں ہے تو وہ کبھی بازاروں کو اختیار نہ کرتے اور اُس کو چھوڑ دینا اِن پر آسان ہو جاتا، کیا تم غور نہیں کرتے کہ کوئی فَقِیہ [1] جب کسی ایسے مسئلہ کو دریافت کر لیتا ہے جس میں پہلے اُس کو اِلْتِباس [2] تھا تو اُس کا دل کتنا خوش ہو جاتا ہے اُس کی خوشی کتنی بڑی ہوتی ہے اور اُس کے دل میں اُس کا مقام کتنا بزرگ ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر اُس کو ہزار دینار مل جاتا تو اسے اتنی خوشی نہ ہوتی اور کبھی دین کے معاملے میں کوئی مسئلہ اُس کو پریشان رکھتا ہے تو وہ اس میں سال بھر تک بلکہ دس سال بلکہ بیس سال تک بھی غور و فکر کرتا رہتا ہے اور پھر بھی وہ اس سے اُکتا نہیں جاتا یہاں تک کہ کبھی اللہ تعالیٰ اس کو یہ مسئلہ سمجھا دیتے ہیں تو پھر اس کو اللہ کا بہت بڑا احسان اور سب سے بڑی نعمت سمجھتا ہے اور اس کی وجہ سے اپنے آپ کو تمام اَغْنِیا [3] سے زیادہ غنی اور ہر شریف سے زیادہ اَشرف سمجھتا ہے بلکہ کبھی اس مسئلہ کو کسی بازاری یا کسی سُست طالبِ علم کے سامنے بیان کر دیتا ہے یہ سمجھتے ہوئے کہ وہ بھی علم کی

1 ...... علمِ فقہ میں ماہر عالم۔ 2 ...... پیچیدہ پن۔ 3 ...... دولت مندوں۔

محبت اور رغبت میں اسی جیسا ہے، پس وہ اُس کی طرف کان بھی نہیں رکھتا اور کبھی اگر اُس پر کلام لمبا ہو جائے تو اُکتا جاتا ہے یا سو جاتا ہے اگر اُس کے لیے یہ ظاہر ہو جائے تو اُسے کوئی معاملہ نہیں سمجھتا تو یہی معاملہ اللّٰہ تعالٰی کی طرف توبہ کرنے والے کا ہے کہ وہ رِیاضت اور نفس کو شہوات اور لَذَّات سے محفوظ رکھنے کے لیے کوشش کرتا ہے اور اپنے اَعضاء کو حرکات وسکنات میں کس طرح پابند رکھتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ شاید اللّٰہ تعالٰی پوری طہارت اور آداب کے ساتھ دو رکعت کی توفیق دے دے اور اللّٰہ تعالٰی کی جناب میں کتنی زاری کرتا ہے کہ اللّٰہ تعالٰی اس کو صفائی اور حلاوت کے ساتھ ایک ساعت کی مناجات نصیب کر دے اگر وہ مہینہ بھر میں بلکہ سال بھر میں بلکہ اپنی ساری زندگی میں ایک مرتبہ بھی اس پر کامیاب ہو جائے تو اس کو بہت بڑا احسان اور سب سے عظیم نعمت سمجھتا ہے اور کتنا خوش ہوتا ہے اور کتنا اللّٰہ تعالٰی کا شکریہ ادا کرتا ہے اور اُن مَشَقَّتوں اور تکلیفوں کی کوئی پرواہ نہیں کرتا جو اُس نے راتوں کو جاگ کر اٹھائی ہیں اور اپنی لذتوں کو چھوڑا ہے۔

پھر تو اُن لوگوں کو دیکھتا ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ عبادات کی رغبت رکھتے ہیں اگر اِسی طرح کی خالص عبادت مثلاً اُن کے رات کے کھانے کا ایک لقمہ بھی نقصان کرنے کے بعد حاصل ہو، یا کسی ایسی بات کے چھوڑنے کے بعد جو اُن کو محبوب ہو یا اُن کی آنکھوں سے ایک ساعت کی نیند روکنے کے بعد حاصل ہو تو اُن کے نَفس اِن پر آمادہ نہیں ہوئے اور نہ ان کے دل خوش ہوئے ہیں اور اگر اتفاق سے اُن کو خالص عبادت حاصل ہو بھی جائے تو وہ اُسے کوئی بڑا معاملہ نہیں سمجھتے اور نہ وہ

اُس کا کوئی بڑا شکریہ ادا کرتے ہیں بلکہ اُن کی خوشی اُس وقت ہوتی ہے اور اُن کی زبان سے حمد کا کلمہ اُس وقت نکلتا ہے جب اُن کو کوئی دِرْہَم مل جائے یا کوئی روٹی کا ٹکڑا مل جائے یا اچھا سالن مل جائے یا کافی مدت تک بدن کی سلامتی کے لیے نیند آجائے تو اُس وقت کہتے ہیں: اَلْحَمْدُ لِلّٰہ یہ اللہ کا احسان ہے۔ پھر یہ غافل عاجز لوگ اُن نیک بخت کوشش اور اِجْتِہاد کرنے والوں کے برابر کیسے ہوسکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ یہ مسکین لوگ اِس بھلائی سے محروم ہیں اور خدا کی توفیق دیے گئے لوگ اِسی پر کامیاب ہیں اور اسی طرح ہدایت کے معاملہ کو اَحْکَمُ الْحَاکِمِیْن نے تقسیم کردیا ہے اور وہ سب سے زیادہ جاننے والا ہے، پس یہ تفصیل ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی:

اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِیْنَ ﴿۵۳﴾ [1] کیا اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو نہیں جانتا۔

پس اِس کو سمجھ اور اس کے حق کی رعایت کر اور جان لے کہ جس بھلائی کی تو خواہش کرتا ہے اُس سے تو صرف اسی وجہ سے محروم ہے کہ تو اس کے قدر کو نہیں جانتا سو تو اپنی ہمت صرف کر کہ اللہ کی نعمتوں اور پوری تعظیم کی قدر جانے پھر تو اُس کا اہل ہوجائے گا اور اُس کی عطا تجھے نصیب ہوگی پھر وہ تجھ پر اُس کی بقا کے ساتھ بھی احسان کرے گا جیسا کہ اُس نے تجھ پر ابتداءً احسان کیا جیسا کہ ہم اِس کو دوسرے اصل میں بیان کریں گے بیشک وہی ہے شفقت کرنے والا مہربان۔

دوسرا اصل یہ ہے کہ جو آدمی کسی چیز کی قدر نہ جانے وہ نعمت اُس سے چھین لی جاتی ہے اور جو قدر نہیں جانتا وہی ناشکرا ہے جس نے اُس نعمت کی قدر نہ کی اور

[1]......ترجمۂ کنز الایمان: کیا اللہ خوب نہیں جانتا حق ماننے والوں کو۔ (پ۷، الانعام: ۵۳)

اُس کا شکر ادا نہ کیا اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

وَاتۡلُ عَلَيۡهِمۡ نَبَاَ الَّذِیۡۤ اٰتَيۡنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانۡسَلَخَ مِنۡهَا فَاَتۡبَعَهُ الشَّيۡطٰنُ فَكَانَ مِنَ الۡغٰوِيۡنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَوۡ شِئۡنَا لَرَفَعۡنٰهُ بِهَا (الآیۃ)(1)

اور پڑھ اِن پر خبر اُس آدمی کی جس کو ہم نے اپنی آیتیں دیں پھر وہ اس سے نکل گیا پھر شیطان اس کے پیچھے لگا سو وہ گمراہوں سے ہو گیا اور اگر چاہتے ہم تو اُس کو اِن آیتوں کے ذریعہ سے بلند کر دیتے۔

کلام کا مقصد یہ ہے کہ ہم نے اُس بندے پر بڑی بڑی نعمتوں اور عظیم احسانات سے دین کے متعلق جو ہم نے اُس کو بصیرت دی تھی انعام کیا اور بڑا رتبہ اور رفیع منزلت اپنے دروازے پر اُس کو عطا کی تا کہ وہ ہمارے پاس بلند مرتبہ عَظِیۡمُ الۡقَدۡر بڑے جاہ وجلال والا ہو جائے لیکن وہ ہماری نعمت کی قدر سے جاہل رہا اور حقیر اور کمینی دنیا کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی کمینی اور رَدِی خواہشاتِ نفس کو اختیار کر لیا اور یہ نہ جانا کہ ساری دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک دینی نعمتوں میں سے ایک نعمت کے برابر بھی نہیں ہے اور یہ مچھر کے ایک پر کی حیثیت بھی نہیں رکھتی تو اِس آدمی کی مثال اُس کتے کی سی ہے جو عزت اور راحت اور توہین اور مَشَقَّت میں تمیز نہیں کر سکتا اور نہ رفعت اور شرف کو حقارت اور خِسّت(2) سے الگ دیکھتا ہے تو یہ دونوں حالتوں میں ہانپتا ہے، اُس کے نزدیک تمام بزرگی روٹی کے ایک ٹکڑے میں ہے جسے وہ کھالے

(1)......ترجمۂ کنز الایمان: اور اے محبوب انہیں اس کا احوال سناؤ جسے ہم نے اپنی آیتیں دیں تو وہ ان سے صاف نکل گیا تو شیطان اس کے پیچھے لگا تو گمراہوں میں ہو گیا اور ہم چاہتے تو آیتوں کے سبب اسے اٹھا لیتے۔ (پ۹، الاعراف: ۱۷۵۔۱۷۶)

(2)......کمینگی۔

یا دستر خوان کی ایک ہڈی میں جسے اُس کی طرف پھینک دیا جائے برابر ہے کہ تو اُسے اپنے ساتھ تخت پر بیٹھائے یا اپنے سامنے گندگی اور مٹی میں کھڑا کر دے سو اُس کی ہمت اور کرامت اور نعمت سب کچھ اسی میں ہے، تو اِس بُرے انسان نے جب ہماری نعمت کی قدر کو نہ پہچانا اور جو بزرگی ہم نے اُس کو دی تھی اُس کا حق نہ پہچانا تو اُس کی بصیرت کُند ہو گئی اور ہمیں چھوڑ کر دوسروں کی طرف توجہ کرنے کے سبب سے مقامِ قُرب میں اُس کا ادب بدتر صورت اختیار کر گیا اور ہماری نعمتوں کے تذکرہ کو چھوڑ کر حقیر دنیا اور خسیس لذّت میں مشغول ہو گیا، تو ہم نے اُس کی طرف قہر کی نظر سے دیکھا اور اُسے انصاف کے میدان میں کھڑا کر دیا، اور اس کے متعلق مذمت کا فیصلہ نافذ کیا پھر اُس سے اپنی تمام خِلعَتیں اور کرامتیں چھین لیں اور اُس کے دل سے اپنی معرفت کھینچ لی پھر وہ ننگا ہو کر اُن تمام نعمتوں سے باہر نکل گیا، جو ہم نے اُس کو اپنے فضل سے دی تھیں۔ پس وہ ایک ہانکا ہوا کتا اور شیطان مردود ہو گیا۔ ہم اللہ کی ناراضگی اور اُس کے دردناک عذاب سے اُسی کی پناہ چاہتے ہیں وہ ہم پر شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

پھر ایک بادشاہ کی مثال پر قناعت کر کہ وہ اپنے کسی بندے کی عزت کرے اور اُسے خاص اپنے کپڑے پہنائے اور اُسے اپنے قریب کرے اور اپنے تمام خادموں، دربانوں پر اُس کو سردار بنادے اور اُسے اپنے دروازے کی ملازمت کا حکم دے پھر حکم دے کہ اُس کے لیے کسی دوسری جگہ میں محل تعمیر کیے جائیں اور اس کے لیے بلند تخت بچھائے جائیں، اس کے لیے طرح طرح کے کھانے چنے جائیں، آراستہ

لونڈیاں اُس کو مہیا کی جائیں، غلام اُس کے سامنے دست بستہ کھڑے ہوں یہاں تک کہ جب وہ اِس ملازمت سے واپس جائے تو اُس جگہ ایک مخدوم بادشاہ کی حیثیت سے بیٹھایا جائے اور اُس کی خدمت کی حالت اور اپنے ملک اور وِلایت کی حالت میں ایک ہی ساعت کا فاصلہ ہو یا اس سے بھی کم پھر اگر یہ بندہ بادشاہ کے دروازے پر جانوروں کی نگرانی کرتے ہوئے کسی نوکر کو روٹی کا ٹکڑا کھاتے دیکھے یا کسی کتے کو ہڈی چباتے ہوئے تو بادشاہ کی خدمت کو چھوڑ کر اُن کو دیکھنے میں مشغول ہو جائے اور اپنی توجہ اُس طرف پھیر دے اور شاہی خِلعَتوں اور کرامتوں کی طرف توجہ نہ کرے اور اس ملازم کی طرف دوڑے اور اپنا ہاتھ پھیلا کر اس سے روٹی کا ٹکڑا مانگنے لگے یا کسی کتے کو ہڈی چباتے دیکھ کر مزاحمت کرنے لگے اور اُن پر رشک کرے اور ان کی اس حالت کو بڑا اچھا جانے تو کیا بادشاہ جب اس آدمی کو اِس حالت میں دیکھے گا تو یہ نہ سمجھے گا کہ یہ بے وقوف اور کمینہ ہمت آدمی ہے؟ اس نے ہماری کرامت [1] کا حق نہ پہچانا اور ہم نے اس کو خِلعَت عطاء کر کے اور اپنی بارگاہ میں حاضر کر کے اور اپنی عنایت اس پر مبذول کر کے اس کو جو عزت افزائی کی تھی اس نے اس کے قدر کو نہیں دیکھا، اور ہم نے اس کے لیے دولت کے ذخیرے اور کئی قسم کی نعمتیں مہیا کی تھیں یہ کمینہ ہمت اور عَظِیْمُ الْجَھْل [2] اور بدتمیز انسان ہے، اِس سے خِلعَتیں چھین لو اور اس کو ہمارے دروازے سے دُھتکار دو۔

پس یہی حال عالم کا ہے جب وہ دنیا کی طرف جھک جائے اور یہی حال عابد کا ہے جب وہ خواہش کی پیروی کرنے لگے بعد اِس کے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو

1 ......نوازشات۔ 2 ......بہت ہی جاہل۔

اپنی عبادات اور اپنی نعمتوں کی پہچان اور اپنی شریعت اور اس کے احکام سے سرفراز کیا تھا پھر اُس نے اِن کے قدر کو نہ جانا تو وہ اللہ کے نزدیک سب سے حقیر اور سب سے ذلیل ہے کہ اس میں رغبت کرتا ہے اور اس کی حرص رکھتا ہے اور اُس کے دل میں یہ سب سے بڑی اور سب سے محبوب چیز ہے اُن تمام چیزوں سے جو اس کو علم اور عبادت اور حکمت اور حقائق سے ہم نے عنایت کی تھیں اور یہی حال ہے اُس آدمی کا کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کی توفیق اور عِصْمت سے خاص کر لیا اور اپنی خدمت[1] اور عبادت کے انوار سے اُس کو زینت بخشی اور اکثر اوقات میں رحمت کی نظر سے اس کو دیکھا اور اس کی وجہ سے فرشتوں پر فخر کیا اور اس کو اپنے دروازے کی سرداری اور وجاہت بخشی اور اُسے شفاعت کے مقام پر کھڑا کیا اور اس کو عزت کی منزل پر اُتارا یہاں تک کہ جب وہ اس حیثیت کا ہو گیا کہ اگر اس کو پکارے تو وہ قبول کرے اور لَبَّیک کہے اور اگر اس سے مانگے تو اس کو دے اور غنی کر دے اور اگر دنیا بھر کی شفاعت کرے تو ان کے متعلق ان کی شفاعت کو قبول کرے اور اسے راضی کرے اور اگر خدا کو قسم دے تو وہ اس کی قسم کو پورا کرے اور اگر اس کے دل میں کسی چیز کا خیال آئے تو اس کو سوال کرنے سے پہلے عطا کرے پھر جس آدمی کی یہ حالت ہو اور پھر بھی وہ ان نعمتوں کی قدر نہ پہچانے اور اس منزلت کی قدر کو نہ دیکھے اور بے حیا نَفْس کی رَدِی خواہشات کی طرف چلا جائے یا کمینی دنیا کے حصول میں لگ جائے جس کو کوئی بقا نہیں اور اُن کرامتوں اور خِلعتوں اور ہدیوں اور احسانوں اور عطاؤں کو نہ دیکھے پھر اُن چیزوں کو نہ ملحوظ رکھے جن کا اُس نے وعدہ کیا ہے جو آخرت میں اس کے لیے تیار ہیں عظیم ثواب اور ہمیشہ کی رہنے والی پوری

1 ......بندگی۔

نعمتیں تو یہ کتنا حقیر آدمی ہے اور کتنی بدتر حالت میں بندہ ہے اور اگر وہ جانے تو کتنے خطرناک مقام پر ہے اور اِس کا یہ کام اگر وہ سمجھے تو کتنی بڑی بے حیائی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ رحیم اور احسان فرمانے والے (1) سے سوال کرتے ہیں کہ وہ اپنے عظیم فضل اور وسیع رحمت سے ہمارے حالات کو درست کردے، بیشک وہ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

تو اے مرد! تم پر لازم ہے کہ تو اپنی ہمت صرف کرے تاکہ تو اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے احسانات کے قدر کو پہچانے اور جب تجھ پر دین کی نعمت کا احسان فرمائے تو دنیا اور اس کے سامان کی طرف توجہ کرنے سے پرہیز کر کیونکہ یہ تجھ سے ایک طرح کی سستی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے دین کی نعمتوں کا والی بنایا اور پھر تو نے قدر نہ کی کیا تو نے اللہ تعالیٰ کے قول کو نہیں سنا جو سَیِّدُ الْمُرْسَلِیْن (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) کو مخاطب کرکے فرمایا ہے:

وَ لَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ ﴿۸۷﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ (الآیۃ) (2)

اور بیشک دی ہم نے تجھ کو سات آیتیں بار بار پڑھی جانے والی اور قرآن بزرگ عطا فرمایا تو ہم نے اُن کو طرح طرح کا سامان دیا ہے اُس کی طرف نگاہ اُٹھا کر بھی نہ دیکھ۔

---

1 ...... یہاں سے لفظ ''شفیق'' کو حذف کرکے ''احسان فرمانے والے'' کر دیا ہے کیونکہ اس نام کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے لئے منع ہے۔ (علمیہ)

2 ......ترجمۂ کنز الایمان: اور بیشک ہم نے تم کو سات آیتیں دیں جو دُہرائی جاتی ہیں اور عظمت والا قرآن اپنی آنکھ اٹھا کر اس چیز کو نہ دیکھو جو ہم نے ان کے کچھ جوڑوں کو برتنے کو دی۔ (پ ۱۴، الحجر: ۸۷-۸۸)

اس کا مطلب یہ ہے کہ جسے قرآن عظیم دیا جائے اُس کا حق ہے کہ وہ حقیر دنیا کی طرف پسندیدگی اور رضا مندی کی نگاہ سے کبھی نہ دیکھے چہ جائیکہ اُس کو اِس میں رغبت ہو، اس پر اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ شکر ادا کرے کہ یہ وہ بزرگی ہے جس کی حرص (1) اللہ تعالیٰ کے دوست ابراہیم (عَلَیْهِ السَّلام) نے اپنے باپ (مراد چچا ہے) کے متعلق کی کہ اس پر احسان کرے لیکن اُس نے اس کو قبول نہ کیا اور اللہ تعالیٰ کے حبیب محمد مصطفٰے صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے خواہش کی کہ اپنے چچا ابوطالب پر اس کا احسان کرے اُس نے بھی قبول نہ کیا۔

اور باقی رہا دنیا کا سامان تو یہ وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ ہر کافر، فرعون، مُلحِد، زِنْدِیق، جاہل اور فاسق کو عطا فرماتا ہے جو کہ اللہ کی نگاہ میں سب سے زیادہ ذلیل ہیں یہاں تک کہ وہ اس میں ڈوب جاتے ہیں اور اس سامان سے ہر ایک نبی (عَلَيْهِ السَّلام)، برگزیدہ، صدیق، عالم اور عابد کو محروم کر دیتا ہے جو کہ اُس کی نگاہ میں سب سے بہترین مخلوق ہیں یہاں تک کہ ان کو روٹی کا ٹکڑا اور کپڑے کا چیتھڑا بھی بعض دفعہ نصیب نہیں ہوتا، اور اُن پر احسان جتاتا ہے کہ اُن کو اس گندگی سے آلودہ نہیں کیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون (عَلَيْهِمَا السَّلام) سے فرمایا:

اگر میں چاہوں تو تم کو زینت دے دوں تا کہ فرعون کو معلوم ہو جائے جب کہ اُس کو ملاحظہ کرے یہ کہ اُس کی قدرت اس سے عاجز ہے تو میں کر سکتا ہوں لیکن میں تم دونوں سے دنیا کو لپیٹ لوں گا اور اس کو تمہارے نزدیک نہ آنے دوں گا اور میں اپنے دوستوں سے ایسا ہی کرتا ہوں، میں ان کو دنیا کی نعمتوں سے اس طرح

---

1 ......خواہش۔

ہانک دیتا ہوں جس طرح مُشفِق چرواہا اپنے اونٹوں کو خطرناک جگہوں سے روک دیتا ہے اور دنیا کے عیش اور اطمینان کو اُن سے الگ رکھتا ہوں اور یہ اس لیے نہیں کہ وہ میری نگاہ میں ذلیل ہیں بلکہ اس لیے کہ وہ میری کرامت [1] سے پورا حصہ حاصل کر سکیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَوْلَاۤ اَنْ یَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ یَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُیُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ (الآیۃ) [2]

اور اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ لوگ ایک ہی گروہ ہو جائیں گے تو ہم خدا تعالیٰ کا انکار کرنے والوں کے مکانوں کی چھتیں چاندی کی بنا دیتے۔

پس دونوں اُمور میں غور کر اگر تجھے بصیرت حاصل ہے اور کہہ تمام تعریف اُس اللہ کے لیے ہے کہ جس نے ہم پر اپنے اولیاء واَصْفیاء کی نعمتوں سے احسان فرمایا اور اپنے دشمنوں کے فتنے کو ہم سے دور کر دیا تاکہ ہم ''حمدِ اکبر'' اور پورے شکر اور بڑے احسان اور نعمتِ عظمٰی کے ساتھ مخصوص ہو جائیں اور حصہ حاصل کریں جو کہ اسلام ہے، پس یہ نعمت اس قابل ہے کہ تو اس کی شکر گزاری سے دِن رات میں کسی وقت بھی غفلت نہ کرے اگر تو اس کے قدر کو پہچاننے سے عاجز ہے تو جان لے کہ اگر تو دنیا کی ابتداء ہی میں پیدا کر لیا جاتا اور اسلام کی نعمت کے شکریہ ادا کرنے میں اول وقت سے لے کر ہمیشہ تک مصروف رہتا تو تو اس کا حق ادا نہ کر سکتا بلکہ اس فضلِ عظیم کے بعض حقوق بھی ادا نہ ہوتے۔

---

1 ......نوازشات۔

2 ......ترجمۂ کنز الایمان: اور اگر یہ نہ ہوتا کہ سب لوگ ایک دین پر ہو جائیں تو ہم ضرور رحمٰن کے منکروں کے لیے چاندی کی چھتیں (بناتے)۔ (پ ۲۵، الزخرف: ۳۳)

میں کہتا ہوں جاننا چاہیے کہ یہ مقام میری دانست کے مطابق جو میں اس نعمت کا قدر جانتا ہوں اس کا مُتحمِل نہیں ہوسکتا، اگرچہ اس کے متعلق ایک کروڑ ورق بھی لکھے جائیں تو پھر بھی میرا علم اس سے زیادہ ہوتا، باوجود اس اِعتراف کے کہ جو کچھ میں جانتا ہوں وہ نہ جاننے کے مقابل میں تمام دنیا کے سمُنْدَروں کے مقابلے میں ایک قطرے کی حیثیت رکھتا ہے کیا تو نے سَیِّدُ الْمُرْسَلِیْن (صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم) کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا قول نہیں سنا:

مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِیْمَانُ (1) — نہیں تھا تو جانتا کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کیا چیز۔

"اِلٰی اَنْ قَالَ" یہاں تک کہ فرمایا:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾ (2) — اور تجھے وہ کچھ سکھایا جو تو نہیں جانتا تھا اور تجھ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کو مخاطب کر کے فرمایا:

بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ (الآیۃ) (3) — بلکہ اللہ تعالیٰ تم پر احسان جتلاتا ہے کہ اس نے تم کو ایمان کی راہ نمائی کی۔

---

1 ......ترجمۂ کنز الایمان: اس سے پہلے نہ تم کتاب جانتے تھے نہ احکامِ شرع کی تفصیل۔ (پ ۲۵، الشوریٰ: ۵۲)

2 ......ترجمۂ کنز الایمان: اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔ (پ ۵، النساء: ۱۱۳)

3 ......ترجمۂ کنز الایمان: بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں اسلام کی ہدایت کی۔ (پ ۲۶، الحجرات: ۱۷)

اور کیا تو نے رسولُ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا قول نہیں سنا جب کہ آپ (صَلَّی اللّٰہُ تعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) نے ایک آدمی سے سنا کہ وہ کہہ رہا تھا:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلَی الْاِسْلَام"[1] تمام تعریفیں اللّٰہ کے لیے ہیں کہ اس نے اسلام کی دولت بخشی۔ تو آپ (صَلَّی اللّٰہُ تعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) نے فرمایا: تو نے اللّٰہ تعالٰی کی بہت بڑی نعمت پر تعریف کی۔

اور جب یعقوب (عَلَیْہِ السَّلَام) کے پاس خوشخبری لانے والا آیا تو آپ نے فرمایا: تو نے یوسف (عَلَیْہِ السَّلَام) کو کس دین پر چھوڑا۔ اُس نے کہا: دینِ اسلام پر تو آپ (عَلَیْہِ السَّلَام) نے فرمایا: اب نعمت پوری ہوگئی۔

اور کہا گیا ہے کہ اس سے زیادہ کوئی کَلِمہ اللّٰہ تعالٰی کو محبوب نہیں اور نہ اِس سے زیادہ شکر گزاری میں کوئی کَلِمہ ہے کہ بندہ کہے: تمام تعریفیں اس اللّٰہ کے لیے ہیں جس نے ہم پر احسان فرمایا اور دینِ اسلام کی راہنمائی کی۔

اور اس سے ہوشیار رہنا کہ اسلام کے شکرانہ میں کبھی غفلت نہ کرنا اور اسلام اور معرفت اور توفیق اور عِصْمَت کے جس حال پر تو فائز ہے اس سے دھوکہ نہ کھا جانا کیونکہ اس کے باوجود امن اور غفلت کا یہ مقام نہیں ہے کیونکہ تمام اُمور کا تعلق انجام سے ہے۔

سُفیان ثَوری رَحمَۃُ اللّٰہِ تعَالٰی فرمایا کرتے تھے: جو آدمی اپنے دین پر مطمئن ہو جائے اس سے دین چھین لیا جاتا ہے۔

اور ہمارے شیخ رَحمَۃُ اللّٰہ فرمایا کرتے تھے کہ جب تو کافروں کا حال اور ان

[1] ......شعب الایمان، باب فی تعدید نعم اللّٰہ...الخ، ۱۱۹/۴، حدیث: ۴۴۹۸۔

کا ہمیشہ آگ میں رہنا سنے تو اپنے نفس پر مطمئن نہ ہو کیونکہ معاملہ خطرناک ہے اور تو نہیں جانتا کہ انجام کیا ہوگا، اور تیرے متعلق غیب میں کیا فیصلہ ہو چکا ہے تو اپنے اوقات کی صفائی پر مغرور نہ ہو کہ ان کے نیچے نہایت گہری آفتیں موجود ہیں۔

اور بعض نے کہا: اے عِصْمَت سے دھوکا کھانے والے گروہ اس کے نیچے طرح طرح کی آفت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو طرح طرح کی عِصْمَت سے مُزَیَّن کیا اور وہ حقیقت میں اُس کے نزدیک ملعون تھا۔ اور "بَلْعَام" کو اپنی ولایت کے نور سے مُزَیَّن کیا حالانکہ وہ اس کے نزدیک حقیقت میں دشمن تھا۔

اور حضرت علی (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: کتنے ہی لوگوں کو احسان کر کے مہلت دی جاتی ہے اور کتنے ہی آدمی اچھے قول سے فتنے میں مبتلا ہیں، اور کتنے ہی آدمی خدا کی پردہ پوشی سے دھوکا میں مبتلا ہیں۔

ذُوالنُّون مِصْری (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) سے پوچھا گیا کہ وہ کون سی خطرناک چیز ہے جس سے بندہ دھوکا کھا جاتا ہے، تو کہا: اَلْطاف [1] اور کرامات سے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ [2] کہ ان کو اس طرح آہستہ آہستہ کھینچ رہے ہیں کہ وہ نہیں جانتے۔

اَہْلِ مَعْرِفَت نے کہا کہ ہم اُن پر نعمتیں پوری کرتے ہیں اور اُن کو شکر ادا کرنا

1 ......لطف و کرم۔

2 ......ترجمۂ کنز الایمان: جلد ہم انہیں آہستہ آہستہ عذاب کی طرف لے جائیں گے جہاں سے انہیں خبر نہ ہوگی۔ (پ ۹، الاعراف: ۱۸۲)

بُھلا دیتے ہیں، جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے:

(۱)اَحْسَنْتَ ظَنَّكَ بِالْاَيَّامِ اِذْ حَسُنَتْ وَلَمْ تَخَفْ سُوْءَ مَا يَاْتِيْ بِهِ الْقَدَرُ

(۲)وَسَالَمَتْكَ اللَّيَالِيْ فَاغْتَرَرْتَ بِهَا وَعِنْدَ صَفْوِ[1] اللَّيَالِيْ يَحْدُثُ الْكَدَرُ

ترجمہ: (۱) جب تجھ پر اچھے دن ہوں تو تو اُن کو اچھا سمجھتا ہے اور اس کا خوف نہیں رکھتا جو تقدیر بُرے دن لے آتی ہے۔

(۲) اور تیری راتیں سلامتی سے گزرتی ہیں تو تو اس کا دھوکہ کھا جاتا ہے اور راتوں کی صفائی کے وقت کدورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

اور جان لینا چاہیے کہ جب تو بہت زیادہ قریب ہو جائے تو تیرا معاملہ بہت زیادہ خوفناک اور مشکل ہے اور تیرا امر بہت زیادہ سخت اور باریک ہے اور تیرا خطرہ بہت بڑا ہے کہ کوئی چیز جب انتہائی بلندی پر پہنچ جاتی ہے تو جب وہ نیچے گرتی ہے تو بہت بُری طرح سے گرتی ہے، جیسا کہ کہا گیا ہے:

مَا طَارَ طَيْرٌ فَارْتَفَعَ اِلَّا كَمَا طَارَ وَقَعَ

ترجمہ: جب کوئی پرندہ اُڑ کر بلند چلا جاتا ہے تو جس طرح سے اُڑتا ہے اُسی طرح گرتا ہے۔

تو اس وقت مطمئن ہونے اور شکرانے سے غفلت برتنے اور اپنے حال کی حفاظت میں عاجزی اور زاری کو چھوڑ دینے کا کوئی مقام نہیں ہے۔

اِبراہیم بن اَدْہم (رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْه) فرمایا کرتے تھے: ہم کیسے مطمئن ہو سکتے تھے جب کہ اِبراہیم خلیل (عَلَيْهِ السَّلَام) یہ عرض کرتے ہیں:

[1] ...... یہاں لفظ "صف" تھا، یہ کتابت کی غلطی ہے کیونکہ اصل عربی متن اور ترجمہ کے لحاظ سے درست لفظ "صَفْوِ" ہے، لہٰذا اس کی تصحیح کر دی گئی ہے۔ (علمیہ)

وَّ اجۡنُبۡنِیۡ وَ بَنِیَّ اَنۡ نَّعۡبُدَ الۡاَصۡنَامَ ﴿ؕ۳۵﴾ [1] کہ مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے محفوظ رکھ۔

اور یوسف صدیق عَلَیْہِ السَّلَام عرض کرتے ہیں:

تَوَفَّنِیۡ مُسۡلِمًا [2] مجھے اسلام کی حالت میں فوت کر۔

اور سفیان ثوری (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) ہمیشہ کہتے رہتے: یا اللہ! بچالے بچالے۔ گویا کہ آپ کشتی میں ہیں جس کے غرق ہونے کا اندیشہ ہے۔

اور ہمیں محمد بن یوسف رَحِمَہُ اللّٰہ سے روایت پہنچی ہے، آپ (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) نے کہا: میں نے سفیان ثوری (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) کو ایک رات غور سے دیکھا وہ ساری رات روتے رہے میں نے پوچھا: کیا گناہوں پر روتے ہو؟ تو آپ (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) نے ایک تنکا [3] اُٹھایا اور کہا: گناہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اِس سے بھی زیادہ حقیر ہے، میں اِس سے ڈرتا ہوں کہ اللہ مجھ سے اِسلام نہ چھین لے اور اس سے خدا کی پناہ۔

اور میں نے بعض عارِفین (رَحِمَہُمُ اللّٰہُ الْمُبِیْن) سے سنا ہے کہتے تھے کہ بعض انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَام نے اللہ تعالیٰ سے بلْعام اور اُس کے مردود ہونے کا معاملہ پوچھا کہ وہ اِن آیات اور کرامات کے بعد کیسے مردود ہوگیا، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو کچھ

1 ......ترجمۂ کنز الایمان: اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کے پوجنے سے بچا۔ (پ ۱۳، ابراھیم: ۳۵)

2 ......ترجمۂ کنز الایمان: مجھے مسلمان اُٹھا۔ (پ ۱۳، یوسف: ۱۰۱)

3 ......ترجمہ میں لفظ "تنکہ" کتابت کی غلطی تھی جسے "تنکا" کردیا ہے۔ (علمیہ)

میں نے اُس کو دیا تھا اُس پر اُس نے ساری زندگی بھر ایک دن بھی شکر ادا نہ کیا، اور اگر ایک دفعہ بھی وہ میرا شکریہ ادا کر دیتا تو میں اُس سے نہ چھینتا۔

پس اے آدمی! ہوشیار رہو اور شکر کے رکن کی بہت زیادہ حفاظت کر اور دینی نعمتوں پر اس کی حمد بیان کر کہ سب نعمتوں سے بالاتر اسلام ہے اور معرفت ہے اور سب سے چھوٹی نعمت تسبیح کہنے کی توفیق یا بے مقصد بات کرنے سے پرہیز ہے۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں تجھ پر پوری کرے اور زوال کی کڑواہٹ میں تجھے مبتلا نہ کرے کہ سب سے زیادہ تلخ اور سب سے زیادہ مشکل عزت کے بعد ذلت اور قُرب کے بعد بُعد[1] اور وِصال کے بعد فراق ہے اور اللہ تعالیٰ بندوں پر کریم[2] اور مہربان ہے۔

فصل

اور قصہ مختصر کہ جب تو اللہ تعالیٰ کے بڑے بڑے احسانات اور بڑی بڑی نعمتوں کو اپنے اوپر دیکھے کہ جن کو تیرا دل شمار بھی نہیں کر سکتا اور تیرا خیال اُن کا اِحاطہ نہیں کر سکتا یہاں تک کہ تو نے ان مشکل گھاٹیوں کو اپنے پیچھے چھوڑ دیا اور علوم اور بصیرتوں کو پالیا اور بڑے گناہوں کے بوجھ سے پاک ہو گیا اور مَوانعات سے آگے نکل گیا اور عوارِضات کو رَدّ کر دیا اور بُری چیزوں سے سلامت بچ نکلا اور اللہ کی رحمتوں پر فائز ہو گیا، تو کتنی ہی شریف خصلتیں اور بلند رُتبے تجھ کو حاصل ہو گئے کہ جن کی ابتداء بصیرت اور پہچان سے ہوئی تھی اُن کی اِنتہا قُرب اور بزرگی پر ہوئی،

1 ......دُوری۔ 2 ......''مشفق وشفیق'' جیسے الفاظ کا اطلاق ذاتِ باری تعالیٰ پر درست نہیں لہٰذا یہاں سے ''مشفق'' کو حذف کر دیا گیا ہے۔ (علمیہ)

پھر تو اس میں اپنے عقل کی مقدار اور توفیق کے مطابق غور کرے گا اور اپنی ہمت کے مطابق اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرے گا تو تیری زبان اس کی حمد اور ثناء میں مشغول ہو جائے گی اور تیرا دل اُس کی عظمت اور رونق سے بھر جائے گا اور تو ایسے مقام پر پہنچ جائے گا کہ وہ تیرے اور تیرے گناہوں کے درمیان حائل ہو جائے اور تجھے اُس کی خدمت پر تیری ہمت کے مطابق آمادہ کرے گا اور اُس کے انعام اور احسان کا حق ادا کرنے سے اپنی طاقت کے مطابق کوتاہی کا اقرار کرنے پر اُبھارے گا اور جب تو اس کے شکر سے غافل ہو جائے یا خاموش ہو جائے یا پھسل جائے تو تو اُس کی طرف تَضَرُّع اور زاری کرے اور کوشش کرے اور وسیلہ تلاش کرے اور کہے: اے اللہ! اے میرے مالک! جس طرح تو نے بغیر کسی اِستِحقَاق [1] کے محض اپنے فضل سے اِحسان کی ابتدا کی تھی اسی طرح بغیر کسی اِستِحقَاق کے اپنے فضل سے اِسی کو انتہا تک پہنچا اور اُس کو اس کے اولیاء کی زبان میں پکار کہ جنہوں نے اس کی ہدایت کا تاج پایا اور اس کی مَعْرِفَت کی حلاوت چکھی پھر بھی وہ اپنے اوپر ہانک دینے اور اِہانت کی جلن اور گمراہی اور بعد کی وحشت اور معزولی اور زَوال کی کڑواہٹ سے ڈرتے رہے، وہ دروازے پر فریاد کرتے ہوئے روتے اور عاجزی کرتے ہوئے اُسی کی طرف ہاتھ پھیلاتے رہے، اور اپنی خلوتوں میں چیخ چیخ کر دعائیں کرتے:

1 ...... مستحق ہونے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ [1] اے ہمارے رب ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر اور ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما بیشک تو ہی عطا کرنے والا ہے۔

میں کہتا ہوں اس کا مطلب یہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانیں کہ ہم نے تجھ سے نعمت حاصل کی اور دوسری نعمت کے ہم امیدوار ہیں کہ تو ہی جوَاد [2] اور عطا کرنے والا ہے پھر جس طرح تو نے ہمیں انعام کی فضیلت ابتداء میں بخشی ہے اسی طرح اِتمام کی رحمت انتہا میں عطا فرما۔ کیا تو نے غور نہیں کیا کہ سب سے پہلی دُعا جو اللہ رَبُّ الْعَالَمِیْن نے اپنے مسلمان بندوں کو سکھائی ہے جس کو اللہ نے اپنی مخلوق کے لیے اِنتخاب فرمایا، وہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝ [3] ہمیں سیدھے راستے کی راہنمائی فرما۔

یعنی ہمیں ہمیشہ اس پر ثابت قدم رکھ اسی طرح ہم بھی اُس کی جناب میں اِلتجا کرتے ہیں کہ معاملہ بہت عظیم ہے۔

کہا گیا ہے کہ حُکَمَاء نے غور کیا تو جہان کی تمام مصیبتوں اور محنتوں کو پانچ چیزوں میں پایا:

﴿۱﴾ مسافری میں بیماری ﴿۲﴾ بڑھاپا میں فقیری ﴿۳﴾ جوانی میں موت اور

1 ……ترجمۂ کنز الایمان: اے رب ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر بعد اس کے کہ تو نے ہمیں ہدایت دی اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا کر بے شک تو ہے بڑا دینے والا۔ (پ ۳، اٰل عمرٰن: ۸)

2 ……یہاں لفظ ''سخی'' تحریر تھا جسے لفظ ''جَـوَاد'' سے بدل دیا ہے کیونکہ باری تعالیٰ کے لئے لفظ ''سخی'' استعمال کرنے کو ''فتاوی رضویہ، جلد 27، صفحہ 165 پر منع کیا گیا ہے۔ (علمیہ)

3 ……ترجمۂ کنز الایمان: ہم کو سیدھا راستہ چلا۔ (پ ۱، الفاتحۃ: ۵)

﴿٤﴾ دیکھنے کے بعد اندھا ہونا اور ﴿٥﴾ معرفت کے بعد بے بصیرت ہو جانا۔

اور اس سے بھی بڑھ کر کسی کا یہ قول ہے:

لِكُلِّ شَيْءٍ إِذَا فَارَقْتَهُ عِوَضٌ وَ لَيْسَ لِلّٰهِ إِنْ فَارَقْتَ مِنْ عِوَضِ

ترجمہ: ہر چیز کا کوئی نہ کوئی عوض ہے، جب اس کو چھوڑ دیا جائے لیکن اگر تو خدا کو چھوڑ دے تو اس کا کوئی عوض نہیں۔

اور کسی اور نے کہا ہے:

إِذَا أَبْقَتِ الدُّنْيَا عَلَى الْمَرْءِ دِيْنَهُ فَمَا فَاتَهُ مِنْهَا فَلَيْسَ بِضَائِرِ

ترجمہ: جب دنیا کسی آدمی کا دین خراب نہ کرے تو جو کچھ بھی اس سے ضائع ہو جائے وہ نقصان دینے والا نہیں ہے۔

اور اسی طرح ہر ایک نعمت کا معاملہ ہے، جو وہ تجھ کو انعام فرمائے اور ان گھاٹیوں میں سے کسی گھاٹی کے قطع کرنے میں خدا کی تائید اِسی طرح ہے تا کہ جو اُس نے تجھے دیا ہے اُسے ہمیشہ رکھے اور تجھے تیری تمنا اور خواہش سے بھی زیادہ دے پھر جب تو اس مقام پر پہنچ جائے تو تو نے اس خطرناک گھاٹی کو عبور کر لیا اور تو نے دو نہایت اچھے خزانے حاصل کر لیے جو کہ اِستقامت اور زِیادت ہیں، پھر موجودہ نعمتیں جو اُس نے تجھے عطا کی ہیں تیرے پاس ہمیشہ رہیں گی تجھے ان کے زَوال کا خطرہ نہ ہوگا اور جو نعمتیں تجھے اُس نے عطا نہیں کی ہیں وہ تجھے عطا فرمائے گا حالانکہ تو اُن کو اچھی طرح مانگ بھی نہیں سکتا اور آرزو بھی نہیں رکھتا، پس تو اُن کے فوت ہونے سے نہ ڈر اور اِس وقت تو اُن لوگوں سے ہو جائے گا جو کہ عارِف،

عالم، دین کے عامل، گناہوں سے توبہ کرنے والے پاک نُفُوس دنیا سے بے رغبت اور خدا کی خدمت [1] کے لیے الگ ہونے والے شیطان کو مغلوب کرنے والے، دل اور اَعضاء سے پوری طرح تقویٰ اختیار کرنے والے اُمیدوں کو کم کرنے والے، ناصح، خاشع اور تَواضُع کرنے والے، تَوَکُّل کرنے والے اپنے کام کو خدا کے سپرد کرنے والے، راضی بَرَضاء صبر کرنے والے، ڈرنے والے، اُمید رکھنے والے مُخلِص، خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد رکھنے والے اور اپنے مالِک رَبُّ الْعَالَمِیْن کی نعمتوں کا شکر کرنے والے ہیں۔ پھر تو اس کے بعد اُن لوگوں سے ہو جائے گا جو سیدھی راہ پر قائم رہنے والے معزز اور صدیق ہیں اس کلام میں غور کر اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والے ہیں۔

پھر اگر تو کہے کہ اگر معاملہ اس طرح کا ہے تو اِس معبود کی عبادت کرنے والے اور اس مقصود پر پہنچنے والے بہت تھوڑے لوگ ہوں گے اور کون آدمی ایسی مشقتوں کی طاقت رکھتا ہے اور کون اِن شرائط اور سنتوں کو حاصل کر سکتا ہے تو معلوم ہونا چاہیے کہ خدا تعالیٰ بھی ایسا ہی فرماتے ہیں:

وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾ [2] اور میرے تھوڑے بندے شکر گزار ہیں۔

اور فرمایا:

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾ [3] لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

---

1 ...... عبادت۔

2 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اور میرے بندوں میں کم ہیں شکر والے۔ (پ ۲۲، سبا: ۱۳)

3 ...... ترجمۂ کنز الایمان: مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ (پ ۱۲، یوسف: ۳۸)

لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ (1) نہیں عقل کرتے۔

لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ (2) نہیں جانتے۔

پھر یہ معاملہ اُس آدمی پر نہایت آسان ہے جس پر اللہ آسان کردے۔ بندہ کے ذمہ کوشش کرنا ہے اور اللہ سُبْحَانَہٗ کے ذمہ ہدایت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ (3) اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ہم اپنی راہوں کی ان کو راہنمائی کریں گے۔

اور جب ایک کمزور بندہ اپنے فرائض کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے تو رَبِّ قدیر، غنی اور کریم اور رحیم کے متعلق تم کیا خیال کرتے ہو۔

پھر اگر تو کہے کہ عمر تھوڑی ہے اور یہ گھاٹیاں بڑی طویل اور سخت ہیں پھر کس طرح عمر باقی رہے گی کہ یہ تمام شرائط پوری ہوسکیں اور یہ گھاٹیاں طے کی جاسکیں۔ تو مجھے اپنی عمر کی قسم! یہ گھاٹیاں واقعی بڑی طویل ہیں اور ان کی شرائط بھی بڑی سخت ہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو انتخاب کرلیتے ہیں تو یہ لمبائی اُس پر چھوٹی ہوجاتی ہے اور یہ سختیاں اُس پر آسان ہوجاتی ہیں یہاں تک کہ بندہ ان کو قطع کرنے کے بعد کہتا ہے کہ یہ راہ کتنی قریب ہے، کتنی مختصر ہے، کتنی آسان اور نرم ہے، اور میں جب اِس جنگل میں کھڑا تھا تو میں نے یہ شعر کہا تھا:

❶......ترجمۂ کنز الایمان: بے عقل ہیں۔ (پ ۲۱، العنکبوت: ۶۳)

❷......ترجمۂ کنز الایمان: نہیں جانتے۔ (پ ۲۲، سبا: ۳۶)

❸......ترجمۂ کنز الایمان: اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھا دیں گے۔ (پ ۲۱، العنکبوت: ۶۹)

عِلْمُ الْمَحَجَّةِ وَاضِحٌ لِمُرِيْدِهٖ وَاَرَى الْقُلُوْبَ عَنِ الْمَحَجَّةِ فِيْ عَمٰى
وَلَقَدْ عَجِبْتُ لِهَالِكٍ وَ نَجَاتُهٗ مَوْجُوْدَةٌ وَلَقَدْ عَجِبْتُ لِمَنْ نَجَا

ترجمہ: (۱) سیدھے راستے کا علم چاہنے والے کے لیے واضح ہے اور میں دلوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ سیدھے راستے سے اندھے ہیں۔

(۲) اور میں نے تعجب کیا ہلاک ہونے والے پر حالانکہ اُس کی نجات موجود تھی اور میں نے نجات پانے والے پر بھی تعجب کیا۔

یہاں تک کہ بعض ایسے لوگ ہیں جو اِن گھاٹیوں کو ستّر سال میں طے کرتے ہیں اور بعض بیس سال میں اور بعض دس سال میں اور بعض وہ ہیں کہ جن کو یہ ایک سال میں حاصل ہو جاتی ہیں اور بعض ان کو ایک مہینہ میں طے کر لیتے ہیں بلکہ ایک جملے میں بلکہ ایک ساعت میں یہاں تک کہ بعض کو خداوند تعالیٰ کی خاص توفیق اور عنایت سے ایک لحظہ میں حاصل ہو جاتی ہیں۔

کیا تو اصحابِ کہف کا واقعہ یاد نہیں کرتا کہ اُن کی مدت کتنی مختصر تھی جب انہوں نے اپنے بادشاہ دَقْیَانُوْس کے چہرے میں تغیر دیکھا تو کہا:

رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاۡ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا (1)

تو کہنے لگے ہمارا رب وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے، ہم اُس کے سوا کسی معبود کو کبھی نہ پکاریں گے۔

اُن کو یہ مَعْرِفت حاصل ہوئی اور اِس راہ کے حقائق انہوں نے ملاحظہ کیے

---

(1)......ترجمۂ کنز الایمان: ہمارا رب وہ ہے جو آسمان اور زمین کا رب ہے ہم اس کے سوا کسی معبود کو نہ پوجیں گے۔(پ ۱۵، الکھف: ۱۴)

اوراس راہ کو طے کیا تو وہ اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرنے والے اُسی پر بھروسہ رکھنے والے اور اِس راہ پر قائم رہنے والے بن گئے جب کہ انہوں نے کہا:

فَاْوٗۤا اِلَى الْكَهْفِ یَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ (1) تو غار میں جگہ پکڑو، تمہارا رب اپنی رحمت تم پر پھیلا دے گا۔

اور یہ سب کچھ اُن کو ایک ساعت یا ایک لحظہ میں حاصل ہو گیا۔ کیا تمہیں فرعون کے جادوگروں کا واقعہ یاد نہیں کہ اِن کی مدّت ایک لحظہ بھر تھی جب انہوں نے موسیٰ عَلَیْہِ السَّلام کا معجزہ دیکھا تو:

قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ (2) کہنے لگے ہم رَبُّ الْعَالَمِیْن پر ایمان لائے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔

انہوں نے ایک ہی لحظہ میں اس راہ کو دیکھا اور اُسے طے کر گئے اور خدا تعالیٰ کو پہچاننے والوں اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی رہنے والوں اور اس کی مصیبتوں پر صبر کرنے والوں اوراس کی نعمتوں کا شکر کرنے والوں اوراس کی ملاقات کا شوق رکھنے والوں سے ہو گئے اور پکار اُٹھے:

لَا ضَیْرَ٘ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ (3) کوئی پرواہ نہیں ہم اپنے ربّ کی طرف پھرنے والے ہیں۔

---

1 ......ترجمۂ کنز الایمان: تو غار میں پناہ لو تمہارا رب تمہارے لئے اپنی رحمت پھیلا دے گا۔ (پ ۱۵، الکھف: ۱۶)

2 ......ترجمۂ کنز الایمان: بولے ہم ایمان لائے جہان کے رب پر جو رب ہے موسیٰ اور ہارون کا۔ (پ ۹، الاعراف: ۱۲۱۔۱۲۲)

3 ......ترجمۂ کنز الایمان: کچھ نقصان نہیں ہم اپنے رب کی طرف پلٹنے والے ہیں۔ (پ ۱۹، الشعراء: ۵۰)

ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ اِبراہیم بن اَدْہم (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) دنیا میں ایک بادشاہ تھے۔ انہوں نے بادشاہی چھوڑ دی اور اس راہ کا قصد کیا اُن کے لیے یہ راہ اتنی ہی ثابت ہوئی جتنی دیر میں وہ "بَلْخ" سے "مَرْوْ" تک جاتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ اِس مقام پر پہنچے کہ ایک آدمی پل پر سے بہت گہرے پانی میں گرا۔ ابراہیم (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ) نے اشارہ کر کے کہا: ٹھہر جا! تو وہ آدمی ہوا ہی میں مُعَلَّق ٹھہر گیا اور پانی سے بچ گیا۔

اور رابعہ بصری (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہَا) ایک بوڑھی لونڈی تھی اس کو بصرہ کے بازاروں میں گھمایا جاتا اور بوڑھی ہونے کی وجہ سے اِس کو کوئی نہ خریدتا ایک سوداگر کو اُس پر رحم آیا اُس نے اُس کو سو دِرْہَم سے خرید کر آزاد کر دیا۔ پھر اُس نے یہ راستہ اختیار کر لیا، اور عبادت پر متوجہ ہوئی ایک سال بھی نہیں گزرا تھا کہ بصرہ کے زاہد، قاری اور علماء لوگ اُس کے مرتبہ کی بلندی کی وجہ سے اُس کی زیارت کو آنے لگے۔

اور جس آدمی کو خداوند تعالیٰ کی عنایت شامل حال نہ ہو اور اُس پر فضل اور ہدایت کا معاملہ نہ کیا جائے تو اُسے اس کے نفس کے سپرد کر دیا جاتا ہے پھر بسا اوقات وہ ایک ہی گھاٹی کی کسی وادی میں ستر سال تک پڑا رہتا ہے اور اُسے طے نہیں کر پاتا اور کتنی دفعہ چیخ چیخ اُٹھتا ہے کہ یہ راہ کتنی اندھیری کتنی مشکل ہے اور یہ معاملہ کتنا تنگ اور دشوار ہے، پس حالت ایک ہی لفظ کی طرف لوٹتی ہے اور وہ ہے غالب جاننے والا عادل اور حکیم کی تقدیر۔

پھر اگر تو یہ سوال کرے کہ اُس کو توفیق خاص سے کیوں نوازا گیا، اور اس کو

کیوں محروم رکھا گیا حالانکہ یہ دونوں مشترکہ طور پر غلامی کی رسی میں بندھے ہوئے ہیں، تو اس سوال پر خداوند تعالیٰ کے جلال کے پردوں سے آواز آتی ہے ادب ملحوظ رکھو، اور رَبُوبِیّت کے اَسرار کو پہچانو اور عُبُودِیّت کی حقیقت معلوم کرو کہ وہ:

لَا یُسْـَٔلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَ هُمْ یُسْـَٔلُوْنَ ﴿۲۳﴾ (1) جو کچھ کرتا ہے اس سے وجہ نہیں پوچھی جا سکتی اور باقی سب لوگ پوچھے جاتے ہیں۔

میں کہتا ہوں دنیا میں اِس راہ کی مثال آخرت میں پل صراط کی گھاٹیوں اور مسافروں کے اس کو طے کرنے کی ہے کہ مخلوق کے اَحوال وہاں مختلف ہیں۔ اُن میں سے بعض پل صراط کو اس طرح عُبور کریں گے جیسے چمکنے والی بجلی اور بعض تیز و تُند آندھی کی طرح اور بعض تیز رفتار گھوڑے کی مثل اور کچھ پرندوں کی طرح، کچھ پیدل چلتے ہوئے، کچھ گھسٹتے ہوئے یہاں تک کہ وہ کوئلے کی طرح ہو جائیں گے اور کچھ اس کی آوازیں سنیں گے اور کچھ اس کے آنکڑوں میں گرفتار ہو جائیں گے اور اُن کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ یہی حال اِس راہ کا دنیا میں اپنے مسافروں کے ساتھ ہے پس یہ دونوں راستے ہیں ایک دنیا کا راستہ اور ایک آخرت کا راستہ۔ آخرت کا راستہ تو نَفْس کا راستہ ہے کہ وہ اس کی ہولناکیاں آنکھوں والے دیکھیں گے، اور دنیا کا راستہ دلوں کا راستہ ہے اس کی ہولناکیاں بصیرت اور عقل والے دیکھتے ہیں، اور آخرت میں ٹھہرنے والوں کے حالات مختلف ہوں گے کیونکہ دنیا میں بھی ان کے حالات مختلف ہوں گے پس اِس پر پوری طرح توجہ کر اور توفیق اللہ

(1) ……ترجمۂ کنز الایمان: اس سے نہیں پوچھا جاتا جو وہ کرے اور اُن سب سے سوال ہوگا۔
(پ ۱۷، الانبیاء: ۲۳)

ہی کی طرف سے ہے۔

فصل

پھر جاننا چاہیے کہ جو کچھ اس باب میں مُحَقَّق [1] ہے وہ یہ ہے کہ یہ راستہ لمبا اور چھوٹا ہونے میں اُن مسافتوں کی طرح نہیں ہے، جن کو آدمی قدموں سے طے کرتے ہیں، پھر نَفْس کی قوت اور اس کے ضُعف کے مطابق اس کو طے کرتے ہیں بلکہ یہ راستہ روحانی راستہ ہے جسے دِل طے کرتے ہیں اور فکر سے طے کرتے ہیں، اپنے عقائد اور بصیرت کے مطابق طے کرتے ہیں اور اس کا اصل ایک آسمانی نور اور خداوندی نگاہ ہے جو کسی بندے کے دل پر پڑے پھر وہ اس کے ساتھ دونوں جہانوں کے معاملہ پر حقیقت کے ساتھ غور کرتا ہے پھر یہ نور وہ ہے کہ بندہ اُس کو سو سال تک تلاش کرتا رہتا ہے اور اُسے نہیں پاتا اور نہ اُس کا کوئی نشان ملتا ہے اور یہ بندے کی طلب اور کوشش میں کوتاہی اور اس راہ کی نادانی کی وجہ سے ہوتا ہے، اور کوئی اور اس کو پچاس سال کے بعد پالیتا ہے اور کوئی اس کو دس سال میں، کوئی ایک دن میں کوئی رَبُّ الْعِزَّت کی عنایت سے ایک ساعت اور ایک لحظہ میں پالیتا ہے اور وہی ہدایت کا والی ہے لیکن بندے کو کوشش کا حکم دیا گیا ہے اور حکم کی تعمیل اُسی پر لازم ہے اور امر مفہوم ہے اور پَرْوَرْدَگار حاکم عادِل کی تقدیر کے مطابق ہے وہ جو چاہتا کرتا ہے اور جو چاہتا ہے اس کا حکم دیتا ہے۔

پھر اگر تو یہ سوال کرے کہ یہ خطرہ کتنا بڑا ہے اور یہ معاملہ کتنا سخت ہے اور

[1] ......ثابت۔

بندہ کمزور کتنا محتاج ہے پھر یہ سارا عمل اور کوشش اور ان شرائط کا حصول کس لیے ہے۔

تو میں کہوں گا مجھے اپنی عمر کی قسم! تو اپنے اِس قول میں بالکل سچا ہے کہ معاملہ بڑا سخت ہے اور خطرہ بہت عظیم ہے اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍؕ (1) ہم نے انسان کو محنت میں پیدا کیا۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًاۙ (2) کہ ہم نے امانت کو آسمانوں زمینوں، پہاڑوں پر پیش کیا انہوں نے اس کو اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور اس کو انسان نے اُٹھا لیا یقیناً وہ ظالم اور جاہل تھا۔

اور اسی لیے سَیِّدُ الْمُرْسَلِیْن (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) نے فرمایا:

"لَوْ عَلِمْتُمْ مَا اَعْلَمُ لَبَکَیْتُمْ کَثِیْرًا وَلَضَحِکْتُمْ قَلِیْلًا" (3) اگر تم وہ کچھ جانو جو میں جانتا ہوں تو تم زیادہ رُوؤ اور تھوڑا ہنسو۔

اور وہ جو بیان کیا جاتا ہے کہ ایک آواز دینے والا آسمان سے آواز دیتا کہ کاش! مخلوق پیدا نہ ہوتی، اور اگر پیدا ہوئی تھی تو اپنی پیدائش کے مقصد کو سمجھتی اور جب مقصد کو سمجھ لیا تو کاش! اُس کے مطابق عمل کرتی اور سَلَف صالِحِیْن (رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِم) بھی اسی طرح کہا کرتے تھے۔

---

1 ......ترجمۂ کنز الایمان: بے شک ہم نے آدمی کو مشقت میں رہتا پیدا کیا۔ (پ ۳۰، البلد: ۴)

2 ......ترجمۂ کنز الایمان: بیشک ہم نے امانت پیش فرمائی آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر تو انہوں نے اس کے اُٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور آدمی نے اُٹھالی بیشک وہ اپنی جان کو مشقت میں ڈالنے والا بڑا نادان ہے۔ (پ ۲۲، الاحزاب: ۷۲)

3 ......مسند امام احمد، ۸/۱۲۱، حدیث: ۲۱۵۷۲ و صحیح البخاری، کتاب الکسوف، باب الصدقة فی الکسوف، ۱/۳۵۸، حدیث: ۱۰۴۴، بتغیر قلیل۔

حضرت ابوبکر صدیق (رَضِیَ اللّٰہُ تعَالٰی عَنۡہُ) نے فرمایا: میں پسند کرتا ہوں کہ میں کوئی گھاس ہوتا کہ جانور مجھے کھا جاتے۔ اور ایسا عذاب کے خوف سے فرماتے۔

اور عمر فاروق اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تعَالٰی عَنہ نے ایک آدمی کو سنا وہ تلاوت کر رہا تھا:

هَلۡ اَتٰى عَلَى الۡاِنۡسَانِ حِيۡنٌ مِّنَ الدَّهۡرِ لَمۡ يَكُنۡ شَيۡـئًا مَّذۡكُوۡرًا ۝۱ کہ انسان پر ایک ایسا زمانہ گزرا ہے کہ جب یہ کوئی چیز یعنی ذکر کے قابل بھی نہ تھا۔ (1)

تو آپ (رَضِیَ اللّٰہُ تعَالٰی عَنۡہُ) نے فرمایا: کاش! معاملہ وہیں ختم ہو جاتا۔

اور ابو عُبَیۡدَہ بن جَرَّاح (رَضِیَ اللّٰہُ تعَالٰی عَنۡہُ) نے فرمایا: میں پسند کرتا ہوں کہ میں اپنے گھر والوں کا مینڈھا ہوتا۔ میرا گوشت لوگوں میں تقسیم ہو جاتا اور میرا شوربہ لوگ پی جاتے اور میں قیامت کو دوبارہ پیدا نہ ہوتا۔

اور وہب بن مُنَبِّہ (رَضِیَ اللّٰہُ تعَالٰی عَنۡہُ) نے فرمایا: آدم کا بیٹا احمق پیدا ہوا ہے، اگر یہ احمق نہ ہوتا تو دنیا میں اس کی زندگی کبھی خوشگوار نہ ہو سکتی۔

اور فضیل بن عیاض رَحۡمَۃُ اللّٰہ نے فرمایا: میں کسی مُقَرَّب فرشتے اور نبی مُرۡسَل اور بندۂ صالح پر رشک نہیں کرتا، کیا یہ حضرات قیامت اور اس کی ہولناکیاں نہیں دیکھیں گے (2) میں تو صرف اُن پر رشک کرتا ہوں جو پیدا نہیں ہوئے۔

عطاء سُلَمِی رَحۡمَۃُ اللّٰہِ عَلَیۡہ نے فرمایا کہ اگر آگ جلا دی جائے اور کہا جائے کہ جو آدمی اپنے آپ کو اس میں ڈال دے گا وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا تو

---

1 ...... ترجمۂ کنز الایمان: بے شک آدمی پر ایک وقت وہ گزرا کہ کہیں اس کا نام بھی نہ تھا۔ (پ ۲۹، الدھر: ۱)

2 ...... تفسیر روح البیان، جلد5، صفحہ 253 پر سُوۡرَۃُ الۡکَھۡف کی آیت نمبر 48 کے تحت مذکور اسی قول کی روشنی میں یہاں موجود جملہ ''کیا قیامت کے روز ان پر عتاب نہیں کیا جائے گا'' بدل کر یوں کر دیا ہے ''کیا یہ حضرات قیامت اور اس کی ہولناکیاں نہیں دیکھیں گے'' کیونکہ اس کا مفہوم کچھ نامناسب تھا۔ (علمیہ)

مجھے ڈر ہے کہ میں آگ تک پہنچنے سے پہلے ہی خوشی کی وجہ سے مر جاؤں گا۔

تو معاملہ اے انسان! واقعی بڑا سخت ہے جیسا کہ تو نے کہا ہے بلکہ وہ تیرے وَہم وگمان سے بھی بہت زیادہ سخت اور عظیم ہے لیکن یہ ایک ایسا معاملہ ہے جو تقدیر میں اَزَل سے نافذ ہو چکا ہے اور غالب جاننے والے کی تدبیر نے اس کو جاری کیا ہے، تو اب بندے کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کی اطاعت [1] اور اللہ تعالیٰ کی رسی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عاجزی اور زاری سے تھامے پھر ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے اور اپنے فضل سے اس پر رحم کرے۔

باقی رہا تیرا یہ کہنا کہ یہ سب کچھ کیوں ہے؟ تو یہ ایک ایسا کلام ہے کہ جو تیری عظیم غفلت پر دلالت کرتا ہے بلکہ درست یہ تھا کہ تو کہتا کہ جو کچھ بندہ چاہتا ہے، اُس کے مقابلے میں اس کی حقیقت کیا ہے! کیا تجھے معلوم ہے کہ یہ کمزور بندہ کیا چاہتا ہے؟ اس کا کمتر مطالبہ دو چیزیں ہیں: پہلی یہ کہ دونوں جہانوں میں سلامت رہے اور دوسری یہ کہ دونوں جہانوں میں بادشاہی کرے۔ اب دنیا کی سلامتی تو اس طرح ہے کہ دنیا اور اُس کی آفتیں اور اُس فتنے اور غفلت کے پردے اس طرح کے ہیں کہ اُس سے ملائکہ مقرَّبین بھی نہیں بچ سکے یقیناً تو نے ہاروت اور ماروت کا واقعہ سنا ہوگا۔ یہاں تک بیان کیا جاتا ہے کہ جب بندے کی روح کو آسمان پر لے جایا جاتا ہے تو آسمانوں کے فرشتے تعجب سے کہتے ہیں کہ یہ اس دنیا سے کس طرح بچ کر آ گیا جہاں ہمارے بہترین فرشتے بھی تباہ ہو گئے، اور آخرت اپنی

---

1 ...... یہاں ترجمہ میں لفظ ''غلامی'' تھا، سیدی اعلیٰ حضرت، امام اہلسنّت شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن نے اللہ تعالیٰ کے لئے اس لفظ کے استعمال سے منع فرمایا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، ۲۴/۶۹۱) اور لفظ ''غلامی'' غلام ہی سے بنا ہے لہٰذا اسے حذف کر کے ''اطاعت'' کر دیا ہے۔ (علمیہ)

ہولناکیوں اور سختیوں میں اس طرح کی ہے کہ جس سے انبیاء اور رسول (عَلَیْہِمُ السَّلَام) بھی چیخ اُٹھے:

"نَفْسِیْ نَفْسِیْ لَا اَسْئَلُكَ الْیَوْمَ اِلَّا نَفْسِیْ" مجھے بچالے مجھے بچالے، میں تجھ سے صرف اپنی جان کی امان چاہتا ہوں۔

یہاں تک بیان کیا جاتا ہے کہ اگر کسی آدمی کے پاس ستّر نبیوں (عَلَیْہِمُ السَّلَام) کے عمل بھی ہوں تو وہ بھی یہی سمجھے گا کہ نجات مشکل ہے۔[1] پھر جو آدمی چاہے کہ اِن فتنوں سے محفوظ رہے تو اُسے چاہیے کہ وہ اسلام کو اپنے ہمراہ لے کر نکلے سلامتی کے ساتھ چلا جائے گا اُسے کوئی مصیبت نہ پہنچے گی اور آخرت کے ہولناک مناظر سے بچ کر جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جائے گا اُسے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ اب سوچ کہ یہ معمولی کام ہے؟

اور باقی رہی حکومت اور کرامت تو حکومت یہ ہے کہ انسان کا تصرُّف اور مشِیَّت نافذ ہو اور یہ حقیقت میں دنیا میں تو خداوند تعالیٰ کے دوستوں اور اُس کے برگزیدہ لوگوں، اُس کی تقدیر پر راضی رہنے والوں کے لیے ہے کہ جنگل اور سمندر اور زمین ان کے لیے ایک ہی قدم ہے، اور پتھر اور اینٹیں اُن کے لیے سونا ہیں، اور جن اور انسان اور چرندے اور پرندے اُن کے تابع ہیں، وہ جو کچھ بھی چاہتے ہیں ہو جاتا ہے کیونکہ وہ وہی چاہتے ہیں جو اللہ چاہے، اور جو اللہ چاہے وہ ہو جاتا ہے، یہ لوگ کسی مخلوق سے نہیں ڈرتے اور ان سے تمام مخلوق ڈرتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے

1 ......المستدرك للحاكم، كتاب الاهوال، ذكر اهل عليين، ۵/ ۸۱۱، حديث: ۸۷۸۹، بتغير قليل۔

سوا کسی کی غلامی نہیں کرتے اور کائنات کی ہر چیز ان کی غلامی کرتی ہے اور دنیا کے بادشاہوں کو اِس رُتبہ کا عُشرِ عَشِیر [1] بھی کہاں نصیب ہے بلکہ وہ بہت تھوڑے اور بہت ذلیل ہیں۔

باقی رہی آخرت کی بادشاہی تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جب تو وہاں دیکھے گا تو ایک بڑا ملک اور نعمتیں دیکھے گا۔ [2]

اور جس کو رَبُّ الْعِزَّت ملک کبیر فرمائیں اُس کی عظمت کا اندازہ کرو، اور یہ تو تو جانتا ہے کہ دنیا ساری کی ساری تھوڑی ہے، اور اس کی ابتدا سے لے کر انتہا تک ساری عمر بھی بہت تھوڑی ہے اور ہم میں سے کسی ایک آدمی کا حصہ اس تھوڑے میں سے تھوڑا ہے اور پھر بھی ہم میں سے بعض آدمی اس کو حاصل کرنے کے لیے اپنا مال اور جان قربان کر دیتے ہیں یہاں تک کہ بعض اوقات اس کو تھوڑے سے تھوڑا حاصل کر لیتے ہیں اور پھر اس کی مدت بھی تھوڑی ہوتی ہے، اور اگر اُسے حاصل ہو جائے تو لوگ اس کو معذور سمجھتے ہیں بلکہ اس پر رشک کرتے ہیں اور جو کچھ اس نے اِس کے حاصل کرنے میں اپنی جان اور مال کو خرچ کیا ہے اُس کو زیادہ نہیں سمجھتا، جیسا کہ اِمْرَؤُ الْقَیْس نے کہا:

بَکٰی صَاحِبِیْ لَمَّا رَاَی الدَّرْبَ دُوْنَهٗ وَاَیْقَنَ اِنَّا لَاحِقَانِ بِقَیْصَرَا

فَقُلْتُ لَهٗ لَا تَبْکِ عَیْنُكَ اِنَّمَا نُحَاوِلُ مُلْكًا اَوْنَمُوْتَ فَنُعْذَرَا

---

1 ......نہایت کم۔

2 ......ترجمۂ کنز الایمان: اور جب تو ادھر نظر اٹھائے ایک چین دیکھے اور بڑی سلطنت۔

(پ ۲۹، الدھر: ۲۰)

ترجمہ: (۱) میرے ساتھی نے جب اپنے سامنے پھاٹک کو دیکھا تو رونے لگا اور اُس نے یقین کرلیا کہ ہم قیصر سے ملاقات کرنے والے ہیں۔

(۲) تو میں نے اُس سے کہا: تیری آنکھیں نہ روئیں، ہم بادشاہ سے حیلہ کر کے دولت حاصل کریں گے یا مر جائیں گے تو دنیا ہمیں معذور سمجھے گی۔

پھر اُس آدمی کا کیا حال ہوگا جو ہمیشہ رہنے والی جنت میں بہت بڑی حکومت چاہتا ہے، کیا وہ اس کے مقابلے میں اُن دو رکعتوں کو جو وہ اللہ تعالیٰ کے لیے پڑھتا ہے، یا وہ دو درہم جو خرچ کرتا ہے یا دو راتیں جو جاگتا ہے، ان کو کافی سمجھتا ہے ہرگز ہرگز نہیں بلکہ اگر اُس کے پاس ایک کروڑ بدن ہوں اور ہزار در ہزار روحیں ہوں اور ہزار در ہزار عمریں ہوں اور ہر عمر دنیا کی عمر کے برابر ہو یا اس سے بھی زیادہ اور پھر وہ اِس مقصد عزیز کے لیے اِن تمام کو خرچ کر ڈالے تو بھی یہ بہت تھوڑا ہے۔ اگر اس کے بعد بھی وہ اپنے مقصد پر پہنچ جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضلِ عظیم اور غنیمتِ بارِدَہ (1) ہوگا۔

سو! اے مسکین! اس غفلت کی نیند سے بیدار ہو، پھر میں نے غور کیا کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے اور اُس کی خدمت (2) کو لازم سمجھتا ہے، اور اپنی عمر بھر اسی راستے پر چلتا رہتا ہے تو جو کچھ اللہ تعالیٰ اس کو عنایت فرماتے ہیں وہ چالیس کرامتیں اور خِلْعَتیں ہیں۔ بیس تو اُن میں سے دنیا میں ہیں اور بیس ان میں سے آخرت میں، وہ بیس جو دنیا میں ہیں ان میں سے:

پہلی یہ ہے کہ اللّٰہ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی اس کا تذکرہ کرتے ہیں اور اس کی ثناء

1 ……آسانی سے ملنے والی نعمت۔

2 ……عبادت۔

کہتے ہیں اور کتنا معزز ہے وہ بندہ جس کی ثناء کہہ کر اللّٰہ رَبُّ الْعَالَمِیْن اُس پر احسان کریں۔

اور دوسری یہ ہے کہ اللّٰہ جَلَّ جَلَالُہٗ اسے شکر کی توفیق عطا فرماتا ہے [1] اور عزت وعظمت سے نوازتا ہے [2] اور اگر کوئی تیرے جیسی عاجز مخلوق تیرا شکریہ ادا کرے اور تیری تعظیم کرے تو تو اس کو کافی عزت سمجھتا ہے پھر اگر پہلوں اور پچھلوں کا معبود ایسا کرے تو اس کا اندازہ کرو۔

اور تیسری یہ ہے کہ اللّٰہ تعالیٰ اس سے محبت رکھتے ہیں، اگر تیرے محلے کے رئیس یا شہر کے حاکم کو تجھ سے محبت ہو تو اس پر فخر کرے گا اور کئی مقام پر اس سے فائدہ اُٹھائے گا پھر سوچ کہ رَبُّ الْعَالَمِیْن کی محبت کیسی ہوگی۔

اور چوتھی یہ ہے کہ اللّٰہ تعالیٰ اس کے کارساز ہوجاتے ہیں اس کے اُمور کی تدبیر کرتے ہیں۔

اور پانچویں یہ ہے کہ اس کے رِزْق کے کفیل ہوجاتے ہیں، اللّٰہ تعالیٰ بغیر کسی محنت اور مشقت کے رزق کو اس کی طرف لاتے رہتے ہیں۔

اور چھٹی یہ ہے کہ وہ اس کا مددگار رہتا ہے اور اس کے ہر دشمن کو اور ہر بُرائی کا اِرادہ کرنے والے کو اس سے روکتا رہتا ہے۔

---

1 ...... یہاں ترجمہ میں یہ جملہ ”اس کی شکر گزاری کرتے ہیں“ تحریر تھا جو کہ نامناسب ہے لہٰذا اسے ”اسے شکر کی توفیق عطا فرماتا ہے“ سے تبدیل کردیا گیا ہے۔ (علمیہ)

2 ...... یہاں ترجمہ میں یہ جملہ ”اس کی تعظیم کرتے ہیں“ تحریر تھا جو کہ نامناسب ہے لہٰذا اسے ”عزت وعظمت سے نوازتا ہے“ سے تبدیل کردیا گیا ہے۔ (علمیہ)

ساتویں یہ ہے کہ وہ اس کا اَنیس ہو جاتا ہے، وہ کسی حال میں بھی وحشت محسوس نہیں کرتا اور نہ تبدُّل اور تغیُّر کا اسے خوف ہوتا ہے۔

آٹھویں نَفْس کی عزت، اُسے دنیا اور دنیا والوں کی خدمت کی ذلت نہیں پہنچتی بلکہ وہ اس پر بھی رضا مند نہیں ہوتا کہ دنیا کے بادشاہ اور جابر لوگ اس کی خدمت کریں۔

اور **نویں** ہمت کی بلندی، وہ دنیا اور دنیا والوں کی گندگی میں آلودگی سے بلند ہو جاتا ہے اور اس کے کھیل تماشا اور خُرافات کی طرف توجہ نہیں کرتا۔

دسویں دل کا غِنا کہ وہ دنیا کے ہر غنی سے زیادہ غنی ہوتا ہے۔ ہمیشہ پاکیزہ نَفْس اور فراخ سینہ رہتا ہے اسے کوئی حادثہ گھبراہٹ میں نہیں لاتا اور نہ کسی چیز کے گم ہونے کا اُسے فکر ہوتا ہے۔

اور **گیارھویں** دل کا نور ہے، وہ اپنے دل کے نور کے ساتھ علوم اور اَسرار اور حکمتوں پر مطلع ہوتا ہے کہ اِن سے بعض کی اطلاع بڑی مدت اور بڑی کوشش کے ساتھ ہوتی ہے۔

اور **بارھویں** شَرحِ صَدْر ہے کہ دنیا کے مَصائب اور تکلیف اور لوگوں کی عیاریوں اور مکاریوں سے دل تنگ نہیں ہوتا۔

اور **تیرھویں** ہیبت ہے، جو لوگوں کے دلوں میں ڈال دی جاتی ہے کہ سب نیک و بد اس کا احترام کرتے ہیں اور ہر فرعون و جابر اس سے خوف کھاتا ہے۔

اور **چودھویں** دلوں کی محبت ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے دلوں میں محبت پیدا

کر دیتے ہیں کہ تمام دل اس کی محبت پر مجبور ہو جاتے ہیں اور تمام لوگ اس کی تعظیم پر بے اختیار ہو جاتے ہیں۔

اور پندرھویں برکت عامّہ ہے جو اُس کے کلام اور نَفْس یا فِعل یا کپڑے یا مکان غرض ہر چیز میں پیدا ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ لوگ اس مٹی کو متبرک سمجھتے ہیں جو اس کے پاؤں کے نیچے آ چکی ہے اور اس جگہ کو جہاں وہ کسی دن بیٹھا ہو، اور اس انسان سے جس نے اس کو دیکھا ہو اور اس کے ساتھ کچھ صحبت رکھی ہو۔

اور سولھویں جنگلوں اور سَمُنْدَرُوں غرض ساری زمین کی تَسْخِیْر [1] ہے، یہاں تک کہ اگر وہ چاہے تو ہوا میں اُڑتا ہے، پانی پر چلتا ہے، یا ساری زمین کو ایک گھڑی میں طے کر لیتا ہے۔

اور سترھویں حیوانات کی تَسْخِیْر ہے، خواہ درندے ہوں یا وحشی جانور یا حَشَرَاتُ الْاَرْض [2] وغیرہ پھر وحشی جانور اس سے محبت رکھتے ہیں اور درندے اسے چاٹتے ہیں۔

اور اٹھارویں زمین کے خزانوں کی ملکیت ہے، وہ جب بھی ارادہ کر کے زمین پر ہاتھ رکھتا ہے، تو اسے خزانے مل جاتے ہیں جب اپنے پاؤں زمین پر مارتا ہے تو ضرورت کے وقت پانی کے چشمے اُبلنے لگتے ہیں، وہ جہاں بھی اُترتا ہے اگر اس کا اِرادہ ہو تو اسے کھانا مل جاتا ہے۔

اور انیسویں اللہ رَبُّ الْعِزَّت کے دروازے پر قِیادَت اور وجاہت ہے، مخلوق

---

1 ...... فرمانبردار ہونا۔ 2 ...... کیڑے مکوڑے۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اُس کی خدمت کرکے وسیلہ ڈھونڈتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے اُس کی وجاہت اور برکت سے لوگ حاجتیں طلب کرتے ہیں۔

اور **بیسویں** اللہ تعالیٰ کی جناب میں دعا کی قبولیت ہے، وہ اللہ تعالیٰ سے جو کچھ بھی مانگتا ہے اس کو دیتا ہے اور اگر کسی کی سفارش کرتا ہے تو اس کی سفارش قبول ہوتی ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ کو قسم دیتا ہے تو وہ جس طرح بھی چاہے اس کی قسم کو پورا کردیتا ہے یہاں تک کہ اگر کوئی ان میں سے پہاڑ کی طرف اشارہ کرے تو وہ اپنی جگہ سے ہٹ جاتا ہے، وہ زبان سے سوال کرنے کا محتاج نہیں، اگر اُس کے دل میں کسی چیز کا خیال آجاتا ہے تو وہ حاضر ہوجاتی ہے اور وہ ہاتھ سے اشارہ کرنے کا بھی محتاج نہیں ہوتا۔

یہ کرامات تو دنیا میں ہیں اور وہ جو آخرت میں ہیں تو:

اکیسویں یہ ہے کہ اولاً تو اللہ تعالیٰ اس پر موت کی سَکَرات کو آسان کردیتے ہیں اور یہ وہ چیز ہے کہ جس سے انبیاء عَلَیۡھِمُ السَّلام کے دل بھی ڈرتے ہیں یہاں تک کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ سَکَراتِ موت کو ان پر آسان کرے یہاں تک کہ ان میں سے بعض کے نزدیک موت اس سے بھی زیادہ خوشگوار ہوتی ہے، جیسے پیاسے آدمی کو صاف پانی پینے کو مل جائے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

الَّذِیۡنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ طَیِّبِیۡنَ ۙ (1) وہ لوگ کہ اُن کو فرشتے فوت کرتے ہیں اور وہ پاک ہوتے ہیں۔

---

1 ......ترجمۂ کنز الایمان: وہ جن کی جان نکالتے ہیں فرشتے ستھرے پن میں۔ (پ ۱۴، النحل: ۳۲)

اور بائیسویں ایمان اور معرفت پر ثابت قدمی ہے اور یہ وہ چیز ہے جس کا انتہائی خوف اور گھبراہٹ ہے اور اس پر پوری بے صبری اور رونا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ ۚ (1)	اللہ ایمان داروں کو قول ثابت کیوجہ سے دنیا کی زندگی اور آخرت میں ثابت قدم رکھتا ہے۔

اور تیئسویں فرشتے اور خوشبو اور بشارت اور رضا مندی اور امان کا پہنچنا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ (2)	یہ کہ نہ خوف کرو اور نہ غم کھاؤ اور اس جنت کی بشارت حاصل کرو کہ جس کا تم وعدہ کیے جاتے تھے۔

اور آخرت کی آئندہ ہولناکیوں سے خوف نہیں کھاتا، اور دنیا میں جو کچھ چھوڑ گیا ہے اس کا اُسے غم نہیں ہوتا۔

اور چوبیسویں جنتوں میں ہمیشہ کی رہائش اور خدا تعالیٰ کا جوارِ رحمت (3) ہے۔

اور پچیسویں پوشیدگی میں اس کے روح کی جلوت ہے آسمان اور زمین کے فرشتوں پر وہ عزت و احترام سے اُٹھایا جاتا ہے اور اس کے بدن کو ظاہر میں

---

1 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اللہ ثابت رکھتا ہے ایمان والوں کو حق بات پر دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں۔ (پ ۱۳، ابراھیم: ۲۷)

2 ...... ترجمۂ کنز الایمان: کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو اور خوش ہو اس جنت پر جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا تھا۔ (پ ۲٤، حم السجدة: ۳۰)

3 ...... یہاں لفظ ''ہمسائیگی'' کو ''جوارِ رحمت'' سے بدل دیا گیا ہے۔ (علمیہ)

جنازے کی تعظیم حاصل ہوتی ہے اس پر جنازہ کی نماز کے لیے لوگوں کی بھیڑ لگ جاتی ہے، اس کی تَجْہِیز و تَکْفِین میں لوگ جلدی کرتے ہیں اور اس کو بہت بڑا ثواب سمجھتے ہیں اور بہت بڑی غنیمت جانتے ہیں۔

اور چھبیسویں قبر کے سوال و جواب کے فتنہ سے امن ہے کہ وہ اس ہول سے مطمئن رہتا ہے اور اسے صحیح جواب کا اِلْقا ہوتا ہے۔

اور ستائیسویں قبر کی فراخی اور اس کی روشنی ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ میں قیامت کے دن تک رہتا ہے۔

اور اٹھائیسویں اس کے روح اور جان کا مانوس ہونا اور مُعَزَّز ہونا ہے، اسے سبز پرندوں کے جسم میں رکھ دیا جاتا ہے، وہ اپنے نیک بھائیوں کے ساتھ رہتا ہے اور جو کچھ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بخشا ہے اس پر خوش رہتے ہیں۔

اور انتیسویں عزت اور کرامت کے ساتھ اُس کا حشر ہے کہ اُس کو لباس فاخرہ اور تاج پہنایا جائے گا اور بُراق پر سوار ہوگا۔

اور تیسویں چہرہ کا منور اور روشن ہونا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وُجُوْهٌ یَّوْمَىٕذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ (1) کئی چہرے اُس دن تر و تازہ ہوں گے اپنے رب کو دیکھتے ہوں گے۔

اور فرمایا:

(1) ترجمۂ کنز الایمان: کچھ منہ اس دن تر و تازہ ہوں گے اپنے رب کو دیکھتے۔ (پ ۲۹، القیامۃ: ۲۲-۲۳)

وُجُوْهٌ یَّوْمَىٕذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾ (1) کئی چہرے اس دن سفید ہوں گے ہنستے ہوئے خوش۔

اور اکتیسویں قیامت کی ہولناکیوں سے امن ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَمْ مَّنْ یَّاْتِیْۤ اٰمِنًا یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ (2) یا وہ شخص جو آئے گا قیامت کے دن امن کی حالت میں۔

اور بتیسویں دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال کا ملنا ہے، اور ان میں سے بعض آدمی ایسے بھی ہوں گے جنہیں حساب وکتاب کی ضرورت نہ ہوگی۔

اور تینتیسویں حساب کی آسانی ہے۔

اور چونتیسویں نیکیوں کا بوجھل ہو جانا، اور بعض ان سے ایسے بھی ہونگے جن کو وزن کے لئے کھڑا نہیں کیا جائے گا۔

اور پینتیسویں حوضِ کوثر پر نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس حاضر ہونا پھر وہ ایک ہی دفعہ پیئے گا اور اس کے بعد پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا۔

اور چھتیسویں پل صراط سے گزر جانا اور آگ سے نجات پا جانا، یہاں تک کہ بعض اُن میں سے اس کی آواز تک نہ سنیں گے، اور وہ ایسی نعمتوں میں ہمیشہ رہیں گے جن کو وہ چاہیں گے اور ان کے لیے آگ بجھ جائے گی۔

اور سینتیسویں قیامت کے میدان میں شفاعت کرنا جیسے کہ انبیاء اور رسول

---

1 ......ترجمۂ کنز الایمان: کتنے منہ اس دن روشن ہوں گے ہنستے خوشیاں مناتے۔ (پ ۳۰، عبس: ۳۸-۳۹)

2 ......ترجمۂ کنز الایمان: یا جو قیامت میں امان سے آئے گا۔ (پ ۲۴، حم السجدة: ۴۰)

(عَلَیْہِمُ السَّلَام) شفاعت کریں گے۔

اور اڑتیسویں جنت میں ہمیشہ کا ملک۔

اور انتالیسویں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی رضا مندی۔

اور چالیسویں اللّٰہ رَبُّ الْعَالَمِیْن کی ملاقات بِلَا کَیْف جَلَّ جَلَالُہٗ جو کہ پہلوں اور پچھلوں کا معبود برحق ہے۔

پھر میں کہتا ہوں کہ میں نے اِن کو اپنے فہم اور اپنے مَبْلَغِ عِلْم [1] کے مطابق شمار کیا ہے، اگرچہ میرا علم نہایت ناقص اور قاصر ہے، اور پھر اس پر مزید یہ ہے کہ میں نے اِن کو نہایت مختصر ذکر کیا ہے اور ان کو اُصولاً اور اِجمالاً ذکر کردیا ہے۔ اور اگر میں ان میں سے بعض کی تفصیل بیان کرتا تو یہ کتاب اس کی مُتَحَمِّل نہ ہوسکتی کیا تو غور نہیں کرتا کہ میں نے ہمیشہ کے ملک کو ایک ہی خِلْعَت شمار کیا ہے۔ اگر میں اس کو تفصیل سے بیان کرتا تو یہی چالیس خِلْعَتوں سے زیادہ ہوجاتی۔ جیسے حور کا نور اور محلات اور لباس وغیرہ کی تفصیل پھر ان میں سے ہر ایک ایسی تفصیل پر مشتمل ہے جن کو غیب اور حاضر کا جاننے والا ہی جانتا ہے کہ جس نے ان کو پیدا کیا ہے اور ان کا مالک ہے اور ہمیں ان کی معرفت کی کون سی توقع ہوسکتی ہے جب کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ [2]

کوئی آدمی نہیں جانتا جو ان کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک سے پوشیدہ رکھا گیا ہے۔

---

1 ...... علم کی انتہا۔

2 ...... ترجمۂ کنز الایمان: تو کسی جی کو نہیں معلوم جو آنکھ کی ٹھنڈک ان کے لیے چُھپا رکھی ہے۔ (پ ۲۱، السجدۃ: ۱۷)

اور پھر رسولُ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم فرماتے ہیں:

"خلَقَ فِیْھَا مَالَاعَیْنٌ رَاَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَاخَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ" [1] کہ اُس میں وہ چیزیں پیدا کی گئی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں اور نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی انسان کے دل پر ان کا گزر ہوا۔

اور مُفسِّرِین اللّٰہ تعالٰی کے اس قول کے متعلق کہتے ہیں:

لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ [2] — کہ اس سے پہلے سُمندر ختم ہوجائیں کہ میرے رب کے کَلِمات ختم ہوں۔

کہ یہ وہ کَلِمات ہیں جن کو اللّٰہ تعالٰی اہلِ جنت کے لیے جنت میں لُطف اور مہربانی کہے گا اور جس کی یہ کیفیت ہو تو ہم اس کے ہزار در ہزار حصے کو بھی کیونکر پہنچ سکتے ہیں کہ ہم انسان ہیں یا اس کے علم کو مخلوق کیونکر گھیر سکتی ہے۔

ہرگز نہیں بلکہ ہمتیں جواب دے جاتی ہیں اور عُقُول ان کو سمجھنے سے قاصر ہیں اور حق یہ ہے کہ اسی طرح ہونا چاہیے اور وہ غالب جاننے والے کی اس کے فضلِ عظیم کے تقاضے کے مطابق اور اس کی قدیم سخاوت کے مُوافِق ایک عطا ہے، خبردار! اس مطلوبِ عظیم کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے اور کوشش کرنے والوں کو اپنی کوشش خرچ کرنی چاہیے اور جاننا چاہیے کہ یہ سب کچھ اس چیز کے مقابلے میں نہایت قلیل ہے جس کے وہ محتاج ہیں اور جس کا وہ اس سے سوال

---

1 ......المعجم الکبیر، ١١/ ١٤٨، حدیث: ١١٤٣٩۔

2 ......ترجمۂ کنز الایمان: تو ضرور سُمندر ختم ہوجائے گا اور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔ (پ ١٦، الکھف: ١٠٩)

کرتے ہیں اور جس کو مانگنے کے لیے وہ دستِ سوال دراز کرتے ہیں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ بندے کے لیے چار چیزیں نہایت ضروری ہیں:

﴿۱﴾ علم ﴿۲﴾ عمل ﴿۳﴾ اخلاص اور ﴿۴﴾ خوف۔

پہلی کے ساتھ وہ راستے کو معلوم کرے گا ورنہ وہ ایک اندھا ہے، پھر ان کے مطابق عمل کرے گا ورنہ وہ روک دیا جائے گا پھر عمل کو خالص کرے گا ورنہ وہ نقصان اُٹھائے گا، پھر وہ ہمیشہ آفات سے ڈرتا رہے گا یہاں تک کہ وہ امان حاصل کرلے ورنہ وہ دھوکہ میں پڑا ہوا ہے۔

ذُوالنُّون مصری (رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْه) نے بالکل سچ کہا کہ تمام مخلوق مردہ ہے سوا علما (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) کے اور علما سوئے ہوئے ہیں ماسوائے عمل کرنے والوں کے، اور عمل کرنے والے سب دھوکے میں ہیں مگر مُخلِص لوگ اور تمام مُخلِص بہت بڑے خطرے پر ہیں۔

میں کہتا ہوں چار آدمیوں سے انتہائی تعجب ہے: ایک وہ عقلمند جو عالم نہ ہو کیا وہ اُن چیزوں کی معرفت کا اہتمام نہیں کرتا جو آئندہ پیش نہ آنے والی ہیں؟ کیا وہ ان چیزوں کو معلوم نہیں کرتا جن کو وہ موت کے بعد دیکھنے والا ہے، اس کو دلائل اور عبرتوں اور اِن آیتوں کے سننے اور ان خیالات سے دل کی بے قراری اور نفس کے تصورات سے ان کو معلوم کرنا چاہیے اللّٰہ تعالٰی نے فرمایا ہے:

اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ ۙ(1)

کیا وہ زمینوں اور آسمانوں کی بادشاہی اور جو چیزیں اللّٰہ تعالٰی نے پیدا کی ہیں اُن میں غور نہیں کرتے۔

1 ...... ترجمۂ کنز الایمان: کیا انہوں نے نگاہ نہ کی آسمانوں اور زمین کی سلطنت میں اور جو جو چیز اللّٰہ نے بنائی۔ (پ۹، الاعراف، ۱۸۵)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَۙ(۴) لِیَوْمٍ عَظِیْمٍۙ(۵) (1) کیا یہ لوگ خیال نہیں کرتے کہ وہ بڑے دن کے لیے اُٹھائے جائیں گے۔

اور دوسرے اُس عالم سے جو اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتا کیا وہ یقینی طور پر نہیں جانتا کہ اس کے سامنے بہت بڑی ہولناکیاں (2) اور مشکل گھاٹیاں ہیں اور یہی بہت بڑی خبر ہے جس سے تم منہ پھیرتے ہو۔ تیسرے اُس عامل سے جو مُخلِص نہ ہو، کیا وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول پر غور نہیں کرتا:

فَمَنْ كَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا یُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا۠(۱۱۰) (3) جو آدمی اپنے رب کی ملاقات کی اُمید رکھتا ہو اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

چوتھے اس مُخلِص سے جو ڈرنے والا نہ ہو کیا وہ اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ کے اس معاملہ کی طرف غور نہیں کرتا جو وہ اپنے اَصْفِیاء اور اَولیاء (رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی) اور اپنے خادموں (4) سے کرتا ہے جو کہ اس کے اور اس کی مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں یہاں تک کہ وہ

1 ...... ترجمۂ کنز الایمان: کیا ان لوگوں کو گمان نہیں کہ انہیں اُٹھنا ہے ایک عظمت والے دن کے لیے۔ (پ ۳۰، المطففین: ۴-۵)

2 ...... یہاں لفظ ''ہولنا کیوں'' تھا، یہ کتابت کی غلطی ہے کیونکہ جملہ کے ربط کے اعتبار سے درست لفظ ''ہولناکیاں'' ہونا چاہئے تھا، لہٰذا اس کی تصحیح کر دی گئی ہے۔ (علمیہ)

3 ...... ترجمۂ کنز الایمان: تو جسے اپنے رب سے ملنے کی اُمید ہو اُسے چاہئے کہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے۔ (پ ۱۶، الکھف: ۱۱۰)

4 ...... عبادت گزاروں۔

اپنی سب سے زیادہ معزز مخلوق کو فرماتا ہے:

وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَ اِلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ (الآیۃ) (1) اور بے شک وحی کی گئی تیری طرف اور ان لوگوں کی طرف جو تجھ سے پہلے تھے۔

اور اسی طرح کی اور بھی آیات۔ یہاں تک کہ بیان کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرمایا کرتے تھے: مجھے سورہ ''ہود'' اور اس جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا۔ (2)

پھر قصہ مختصر ان کی تفصیل وہ ہے جو رَبُّ الْعَالَمِیْن نے اپنی کتاب عزیز کی چار آیتوں میں بیان کر دی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾ (3) کیا تم نے خیال کر رکھا ہے کہ ہم نے تم کو بے مقصد پیدا کیا اور تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے۔

پھر اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ نے فرمایا:

وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾ (4) چاہیے کہ ہر آدمی اس پر غور کرے جو اس نے کل کے لیے بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ تمہارے عملوں سے خبردار ہے۔

---

1 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اور بیشک وحی کی گئی تمہاری طرف اور تم سے اگلوں کی طرف۔ (پ ۲۴، الزمر: ٦٥)

2 ...... المعجم الکبیر، ۱۷ / ۲۸٦، حدیث: ۷۹۰۔

3 ...... ترجمۂ کنز الایمان: تو کیا یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تمہیں بیکار بنایا اور تمہیں ہماری طرف پھرنا نہیں۔ (پ ۱۸، المؤمنون: ۱۱۵)

4 ...... ترجمۂ کنز الایمان: اور ہر جان دیکھے کہ کل کے لیے کیا آگے بھیجا اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔ (پ ۲۸، الحشر: ۱۸)

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَاؕ (1) جن لوگوں نے ہمارے متعلق کوشش کی ہم ضرور ان کیلئے اپنی راہیں کھول دیں گے۔

پھر ان تمام چیزوں کو ایک جامع آیت میں بیان کر دیا ہے، اور وہ سب سے زیادہ سچا قائل (2) ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ مَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا یُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ(۶) (3) جو شخص کوشش کرے گا وہ اپنی جان کے لیے کوشش کرے گا بے شک اللہ تعالیٰ تمام عالم سے بے نیاز ہے۔

اور ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے قدم کی لَغزِش اور اپنے قلم کی ہر بے راہ روی سے معافی طلب کرتے ہیں اور ان تمام اَقوال سے مغفرت کے مُتَمَنّی ہیں جو ہمارے اَعمال کے مطابق نہ ہوں، اور ہر اس چیز سے مغفرت کے طالب ہیں جس کا ہم نے دعویٰ کیا اور اس کو دینِ الٰہی کے علم کی حیثیت سے ظاہر کیا حالانکہ اس میں بہت سی کوتاہیاں ہیں اور ہم اس سے ہر اس خیال سے مغفرت کے طالب ہیں جس نے ہم کو تَصَنُّع (4) پر تیار کیا اور جس کا ہم نے اپنی کتاب میں اِندراج کیا یا ہر اس کلام

(1) ......ترجمۂ کنز الایمان: اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھا دیں گے۔ (پ ۲۱، العنکبوت: ۶۹)

(2) ......کلام فرمانے والا۔

(3) ......ترجمۂ کنز الایمان: اور جو اللہ کی راہ میں کوشش کرے تو اپنے ہی بھلے کو کوشش کرتا ہے بے شک اللہ بے پرواہ ہے سارے جہان سے۔ (پ ۲۰، العنکبوت: ۶)

(4) ......بناوٹی پن۔

سے جس کو ہم نے نظم کیا، یا ہر اس علم سے جس کا ہم نے نفع دیا اور ہم اس سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اور اے بھائیوں کی جماعت! تمہیں بھی ہمارے علم کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم خالص اس کی رضا مندی چاہیں اور سوال کرتے ہیں کہ وہ اس علم کو ہم پر وبال نہ بنائے اور اس کی نیکیوں کے ترازو میں رکھے جب کہ ہمارے اَعمال ہماری طرف لوٹائے جائیں، یقیناً وہ بڑا جَوَاد [1] نہایت کرم فرمانے والا ہے۔

شیخ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے فرمایا: یہی وہ ہے جس کا ہم نے قصد کیا تھا کہ عُقبیٰ کے طریقہ کے سُلوک کی کیفیت کی شرح میں ذکر کریں گے اور ہم نے اپنے مقصد کو پورا کیا اور تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں کہ جس کے احسان سے نیکیاں پوری ہوتی ہیں اور جس کے فضل سے برکات کا نُزُول ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی بہترین مخلوق پر ہر حال میں رحمتیں نازل فرمائے جس نے معبودِ حقیقی کی طرف دعوت دی یعنی حضور سیِّدِ عالَم نورِ مجسم احمدِ مجتبیٰ حضرتِ مصطفیٰ (صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) اور آپ کی آل پر پاکیزہ اور برکت والی سلامتی نازل فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ الْاَمِیْنِ
وَعَلٰی اٰلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ وَاَصْحَابِہٖ وَاَوْلِیَاءِ اُمَّتِہٖ اَجْمَعِیْنَ

---

1 ...... یہاں لفظ ''سخی'' تحریر تھا جسے لفظ ''جَــوَاد'' سے بدل دیا ہے کیونکہ باری تعالیٰ کے لئے لفظ ''سخی'' استعمال کرنے کو ''فتاویٰ رضویہ، جلد 27، صفحہ 165 پر منع کیا گیا ہے۔ (علمیہ)

مآخذ ومراجع

نام کتاب	مصنف/مؤلف	مطبوعہ
ترجمۂ قرآن کنزالایمان	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بن نقی علی خان متوفی ۱۳۴۰ھ	مکتبۃ المدینہ باب المدینہ ۱۴۳۲ھ
تفسیر خزائن العرفان	صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مرادآبادی متوفی ۱۳۶۷ھ	مکتبۃ المدینہ باب المدینہ ۱۴۳۲ھ
تفسیر روح البیان	شیخ اسماعیل حقی البروسوی متوفی ۱۱۳۷ھ	کوئٹہ
تفسیر در منثور	امام جلال الدین عبد الرحمٰن سیوطی شافعی متوفی ۹۱۱ھ	دار الفکر بیروت ۱۴۰۳ھ
التفسیر المدارک	عبد اللہ بن احمد النسفی ۷۱۰ھ	دار المعرفۃ ۰۰۰ء
صحیح البخاری	امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۹ھ
صحیح مسلم	امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ	دار ابن حزم بیروت ۱۴۱۹ھ
سنن الترمذی	امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ	دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ
سنن ابن ماجہ	امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ	دار المعرفۃ بیروت ۱۴۲۰ھ
الفردوس	الحافظ شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی متوفی ۵۰۹ھ	دار الفکر بیروت ۱۴۱۸ھ
سنن ابی داؤد	امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ	دار احیاء التراث بیروت ۱۴۲۱ھ
سنن الکبریٰ	امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۴ھ
المسند	امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ	دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ
سنن دارمی	امام الحافظ عبد اللہ بن عبد الرحمٰن الدارمی متوفی ۲۵۵ھ	باب المدینہ کراچی
المستدرک	امام ابو عبد اللہ محمد حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ	دار المعرفۃ بیروت ۱۴۱۸ھ
البحر الزخار	امام ابو بکر احمد بن عمرو البزار متوفی ۲۹۲ھ	مکتبۃ العلوم والحکم المدینۃ ۱۴۲۴ھ
موسوعۃ ابن ابی الدنیا	حافظ امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد قرشی متوفی ۲۸۱ھ	مکتبۃ العصریۃ بیروت ۱۴۲۶ھ
شعب الایمان	امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۱ھ
المعجم الکبیر	امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ	دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۲۲ھ
المعجم الاوسط	امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۰ھ
الجامع الصغیر	امام جلال الدین عبد الرحمٰن سیوطی شافعی متوفی ۹۱۱ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۲۵ھ
الترغیب والترہیب	زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی منذری متوفی ۶۵۶ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۷ھ
نوادر الاصول	امام ابو عبد اللہ محمد بن علی بن حسن حکیم ترمذی متوفی ۳۲۰ھ	مکتبہ امام بخاری
حلیۃ الاولیاء	امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ اصفہانی متوفی ۴۳۰ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۸ھ
الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان	علاء الدین علی بن بلبان الفارسی متوفی ۷۳۹ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۱۷ھ

جامع البیان العلم وفضلہ	امام ابوعمر یوسف بن عبد اللہ القرطبی متوفی ٤٦٣ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ١٤٢٨ھ
الزہد	امام ہناد بن السری الکوفی متوفی ٢٣٤ھ	دار الخلفاء للکتاب الاسلامی الکویت ١٤٠٦ھ
الزہد	امام ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل متوفی ٢٤١ھ	دار الغد الجدید المنصورۃ مصر ١٤٢٦ھ
کتاب الزہد	امام عبد اللہ بن مبارک مروزی متوفی ١٨١ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت
الزہد	امام وکیع بن جراح متوفی ١٩٧ھ	مکتبۃ الدار بمدینۃ المنورۃ ١٤٠٤ھ
کشف الخفاء	الشیخ اسماعیل بن محمد الجراحی الشافعی متوفی ١١٦٢ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ١٤٢٢ھ
المقاصد الحسنۃ	شیخ محمد عبد الرحمن سخاوی متوفی ٩٠٢ھ	دار الکتاب العربی بیروت ١٤٢٤ھ
المدخل	ابو عبد اللہ محمد العبدری المالکی الفاسی متوفی ٧٣٧ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ١٤١٥ھ
شرح مسلم	امام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی متوفی ٦٧٦ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ١٤٠١ھ
عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری	امام بدر الدین ابی محمد محمود بن احمد العینی متوفی ٨٥٥ھ	مدینۃ الاولیاء ملتان
فیض القدیر	علامہ محمد عبد الرءوف مناوی متوفی ١٠٣١ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ١٤٢٢ھ
مرقاۃ المفاتیح	علامہ ملا علی بن سلطان قاری، متوفی ١٠١٤ھ	دار الفکر بیروت ١٤١٤ھ
نصاب اصول حدیث	المدینۃ العلمیۃ شعبہ درسی کتب	مکتبۃ المدینہ
الفتاوی الھندیۃ	علامہ ہمام مولانا شیخ نظام متوفی ١١٦١ھ وجماعۃ من علماء الہند	دار الفکر بیروت ١٤٠٣ھ
ردالمحتار	محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ١٢٥٢ھ	دار المعرفہ، بیروت ١٤٢٠ھ
فتاویٰ رضویہ (مخرجہ)	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بن نقی علی خان متوفی ١٣٤٠ھ	رضا فاؤنڈیشن لاہور، ۱۴۱۸ھ
بہار شریعت	مفتی محمد امجد علی اعظمی متوفی ١٣٦٧ھ	مکتبۃ المدینہ
الموسوعۃ الفقہیۃ	وزارۃ الاوقاف والشئون الاسلامیۃ ۔ الکویت	دار الصفوۃ مصر ١٩٩٣ء
چندے کے بارے میں سوال جواب	امیر اہلسنت حضرت علامہ محمد الیاس عطار قادری مدظلہ العالی	مکتبۃ المدینہ
تاریخ جرجان	امام حمزہ بن یوسف الجرجانی متوفی ٤٢٧ھ	المکتبۃ الشاملۃ
قوت القلوب	شیخ ابو طالب محمد بن عطیہ حارثی المکی متوفی ٣٨٦ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ١٤٢٦ھ
معرفۃ الصحابۃ	امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ متوفی ٤٣٠ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت ١٤٢٢ھ
تاریخ مدینۃ دمشق	امام ابو القاسم علی بن الحسن (ابن عساکر) متوفی ٥٧١ھ	دار الفکر بیروت لبنان ١٤١٥ھ
غیبت کی تباہ کاریاں	امیر اہلسنت حضرت علامہ محمد الیاس عطار قادری مدظلہ العالی	مکتبۃ المدینہ
فیضانِ مزاراتِ اولیاء	المدینۃ العلمیۃ شعبہ تراجم کتب	مکتبۃ المدینہ
نصاب الصرف	المدینۃ العلمیۃ شعبہ درسی کتب	مکتبۃ المدینہ
التعریفات	سید شریف علی بن محمد بن علی الجرجانی متوفی ٨١٦ھ	دار المنار للطباعۃ والنشر
اردو لغت	ادارہ ترقی اُردو بورڈ	ترقی اُردو لغت بورڈ کراچی ٢٠٠٦ء

مجلس "المدینۃ العلمیۃ" کی طرف سے پیش کردہ 258 کُتُب ورسائل

شعبہ کُتُبِ اعلیٰ حضرت

اردو کُتُب:

01......کنزالایمان مع خزائن العرفان (کل صفحات:1185)

02......کرنسی نوٹ کے شرعی احکامات (کِفْلُ الْفَقِیْہِ الْفَاھِم فِیْ اَحْکَامِ قِرْطَاسِ الدَّرَاھِم) (کل صفحات:199)

03......فضائل دعا (اَحْسَنُ الْوِعَاءِ لِآدَابِ الدُّعَاءِ مَعَہٗ ذَیْلُ الْمُدَّعَاءِ لِاَحْسَنِ الْوِعَاءِ) (کل صفحات:326)

04......عیدین میں گلے ملنا کیسا؟ (وِشَاحُ الْجِیْدِفِیْ تَحْلِیْلِ مُعَانَقَۃِ الْعِیْد) (کل صفحات:55)

05......والدین، زوجین اور اساتذہ کے حقوق (اَلْحُقُوق لِطَرْحِ الْعُقُوْق) (کل صفحات:125)

06......الملفوظ المعروف بہ ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت (مکمل چار حصے) (کل صفحات:561)

07......شریعت وطریقت (مَقَالُ الْعُرَفَاء بِاِعْزَازِ شَرْعٍ وَّعُلَمَاء) (کل صفحات:57)

08......ولایت کا آسان راستہ (تصورِ شیخ) (اَلْیَاقُوْتَۃُ الْوَاسِطَۃ) (کل صفحات:60)

09......معاشی ترقی کا راز (حاشیہ وتشریح تدبیر فلاح ونجات واصلاح) (کل صفحات:41)

10......اعلیٰ حضرت سے سوال جواب (اِظْہَارُ الْحَقِّ الْجَلِي) (کل صفحات:100)

11......حقوق العباد کیسے معاف ہوں (اَعْجَبُ الْاِمْدَاد) (کل صفحات:47)

12......ثبوتِ ہلال کے طریقے (طُرُقُ اِثْبَاتِ ہِلَال) (کل صفحات:63)

13......اولاد کے حقوق (مَشْعَلَۃُ الْاِرْشَاد) (کل صفحات:31)

14......ایمان کی پہچان (حاشیہ تمہید ایمان) (کل صفحات:74)

15......اَلْوَظِیْفَۃُ الْکَرِیْمَۃ (کل صفحات:46)

16......راہِ خدا میں خرچ کرنے کے فضائل (رَادُّ الْقَحْطِ وَالْوَبَاء بِدَعْوَۃِ الْجِیْرَانِ وَمُوَاسَاۃِ الْفُقَرَاء) (کل صفحات:40)

17......حدائق بخشش (کل صفحات:446)

18......بیاض پاک حجۃ الاسلام (کل صفحات:37)

19......تفسیر صراط الجنان جلد اوّل (کل صفحات:524)

عربی کُتُب:

24,23,22,21,20......جَدُّ الْمُمْتَارِ عَلٰی رَدِّ الْمُحْتَار (المجلد الاول والثانی والثالث والرابع والخامس) (کل صفحات:570 ،672،713،650،483)

25......اَلتَّعْلِیْقُ الرَّضَوِی عَلٰی صَحِیْحِ الْبُخَارِی (کل صفحات:458)

26......کِفْلُ الْفَقِیْہِ الْفَاھِم (کل صفحات:74)

27......اَلْاِجَازَاتُ الْمَتِیْنَۃ (کل صفحات:62)

28......اَلزَّمْزَمَةُ الْقَمَرِيَّة(کل صفحات:93)
29......اَلْفَضْلُ الْمَوْهَبِي(کل صفحات:46)
30......تَمْهِيْدُ الْاِيْمَان(کل صفحات:77)
32......اَجْلَى الْاِعْلَام(کل صفحات:70)
33......اِقَامَةُ الْقِيَامَة(کل صفحات:60)

شعبہ تراجم کتب

01......اللہ والوں کی باتیں(حِلْيَةُ الْاَوْلِيَاء وَطَبَقَاتُ الْاَصْفِيَاء) پہلی جلد(کل صفحات:896)
02......اللہ والوں کی باتیں(حِلْيَةُ الْاَوْلِيَاء وَطَبَقَاتُ الْاَصْفِيَاء) دوسری جلد(کل صفحات:625)
03......مدنی آقا کے روشن فیصلے(اَلْبَاهِرفِيْ حُكْمِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم بِالْبَاطِنِ وَالظَّاهِر)(کل صفحات:112)
04......سایۂ عرش کس کس کو ملے گا...؟(تَمْهِيْدُ الْفَرْش فِي الْخِصَالِ الْمُوْجِبَةِ لِظِلِّ الْعَرْش)(کل صفحات:28)
05......نیکیوں کی جزائیں اور گناہوں کی سزائیں(قُرَّةُ الْعُيُوْن وَمُفَرِّحُ الْقَلْبِ الْمَحْزُوْن)(کل صفحات:142)
06......نصیحتوں کے مدنی پھول بوسیلۂ احادیثِ رسول(اَلْمَوَاعِظ فِي الْاَحَادِيْثِ الْقُدْسِيَّة)(کل صفحات:54)
07......جنت میں لے جانے والے اعمال(اَلْمَتْجَرُ الرَّابِح فِيْ ثَوَابِ الْعَمَلِ الصَّالِح)(کل صفحات:743)
08......امام اعظم عَلَيْهِ رَحْمَةُ اللهِ الْاَكْرَم کی وصیتیں(وَصَايَا اِمَامِ اَعْظَم عَلَيْهِ الرَّحْمَة)(کل صفحات:46)
09......جہنم میں لے جانے والے اعمال(جلد اول)(اَلزَّوَاجِرعَنْ اِقْتِرَافِ الْكَبَائِر)(کل صفحات:853)
10......نیکی کی دعوت کے فضائل(اَلْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْف وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَر)(کل صفحات:98)
11......فیضانِ مزاراتِ اولیاء(كَشْفُ النُّوْرعَنْ اَصْحَابِ الْقُبُوْر)(کل صفحات:144)
12......دنیا سے بے رغبتی اور امیدوں کی کمی(اَلزُّهْدُ وَقَصْرُ الْاَمَل)(کل صفحات:85)
13......راہِ علم(تَعْلِيْمُ الْمُتَعَلِّم طَرِيْقَ التَّعَلُّم)(کل صفحات:102)
14......عُيُوْنُ الْحِكَايَات(مترجم، حصہ اول)(کل صفحات:412)
15......عُيُوْنُ الْحِكَايَات(مترجم حصہ دوم)(کل صفحات:413)
16......احیاء العلوم کا خلاصہ(لُبَابُ الْاِحْيَاء)(کل صفحات:641)
17......حکایتیں اور نصیحتیں(اَلرَّوْضُ الْفَائِق)(کل صفحات:649)
18......اچھے برے عمل(رِسَالَةُ الْمُذَاكَرَة)(کل صفحات:122)
19......شکر کے فضائل(اَلشُّكْرُ لِلّٰه عزوجل)(کل صفحات:122)
20......حسنِ اخلاق(مَكَارِمُ الْاَخْلَاق)(کل صفحات:102)
21......آنسوؤں کا دریا(بَحْرُ الدُّمُوْع)(کل صفحات:300)
22......آدابِ دین(اَلْاَدَبُ فِي الدِّيْن)(کل صفحات:63)
23......شاہراہِ اولیاء(مِنْهَاجُ الْعَارِفِيْن)(کل صفحات:36)
24......بیٹے کو نصیحت(اَيُّهَا الْوَلَد)(کل صفحات:64)

25......اَلدَّعْوَۃ اِلَی الْفِکْر(کل صفحات:148)
26......اصلاحِ اعمال جلد اول(اَلْحَدِیْقَۃُ النَّدِیَّۃ شَرْحُ طَرِیْقَۃِ الْمُحَمَّدِیَّۃ)(کل صفحات:866)
27......جہنم میں لے جانے والے اعمال (جلد دوم)(اَلزَّوَاجِر عَنْ اِقْتِرَافِ الْکَبَائِر)(کل صفحات:1012)
28......عاشقانِ حدیث کی حکایات(اَلرِّحْلَۃ فِی طَلَبِ الْحَدِیْث)(کل صفحات:105)
29......احیاء العلوم جلد اول(احیاء علوم الدین)(کل صفحات:1124)
30......احیاء العلوم جلد دوم(احیاء علوم الدین)(کل صفحات:1400)
31......قوت القلوب(اردو)(کل صفحات:826)

شعبہ درسی کُتُب

01......مراح الارواح مع حاشیۃ ضیاء الاصباح(کل صفحات:241)
02......الاربعین النوویۃ فی الأحادیث النبویۃ(کل صفحات:155)
03......اتقان الفراسۃ شرح دیوان الحماسہ(کل صفحات:325)
04......اصول الشاشی مع احسن الحواشی(کل صفحات:299)
05......نور الایضاح مع حاشیۃ النور و الضیاء(کل صفحات:392)
06......شرح العقائد مع حاشیۃ جمع الفرائد(کل صفحات:384)
07......الفرح الکامل علی شرح مئۃ عامل(کل صفحات:158)
08......عنایۃ النحو فی شرح ھدایۃ النحو(کل صفحات:280)
09......صرف بھائی مع حاشیۃ صرف بنائی(کل صفحات:55)
10......دروس البلاغۃ مع شموس البراعۃ(کل صفحات:241)
11......مقدمۃ الشیخ مع التحفۃ المرضیۃ(کل صفحات:119)
12......نزھۃ النظر شرح نخبۃ الفکر(کل صفحات:175)
13......نحو میر مع حاشیۃ نحو منیر(کل صفحات:203)
14......تلخیص اصول الشاشی(کل صفحات:144)
15......نصاب النحو(کل صفحات:288)
16......نصاب اصولِ حدیث(کل صفحات:95)
17......نصاب التجوید(کل صفحات:79)
18......المحادثۃ العربیۃ(کل صفحات:101)
19......تعریفاتِ نحویۃ(کل صفحات:45)
20......خاصیات ابواب(کل صفحات:141)
21......شرح مئۃ عامل(کل صفحات:44)
22......نصاب الصرف(کل صفحات:343)
23......نصاب المنطق(کل صفحات:168)
24......انوار الحدیث(کل صفحات:466)
25......نصاب الادب(کل صفحات:184)
26......تفسیر الجلالین مع حاشیۃ انوار الحرمین(کل صفحات:364)

27.....خلفائے راشدین (کل صفحات:341) 28.....قصیدہ بردہ مع شرح خرپوتی (کل صفحات:317)

29.....فیض الادب (مکمل حصہ اوّل، دوم) (کل صفحات:228)

30.....منتخب الابواب من احیاء علوم الدین (کل صفحات:173)

31.....کافیہ مع شرح ناجیہ (کل صفحات:252) 32.....الحق المبین (کل صفحات:128)

شعبہ تخریج

01.....صحابۂ کرام رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْن کا عشق رسول (کل صفحات:274)

02.....بہارِ شریعت، جلد اوّل (حصہ اول تا ششم، کل صفحات:1360)

03.....بہارِ شریعت جلد دوم (حصہ 7 تا 13) (کل صفحات:1304)

04.....اُمہات المؤمنین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُنَّ (کل صفحات:59)

05.....عجائب القرآن مع غرائب القرآن (کل صفحات:422)

06.....گلدستہ عقائد و اعمال (کل صفحات:244)

07.....بہارِ شریعت (سولہواں حصہ، کل صفحات 312)
08.....تحقیقات (کل صفحات:142)

09.....اچھے ماحول کی برکتیں (کل صفحات:56)
10.....جنتی زیور (کل صفحات:679)

11.....علم القرآن (کل صفحات:244)
12.....سوانح کربلا (کل صفحات:192)

13.....اربعین حنفیہ (کل صفحات:112)
14.....کتاب العقائد (کل صفحات:64)

15.....منتخب حدیثیں (کل صفحات:246)
16.....اسلامی زندگی (کل صفحات:170)

17.....آئینۂ قیامت (کل صفحات:108)
18 تا 24.....فتاوی اہل سنت (سات حصے)

25.....حق و باطل کا فرق (کل صفحات:50)

26.....بہشت کی کنجیاں (کل صفحات:249)
27.....جہنم کے خطرات (کل صفحات:207)

28.....کراماتِ صحابہ (کل صفحات:346)
29.....اخلاق الصالحین (کل صفحات:78)

30.....سیرتِ مصطفٰی (کل صفحات:875)
31.....آئینۂ عبرت (کل صفحات:133)

32.....بہارِ شریعت جلد سوم (کل صفحات:1332)
33.....فیضانِ نماز (کل صفحات:49)

34.....جنت کے طلبگاروں کے لئے مدنی گلدستہ (کل صفحات:470)

35.....19 دُرُود و سلام (کل صفحات:16)

36.....فیضان یٰسٓ شریف مع دعائے نصف شعبان المعظم (کل صفحات:20)

37.....منہاج العابدین (کل صفحات:562)

شعبہ فیضانِ صحابہ

01.....حضرت طلحہ بن عبید اللّٰہ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ (کل صفحات:56)

02......حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کل صفحات:72)

03......حضرت سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کل صفحات:89)

04......حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کل صفحات:60)

05......حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کل صفحات:132)

06......فیضانِ سعید بن زید (کل صفحات:32)

07......فیضانِ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کل صفحات:720)

شعبہ فیضانِ صحابیات

01......شانِ خاتونِ جنت (کل صفحات:501)

شعبہ اصلاحی کتب

01......غوثِ پاک رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنْہ کے حالات (کل صفحات:106) 02......تکبر (کل صفحات:97)

03......40 فرامینِ مصطفٰی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم (کل صفحات:87) 04......بدگمانی (کل صفحات:57)

05......تنگ دستی کے اسباب (کل صفحات:33) 06......نور کا کھلونا (کل صفحات:32)

07......اعلیٰ حضرت کی انفرادی کوششیں (کل صفحات:49) 08......فکرِ مدینہ (کل صفحات:164)

09......امتحان کی تیاری کیسے کریں؟ (کل صفحات:32) 10......ریاکاری (کل صفحات:170)

11......قومِ جنّات اور امیر اہلسنّت (کل صفحات:262) 12......عشر کے احکام (کل صفحات:48)

13......توبہ کی روایات وحکایات (کل صفحات:124) 14......فیضانِ زکوٰۃ (کل صفحات:150)

15......احادیثِ مبارکہ کے انوار (کل صفحات:66) 16......تربیتِ اولاد (کل صفحات:187)

17......کامیاب طالب علم کون؟ (کل صفحات:63) 18......ٹی وی اور مُووی (کل صفحات:32)

19......طلاق کے آسان مسائل (کل صفحات:30) 20......مفتیٔ دعوتِ اسلامی (کل صفحات:96)

21......فیضانِ چہل احادیث (کل صفحات:120) 22......شرح شجرہ قادریہ (کل صفحات:215)

23......نماز میں لقمہ دینے کے مسائل (کل صفحات:39) 24......خوفِ خدا عَزَّوَجَلَّ (کل صفحات:160)

25......تعارف امیر اہلسنّت (کل صفحات:100) 26......انفرادی کوشش (کل صفحات:200)

27......آیاتِ قرآنی کے انوار (کل صفحات:62) 28......قبر میں آنے والا دوست (کل صفحات:115)

29......فیضانِ احیاء العلوم (کل صفحات:325) 30......ضیائے صدقات (کل صفحات:408)

31......جنت کی دو چابیاں (کل صفحات:152) 32......کامیاب استاذ کون؟ (کل صفحات:43)

33......نیک بننے اور بنانے کے طریقے (کل صفحات:696)

34......حضرت سیدنا عمر بن عبد العزیز کی 425 حکایات (کل صفحات:590)

35......حج وعمرہ کا مختصر طریقہ (کل صفحات:48) 36......جلد بازی کے نقصانات (کل صفحات:168)

37......قصیدہ بردہ سے روحانی علاج (کل صفحات:22) 38......تذکرہ صدر الافاضل (کل صفحات:25)
39......سنتیں اور آداب (کل صفحات:125) 40 ......بغض و کینہ (کل صفحات:83)
41......اسلام کی بنیادی باتیں (حصہ 1) (سابقہ نام: مدنی نصاب برائے مدنی قاعدہ) (کل صفحات:60)
42......اسلام کی بنیادی باتیں (حصہ 2) (سابقہ نام: مدنی نصاب برائے ناظرہ) (کل صفحات:104)
43......اسلام کی بنیادی باتیں (حصہ 3) (کل صفحات:352)
44......مزارات اولیاء کی حکایات (کل صفحات:48)

شعبہ امیر اہلسنت

01......سرکار صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا پیغام عطار کے نام (کل صفحات:49)
02......مقدس تحریرات کے ادب کے بارے میں سوال جواب (کل صفحات:48)
03......اصلاح کا راز (مدنی چینل کی بہاریں حصہ دوم) (کل صفحات:32)
04......25 کرسچین قیدیوں اور پادری کا قبولِ اسلام (کل صفحات:33)
05......دعوتِ اسلامی کی جیل خانہ جات میں خدمات (کل صفحات:24)
06......وضو کے بارے میں وسوسے اور ان کا علاج (کل صفحات:48)
07......تذکرۂ امیر اہلسنت قسط سوم (سنت نکاح) (کل صفحات:86)
08...... آدابِ مرشدِ کامل (مکمل پانچ حصے) (کل صفحات: 275)
09......بلند آواز سے ذکر کرنے میں حکمت (کل صفحات:48) 10......قبر کھل گئی (کل صفحات:48)
11......پانی کے بارے میں اہم معلومات (کل صفحات:48) 12 ......گونگا مبلغ (کل صفحات:55)
13......دعوتِ اسلامی کی مَدَنی بہاریں (کل صفحات:220) 14 ......گمشدہ دولہا (کل صفحات:33)
15......میں نے مدنی برقع کیوں پہنا؟ (کل صفحات:33) 16......جنوں کی دنیا (کل صفحات:32)
17......تذکرۂ امیر اہلسنّت قسط (2) (کل صفحات:48) 18......غافل درزی (کل صفحات:36)
19......مخالفت محبت میں کیسے بدلی؟ (کل صفحات:33) 20......مردہ بول اُٹھا (کل صفحات:32)
21......تذکرۂ امیر اہلسنّت قسط (1) (کل صفحات:49) 22......کفن کی سلامتی (کل صفحات:33)
23......تذکرۂ امیر اہلسنّت (قسط4) (کل صفحات:49) 24......میں نے ویڈیو سینٹر کیوں بند کیا؟ (کل صفحات:32)
25......چل مدینہ کی سعادت مل گئی (کل صفحات:32) 26......بدنصیب دولہا (کل صفحات:32)
27......معذور بچی مبلغہ کیسے بنی؟ (کل صفحات:32) 28......بے قصور کی مدد (کل صفحات:32)
29......عطاری جن کا غسلِ میّت (کل صفحات:24) 30......ہیرونچی کی توبہ (کل صفحات:32)
31......نومسلم کی درد بھری داستان (کل صفحات:32) 32......مدینے کا مسافر (کل صفحات:32)
33......خوفناک دانتوں والا بچہ (کل صفحات:32) 34......فلمی اداکار کی توبہ (کل صفحات:32)

35......ساس بہو میں صلح کا راز (کل صفحات:32) 36......قبرستان کی چڑیل (کل صفحات:24)
37......فیضانِ امیر اہلسنّت (کل صفحات:101) 38......حیرت انگیز حادثہ (کل صفحات:32)
39......ماڈرن نوجوان کی توبہ (کل صفحات:32) 40......کرسچین کا قبولِ اسلام (کل صفحات:32)
41......صلوٰۃ وسلام کی عاشقہ (کل صفحات:33) 42......کرسچین مسلمان ہوگیا (کل صفحات:32)
43......میوزیکل شو کا متوالا (کل صفحات:32) 44......نورانی چہرے والے بزرگ (کل صفحات:32)
45......آنکھوں کا تارا (کل صفحات:32) 46......ولی سے نسبت کی برکت (کل صفحات:32)
47......بابرکت روٹی (کل صفحات:32) 48......اغوا شدہ بچوں کی واپسی (کل صفحات:32)
49......میں نیک کیسے بنا (کل صفحات:32) 50......شرابی، مؤذن کیسے بنا (کل صفحات:32)
51......بدکردار کی توبہ (کل صفحات:32) 52......خوش نصیبی کی کرنیں (کل صفحات:32)
53......ناکام عاشق (کل صفحات:32) 54......نادان عاشق (کل صفحات:32)
55......چمکتی آنکھوں والے بزرگ (کل صفحات:32)
56......علم وحکمت کے 125 مدنی پھول (تذکرہ امیر اہلسنت قسط5) (کل صفحات:102)
57......حقوق العباد کی احتیاطیں (تذکرہ امیر اہلسنت قسط6) (کل صفحات:47)
58......میں حیادار کیسے بنی؟ (کل صفحات:32) 59......سینما گھر کا شیدائی (کل صفحات:32)
60......گونگے بہروں کے بارے میں سوال جواب (کل صفحات:23)
61......ڈانسر نعت خوان بن گیا (کل صفحات:32) 62......گلوکار کیسے سدھرا؟ (کل صفحات:32)
63......نشے باز کی اصلاح کا راز (کل صفحات:32) 64......کالے بچھو کا خوف (کل صفحات:32)
65......بریک ڈانسر کیسے سدھرا؟ (کل صفحات:32) 66......عجیب الخلقت بچی (کل صفحات:32)
67......شرابی کی توبہ (کل صفحات:33) 68......قاتل امامت کے مصلے پر (کل صفحات:32)
69......چند گھڑیوں کا سودا (کل صفحات:32) 70......سینگوں والی دلہن (کل صفحات:32)
71......بھیانک حادثہ (کل صفحات:30) 72......خوفناک بلا (کل صفحات:33)
73......پراسرار کتا (کل صفحات:27) 74......شادی خانہ بربادی کے اسباب اور انکا حل (کل صفحات:16)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُنّت کی بہاریں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ عَزَّوَجَلَّ تبلیغِ قرآن وسُنّت کی عالمگیر غیر سیاسی تحریک دعوتِ اسلامی کے مہکے مہکے مَدَنی ماحول میں بکثرت سُنّتیں سیکھی اور سکھائی جاتی ہیں، ہر جمعرات مغرب کی نماز کے بعد آپ کے شہر میں ہونے والے دعوتِ اسلامی کے ہفتہ وار سُنّتوں بھرے اجتماع میں رضائے الٰہی کیلئے اچھی اچھی نیتوں کے ساتھ ساری رات گزارنے کی مَدَنی التجا ہے۔ عاشقانِ رسول کے مَدَنی قافلوں میں بہ نیتِ ثواب سُنّتوں کی تربیت کیلئے سفر اور روزانہ فکرِ مدینہ کے ذریعے مَدَنی انعامات کا رسالہ پُر کر کے ہر مَدَنی ماہ کے ابتدائی دس دن کے اندر اندر اپنے یہاں کے ذمے دار کو جمع کروانے کا معمول بنالیجئے، اِنْ شَآءَ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ اس کی برکت سے پابندِ سنّت بننے، گناہوں سے نفرت کرنے اور ایمان کی حفاظت کیلئے کُڑھنے کا ذہن بنے گا۔

ہر اسلامی بھائی اپنا یہ ذہن بنائے کہ **"مجھے اپنی اور ساری دنیا کے لوگوں کی اصلاح کی کوشش کرنی ہے۔"** اِنْ شَآءَ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ اپنی اصلاح کی کوشش کے لیے **"مَدَنی انعامات"** پر عمل اور ساری دنیا کے لوگوں کی اصلاح کی کوشش کے لیے **"مَدَنی قافلوں"** میں سفر کرنا ہے۔ اِنْ شَآءَ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ

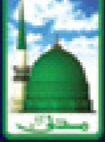

ISBN 978-969-631-351-9
0101916
MC 1286

فیضانِ مدینہ، محلہ سوداگران، پرانی سبزی منڈی، باب المدینہ (کراچی)
UAN: +923 111 25 26 92 Ext: 1284
Web: www.dawateislami.net / Email: ilmia@dawateislami.net